لو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمٰت ربی ولو جئنا بمثلہ مدداً

مواعظ حسنہ

یعنی

مجموعہ مواعظ فصیحہ و بلیغہ حضرت زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین زین المتکلمین فخر المتالہین عالم علوم ربانی۔ کاشف اسرار فرقانی شیخ الاسلام محی الدین سرکار علامہ الشیخ عبد العلی الہروی الطہرانی رفع اللہ درجاتہ فی اعلیٰ علیین

مرتبہ و مؤلفہ

سلالہ دودمان رسول الثقلین عالیجناب علامہ السید محمد سبطین صاحب سرسوی مدظلہ العالی

جس کو

سید محمد اصغر جعفری بی۔ اے مینجر رسالہ البرہان لدھیانہ نے ۱۹۳۹ء میں

باہتمام لالہ کیشب چندر ہانڈہ بی۔ اے مینجنگ پروپرائٹر ہانڈہ الیکٹرک پریس جالندھر شہر چھپوا کر شائع کیا۔

تعداد ۱۰۰۰ بار سوم قیمت ۵ علاوہ محصول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

جزو اوّل

موعظہ اول

موعظہ دوم

موعظہ سوم

موعظہ چہارم

موعظہ پنجم

موعظۂ ششم

موعظۂ ہفتم

موعظۂ ہشتم

موعظۂ نہم

موعظۂ دہم

موعظۂ چہارم

موعظۂ پنجم

موعظۂ ششم

مجلس دوم
متعلق آیۂ نور

مجلس سوم
متعلق آیۂ نور

حصہ چہارم

شیخ الملۃ حجۃ الاسلام سرکار علامہ الشیخ عبد العلی الہروی الطہرانی اعلی اللہ مقامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ والحمد علی جمیل نعمائہ ونشکرہ والشکر علی جزیل آلائہ
المتفرد فی ازلیتہ اللاھوتیہ المتوحد فی ابدیتہ الجبروتیہ ھو المنان بفوائد
النعم وعوائد المزید والقسم مانح کل غنیمۃ وفضل وکاشف کل عظیمۃ
وازل فنؤمن بہ اولاً بادیاً ونستھدیہ قریباً ھادیاً ونستعینہ قادراً قاھراً
ونتوکل علیہ کافیاً ناصراً ونشھد ان لا الہ الا اللہ الھاً واحداً احداً فرداً
صمداً وتراً لم یتخذ صاحبۃ ولا ولداً ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ
ولی من الذل وکبرہ تکبیراً ونصلی ونسلم علی امام الارواح ونور الاشباح مبدع
الانوار ومصدر الآثار اشرف انبیائہ وافضل اولیائہ محمد المحمود عند
اھل ارضہ وسمائہ وعلی عترتہ الطاھرۃ وذریتہ الباھرۃ شموس الولایۃ ونجوم
الھدایۃ وبدور الامامۃ والخلافۃ مفاتیح الرحمۃ ومصابیح الحکمۃ وینابیع
النعمۃ۔ اصول الکرم وقادۃ الامم۔ نوامیس العصر واخیار الدھر۔ سادۃ العباد
وساسۃ البلاد۔ شجرۃ العصمۃ وباب الرحمۃ عناصر الابرار ودعائم الاخیار الائمۃ
الاطھار مبادی الایمان وامناء الرحمٰن الوسائط الرحمانیۃ فی الفیوضات الالھیۃ
والرحمات القدسیۃ اکمل اصفیائہ واکرم خلفائہ لاسیما علی الاصل الاقدم
والجوھر الاتم والفرع الاکرم والاسم الاعظم الرافع للظلم والھادی للامم
والشھید علی العالم۔ النھج القویم والصراط المستقیم۔ القرآن الناطق و
الحق الصادق الامام المظفر والصادق المنتظر محیی السنۃ ومعیت البدأۃ
والی الولایۃ الاحدیۃ وارث الخلافت الالھیۃ والشریعۃ الخاتمیۃ المتقدم
للانبیاء واولاد الانبیاء ووجہ اللہ الذی یتوجہ الیہ الاولیاء مھدی الامۃ واخر الائمۃ المرتجی

لازالۃ الجور والعدوان المبین لاھل الفسوق والعصیان المدخر لتجدید الفرائض والسنن صاحب العصر وقائم الزمن ابی القاسم الحجۃ بن الحسن اشرف امنائہ واخر اولیائہ +

دیباچہ طبع ثالث

برادران ایمانی پر مخفی نہیں ہے کہ اس تاریکی وجہالت کے زمانہ میں جبکہ اسلام کی محض رسم اور قرآن کا نام ہی نام رہ گیا ہے اور ضلالت کا ابر سیاہ ایک عالم پر چھایا ہوا ہے زبدۃ المحققین، عمدۃ المدققین قدوۃ المتکلمین راس المتالھین - سید المتفقھین۔ مجدد العلوم الربانیۃ مفسر الرموز القرانیہ۔ مبین الاسرار الفرقانیہ الحکیم الماھر۔ الحبر الباھر۔ وحید العصر فرید الدھر العالم الربانی والصامل الصمدانی العلامۃ الشیخ عبد العلی ھروی الطہرانی اعلی اللہ مقامہ واسبغ علیہ انعامہ ورفع درجاتہ فی دار کرامتہ۔ جیسے عالم۔ عامل وعارف کامل کا بوجہ حوادث زمان وفتنِ دوران ہندوستان میں تشریف لانا اور پنجاب میں اقامت فرمانا خداوند عالم کے تفضلاتِ خاصہ ونعمات مخصوصہ سے ہے اور اس نعمتِ غیر مترقبہ کی ناشکر گذاری کفرانِ نعمت وعطائے الہی ہے، خوشا حال ان افراد مومنین کا جنہوں نے اس نعمت کا شکر اور اس فیض سے استفادہ کیا اور دونوں جہاں میں سرخرو ہوئے۔

یہ امر بھی معلوم رہے کہ اگرچہ حوادث زمان وحسد حاسدین وعداوتِ مخالفین وعدم استعداد سامعین وآخذین سیلان وجریان بحار علوم سرکار علامہ بحر العلوم کو مانع رہے لیکن پھر بھی اس تھوڑے سے عرصے میں بہت سے اہل ذوق وشوق وعلم دوست حضرات اہل پنجاب آپ کے سامنے زیر منبر زانوئے ادب طے کرنے اور مواعظ بلیغہ فصیحہ سننے سے عالم وواعظ بن گئے معارف دینیہ میں دلائل وبراہین قرآنیہ کی ایک روح پھونکی گئی۔ جو باتیں آجتک بظاہر محض اعتقادی وتقلیدی طور پر مانتے چلے آتے تھے۔ وہ ایسی مبرہن ہوگئیں کہ محسوس نظر آنے لگیں، بہت سے محو شدہ آثار دین ومعالم علم ویقین تازہ ہوگئے۔ عام طور پر قرآن فہمی کا شوق پیدا ہوگیا۔ قرآن کریم کی عظمت دلوں میں جاگزین ہوئی اور یہ حقیقت کہ قرآن تبیان کل شے ہے اور اس میں ہر خشک وتر

کا ذکر ہے مثل روز روشن آشکار ہو گئی۔ بہت سے ملحد و دہریے محض سرکار علامہ کے براہین قاطعہ عقلیہ و دلائل یقینیہ قرآنیہ سنکر معتقد اسلام ہو گئے۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

مگر افسوس ہے کہ عام لوگ یا تو بوجہ بغض و حسد، یا بسبب شقاوت ذاتی اور یا بجہت عوائق و موانع دہریہ اس نعمت سے مستفید و اس فیض سے مستفیض نہ ہوئے اور خواص ہی نے معتدبہ فائدہ اٹھایا۔ "واللہ یختص برحمتہ من یشاء"۔

یہ ظاہر ہے کہ تقریر کا اثر اگرچہ زیادہ ہوتا ہے۔ مگر سامعین ہی تک محدود رہتا ہے اور صرف وہ ہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو ایسے جلسہائے وعظ میں شریک ہوتے رہیں اور وہ بھی صرف چند گھنٹے کے واسطے اور تحریر ایسی چیز ہے جو باوجود مرور ایام و دہور باقی رہتی ہے اور اسکا فیض جاری و ساری

یلوح الخط فی القرطاس دھرا
وکاتبہ رمیم فی التراب

بنابریں بعض مومنین کو خیال ہوا کہ مواعظ سرکار علامہ مرتب ہو کر کتاب کی صورت میں شائع ہوں تاکہ فائدہ عام ہو اور بقاء دوام، اور حاضرین و غائبین خاص و عام سب مستفید ہو سکیں۔ چنانچہ جب انکا اصرار بہت بڑھ گیا تو حقیر ناچیز نے اس کام کو انجام دینے کا عزم کیا مگر اس عزم کو تقویت صرف جناب مکرم محترم مولوی حاجی سید شریف حسین صاحب کھجوی سابق مدرس سنٹرل ماڈل سکول لاہور کی ہمت افزائی اور کوشش سے ہوئی۔ جنہوں نے اثنار وعظ میں یادداشت لکھنے کا ذمہ لیا۔ مجھے خود اثنار وعظ میں نہ لکھنے پڑے۔ اس لئے کہ بعد اختتام وعظ مکان پر جا کر فرصت پانی اور وعظ کو ضبط رکھ کر لکھنا مجھ جیسے کم فرصت کے لئے بہت دشوار تھا خصوصاً ایام عشرہ محرم الحرام میں ایک گھنٹہ فرصت کا ملنا بھی ناممکن تھا۔ ہاں فرصت کے زمانہ میں جبکہ میں ملازم نہ تھا یہ امر مشکل نہ تھا اور بعض مواقع پر ایسا کرتا بھی رہا۔ بلکہ ہفتوں بعد بعض مواعظ لکھے ہیں۔ دلافخرا ور اس واسطے جناب مولوی صاحب موصوف اس امداد میں سب سے پہلے قومی تشکریہ کے مستحق ہیں اور بعد ازاں جناب مولوی معنوی شیخ نبی بخش صاحب پٹیالوی وارد حال مشہد مقدس زید فضلہ جنہوں نے تمام مسودات کو صاف کرنے اور خوشخط لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ اور ان کے بعد وہ مومنین با تمکین جنہوں نے ان کی اشاعت میں مالی امداد میں حصہ لیا۔ فجزاھم اللہ خیراً۔ اس طرح سے عشرہ محرم الحرام سنہ ۳۱ و ۳۲ و ۳۳ ھ کے مواعظ لکھے گئے بعد ازاں احقر مؤلف نے انہیں ترتیب دیا اور چونکہ اثنائے وعظ میں تمام وعظ کا بجنسہ لکھا جانا سوائے شارٹ ہینڈ رائٹر مختصر نویس کے

اور کسیکو ممکن نہیں خصوصاً وہ مواعظ جو غیر زبان دری یعنی فارسی میں ہوں اور وہ وعظ جو اصطلاحات علمیہ و دلائل و براہین فلسفیہ و منطقیہ سے پُر اور جن میں بلا مبالغہ سینکڑوں آیات قرآنی پڑھی جائیں اور استدلال میں لائی جائیں اس لئے اُن کی ترتیب دینے میں جو مشکلیں پیش آئیں۔ اُنکو وہی جان سکتا ہے جس کو یہ کام کرنا پڑے کیونکہ یادداشت اشارات ہوتے ہیں۔ آیات کے شروع سے ایک دو لفظ لکھے جاتے ہیں۔ اور نیز مضامین میں ہمیشہ وہ ترتیب نہیں رہتی جو وعظ میں ہوتی ہے اور خصوصاً تقریب و سوق الدلیل الی المطلوب مضامین کی ترتیب۔ آیات کی تشریح اور انکو ربط دینا اور تقریب کا خیال رکھنا جدید تصنیف سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔

عشرہ محرم الحرام میں ہر سال یوں تو بہت سے مواعظ سرکار علامہ نے بیان فرمائے اور مختلف مضامین و عناوین وقتی و غیر وقتی بحث میں آئے لیکن یہ مواعظ جو "مواعظِ حسنہ" کے نام سے موسوم کر کے بصورت کتاب پیش کئے ہیں صرف وہ ہیں۔ جو بسلسلہ مباحث امامت جناب محترم قوم سید رجب علی شاہ صاحب مرحوم و مغفور کے عزا خانہ واقع موچی دروازہ لاہور میں مسلسل بیان فرمائے اس لئے میرے خیال میں ان مجالس مواعظ کے منعقد کرنے والے ممبران انجمن اخوان الصفا لاہور اور صاحب خانہ بھی ہماری دعا اور شکر کے مستحق ہیں۔

یہ امر بھی مسلم ہے کہ تقریر و تحریر دو حیثیتیں رکھتی ہیں اور تقریر مضامین کا ایک سیلاب متلاطم ہوتا ہے اور کسی ایسی تقریر کو تحریر میں لانے سے اسلوب تقریر ضرور بدل جاتا ہے۔ خصوصاً بصورت ترجمہ کیونکہ ہر ایک زبان کا اسلوب جدا ہوتا ہے۔ خاصکر اردو زبان میں فارسی کے مضامین عالیہ کا ترجمہ کرنے سے جو ابھی مضامین علمیہ کے ضبط سے قاصر و بلحاظ اصطلاحات علمیہ ناقص زبان ہے اصل تقریر کا وہ زور جو فارسی میں ہوتا ہے اردو میں باقی نہیں رہ سکتا اور جو لطف کہ اصل فارسی کے خصوصاً مقرر کی زبان معارف بیان سے سننے میں آتا ہے اُردو میں نہیں آسکتا تاہم اصل کو باقی رکھنے اور ترتیب و تقریب کو قائم رہنے کی بہت کوشش کی گئی ہے اور ترتیب ہی کی غرض سے بعض اور آیات بھی زیادہ کردی گئی ہیں اور بعض اور باتیں جو دیگر مواعظ کے موقع پر سرکار نے فرمائی تھیں یا جو ہم نے مناسب سمجھیں حسب ضرورت بڑھا دی ہیں۔

بعض اقوال علماء اعلام بھی بضرورت تائید مولف نے درج کردئے ہیں اور عبارت کو حتی الامکان بہت ہی آسان کیا گیا ہے۔ اور سرکار علامہ نے اول سے آخر تک ملاحظہ فرما کر اصلاح بھی کردی تھی۔ اس لئے کتاب انشاء اللہ ایک مکمل صورت میں ناظرین کے ہاتھوں میں پہنچی ہے۔

جس سے خاص وعام سب مستفید ہو سکتے ہیں۔ اور ناظرین مواعظ کو اگر بالکل مطابق اصل فارسی نہیں تو قریب باصل ضرور پائیں گے اور ہر ایک وعظ مشتمل برنکاتِ دقیقہ و اشارات لطیفہ وحقائق و معارف مفیدہ اہل ذوق و شوق خصوصاً ذاکرین و واعظین کیلئے باب علوم ثابت ہوگا انشاء اللہ تعالےٰ

ان مواعظ کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ مضامین وعناوین سلسلہ امامت میں ارتقا کو مدنظر رکھا گیا ہے، اول آسان ترین عناوین و بیانات ہیں اور رفتہ رفتہ دقیق ہوتے جاتے ہیں اور اگر اس سلسلہ کے بعد کے مواعظ موجود اور طبع ہوتے تو یقیناً ان کی کچھ اور ہی شان نظر آتی "وما کل ما یتمنی المرء یدرکہ ما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن"۔

نیز یہ کہ بعض بیانات ایک جگہ مجمل ہیں۔ دوسری جگہ یا دوسرے وعظ میں مفصل۔ لہذا ناظرین کرام کتاب کو اخیر تک بغور پڑھے و سمجھے بغیر نکتہ چینی سے کام نہ لیں۔ اور جو بعض مضامین مکرر معلوم ہونگے وہ در اصل مکرر نہیں ہیں۔ ضرور کسی نہ کسی جدید مطلب کو مفید یا موید یا اس کے مفسر یا مذکر ہیں۔ ممکن ہے کہ ناظرین ان مواعظ میں بعض استدلالات و استنباطات یا بعض مضامین ایسے بھی پائینگے جو پہلے نہ سُنے ہوں یا جنکے سننے کے عادی ہیں اس کے خلاف ہوں اور اسلئے انکی طبیعت انکو قبول نہ کرے تو "بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ" کے خلاف انکار یا تکذیب یا اعتراض و ایراد سے پہلے اس مثل پر غور فرمائیں۔ "کم ترک الاولون للاخرین"۔ انشاءاللہ بعد غور و خوض اطمینان حاصل ہوگا۔

گو اندھے مقلد یا غیر معمولی متعصب یا خاص چٹ پٹے مضامین کے عادی یہ کہدیتے تھے یا اب بھی کہدیتے ہوں کہ یہ مضامین کوئی غیر معمولی نہیں لیکن جن کو خداوند عالم نے حق شناسی اور حق گوئی کے زیور سے آراستہ کیا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ شیخ کی زبان حال کہہ رہی ہے۔

وانی وان کنت الاخیر زمانہ

لاٰت بما لم تستطعہ الاوائل

اس کی سطحی بات میں وہ عمق ہے۔ جہاں عقلوں کی رسائی نہیں۔ معمولی استدلالات میں وہ نکات ہیں جہاں دوسرے کی فکر مشکل سے پہنچ سکتی ہے۔ تیس سال قبل تو نہیں لیکن ہاں آج لونڈوں کی زبان پر بھی ایسے مضامین ہیں اور شیخ ابھی زندہ ہوتے تو تعجب نہ تھا کہ لونڈیوں کی زبان پر بھی آجاتے۔

اسی کی یہ معجز بیانی ہے جس نے ہر اک زاغ کو خوش بیاں کر دیا

اور لطف یہ ہے کہ جن باتوں میں مرحوم کی سخت ترین مخالفت کی گئی اور اس پر طرح طرح کے طوفان باندھے گئے۔ وہی باتیں آج عقائد بن رہی ہیں اور ہر ایک نہیں تو اکثر منبروں پر شیخ جلوہ گر دکھائی دیتا ہے جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔

زندہ است نامِ فرخ عبد العلی العلم   گرچہ بسے گذشت کہ عبد العلی نماند

جن بابصیرت اصحاب کے سامنے پنجاب خصوصاً مومنین پنجاب کی تیس سالہ تاریخ یعنی تاریخ دیانت ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ احساس دینداری معلومات مذہبی او نشو و نمائے دینی کے اعتبار سے ان تیس سال میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا ہے اور وہ کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہیں۔ بلکہ یہاں تک ترقی کی ہے کہ اب دوسرے صوبے پنجاب کو رشک آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اتنا حسن ظن اس معاملہ میں رکھتے ہیں جسکے در اصل اہل پنجاب مستحق نہیں ہیں لیکن فی الحقیقت دیگر صوبوں کا یہ حسن ظن کوئی معنی رکھتا ہے اور وہ یہی اہل پنجاب کی امور دینی اور تبلیغ و اشاعت دین میں غیر معمولی ترقی ہے کہ آج معمولی زمیندار تک بھی معقول معلومات مذہبی کا ایک معتدبہ ذخیرہ اپنے سینوں میں رکھتے ہیں سطحی قابلیت کے اشخاص اچھے اچھے باسواد مخالفین کو نیچا دکھا دیتے ہیں۔ باسواد مومنین علماء کاملین کی شان دکھاتے ہیں اور وہ تقریریں کرتے ہیں کہ سننے والے دنگ رہجاتے ہیں، اہل علم کا رنگ بدل گیا ہے اور ان کی تقریرات اور تحریرات کو چار چاند لگ گئے ہیں، اودھ شیعوں کا دینی مرکز ہے۔ اور سینکڑوں ذی علم اور باکمال وہاں موجود ہیں۔ مگر پنجاب جو جہالت میں ضرب المثل تھا اس کے فرزند صوبجات متحدہ، اودھ، بہار میں جاکر کامیاب تقریریں کرتے ہیں۔

مادرزاد اور اتفاقی مجتہد علامہ بن گئے ہیں۔ ہدایت النحو تک کے تعلیم یافتہ باہمت طالبعلم فلسفیانہ مضامین کے مصنف کہلاتے ہیں اور ان کی تقریروں میں میر داماد اور ملا صدرا کا رنگ جھلکتا ہے گو اکثر جگہ "کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا" کی مثال صادق آتی ہے اور صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ بھونڈے پن سے کسی کی نقل کی جارہی ہے۔ تاہم اُن کی ہمت اور جرأت مستحق آفرین ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اہل بٹالہ، جگراؤں، پٹیالہ، لاہور اور ملتان جیسے خاص خاص مقامات کے سوا اہل پنجاب عالم کی صورت تو کیا عالم کے نام سے واقف نہ تھے اب معمولی اہل قریہ علماء کاملین کے مواعظ سے مستفید ہوتے ہیں تیس سال قبل شاید شیعیان پنجاب میں کسی مذہبی انجمن کا نام بھی نہ تھا۔ آج سینکڑوں کی تعداد میں مذہبی انجمنیں بلکہ کانفرنسیں کام

کر رہی ہیں اور ان کے عظیم الشان سالانہ جلسے منعقد ہوتے ہیں۔ جہاں اہل علم کی کثیر جماعت اکھٹی ہوتی ہے۔

صرف یہی نہیں کہ یہاں علماء کبریت احمر کا حکم رکھتے تھے بلکہ عام پبلک کی یہ حالت تھی کہ علماء کے وعظ سے نفرت کرتے تھے۔ اگر کبھی کسی عالم کی زبان سے "اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم" سن پاتے تھے تو اعوذ باللہ کہتے ہوئے کوسوں بھاگتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا کوئی ذاکر ہی نہیں رہا "یہ قل اعوذیہ" کہاں سے بٹھا دیا؟ آج وہی لوگ اہل علم کا وعظ سننے کے فریفتہ نظر آتے ہیں۔ بلکہ انکو اب سوائے وعظ کے اور کسی چیز میں لطف ہی نہیں آتا۔

اشاعت مذہب میں سینکڑوں رسائل اور کتب پنجاب سے شائع ہوتی ہیں جو ملک کے اہل علم کی نظر میں خاص وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔

کئی اخبار اور رسالے جاری ہوئے اور ہو رہے ہیں جو خاص شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ دیگر اہل پنجاب مومنین پر ہمیشہ اعتراض اور طعن کیا کرتے تھے کہ تم میں نہ کوئی عالم ہے نہ کوئی قرآن کو جانتا ہے نہ تمہارے یہاں علمی کتب ہیں تم سوائے پیٹنے اور گالیاں دینے کے اور کچھ جانتے ہی نہیں۔ اب یہ اعتراضات خود بخود رفع ہو گئے بلکہ بعض منصف مزاج برادران اسلام تو بعض اوقات کہہ اٹھتے ہیں۔ کہ "اگر علم ہے تو انہیں میں ہے" اور اس کا ہمیں ذاتی تجربہ ہے۔

غرض اس تیس بتیس سال میں (یعنی ۱۹۰۵ء سے ۱۹۳۷ء تک کے عرصہ میں) پنجاب کی زمین و آسمان بدلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس انقلاب کا کوئی سبب اور کوئی موجب ضرور ہے۔ ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ زمانے کا اقتضاء ہے اور چونکہ تمام ممالک اور کل اقوام میں علمی اور مذہبی ترقی ہو رہی ہے اور ہر طرف ہی چہل پہل نظر آتی ہے۔ اس لئے پنجاب میں بھی ہونا تھا جہاں نئی نئی قوتیں قائم ہو کر نئی تحریک مذہبی کا موجب ہو رہی ہیں۔ یہ صرف اس زمانہ کا اثر ہے۔ ہم اسکو تسلیم کرتے ہیں۔ ضرور ایسا ہی ہے۔ یا ہو سکتا ہے لیکن "ابی اللہ ان یجری الاشیاء الا بالاسباب" دنیا عالم اسباب ہے اور کوئی شے بغیر سبب یہاں ظاہر نہیں ہوتی۔ لہذا ضروری ہے کہ زمانے کا یہ اثر کسی خاص مبارک ہاتھ پر ظاہر ہوا ہو اور قدرت نے اس ترقی اور اسکی تحریک کیلئے کسی خاص ہستی کو چنا ہوا اور یہ سعادت اس کے حصے میں آئی ہو۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔

ہر یکے را بہر کارے ساختند

اس لئے جملہ اہلِ پنجاب خصوصاً بابصیرت اور انصاف پسند مومنین بالمکین اس کا یہی جواب دینگے کہ شیعیان پنجاب میں اس چہل پہل، اس ترقی دینی، اس تحریک، اس اشاعت و تبلیغ کا مبدار اور مبتدا اور مرکز و معدن رئیس المحققین، تاج المفسرین، فخر المتاہلین، سرکار شریعت مدار علامہ شیخ الاسلام شیخ عبد العلی ہروی الطہرانی اعلی اللہ مقامہ کی ذات بابرکات ہی تھی۔ جس کو حوادث زمانہ نے طہرانی قصروں سے نکالکر پنجاب کے جنگلوں میں لا بٹھایا اس کی معجز بیانی اور دفتر البرہان کی شائع کردہ جدید محققانہ تالیفات اور تصنیفات خصوصاً مواعظ حسنہ، کشف الاسرار، خلافت الہیہ، الصراط السوی، مصحف ناطق، پیغام توحید وغیرہ اور رسالہ البرہان اس عظیم انقلاب کا موجب ہیں اور یہ وہ حقیقت ہے جسکا سوائے دشمن ایمان حاسد کے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا اور حاسد بھی زبان سے انکار کر سکتا ہے مگر دل اس کا بھی تصدیق کریگا کہ یہ بالکل حق و صدق ہے۔ یہ واقعہ ہے حقیقت ہے اور اسی لئے یہ عرض کیا گیا نہ بطور فخر و مباہات کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ خدمت دین بغیر توفیق ربانی ناممکن ہے یہ سب کچھ اسی کی عنایت خاصہ ہے۔ یہ ہمارا احسان نہیں بلکہ اس ذات پاک کا ہم پر احسان عظیم ہے کہ اس نے اپنے دین کی خدمت کیلئے ہمیں چنا ؎

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمے کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت گذاشتت

یمنون علیک ان اسلموا قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھدٰکم للایمان ان کنتم صٰدقین (الحجرات پ ۲۶ ع ۱۳) بلا شک و شبہ اسی نے شیعیان پنجاب میں دین و مذہب کی ایک تازہ روح پھونکی، اسی نے ان مردوں کو زندہ دلان پنجاب میں شامل کیا۔ شیخ کیا آیا گویا مومنین پنجاب کے گلشن دین و ایمان میں تازہ بہار آئی، نئے سے نئے پھول کھلے جن کی روح افزا مہک سے نہ اپنوں بلکہ غیروں تک کے دماغ معطر ہو گئے۔

ان مواعظ حسنہ کی اشاعت کو تقریباً چوبیس سال ہو چکے ہیں اور آج کم و بیش ہر ایک مقرر کی تقریر میں اسکا حسن خاص نمایاں نظر آتا ہے اور ان میں وہ نکات وہ اصطلاحات اور وہ خصوصیات ظاہر ہیں جو انہی کتب و رسائل سے مخصوص ہیں مقررین میں سے بہت کم حضرات ایسے ہونگے جنہوں نے ان مواعظ اور کتب مذکورہ سے استفادہ نہ کیا ہو۔ اسی نوے فیصدی مقررین کی زبان میں مؤلف کا قلم اور شیخ کی زبان گویا ہے۔

مگر یہ حضرات تین قسم کے ہیں ایک تو وہ لوگ ہیں جو سرکار علامہ اعلیٰ اللہ مقامہٗ کی زندگی میں
ان کے دشمن تھے اور آتش حسد میں جلتے رہے اور جہاں تک ہوا اس سلسلہ اشاعت و تبلیغ دین
کے قطع کرنے میں بدل و جان کوشاں رہے اور ان ہی کی وجہ سے بہت سے اہل ہند اس فیض سے
محروم رہے اور مرحوم بھی جو خدمت دین کرنی چاہتے تھے۔ ان موانع و عوائق کی وجہ سے نہ کر سکے
اور دل ہی دل میں اس کی حسرت لے گئے۔ بلکہ خود اہل پنجاب بھی جیسا کہ چاہئے تھا اس چشمہ علوم
سے فیضیاب نہیں ہوئے اور اس کا حال ہم کسی قدر بسط سے علامہ قدس سرہٗ کی سوانح میں لکھینگے۔
ان میں سے بعض حضرات ان کتب سے استفادہ فرماتے ہیں۔ اور پھر آجتک اس معدن علم کو برا
بھی کہتے ہیں۔ کاش یہ حضرات اچھا نہ کہتے تو کم از کم برا بھی نہ کہتے۔

مرا بخیر تو امید نیست شر مرساں

انہی میں ایسے افراد بھی ہیں جو باوجود تین جماعت تک اردو پڑھنے اور عربی فارسی
سے قطعاً نابلد ہونے کے محض انہی مواعظ کو حفظ کر کے کامیاب تقریریں کرتے ہیں لیکن مواعظ
حسنہ کے ذکر پر کہتے ہیں کہ اس میں کچھ بھی نہیں ہے اور مولف نے انہیں اور خراب کر دیا ہے
یہ ناشکرگذار بلکہ ناخلف اس کمینہ پرور دور کے برساتی مینڈک ہیں جو شرعی سینماؤں اور تھیٹروں
میں رقص منبری کی مشق رکھتے ہیں۔ خدا توفیق خیر دے۔ آمین۔

دوسرے وہ حضرات ہیں جو استفادہ کرتے ہیں اور ان جواہر ریزوں کو چنتے ہیں اور
ان سے اپنی تقریرات اور تحریرات کو مزین کرتے ہیں۔ مگر پوشیدہ۔ اور اس اظہار کو گوارا نہیں کرتے
کہ یہ کس کان کے گوہر اور کس سمندر کے موتی ہیں کیونکہ وہ اس اظہار حقیقت کو اپنی مصنوعی شان
کے خلاف سمجھتے ہیں اور من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ کی تہدید کی پرواہ نہیں کرتے۔
اخذتہم العزۃ بالاثم۔ یہ طفیلی عزت ان کے اس ارتکاب جرم کی موجب ہے۔

تیسرے وہ نفوس ہیں جو قولاً و فعلاً مرحوم کے شکرگذار ہیں اور کارکنان دفتر البرہان کو اپنا
حقیقی محسن جانتے ہیں اور کلمہ خیر کہتے اور اظہار حق میں شرم نہیں کرتے اسکو وہ بے عزتی نہیں
سمجھتے۔ بلکہ عین عزت خیال کرتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے۔ ایک دیندار اہل علم کے لئے
اس سے بڑھکر کیا شرف ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی مقدس اور عالم کامل ہستی کی نسبت تلمذ و استفادہ
سے منسوب ہو۔ ہمارے لئے تو اس سے بڑھکر کوئی شرف نہیں کہ شیخ "ارشد تلامذہٗ" کے مبارک
لفظ سے یاد کرتا تھا لیکن ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

توفیق شکر بھی حسب استعداد قابلیت اسی مبدء فیض و معلم حقیقی کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ "ولئن شکرتم لازیدنکم"۔

ایسے ہی نفوس اور ان کے اصرار کی بنا پر آج ہم پھر ان مواعظ کو بعد نظر ثانی و اضافہ تیسری مرتبہ طبع کرانے پر مجبور ہیں کیونکہ اس کے نسخے چند سال سے قطعاً نایاب ہیں اور خواص مومنین کے دستِ شوق بنا بر اس طرف بڑھ رہے ہیں اور وہ ایک ایک نسخہ دس دس روپیہ میں خریدنے کو تیار ہیں اور جن کے پاس ہیں وہ اس کو اپنے سے جدا کرنا گوارا نہیں کرتے ان جواہر قرآنی کا دس دس دفعہ مطالعہ کر چکے ہیں اور پھر سیر نہیں ہوتے۔

ورنہ ہمارا حوصلہ پست ہو چکا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ہم نے اس کے اور حصص شائع کرنے کی جرأت نہیں کی ورنہ ایک دو حصے اسی سلسلۂ مواعظ میں اور تیار ہو سکتے تھے۔

خصوصاً اس لئے بھی جرأت نہیں ہوتی اور اب بھی اکثر طبیعت متردد ہو جاتی ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں ان مواعظ سے دین اسلام و مذہب حق کو غیر معمولی فائدہ پہنچا ہے وہاں ایک حد تک نقصان بھی پہنچا ہے اور وہ یہ کہ ست کے ہاتھ میں تلوار آگئی ہے یعنی وہ لوگ جو اس کے اہل نہیں ہیں اور اتنی استعداد نہیں رکھتے ہیں کہ ان مطالب علمیہ و فلسفیہ اور معارف الٰہیہ کو اپنے الفاظ میں ڈھال کر اپنی تقریر میں اُنکا حق ادا کر سکیں۔ مگر وہ ایسا کرتے ہیں اور لقد افسد اکثر مما اصلح کا مصداق بنکر نہ صرف ان مضامین کو خراب کرتے بلکہ دین اور اہل دین پر بھی ظلم کرتے ہیں۔ کیونکہ الفاظ بدل لئے اور آسان ہو جانے سے علم نہیں بدل جاتا۔ مضامین علمیہ کے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے یقیناً علم کی ضرورت ہے۔ جاہل اگر کسی مسئلہ شرعیہ کو بیان کرے تو شریعت کو تباہ اور اہل دیانت کو ہلاک کریگا۔ اور اسی وجہ سے نیم ملا خطرۂ ایمان سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح جیسا ان مطالب کلامیہ کو جو ملا صدرا، میر داماد اور محقق طوسی کی زبان پر سجتے ہیں۔ پنجاب کا ایک تین جماعتوں تک اردو پڑھا ہوا ذاکر بیان کرے تو کیا ہوگا۔

گر ہمیں مکتب است و ایں مُلّا
کارِ طفلاں تمام خواہد شد

کا مصداق ہوگا۔

ایسا ہوتا ہے اور ہم نے اپنے کانوں سے سنا ہے اور ہمیں ایک مکرم دوست پنجابی ذاکر کا یہ مقولہ نہیں بھولتا کہ "آپ یا تو رسالہ بند کر دیں یا عربی میں چھاپا کریں ورنہ ہمارے علاقہ کے کل پنجابی ذاکر مجتہد بن جائیں گے"۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں۔ اگر ہم ان معارف الہیٰ اور ان مطالب عالیہ کو ذرا اور وضاحت سے بیان کر دیں اور جو نہیں بیان کیا ہے وہ بھی بیان کر دیں تو بقول خود سرکار مرحوم اکثر لوگ ان مضامین کو لیکر دعوئے نبوت کریں بلکہ نبوت تو پنجاب میں اب عام ہو چکی ہے اور اس دعوے کی اب کوئی زیادہ وقعت نہیں رہی ہے۔ شاید بعض لوگ دعوئے الوہیت کر بیٹھیں اور اہل پنجاب کی زندہ دلی، ہمت، جرأت اور جفاکشی سے یہ کچھ بعید نہیں ہے۔

جو کتاب طبع کی جاتی ہے وہ اسی لئے ہے کہ لوگ اس سے مستفید ہوں اور اگر وہ ایسا کریں تو یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے مقصود یہ ہے کہ ہر ایک شخص کو چاہئے کہ اپنی حیثیت سے آگے قدم نہ رکھے اور اپنی بساط سے نہ بڑھے۔ وہی مضمون بیان کرے جس کو وہ خوب سمجھتا ہو اور جس پہ وہ ہر طرح سے حاوی ہو۔ جس کے ہر پہلو پر بحث کر سکتا ہو۔ ورنہ بہت ممکن ہے کہ بجائے حق ناحق کی اشاعت کا مرتکب ہو اعاذنا اللہ من ذالک۔

اہل پنجاب اس میں شک نہیں کہ اس معاملہ میں بہت جری ہوتے ہیں اور تحصیل علم کے طریقہ سے اکثر ناواقف ہیں۔ وہ نہیں جانتے یا جانتے ہیں تو اس کی محنت کو گوارا نہیں کرتے۔

اخی لاتنال العلم الابستۃ ۔۔۔ سأنبیک عن تفصیلھا ببیان

ذکاء وحرص واجتھاد وبلغۃ ۔۔۔ وارشاد استاذ وطول زمان

یعنی تحصیل علم کیلئے چھ چیزوں کی ضرورت ہے۔ ذکاء [۱] ذہنی، حرص [۲] تحصیل علم، اجتہاد [۳] اور کوشش قوت [۴] لایموت، استاد [۵] کی ہدایت اور زمانہ [۶] دراز۔

یا وہ جانتے ہیں مگر وہ خیال کرتے ہیں کہ جب بلا محنت ومشقت بلا پڑھے لکھے آدمی علامہ حجۃ الاسلام، آیۃ اللہ بن سکتا ہے اور جہاں عالم تشیع میں بارہ سو سال میں ایک شخص علامہ کے لقب سے ملقب ہوا وہاں آج گھر گھر علامہ نظر آتے ہیں۔ مدرسوں میں پڑھنے والے دفتروں میں کلرکی کرنے والے۔ منبروں پہ اچھل کود کرنے والے سب علامہ ہیں تو پھر محنت ومشقت تحصیل علم میں برداشت کرنا خلاف عقل اور اصول اقتصاد کے بالکل منافی ہے۔ اگر ایک سال میں آدمی

بغیر لکھے پڑھے صرف مضامین فیر مفاکر کے عالم ہو سکے تو پھر اپنی عمر کے بیس یا پچیس سال کیوں ضائع کرے اور اپنی صحت اور روپیہ کیوں برباد کرے۔

اس واسطے ہم نے دیکھا ہے کہ صرف میزان و منشعب تک پڑھے ہوئے لڑکے اچھے خاصے ملا بنے ہوئے ہیں۔ ڈو کتابیں اُردو فارسی کی پڑھ لیتے ہیں اور گاؤں میں نکل جاتے ہیں اور "علما" بن جاتے ہیں اور اگر کوئی ان کی تعظیم نہ کرے تو لڑتے ہیں اور یہ سب واقعات ہمارے تجربہ میں ہیں۔

خدمت دین سے بہتر کیا چیز ہے۔ اگر یہ حضرات کچھ وقت تحصیل علم میں بھی صرف کریں تو کیا اچھا ہو اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم سے کم جو بات نہ جانتے ہوں یا کتاب سے سمجھ میں نہ آئے اس کو ضرور کسی جاننے والے سے پوچھ لیا کریں۔ ایسا کرنے سے ان کے علم میں بھی اضافہ ہوگا اور غلط بیانی کے خطرے سے بھی محفوظ رہینگے اور صحیح معنی میں خدمت دین بجا لاسکینگے۔

واقعاً تحصیل علم لوہے کے چنے چبانا اور آنکھوں کا تیل نکالنا ہے جنہوں نے تحصیل کی مصیبتیں اُٹھائی ہیں وہی اس کی حقیقت کو جان سکتے ہیں۔

کوچۂ عشق کی راہیں کوئی ہم سے پوچھے
خضر کیا جانیں غریب اگلے زمانے والے

تحصیل اُردو فارسی و عربی میں پورے بیس سال اساتذہ کی خدمت میں گذرے اور سولہ سال سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ کی خدمت کی اور استفادہ و استفاضہ کیا۔ اس عرصہ میں صحرا نوردی و کوہ پیمائی اور کوچہ گردی سب ہی کچھ کی۔ ۳۶ سال ماحول علمی پروفیسری میں گذارے۔ پھر بھی "من آنم کہ من دانم"۔ "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا"۔ العلم نور یقذفہ اللہ فی قلب من یشاء"۔ "وانی لھم ذالک"۔

خوشحال ان طلبہ کا جو تحصیل علم میں اپنی اوقات عزیز صرف کرتے ہیں اور محض خوشنودی خدا کے لئے علم دین کو حاصل کرتے ہیں"۔ وانما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔

اگرچہ ان کتب کی ایک خصوصیت خاص ہے جو شاید دوسری کتب میں نہ ہو یا بہت کم ہو وہ یہ کہ ان کو پڑھکر معمولی قابلیت کا انسان جس میں بولنے کی استعداد ہو اچھا واعظ بن جاتا ہے۔ خواہ کوئی اور کتاب دیکھے یا نہ دیکھے چنانچہ یہ بالکل مشاہدا اور محسوس ہے۔ اور

بہت سی زندہ ہستیاں اس کی گواہ ہیں اور سب کا یہ نتیجہ ہے کہ جو ہم نے اوپر عرض کیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کتب کا مقصد ہی تعلیم دینا اور سکھانا ہے اور ہر ممکن طریقے اور طرز و اسلوب سے مطالب کو عام فہم بنانے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور ہر ایک مضمون اور ہر ایک استدلال میں ترتیب اور ارتقا کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بلکہ اکثر مضامین ایسے بھی ہیں کہ جن کو بلاکم وکاست بجنسہ لفظ بلفظ پڑھا اور بیان کیا جا سکتا ہے اور ایسا کیا جاتا ہے۔ تاہم ہر مضمون کو ہر ایک شخص اپنے اپنے علم و فہم کے موافق و مطابق ہی سمجھیگا۔ سب یکسان اور مساوی طور پر اس کو اخذ نہیں کر سکتے جس طرح ایک عالم فارغ التحصیل ان کو سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح ایک عامی یا دو چار جماعتیں پڑھا ہوا کیونکر سمجھ سکتا ہے۔

لہذا یہ کتب اہلِ ایمان کے لئے درس کا کام دینگی۔ بشرطیکہ کچھ محنت تحصیل برداشت کی جائے اور اصول استفادہ کو ملحوظ رکھا جائے اور ایسا کرنے سے یہ حضرات حقیقی معنی میں واعظ و مبلغ بن جائیں گے۔ خدا توفیق عنایت فرمائے کہ تحصیل کی طرف متوجہ ہوں اور محض تیر تکے پر کام نہ چلائیں۔ علمِ دین کو نجات آخرت کا ذریعہ بنائیں نہ کہ تحصیل حطام دُنیویہ کا۔ شہرت اور نام و نمود کے لئے خدا کو نہ بھولیں۔ شہرت سے صرف مال و دنیا میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ ثواب آخرت میں زیادتی ناممکن ہے۔ رب اھد قومی انھم لایعلمون اکثر لوگ خوف خدا اور لوگوں سے حیا نہیں رکھتے۔ یہ مواعظ یا ہماری دیگر کتب علمیہ کے مضامین کو بیان کرتے ہیں تو آیات اور احادیث اور اقتباسات عربی کو بھی ضرور پڑھتے ہیں بلکہ ان میں عربی سے جاہل بلکہ حقیقۃً اردو سے بھی جاہل منبر یا کرسی پر بیٹھکر عربی خطبہ بھی ضرور پڑھتے ہیں۔ جس میں ہزاروں غلطیاں کرتے ہیں اور مجمع سے ذرا نہیں شرماتے ایسے حضرات کو اس عمل سے اجتناب لازم ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں بہ نسبت ثواب عذاب زیادہ ہوتا ہے اور خدا و رسول اور ائمہ ہدیٰ کی توہین و تذلیل۔ کیا اچھا ہو کہ وہ اپنی بساط سے باہر قدم نہ رکھیں۔ اور چادر سے زیادہ پیر نہ پھیلائیں۔ اگر عربی خوانی ہی کا شوق ہے تو اسے علماء سے حاصل کریں۔ اس طبع ثالث میں ہم نے جملہ مطالب کتاب پر مثل طبع ثانی ایک نظر ڈال لی ہے بعض الفاظ اور فقرات جو مبہم تھے انھیں واضح کر دیا ہے جو مشتبہ تھے ان کو ان سے بہتر الفاظ میں بدل دیا ہے بعض مقامات پر تائیدی آیات، احادیث روایات اور اقوال و تحقیقات

علماؤ حکمار کا اضافہ کر دیا بعض جگہ کسی حدیث یا روایت کا صرف ترجمہ تھا۔ اس کی اصل عبارت
نقل کر دی ہے اور بعض مقامات میں آیات کا ترجمہ نہ تھا وہ بڑھا دیا گیا ہے۔ جو طباعت
کی غلطیاں رہ گئی تھیں وہ حتی الامکان درست کر دی گئیں۔ اگر کاتب اور مصحح نے بھی ان کو
درست رکھا۔ آخر میں چند خاص مواعظ کا جو اضافہ طبع ثانی میں کیا گیا تھا اور ایک مضمون تحریری
سرکار علامہ مرحوم اعلی اللہ مقامہ کا عربی میں بعینہ خاص اہل علم کی خاطر اضافہ کر دیا گیا تھا اور
وہ اس طرح مواعظ و مضامین کا تیسرا حصہ بنگیا تھا بدستور رکھا ہے اور ان پر بعض باتوں کا مزید اضافہ
اور اس لئے اب یہ کتاب ان حیثیات سے پھر بالکل نئی ہوگئی ہے اور ساتھ ہی سرکار علامہ مرحوم
کی سوانحعمری میں بھی بعض واقعات متاخرہ کو شامل کر دیا گیا خصوصاً حالات دفن و روانگی
تابوت بنجف اشرف۔ شامل کر دی گئی ہے۔ اور اسی طرح مرحوم کی شبیہ بھی سرورق کے ساتھ
چسپاں ہے۔ وما التوفیق الا باللہ۔

اب ہم اس دیباچہ طبع ثالث کو ختم کرتے ہیں اور ناظرین کرام سے یہ امید کہ بوقت
مطالعہ و استفادہ سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ کو دعائے خیر سے فراموش نہ فرمائیں اور ان
کے ساتھ اس ناچیز کو بھی یاد رکھیں۔

ہر کہ خواند دعا طمع دارم
زانکہ من بندۂ گنہگارم

الاحقر المذنب المسمیٰ السید محمد سبطین
السرسوی عفی عنہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واقعات و سوانح

حضرت سرکار شریعتمدار رئیس العلماء الاعلام حجۃ الاسلام الشیخ عبد العلی الہروی الطہرانی قدس سرہ العزیز

مصنف کی معرفت اور اسکی عظمت تصنیف کی عظمت و وقعت کو عام و خاص کی نظروں میں دوبالا کر دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ مہذب اور ترقی یافتہ اقوام میں کسی مصنف کی تصنیف کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی مجملاً یا مفصلاً ضرور طبع کیا جاتا ہے اور اس طرح سے مصنف کی مساعی جمیلہ کا قوم کی طرف سے عملاً شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

بنا بریں یہ مناسب اور موزون خیال کیا گیا ہے کہ ہم بھی سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ کے ان "مواعظ حسنہ" کے ساتھ ان کی مختصر سوانح عمری درج کریں۔ اور یہ مرحوم کے بقائے نام کی ایک بہترین صورت ہو گی مخلصین ان حالات کو پڑھکر خوش ہونگے اور مرحوم کی یاد تازہ ہوتی رہے گی۔ اور دشمن آتش حسد سے جلتے رہینگے۔

لیکن افسوس ہے کہ بعض وجوہات سے مرحوم کی گراں بہا زندگی کے مفصل حالات ہمیں معلوم نہ ہو سکے۔

اول تو اس لئے کہ سرکار علامہ کے مخلصین پر کچھ ایسا غفلت کا پردہ پڑا رہا۔ خصوصاً اس ناچیز پر کہ گویا اس حقیقت ہی کو بھولے ہوئے تھے کہ علامہ کو ایک دن ہم سے جدا ہونا ہے۔ کچھ ایسا تصور بندھا ہوا تھا کہ علامہ ہمیشہ ہی ہمارے ساتھ اور ہمارے پاس رہیں گے۔ اس لئے بہت سی باتیں جو پوچھنی تھیں نہ پوچھ سکے۔ بلکہ بہت سی خاص چیزیں جو لینی تھیں اور جواب کسی دوسری جگہ سے نہیں مل سکتیں نہیں لے سکے۔

دوسرے چونکہ سرکار علامہ قدس سرہ کی مقدس زندگی کا وہ دور جس میں ان کے کمال کی شہرت کا آفتاب طالع ہوا تھا۔ چند سال ہی کے بعد سیر سفر سے بدل گیا اور اس واسطے ان کے خاص ایرانی احباب بھی مرحوم کے تفصیلی حالات سے مطلع نہ ہو سکے۔ چہ جائے کہ دیگر اہل ملک۔

تقریباً چونتیس ۳۴ پینتیس ۳۵ سال کے ہونگے طہران پہنچے۔ ناصر الدین شاہ قاچار کی نظر چڑھے اور غالباً اپنی عمر کے چالیسویں سال میں طہران بلکہ ایران کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہنا پڑا اور باقی تمام عمر پردیس میں گذر گئی۔ اور اسی وجہ سے خود اُن کی اولاد بھی ان کے پورے حالات سے واقف نہ ہو سکی۔ کیونکہ وہ ابھی بچے ہی تھے کہ باپ کے سایۂ تربیت سے جدا ہو گئے۔ چنانچہ شیخ نصر اللہ مرحوم فرزند ارجمند سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ سے دریافت کیا تو یہی جواب ملا کہ ہمیں وہ دن ہی نصیب نہ ہوا کہ مرحوم کے حالات سے آشنا ہوں۔ بنا بر علی ہذا یہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ہے جو کبھی کبھی کسی واقعہ کے ذکر میں ضمناً خود سرکار علامہ کی زبان سے نکل گیا ہے اور ہمارے ذہنوں میں محفوظ رہا ہے یا جو کچھ جستہ جستہ کسی ایرانی واقف سے معلوم ہو گیا ہے۔ اسیقدر اشارات کافی ہیں اور انہی سے ناظرین سوانح عمری کے نتائج پر پہنچ سکتے ہیں۔

دانہ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہمکو
آئے ہے جز میں نظر کل کا تماشا ہمکو

ولادت باسعادت وابتدائی تربیت

سرکار علامہ شیخ عبد العلی ہروی الطہرانی بن حاجی شیخ احمد مرحوم بن شیخ ابراہیم خاص شہر ہرات (افغانستان) کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد ماجد شیخ احمد نے علاقہ مشہد مقدس میں کچھ زمین حاصل کر لی تھی اور اکثر وہاں رہائش رکھتے تھے۔ شیخ احمد مرحوم کا ایک بیٹا تھا جو نہایت درجہ شیخ کو محبوب تھا۔ بقضائے الٰہی اس کا انتقال ہو گیا اور شیخ مرحوم کو سخت صدمہ پہنچا۔ کچھ عرصہ بعد شیخ نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا۔ حج سے مشرف ہوئے اور تحت المیزاب دعا کی کہ خداوندا مجھے ایک فرزند عطا فرما۔ جو میرا خلف صالح ہو اور اس سے میرا یہ غم غلط ہو اور اس صدمہ کی تلافی ہو حج سے واپس آکر ایک عقد کیا اور اس معظمہ سے شیخ عبد العلی ہروی الطہرانی اعلی اللہ مقامہ

متولد ہوئے اور وہ اس سے کہیں بڑھکر نکلے جیسا کہ شیخ احمد مرحوم کی خواہش تھی۔
صحیح تاریخ ولادت معلوم نہیں لیکن شیخ مرحوم نے چونسٹھ سال کی عمر میں ۱۳۴۱ھ میں انتقال فرمایا اور اس لئے صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ ۱۲۷۷ہجری میں ولادت ہوئی ہوگی۔

ابتدائی تعلیم علامہ اعلی اللہ مقامہ نے اپنے والد مرحوم سے ہی پائی تھی۔ کمال ذہانت کے ساتھ طبیعت میں ظرافت و خوش طبعی بھی تھی۔ چھوٹی سی ہی عمر میں والد مرحوم کے وعظ میں شریک ہوتے اور کہیں کہیں ٹوک دیتے اور بحث کرنے لگتے۔ ملا مرحوم آپ کو دھمکاتے تو فرماتے کہ دھمکانے سے مسئلہ تو حل نہیں ہوا وہ تو اپنی جگہ رہا۔ غالباً دس سال کی عمر ہوگی کہ ماہ مبارک رمضان میں ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ملا احمد مرحوم گھر نہ تھے اور ان کی عادت یہ تھی کہ دعائے ابوحمزہ ثمالی ہر شب وقت سحر پڑھتے تھے اور علامہ کی والدہ کو بھی پڑھایا کرتے تھے اس شب وہ دعا نہ پڑھ سکیں یہ جاگ رہے تھے۔ کہنے لگے کہ میں پڑھائے دیتا ہوں۔ کہا تو کیسے پڑھا سکتا ہے۔ کہا مجھے یاد ہوگئی ہے والد سے سنتے سنتے حفظ ہوگئی ہے اور حفظ دعائے ابوحمزہ ثمالی پڑھادی۔ جب شیخ مرحوم واپس آئے تو یہ حال معلوم ہوا۔ سجدۂ شکر ادا کیا کہ الحمد اللہ کہ یہ وہی بچہ ہے جس کیلئے میں نے تحت المیزاب کعبہ میں دعا کی تھی۔

جہاں تک ہمیں یاد ہے۔ امیر عبدالرحمان خاں والی افغانستان مرحوم کے سن زمانہ تک جس میں بہت سے شیعہ شہید اور جلاوطن ہوتے تھے۔ جس کا باعث صرف جند اللہ (طلبہ) اور دنیا طلب ملا تھے جو رفض کا الزام لگاکر ان کے قتل کے فتوے دیتے تھے اور خود جند اللہ حملہ آور ہوتے تھے اور یہ طوفان ہرات میں حد سے تجاوز کر گیا تھا۔ بے گناہ شیعوں سے مقبرے پر ہو گئے تھے اور اسی سلسلہ میں مرحوم کے مکان پر بھی حملہ کیا گیا تھا اور اسی حملہ میں ان کی لڑکی جس کا سن تقریباً چھ سات سال کا تھا شہید ہوگئی تھی۔ جس کا علامہ کو سخت صدمہ تھا۔

اور گورنر ہرات (سعد اللہ خان جہاں تک ہمیں یاد ہے) شیخ اور ان کے خاندان سے واقف تھے اس لئے ان کو زیادہ تکلیف نہ پہنچ سکی اور اسی واقعہ پر خاتمہ ہوگیا اور اسی گورنر نے ملاؤں کی زیادتی کی امیر موصوف سے شکایت کی اور اس کا انتظام کیا گیا۔

ان کی سکونت ہرات ہی میں تھی مگر اسی طوفان کے بعد ان کو ہرات کو بالکل چھوڑنا پڑا اور اس کے بعد ہرات کی جائداد بھی ضبط ہوگئی۔ جس کی استخلاص کے لئے مرحوم نے اب حال میں کوشش بھی کی تھی۔ مگر امیر امان اللہ خان نے منظور نہ کیا اور اپنی مجبوری ظاہر فرمائی۔

رموز مملکتِ خویش خسرواں دانند

اس کے بعد علاقہ مشہد مقدس میں بمقام ترشیز موضع فدافن جہاں ملا مرحوم کی زمین تھی اصلی مسکن قرار پایا اور اب بھی مرحوم کے متعلقین وہیں سکونت پذیر ہیں۔

استعدادِ فطری اور ذہانتِ طبعی

توارثِ اموال کی طرح توارث صفات مسلم ہے۔ اکثر کاملین میں یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ ایک عرصہ تک چلا آیا ہے اور چلا آتا ہے اور شرفا کی نسل اکثر شریف ہی ہوتی ہے۔ نیک انسانوں کی اولاد اکثر نیک ہوا کرتی ہے۔ علماء کے گھرانے میں علم مدتوں رہا ہے "گندم از گندم بروید جو زجو" دادا عالم، باپ کامل پھر باپ کی خاص دعا اور وہ بھی کعبہ میں تحت المیزاب۔ ایسوں کا بچہ کامل ہو تو کیا تعجب ہے۔ علامہ میں بچپن ہی سے آثار کمال نمایاں تھے۔

بالائے سرش ز ہوشمندی   می تافت ستارۂ بلندی

مشہد مقدس کے قیام میں بعض مدارس مشہد (غالباً مدرسۂ شیخ جعفر مرحوم) میں بھی داخل رہے۔ سن رشد کو پہنچے تھے لیکن بعض اساتذہ جو منبر پر کبھی کوئی علمی تقریر کرتے تھے تو وہ انکو یاد ہو جاتی تھی اور لڑکوں میں اسکو دہرایا کرتے تھے۔

ایک دن استاد کو بھی یہ خبر پہنچی بلایا اور تقریر سنی تعجب کیا کہا اسکا مطلب کیا ہوا۔ عرض کیا مجھے کیا معلوم کہ مطلب کیا ہوا مطلب آپ جانیں میں نے تقریر سنی تھی۔ مجھے یاد ہوگئی یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی قوت حافظہ بھی خاص عطیۂ خداوندی و عنایت الٰہی تھی اور اس استعداد فطری کمال ذہانت اور انتہائے کمال قوت حافظہ کا نتیجہ تھا کہ اپنے پدر بزرگوار کی تعلیم کامل و اساتذہ کاملین کا فیض اور ارشاد و ہدایت سے چودہ سال کی عمر میں اتنا کچھ پڑھ گئے تھے کہ عام لوگ بیس سال کی عمر میں بھی اس درجہ کو نہیں پہنچے یعنی چودہ سال کی عمر میں ملکہ استنباط موجود تھا۔ چنانچہ ماہ مبارک رمضان تھا اور شیخ ملا احمد مرحوم مع اہل و عیال مشہد ہی میں تھے، علامہ کی عمر کا یہ چودھواں سال تھا۔ والدین کے

ساتھ بچوں کی طرح روزے رکھنے شروع کئے۔ چند دن کے بعد گرمی بڑھ گئی تو والدین نے کہا۔ روزے چھوڑ دو۔ کہ گرمی بہت ہو گئی ہے۔ تکلیف ہوگی۔ پھر آئندہ سال رکھنا۔ باز نہ آئے۔ والدین بچپن کی ہٹ سمجھے۔ ایک دو دن کے بعد پھر تاکیداً منع کیا نہ مانے والد نے سختی کی اور سست و درشت کہا۔ جواب دیا کہ میں بالغ ہوں روزے مجھ پر فرض ہیں۔ کیسے ترک کر دوں شیخ احمد حیران ہوئے اور ساتھ ہی غصہ بھی آیا۔ دھمکایا۔ گھڑکا۔ اور بلوغ کے علائم ثلثہ کا ذکر کرکے کہا کہ کون سی علامت پائی جاتی ہے جو تو بالغ ہو گیا ہے۔ عرض کیا۔ ان میں سے تو کوئی نہیں۔ کہا پھر۔ عرض کیا۔ ازروئے حدیث و حکم معصوم۔ بہت متعجب ہوئے اور سمجھے کہ یہ لڑکپن کی ضد نہیں۔ کوئی گہری بات ہے۔ کہا کونسی حدیث ہے اور کہاں ہے۔ عرض کیا کافی ہیں۔ اور کتاب لاکر حدیث نکال دی جس میں بلوغ کی علت مستقلہ مذکور ہے۔ ملا مرحوم دیکھکر انگشت بدندان رہگئے۔ یہ سن اور یہ جرأت اور یہ نظر اور واقفیت!! اس سن میں عام مسلمان بچوں کو تو طہارت کرنی بھی درست نہیں آتی۔ قوت استدلال تو طلبہ علم میں بھی مدت کے ریاض اور خدمت اساتذہ کے بعد بڑی عمر میں جاکر پیدا ہوتی ہے اور وہ بھی خاص خاص ہیں۔ یہ علامہ جیسے ہی خاص نفوس کا حصہ ہے۔

فان العلم نور من الله　　　　ونور الله لا یعطے لعاص

"وفضلنا بعضهم علی بعض"۔

اس کمال قوت استنباط کی حقیقت کو وہی لوگ خوب سمجھتے ہیں۔ جنہیں علامۂ مرحوم کے فیض صحبت سے کافی حصہ ملا ہے اور مرحوم کے استدلالات۔ اور استنباطات ہر علم و فن میں سُنے اور دیکھے ہیں۔ البتہ یہاں سے یہ پتہ چل سکتا ہے۔ کہ جب چودہ سال کی عمر میں یہ حال تھا۔ تو اب چونسٹھ ۶۴ سال کی عمر میں کہاں سے کہاں پہنچے ہونگے اور ان کی نظر کس قدر عمیق ہوگی جس وقت ایسے بزرگوار اس زمانہ قحط الرجال میں موجود ہوں۔ تو کچھ تعجب نہیں کہ علامہ حلی اعلی اللہ مقامہ و نور ضریحہ و قدس سرہ و طاب مرقدہ جیسے بزرگ بارہ سال کی عمر میں مجتہد ہو گئے ہوں اور ان نفوس کیلئے ایسے امور کیونکر تعجب خیز ہو سکتے ہیں۔ جن پر ان نفوس قدسیہ مقدسہ طاہرۂ قاہرہ کی خاص نظر عنایت ہو جو شکم مادر سے معادن علوم و فنون و معالم تنزیل و تاویل اور مخزن اسرار الٰہی پیدا ہوتے ہیں صلوات اللہ وسلامہ علیہم

اجمعین مرحوم کے مفصل تعلیمی حالات اور جملہ اساتذہ کا حال افسوس ہے کہ معلوم نہیں ورنہ بہت کچھ دلچسپ ہوتا۔

سطحی درس و تدریس

سے فراغت حاصل کر کے کچھ عرصہ درس خارجی میں شریک ہوئے۔ جبکہ حجۃ الاسلام اخوند ملا محمد کاظم الخراسانی مرحوم کی تعلیم کا آخری زمانہ تھا۔ اس وجہ سے علامہ مرحوم اور اخوند مرحوم ہم درس کہلاتے تھے اور اخوند ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ چند سال ہی گذرے تھے کہ بعض مطالب اصولیۂ علمیہ پر ایسی مدلل اور زبردست تقریریں کیں کہ اساتذہ نے کہا انہیں ان کتب کے درس خارجی میں شریک ہونے کی اب چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اب خود ایسی تمام کتب پر نظر ڈال جاؤ بس کافی ہے۔

اپنے طور پر مطالعہ شروع کیا۔ اول کتب فقہ و اصول فقہ جہاں تک بھی دستیاب ہو سکیں اور مل سکیں دیکھیں۔ بعد ازاں کتب احادیث اور پھر تفاسیر۔ مگر تفاسیر کے اختلافات نے انہیں ثابت کر دیا کہ "کل شیی فی التفاسیر الا التفسیر"۔ کتب تفاسیر علماء میں سوائے تفسیر واقعی سب کچھ موجود ہے۔ عام کتب تفاسیر سے قطع نظر کر کے قرآن پاک میں تدبّر و تامل و تفقہ شروع کیا۔ اور اس میں صرف ان تفاسیر سے مدد لی۔ جن میں محض احادیث معادنِ علوم و معالمِ تنزیل ہیں اور اس تدبر و تفکر و تامل سے وہاں تک پہنچے۔ جہاں دوسروں کا ہاتھ بہت کم پہنچا ہے وہ نکات جو علامہ فرقان حمید قرآن مجید سے بیان کرتے تھے۔ ہمارے متقدمین کی کتب میں ملتے ہیں مگر عام طور پر نہیں مخصوصین میں اور خاص خاص مقام پر "وکم ترك الاولون للآخرین"۔

بلا شک و شبہ یہ بزرگوار انہیں نفوس میں سے تھے۔ جن کے متعلق حضرات صادقین علیہم السلام نے ارشاد فرمایا ہے "علماء وارثانِ علوم انبیاء ہیں"۔ اور یہ اس لئے کہ انبیاء نے درہم و دینار نہیں چھوڑے۔ بلکہ وہ اپنے علوم و احادیث چھوڑ گئے ہیں بس جس نے اس میں سے حاصل کر لیا۔ اس نے بہت کچھ پا لیا۔ پس تم دیکھو علم کس شخص سے لیتے ہو اور مسائل کس سے پوچھتے ہو ہر کس و ناکس سے علم دین نہ سیکھو "فان فینا (لنا) اهل البیت فی کل خلف عدولا ینفون عن دیننا تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاهلین کیونکہ ہمیشہ ہمارے

سلسلہ میں کچھ ایسے عادل علماء رہتے ہیں جو دین سے غالیوں کی تحریفات اور علماء نماؤں کی مدخولات اور جاہلوں کی تاویلات کو دور کرتے رہتے ہیں اور یہی دین کے سچے حامی ہوتے ہیں اور انہیں کو حصن اسلام کہا گیا ہے۔ انہی کی موت سے اسلام میں رخنہ پڑ جاتا ہے۔

فجزاالله شیخنا عن الاسلام واهل الاسلام خیرالجزاء وحشره مع ائمة الهدی آمین رب العالمین۔

علوم باطنی و ریاضات نفسانی

علامہ اعلی اللہ مقامہ کے علوم وفنون کا یہ عمق صرف تحصیلات ظاہریہ وتعلیمات سطحیہ وخارجیہ ہی سے نہ تھا۔ بلکہ اس لئے کہ علم حقیقی نور ہے اور جس قلب میں جتنی صفائی ہوتی ہے اُسی قدر نور اُس میں چمکتا ہے اور منعکس ہوتا ہے۔ محل مطابق حال اور ظرف موافق مظروف ہونا ضروری ہے۔

علوم باطنیہ

وریاضات نفسانیہ میں علامہ مرحوم کے استاد رئیس العارفین قدوۃ الزاہدین محمد اکبر ترشیزی رحمۃ اللہ تھے۔ کمال صفائی باطن و صفائی نفس سے آراستہ تھے۔ بلا ناغہ نماز تہجد باغسل ادا فرماتے تھے اور یہ علامہ مرحوم کا بیان ہے کہ آخر میں وہ صاحب کرامت تھے غسلخانہ میں پانی کا کوئی انتظام نہ کرتے تھے۔ مگر نصف شب کے بعد جب تہجد اور اذکار واوراد کیلئے اُٹھتے تھے توگھڑوں میں پانی بھرا ہوا پاتے تھے اور ان کی اور بہت سی ایسی باتیں مشہور ہیں جن کے سمجھنے اور سننے کی ہرایک میں استعداد نہیں ہے۔ لہذا ہم ترک کرتے ہیں غالباً ان علوم میں اخوند ملا محمد کاظم الخراسانی اعلی اللہ مقامہ ونور ضریحہ بھی انہیں بزرگوار موصوف کے شاگرد تھے آخوند مرحوم نے نو سال برابر ریاضت کی تھی اور علامہ مرحوم نے چھ سال ریاضاتِ نفس۔ تزکیۂ نفس۔ خاص اذکار واوراد میں گذارے۔ بڑے بڑے خوفناک اور ہولناک مقامات میں آیات وسورے کے ختم کئے۔ مدتوں اس کی خاطر اور کمالِ طہارت ونظافت کی غرض سے اپنے ہاتھوں سے روٹیاں پکائیں اور اس میں بہت کچھ کمال حاصل کیا اور کیوں نہ ہو حالانکہ پروردگار عالمین فرماتا ہے "والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا وان الله لمع المحسنین" وقد افلح

من ذکرها وقد خاب من دسّها۔

کثرتِ مطالعہ

باوجود ان حالات کے بھی مطالعہ میں کمی نہیں کی۔ بلکہ نفس میں خاص استعداد و صفائی پیدا ہونے کے بعد مطالعہ کتب احادیث وکتاب اللہ کی طرف خاص توجہ کی۔ اپنے کتب خانے میں۔ آٹھ ہزار کتابیں تھیں کل دیکھیں۔ پھر ملک ایران میں کتابوں اور کتب خانوں کی کیا کمی ہے۔ جہاں بھی کوئی کتاب ملی یا سُنی۔ وہ لی۔ حاصل کی اور اس کو دیکھا۔ خصوصاً کتب کلام وفلسفہ۔ اصفہان میں علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ کا کتب خانہ بھی دیکھا ہے اور طہران میں شاہی کتب خانہ بھی اور اب تک بھی یہ حال تھا کہ گو آپ بہت کم کتاب دیکھتے تھے۔ ہر شب اور اکثر دن میں بھی صرف کلام پاک ہی میں غور فرماتے تھے مگر پھر بھی جو کتاب سامنے آجاتی تھی تو اسکو بغیر دیکھے اور ختم کئے نہ چھوڑتے تھے۔ کمال استعداد۔ تہیۂ اسباب تعلیم وتعلم۔ قیام دارالاسلام صفائی قلب۔ تزکیۂ نفس پر جب مطالعہ کی یہ شان ہو تو علامہ کے تبحر علمی کی کیا حد ہوسکتی ہے ایسے ہی بزرگ وجود کیلئے لفظ علّامہ زیب دیتا ہے اور ایسے ہی نفوس اسلام کیلئے حجت ہوسکتے ہیں گو وہ اپنے لئے ایسے الفاظ کو پسند نہ کرتے ہوں۔ کمال علمی اسیطرح حاصل ہوتا ہے نہ اخباروں اور اشتہاروں میں ان الفاظ کی بوچھاڑ سے اور نہ انکی خوشہ چینی اور دیگر علماء کی کتب و رسائل اور تقاریر سے چند مضامین رٹ کر اور رقص منبری دکھاکر۔

زبانیں

فارسی تو ان کی مادری زبان تھی اور قیام زیادہ تر مشہد مقدس میں تھا اس لئے ان کی فارسی دانی کی نسبت تو کچھ کہنا ہی بیکار ہے۔

عربی تحریر وتقریر میں جو کمال حاصل تھا وہ دیگر علماء میں کم پایا جاتا ہے۔ ....

.... ان کی عربی تحریر کے متعلق کلکتہ سے جو ایک زبردست مصری (سنی المذہب) عالم نے لکھا ہے اس کی میں اُردو میں تصریح کرنا مناسب خیال نہیں کرتا۔ صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ ان کی تحریر عربی دیکھکر یہ لکھا تھا کہ آپ ہندوستان کے متعلم نہیں معلوم ہوتے۔ جل علماء الهند يجهلون عن العربية وعربيتهم اشبه شيء بصوت الرعد۔ الخ غالباً وہ خطوط جناب محترم خان بہادر شیخ عزیز الدین خانصاحب مرحوم کے پاس محفوظ تھے ومن شاء فليرجع اليه عربی فارسی میں کمال مہارت کے علاوہ علامہ مرحوم ترکی زبان بھی جانتے تھے اور فرینچ

بھی۔ ترکی زبان کی بعض ضخیم کتب بھی علامہ کی کتب میں موجود تھیں روسی زبان سے بھی واقف تھے اور کسی قدر انگریزی بھی جو یہاں حاصل کی تھی اور اپنے تار وغیرہ پڑھ لیتے تھے پشتو، پنجابی، سندھی کچھ سمجھتے تھے۔ اردو میں اب کچھ تقریر بھی کر سکتے تھے ۱۳۴۰ھ میں آگرہ میں منبر پر دیر تک اردو میں وعظ بھی کیا تھا جیسا کہ بعض احباب کی زبانی ہم نے سنا ہے۔ اس جامعیت کا انسان اس زمانہ میں کہاں پیدا ہوتا ہے۔ مادر گیتی ہمیشہ کہاں ایسے نفوس جنتی ہے۔ بڑی گردشوں اور اہم انقلاب کے بعد ایسی ہستیاں عدم سے وجود میں آتی ہیں۔ خدا رحمت کرے اس وجود مقدس پر عجب انسان تھے۔

قیام طہران و نیابت وزارت

بعض حکام مشہد اور بعض شہزادگان اور اہل علم کے ذریعہ آپ کے تبحر علمی کی خبر تخت ایران تک بھی پہنچی۔ جب کہ آپ کی عمر تقریباً تیس سال تھی۔ مرحوم ناصر الدین شاہ قاچار خود فاضل و علم دوست اور ایک ممتاز دماغ کا انسان تھا۔ فوراً طلب کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دیگر مقامات ایران سے ہوتے ہوئے اور سیر کرتے وعظ کرتے طہران پہنچے۔ شاہ مرحوم نے کافی احترام کیا۔ امین الدولہ وزیر خارجیہ ایران ان سے خاص تعارف رکھتا تھا۔ اور خود صاحب فہم و فراست اور ذی علم انسان تھا۔ اس نے اپنے پاس ہی رکھا سلطنت کی طرف سے جاگیر ملی اور تھوڑے ہی عرصہ میں نائب وزیر خارجہ یا دوسرے لفظوں میں افسر محکمات خارجہ کے منصب پر ممتاز ہوئے جس سال ایران میں سرکار میرزا اعلی اللہ مقامہ کی طرف سے تمباکو کے متعلق ایک فتوے شائع کیا گیا تھا سرکار علامہ اسوقت طہران ہی میں تھے۔ بابیوں کا طوفان بھی اسی زمانہ میں اٹھا اور جب ناصر الدین شاہ مرحوم نے ان کے قتل عام کا حکم دیا تھا اور ایک ہفتہ امن ان پر سے مرتفع تھا۔ تب بھی سرکار علامہ وہیں تھے۔ آپ کے فتوے اور حکم سے بھی آٹھ ہزار بابی قتل ہوئے اور اسدن سے امین السلطان وزیر اعظم میرزا محمد تقی خان (غالباً) جو در پردہ بابی تھا آپ کا سخت مخالف اور دشمن ہوگیا۔ اگرچہ مع اہل و عیال علامہ طہران ہی رہنے لگے تھے اور طہرانی کہلاتے تھے لیکن اس وقت بھی چونکہ آپکا اصلی وطن ہرات تھا۔ رعایا افغانستان ہی شمار ہوتے تھے اور ممالک خارجہ میں رعایائے افغانستان برٹش سفیر ہی کے زیر حفاظت سمجھی جاتی تھی۔ البتہ اب افغانستان کے سفراء دوسرے ممالک میں پہنچ گئے ہیں۔

ناصر الدین شاہ مرحوم نے ایک ادارۃ المعارف قائم کیا اور وہ بھی تاحیات شاہ مرحوم آپ ہی کے زیر نگرانی رہا، آپ نے مدارس کی خاص طور سے اصلاح کی اور ایک مکتب خاص قائم کیا اور اس کا نصاب اور اسلوب تعلیم ایسا عجیب و غریب اور مکمل رکھا کہ چند سال میں طالب علم عربی، فارسی، فرانسیسی، ترکی اور انگریزی پانچ زبانوں سے آگاہ ہو جاتا تھا اور معمولی تقریر و تحریر کر سکتا تھا اور یہ سب ایک ساتھ پڑھائی جاتی تھیں اگر یہ نصاب تعلیم ایران میں عام طور سے شائع ہو جاتا تو دنیوی اور تمدنی حیثیت سے ایران تمام دوسرے ممالک سے بڑھ جاتا۔ مگر افسوس کہ شاہ ناصر الدین شاہ کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ جلد ہی قتل کر دیا گیا۔ وما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن وھو الفعال لما یرید۔

ادارۂ تالیف و تصنیف تفسیر

ایران میں ایک شخص نے ایک قرآن شریف اس خاص اہتمام سے طبع کرایا کہ اس کے حاشیہ پر کل احادیث و روایات جمع کر دیں۔ جو تفاسیر قرآن کے متعلق وارد ہوئی ہیں شاہ کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا بہت ہی پسند کیا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ اگر کوئی عالم ان تمام احادیث و روایات مختلفہ کی تصحیح و تنقید کر دے تو ایسی مکمل تفسیر قرآن تیار ہو جائے کہ جس کے بعد کسی اور تفسیر کے دیکھنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ امین الدولہ نے عرض کیا۔ علم قرآن میں میرے نزدیک فلاں شخص سے بہتر کوئی نہیں ہے اگر وہ اس کام کا ذمہ لے لے تو بہترین تفسیر قرآن مرتب ہو جائے۔ بلائے گئے اور یہ مسئلہ پیش ہوا آپ نے فرمایا کہ تفسیر قرآن جیسا کہ اس کا حق ہے میری طاقت سے باہر ہے اور میں اس کو بہت ہی اہم اور مشکل کام سمجھتا ہوں میں ایسی جرأت نہیں کر سکتا مگر شاہ کے اشارے سے امین الدولہ نے اصرار کیا۔ بلکہ مجبور کیا تب آپ نے کہا کہ اس شرط پر کہ اوّل اس کیلئے ایک خاص دفتر اور محکمہ قائم کیا جائے اور مصارف شاہ برداشت کرے اور بارہ زبردست علماء اس تفصیل کے ساتھ مجھے دئے جائیں اور اُن کے مخارج و مصارف کا انتظام سلطنت کی طرف سے مکمل ہو، ۲ فلسفی، ۲ متکلم، ۲ فقیہہ، ۲ ادیب، ۲ مفسر، ۲ محدث۔ شاہ نے منظور کیا اور تمام مصارف و مخارج بھی منظور ہو گئے اور یہ مبارک کام شروع ہوا اور غالباً یہ وہی سال تھا جس میں سرکار مرزا اعلی اللہ مقامہ کی طرف سے ایک خط شاہ کو پہنچا تھا

یا پہنچایا گیا تھا کہ ملک کا انتظام اہل ملک کی امداد و مشورہ سے کیا جائے پہلے تو شاہ بہت ناراض ہوا اور جب حقیقت معلوم ہوئی کہ علماء اور وزراء دونوں چاہتے ہیں اور مصلحت سمجھ میں آئی اور امین الدولہ نے تجویز سمجھائی تو شاہ نے منظور کیا اور کہا کہ جشن پنجاہ سالہ جو دو سال کے بعد ہوگا۔ اس میں خود پارلیمنٹ اور مجلس شوریٰ کا اعلان کرونگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ کم سے کم بارہ وزراء اور اہلکار ایسے تیار کر دو جیسے کہ تم ہو۔ عرض کیا کہ مجھے ایسا آپ ہی کی نظر توجہ نے بنایا ہے لوگ قابل موجود ہیں اگر انکو کام میں لگایا جائے گا اور نظر توجہ ہوگی ایسے ہی کامل نکلینگے۔ غرض یہ کام شروع ہوا۔ ہر علم کے عالم اپنے اپنے علم کی رو سے ایک آیت پر بحث کر کے لکھ کر لاتے تھے اور پھر سرکارِ علامہ منبر پر تشریف لے جاکر ان کے متعلق تقریر فرماتے اور پھر ایک فذلکہ تحریر فرماتے اور پھر وہ جزو فوراً طبع کے لئے دیدیا جاتا۔ اس طرح چھ ماہ میں صرف استعاذہ کی تفسیر کی گئی اور ڈیڑھ سال میں اھدنا الصراط المستقیم تک پہنچے اور اس کے صرف چار سو نسخے اس غرض سے طبع کرائے گئے کہ دیگر علماءٔ کی خدمت میں بھیجے جائیں تاکہ وہ بھی اپنی رائے کا اظہار کریں سب نے پسند کیا اور سو اشرفیاں اسی وقت علامہ کو بطور انعام شاہی دی گئیں بعض وزراء نے کہا کہ اس طرح تمام عمر میں بھی یہ تفسیر ختم نہ ہوگی۔ شاہ نے فرمایا کہ نہیں اگر اس طرح صرف ایک پارہ کی بھی مکمل تفسیر ہو جائے تو سارا قرآن آجائے گا کیونکہ باقی خود بخود حل ہو جائے گا۔ شاہ کا یہ خیال بالکل درست تھا کیونکہ ایک استعاذہ ہی کی تفسیر میں وہ کل آیات حل ہو گئی تھیں اور اس کی تفسیر کے ضمن میں آگئی تھیں جو اس لفظ کے متعلق قرآن میں ہیں اور عوذ کے مادے سے تعلق رکھتی ہیں یعنی چالیس آیات قرآنی اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم کی تفسیر کے ساتھ حل ہو گئی تھیں و علیٰ ہذا القیاس اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر میں اور سینکڑوں آیات قرآنی آگئی تھیں اگر اسطرح سے ایک پارہ کی بھی تفسیر ہو جاتی تو قرآن کی بہترین تفسیر ہو جاتی اور یہ تفسیر بہت سی تفاسیر سے بے پرواہ کر دیتی مگر افسوس کہ قدرت کو منظور نہ تھا۔ اسی سال شاہ مرزا محمد رضا بابی کے ہاتھ سے قتل کیا گیا جبکہ وہ امین السلطان کے ساتھ شاہزادہ عبد العظیم کی زیارت کو گیا تھا۔ واپس لاش ہی آئی اور یہ سب کچھ امین السلطان ہی کی شرارت تھی و قضی الامرؔ اور شاہ کے انتقال کے بعد یہ محکمہ اور ادارہ ہی ٹوٹ گیا۔ مظفر الدین شاہ اس دماغ کا بادشاہ نہ تھا اور نہ امین السلطان نے خزانہ میں کچھ باقی چھوڑا تھا اور اس وجہ سے مظفر الدین شاہ ایران میں امین السلطان کا باوشہ تھا

مظفرالدین شاہ جب سفر یورپ سے واپس آیا اور اس نے امین السلطان کے مشورے سے روس سے ساٹھ لاکھ منات (روس کا ایک طلائی سکہ مثل پونڈ) قرضہ کا معاہدہ کیا تو ملک کے خیر خواہ وزراء میں کھلبلی مچی۔ کیونکہ چالیس لاکھ منات پہلا قرض تھا اب ایک کروڑ منات ہو جاتا تھا اور ملک ایران کا ریونیو اس وقت اسیقدر تھا اور اس صورت سے گویا ایران ان دو قرضوں کے عوض مفت میں روس کے ہاتھ فروخت ہو رہا تھا۔ امین الدولہ اور اس کے ہمخیال وزراء اس کو سمجھتے تھے، علامہ نے اس امر میں خاص مدد کی اور اکثر علماء کو اس حقیقت اور ملک کی آنے والی تباہی و بربادی سے آگاہ کیا اور اسی خاطر خاص عراق کا سفر کیا اور وہاں بھی اکثر علماء اعلام مثل اخوند مرحوم و ملا عبداللہ المازندرانی مرحوم و شیخ الشریعۃ اصفہانی مرحوم وغیرہم کو متفق الرائے کیا۔ سرکار صدر نیوٹرل رہے اور جناب سید طباطبائی مرحوم مخالف اور آخر وقت علماء کی طرف سے یہ اعلان شائع کر دیا گیا " یہ قرضہ ملی نہ سمجھا جائیگا۔ بلکہ شخصی اور ملک و ملت اداگی کی فرمہ دار نہو گی"۔

اس وقت مجلس شوریٰ کی تحریک پھر تازہ ہوئی اور بعد اللتیا والتی ملت کو اس میں کامیابی ہوئی۔ جس وقت مظفرالدین شاہ نے اس کی منظوری دی ہے۔ سرکار علامہ ہندوستان پہنچ چکے تھے۔ کراچی میں مقیم تھے، حبل المتین نے اس اعلان کا حال لکھتے ہوئے یہ فقرہ لکھا تھا " دست شاہ ے رزید فلاں کس راید بگفت و امضاء بیفرمود"۔ یہی تحریک اور اس کی تکمیل کا خیال آپ کے ایران سے باہر نکلنے کا باعث ہوا۔

ایران سے روانگی

جب یہ تحریک شدت پر تھی اور مظفرالدین شاہ نے دربدرہ سختی شروع کی اور ایک دو عالم قتل کرا دئیے تو ان کو بعض مدبروں نے یہ رائے دی کہ آپ یہاں سے باہر رہ کر بہت کچھ کام ملک و ملت کے کرسکتے ہیں۔ یہاں اب آپ کو موقع کم ملیگا یہ رائے انکو بہت پسند آئی۔ اور ملک و ملت اور دین کے علم کی خاطر ترک وطن اختیار کیا آخر شب میں اذا قرات القرآن جعلنا بینک وبینھم حجابا مستورا پڑھتے ہوئے نکلے۔ گھوڑا باہر شہر کے تیار تھا۔ آیہ مبارکہ کی برکت سے باوجود پہرے کے کسی نے نہ دیکھا۔ فخرج منھا خائفا یترقب اور یہاں سے ماسکو کے قصد سے سرحد روس کی طرف چلے اور اس غرض کیلئے یورپ کے ان اہم مقامات پہ پہنچے جہاں ایران کے وہ سفرا اور

زبردست تجار تھے۔ جن کے ہم خیال بنانے کی اور اس کام میں مدد لینے کی ضرورت تھی۔ **ماسکو** گئے۔ **برلن** گئے۔ **پیرس** گئے۔ **اسکندریہ** گئے۔ **مصر** گئے اور آخر میں سلطان عبدالحمید خاں مرحوم سلطان روم کی خدمت میں **قسطنطنیہ** پہنچے اور اس وقت پانچ اور علماء عراق کی اُسے آکران کے شریک ہوئے اور چھ زبردست علماء ایران کا وفد سلطان کی خدمت میں پیش ہوا سلطان نے واجب احترام کیا ان کی تقریروں سے بہت خوش ہوا اور یہ لفظ کہے کہ کاش میرے ملک میں بھی ایسے علماء اور ایسے پاک اور مفید خیالات کے لوگ ہوتے اور وعدہ کیا کہ میں آپ کو اس مقصد میں ضرور مدد دونگا وہاں سے عراق واپس آئے۔ یہاں پر علماء سے ملاقاتیں ہوئیں ایک روز **آخوند** مرحوم کے درس میں جا بیٹھے۔ اجتہاد اور تقلید پر کئی ماہ سے اخوند مرحوم تقریر فرما رہے تھے مگر کوئی آیت ایسی اُن کے پیش نظر نہ تھی جو وجوب تقلید میں بلاشبہ سند ہوتی۔ آپ نے اپنے ایک ہم پہلو سے کہا کہ "اگر اخوند یک نسخہ کتاب کفایہ خود بدہد من حالا یک آیت نشان میدہم"۔ وہ بھنسا آخوند نے سنا۔ پوچھا کیا ہے۔ عرض کیا۔ یہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگر اخوند ایک نسخہ کتاب کفایہ دیں۔ تو میں آیت ابھی بتلاتا ہوں۔ اخوند مسکرائے اور کہا۔ ایک کیا ساری ہی کتابیں فلاں شخص کا مال ہیں اور اس دوران میں حرم جناب امیر اور جناب سید الشہداء علیہم السلام میں بہت سی علمی تقریریں علامہ مرحوم نے کیں وہیں بعض مدبرین نے ان کو ہندوستان میں آنے کی رائے دی اور علامہ ہندوستان میں آئے، کراچی میں اُترے اور اس طرح لطف خداوندی اور رحمت واسعۂ کاملۂ الٰہیہ ہماری خاطر اس وجودِ مقدس کو ایران سے ہندوستان کھینچ لائی۔ "وذلک فضل اللّٰہ"

دوران سیر یورپ اور ٹرکی میں بھی اکثر جگہ علمی تقریریں کرنے کا اتفاق ہوا۔ برلن میں علوم شرقیہ کے کالج میں پہنچے وہاں ایک پروفیسر عربی زبان میں کتاب نہج البلاغہ پر لیکچر دے رہا تھا۔ اور وہی اُس کے ہاتھ میں تھی اور اس کا یہ بیان تھا کہ یہ کتاب نبوت نبیؐ عربی کی ایک ایسی زبردست دلیل ہے کہ جس کو کوئی رد نہیں کرسکتا اور کوئی اور دوسری دلیل نہ بھی ہو تو یہی کافی ہے۔ اس پروفیسر سے اور علامہ سے لمبی گفتگو ہوئی پروفیسر اچھا ذی علم تھا محظوظ ہوا۔

مصر میں زیادہ قیام کیا اور دو مقام پر بضرورت دینی تقاریر کرنی پڑیں ایک انجمن

تحقیق مذاہب جس میں کل یوروپین ممبر ومقرر تھے جو کئی کئی زبانیں جانتے تھے۔
اور اکثر عربی کے فاضل تھے اور یہ انجمن جملہ مذاہب عالم پر جرح اور تعدیل کرتی تھی۔ مگر
در پردہ مقصد اُس کا مذہب عیسٰی کو ترجیح دینا تھا۔ علامہ اس میں پہنچے اور حقیقت اسلام
پر وہ جامع ومانع عربی تقریر کی اور آیات مشکلہ توحید کو اس طرح حل کیا کہ سامعین عش عش کرنے
لگے اور حیران رہ گئے اور متعجب ہو کر کہتے تھے کہ آپ نے کہاں تعلیم پائی۔ اور جو معانی
آیات کے آپ بیان کرتے ہیں۔ یہ ہماری عام تفاسیر میں نہیں ہیں۔ ایک تقریر میں فلسفۂ
طبعیہ سے معاد جسمانی کا ثبوت دیا کہ سامعین مبہوت رہ گئے تیسری تقریر حقوق انسانی
پر کی۔ ان کا ایک لیکچرار یہ تقریر کر رہا تھا کہ ایک انسان پر دوسرے انسان کے
بحیثیت انسانیت دس حقوق ہیں۔ آپ نے ثابت کیا کہ نہیں چودہ حق ہیں لیکچرار
نے اس تقریر کی داد دی وہ سوسائٹی ان کی فریفتہ ہو گئی بعض ممبروں نے بے تکلفی ہو جانے
کے بعد کہا کہ اگر آپ ہمارے ممبر بن جائیں تو ہم ہزار اشرفی ماہوار آپ کو دیں گے۔
آپ نے مزاحاً فرمایا کہ ہزار اشرفی لے کر بھی آپ کے مذہب کو باطل ہی ثابت کرونگا
کیونکہ وہ فی نفسہ باطل ہے۔ اس لئے آپ کو مجھ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

شیخ محمد عبدہ مفتی مصری سے ملاقات اور اکثر علمی صحبتیں رہیں اسی زمانہ میں
ایک زبردست پادری روزانہ جامع ازہر میں آتا تھا اور طلبار کے ساتھ بحث کیا کرتا تھا
علامہ کو خبر لگی فوراً پہنچے۔ اور اس پادری کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ اس نے پھر جامع ازہر کا رُخ
نہ کیا۔ طلبہ جامع ازہر نہایت درجہ خوش ہوئے اور مفتی مرحوم نے کہا کہ اس کم بخت نے
تنگ کر رکھا تھا۔ آپ نے اسلام پر بڑا احسان کیا۔

شیخ محمد عبدہ ہی کے کتب خانہ میں علامہ جلال الدین سیوطی کا وہ رسالہ دیکھا
جو قاموس کے حاشیہ پر ہے اور اس کے خاص مقامات بھی۔ جامع ازہر ہی کے کتب خانہ
میں مسعودی کی مشہور تاریخ اخبار الزمان ملاحظہ فرمائی۔ جس کی فہرست ہی متعدد جلدوں
میں ہے۔ نہایت گرانقدر کتاب ہے طبع نہیں ہوئی قسطنطنیہ میں بھی اکثر جگہ تقاریر کیں۔
ایک جگہ مجلسِ عزا بھی پڑھی اور ہر جگہ اپنے علم کے آثار چھوڑے۔

ورود ہندوستان

علامہ مرحوم نے چونسٹھ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اور
ہندوستان میں ورود کا یہ بیسواں یا اکیسواں سال تھا اور

تین چار سال یورپ، مصر، ٹرکی، عراق کے سفر میں گذرے۔ گویا چالیس سال کی عمر میں کامل ہو کر ملک ایران سے نکلے تھے اور دراصل چالیس سال کے بعد پختگی کا زمانہ ہوتا ہے اور یہی دراصل ہدایت و تبلیغ کا وقت تھا۔ مگر افسوس ہے کہ قدرت نے اس وقت علامہ کو اس ملک میں پھینکا جہاں نہ ان کی زبان سمجھنے والا اور نہ اہل ذوق و شوق اور نہ عوام ایسے ذی فہم جن پر علامہ اپنے جواہر علمی نثار کر سکیں۔ تقریباً دو سال تو بالکل خاموشی کے عالم میں کراچی ہی میں گذر گئے۔ سوائے اپنی عبادت اور اذکار کے اور کچھ مشغلہ نہ تھا۔ ایک مسافر کی شان سے رہتے تھے۔ ملازمین بھی ہمراہ اس وقت ایرانی ہی تھے مومنین کراچی کو یہ علم بھی نہ تھا کہ اجنبی ایرانی علم و معارف کا مجسمہ ہے جو ہمارے شہر میں پھر رہا ہے اور جب اس کے جوہر کھلینگے تو یہ آسمان شہرت پر آفتاب ہو کر چمکیگا۔ کراچی سے سندھ میں آئے شکارپور وغیرہ میں رہے اور پھر وہاں سے پنجاب میں پہنچے اور اکثر مالیر کوٹلہ۔ پٹیالہ۔ لاہور میں قیام رہا۔ مگر اس خزانہ جواہر علمی کی کسی کو اطلاع نہ تھی طبیعت میں ملائیت نہ تھی اور نہ پرستش کی خواہش۔ اس لئے ایسے رؤسا کے مکان پر نہ گئے جن کے ذریعہ سے فوراً شہرت ہوتی۔ مدت تک ایک عامل و عابد و زاہد کی صورت میں زندگی بسر کرتے رہے۔ نہ کہیں وعظ تھا اور نہ تقریر رفتہ رفتہ لوگوں کو خصوصاً بعض اہل علم کے ملنے جلنے سے معلوم ہوا کہ یہ خاموش ایرانی اور مقدس صورت یکتائے روزگار عالم دین ہے۔ غالباً سب سے پہلی مجلس میں پہلا وعظ پٹیالہ میں فرمایا اور یہاں جناب مولانا خلیفہ سید محمد کاظم مغفور و مرحوم اور جناب سید العلما مولینا سید عنایت علی صاحب ساماذی مرحوم نے اُن کے کمالات علمی محسوس و معلوم کر کے مومنین اور اہل علم سے تعارف کرانا شروع کیا۔ یہاں سے مالیر کوٹلہ پہنچے اور نواب احسن علی خان مرحوم مغفور نے شیخ میں وہ جوہر پایا جس کے وہ طالب تھے اور پھر مرحوم نواب شیخ کے اور شیخ مرحوم نواب کے ہو رہے اور تقریباً ایک سال یا زائد کوٹلہ میں رہے۔

اس کے بعد اہل لاہور مطلع ہوئے اور اہل لاہور نے بلاشبہ ان کے علم کی قدر کی اور وہیں سے علامہ کے علم کے جوہر کھلے مگر مخصوصین میں۔ انہی مخصوصین نے خواہش کی کہ پبلک وعظ ہوں سخت مشکل تھی۔ ایک جید ایرانی عالم اور ان معارف اور سلسلہ وزارت اور ہیئت علمیہ میں رہا ہوا، علم کلام، فلسفہ، دقائق قرآن و اسرار فرقانی سے دلِ

دماغ پر ایسے عالم کا کلام فارسی سمجھے تو کون ؟ ترجمہ کیا جاتا تھا۔ مگر علامہ سخت پریشان تھے
اور ہمیشہ دعا کرتے تھے کہ خداوندا کوئی صورت نکال تاکہ میں اپنے فرض کو ادا کر دوں اپنی
تکلیف سے سبکدوش ہوں اور اپنے بار کو منزل تک پہنچاؤں۔ ان کے بعض خاص
ہمنشین بیان کرتے ہیں کہ علامہ اس مقصد کے لئے روزانہ دعا مانگتے تھے اور حضرت
امام زمان عجل اللہ فرجہ کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوتے تھے۔ آخرکار دعا
مقبول ہوئی۔ علامہ نے خواب دیکھا کہ سمندر ہے اور وہ اسکو عبور کرنا چاہتے ہیں۔ مگر
خائف ہیں کہ اس سمندر کو کس طرح عبور کروں۔ دیکھا ایک نوجوان آیا آپ نے اُسے
بُلایا اور وہ بھی سمندر میں داخل ہوا۔ علامہ نے اس کے اوپر ہاتھ رکھ لیا اور تیرنا شروع
کیا اور اُس کے سہارے سمندر عبور کر گئے۔ پنجاب میں ۱۹۰۶ء سے وعظ شروع ہو گئے
تھے جس کو آج اکتیس ۳۱ برس ہوئے۔ مگر یہ خواب ۱۹۰۸ء کا ہے۔

غرض کامل سولہ ۱۶ برس مرحوم نے پنجاب و سندھ میں دین اسلام و مذہب حق
کی وہ خدمت کی کہ دنیا کی آنکھیں کھل گئیں اور پنجاب کے عالم تشیع میں ایک عجیب
انقلاب آیا۔ مُردے چونکے، سوتے بیدار ہوئے، روحانیت چمکی، اور وہ لوگ جنہوں
نے کبھی سوائے سندھی مصنوعی روایات مصائب کے اور کچھ سنا ہی نہ تھا، جواہر نکات
علمی و معارف حقہ اسلامیہ سے مالامال ہوئے۔

شیخ کا وجود بلاشبہ شیعیت کے مُردہ جسم میں تازہ روح تھا، اس وجود سے شیعوں کو
بڑی ڈھارس تھی، بڑا حوصلہ تھا، بڑی امید تھی، بڑا فخر تھا۔ اور اس وجود پر اہل بصیرت
ناز کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ سیر ہونے سے پہلے اس کے فیض سے محروم ہو گئے
شیخ کے فیوض علمی سے اپنے اور پرائے سب مستفیض ہوئے اور اکثر نے حق کو قبول کیا۔

علامہ کی خصوصیات

یوں تو بحمد اللہ ہندوستان میں شیعوں میں اب بھی
بہت سی ایسی ہستیاں ہیں جن پر قوم کو ناز ہے۔
عالم بھی ہیں، واعظ بھی ہیں۔ مدبر بھی ہیں، اور مبصر بھی۔ مگر جس وقت علامہ اعلی اللہ مقامہ
کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔ تو کہنا پڑتا ہے "لیکن تو چیزے دیگری"۔

اوّل علامہ کی زبان، فارسی تھی اور وہ بھی عالمانہ و فلسفیانہ اور لاہور کے علاوہ
دیگر مقامات پر مجمع اور مجلس میں صرف چند نفوس ہی ایسے ہوتے تھے کہ جو زبان فارسی

سمجھتے ہوں۔ چہ جائیکہ مطالبِ علمیہ تک ان کی رسائی ہو۔ مگر جس وقت یہ بحر علم و معرفت و فصاحت و بلاغت موجزن ہوتا تھا۔ تو مجمع مبہوت و مست نظر آتا تھا۔ کمال شوق سے علامہ کے کلام کو سُنتے تھے اور محظوظ ہوتے تھے اور یہ کمال فصاحت و بلاغت اور روحانیت خاصہ کا اثر تھا دان من البیان لسحرا بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔ یہ سحر بیانی ہر ایک کو کہاں نصیب ہوتی ہے ایسے ایسے دیہات پنجاب جہاں کے لوگ فارسی کیا اُردو بھی نہیں سمجھتے۔ وہاں بھی علامہ کی فصاحت و بلاغت و روحانیت وہی اثر دکھاتی تھی۔ ساتھ ہی علامہ کلموا الناس علیٰ قدرعقولھم میں کمال رکھتے تھے اور ایسوں کیلئے علمی مطالب ایسی احتیاط کے ساتھ بیان فرماتے تھے کہ جاہل ان سے مستفید ہوتے تھے۔ یہ علامہ کی خصوصیت تھی اور خاص تائیدالٰہی۔

دُوم۔ علامہ کی خدمت میں عالم بھی آتے تھے اور جاہل بھی، مسلمان بھی اور غیرمسلمان بھی، آریہ بھی، عیسائی بھی، سُنّی بھی، میرزائی بھی، قدیم تعلیمیافتہ بھی اور جدید بھی، فلسفی بھی، اور سائنس دان بھی، اکونامکس دان بھی، مورخ بھی، ریاضی دان بھی اور ہیئت دان بھی۔ مگر ہم نے کبھی نہ دیکھا کہ شیخ کسی سوال کے جواب میں عاجز ہو اور جواب نہ دے اور سائل کو مغلوب و محجوب نہ کرے اور سائل و سامع اشد لے کر نہ جائے۔ پھر سفر میں حضر میں رات دن میں، ریل میں پلیٹ فارم پر۔ تنہائی میں مجمع عام میں جہاں اور جس نے سوال کیا، اسی وقت اسی جگہ جواب تیار اور تقریر کرتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا یہ سلسلہ برسوں محل بحث رہا ہے اور اسپر پہلے سے تیار ہوئے بیٹھے تھے۔ ایسا حاضر جواب متبحر یہاں دیکھنے میں نہیں آیا۔ نیچری اور فلسفی بلکہ یورپ کے تعلیمیافتہ انہیں سے تسلی پاتے تھے ان مطلق العنان تعلیمیافتہ حضرات نے علامہ کے علم کا لوہا مانا اور اسلام کی عظمت کا اقرار کیا جو معاذ اللہ علمار کرام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور کسی کو نہ مانتے تھے۔

سرعلی امام، حکیم اجمل خانصاحب مسیح الملک مرحوم مسیح الملک الثانی حکیم محمد احمد خان مرحوم، ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال مرحوم۔ سر نواب ذوالفقار علی خانصاحب مرحوم، آنریبل خواجہ غلام الثقلین مرحوم، شیخ اصغر علی کمشنر جیسے عالی دماغ، آزاد خیال، تعلیمیافتہ، پختہ مغز اور باخبرد بابصیرت حضرات نے بھی علامہ سے فیض پایا ہے

اور استفادہ کیا اور ان کے تبحر علمی کو تسلیم کیا ہے۔

سوم۔ کمال معلومات اور وسعت بیان اور کمال ذہانت و روحانیت کا یہ حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ وعظ میں بیان کر دی دوبارہ نہ آئی۔ اور ہم نے جو پندرہ سال میں کوئی وعظ بعینہٖ علامہ سے دوبارہ نہیں سُنا۔ اگرچہ بعض بعض مواعظ کی تکرار کی خواہش بھی ہوئی۔

بغیر تہیہ بیان فرماتے اور منبر ہی پر سوچتے تھے اور ہر دفعہ مزید معلومات و معارف و حقائق بیان فرماتے تھے۔ یعنے آپ کے مواعظ نہ پیٹنٹ تھے اور نہ لکھے ہوئے اور رٹے ہوئے۔ قرآنی استنباطات ہی ہوتے تھے۔ جن کی تائید معصومین کے کلام میں موجود ہے۔ شیخ کی مجلس میں جملہ ذی علم اکابر ہی شامل ہوتے تھے اور شیخ مثل شیر ببر۔

۱۹۰۸ء کے آخر مئی اور اوائل جون میں خاص شہر جھنگ میں تین دن جلسہ وعظ ایک یادگار جلسہ تھا جو خصوصیات خاصہ اور کثرت سامعین و حاضرین کے لحاظ سے ایک عجیب شان رکھتا تھا۔ ہندو مسلم، سُنی، شیعہ، آریہ، عیسائی، ہر مذہب و ملت کے شائقین موجود تھے۔ اور اکثر اڈیٹران اخبار بھی تھے۔

حقانیت اور صداقت اور حقیقت اسلام پر وعظ تھا اور میں نے خود تین مرتبہ یہ اعلان کیا تھا کہ جس کو حقانیت اسلام پر کوئی اعتراض ہو اس کو اجازت ہے کہ اپنا اعتراض پیش کرے خواہ کسی مذہب و ملت سے ہو۔ مگر کسی کی مجال نہ تھی کہ ہوں بھی کرے۔

تیسرے دن جناب فاضل علام حافظ احمد صاحب مرحوم ساکن جھنگ نے یہ فرمایا کہ آپ سے پہلے میں اپنے سے بہتر کسی کو عالم نہ جانتا تھا مگر آج معلوم ہوا کہ علم کیا چیز ہے اور عالم کسے کہتے ہیں۔ اور چالیس سالہ شبہات رفع ہوئے۔ خدا بخشے حافظ موصوف خود اہل سنت میں ایک بڑے پایہ کے فاضل تھے۔ مگر یہاں ان کو "فوق کل ذی علم علیم" کی حقیقت آشکار ہوئی۔ صاحب کمال ہی کمال کی قدر کر سکتا ہے۔ آپ صوفی خیالات کے تھے اور خاندان رسالت سے خاص اُنس رکھتے تھے اور طبیعت میں انصاف تھا۔ بلکہ آپکا خاندان ہی اس خصوصیت سے ممتاز ہے۔ چنانچہ مرحوم کے بھائی مولوی عبدالرحمان صاحب مرحوم بھی بہت کچھ اس خصوصیت

کو لئے ہوئے ہیں اور اہلِ بیت طاہرین سے دلی محبت رکھتے تھے اور اُن کی موجودہ اولاد بھی۔ خدا توفیقات زیادہ کرے۔

ان مواعظ میں جو حقائق اسلام بیان کئے گئے تھے اور جس خوبی سے حقانیت اسلام بمقابل جمیع مذاہبِ عالم دلائل و براہین سے بیان کی گئی تھی۔ آج تک پھر اس کے سننے کے کان مشتاق ہیں۔ مگر اس عرصہ دراز میں پھر کبھی وہ تمام مضامین و مطالب و دلائل بعینہا سننے میں نہ آئے۔ اگرچہ آیہ شریفہ "ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وھو فی الاخرۃ من الخاسرین" پر جو جھنگ میں عنوان کی گئی تھی متعدد مرتبہ وعظ فرمائے۔ مگر ہر دفعہ رنگ نیا تھا۔ اسی واسطے بعض اہلِ بصیرت کا یہ اعتقاد تھا کہ موصوف کو حضرت عجل اللہ فرجہ سے خاص تعلق ہے اور ان کی تائید غیبی شاملِ حال ہے۔ واللہ عالم بحقیقۃ الحال۔

مگر حضرات پنجاب بھی عجیب چیز ہیں۔ مجھے سخت تعجب ہوا جبکہ چند سال ہوئے بعض مومنین اہلِ جھنگ سے ان مواعظ اور ان مضامین و مطالب کا ذکر کیا تو انہوں نے نہ صرف یہ بتلا دیا کہ فلاں آیت پر وعظ ہوا تھا بلکہ بعض مطالب و مضامین وعظ بھی بتلائے یہ ان کے شوقِ دینی، احساس اور کمال قوت حافظہ کی دلیل ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اہلِ جھنگ اُن خواص مومنین سے ہیں جنہیں مرحوم سے ایک خاص روحانی تعلق اور اُنس ہے اور آج تک وہی خصوصیت رکھتے ہیں۔

علامہ مرحوم کی سحر بیانی اور دفتر البرہان کی محققانہ تصانیف کا یہ اثر ہے جس نے اسی ضلع جھنگ میں دو زبردست فاضلوں فخر العلماء الاعلام، عدیم الامثال والاقران حافظ مولوی علی محمد خان سلمہ اللہ الرحمان، اور جناب حذاقت مآب فضیلت انتساب اسیرِ کبیر حاجی مولوی حکیم امیر الدین صاحب مصنفین کتاب مستطاب فلک النجاۃ جیسی ہستیوں کو اس طرف کھینچ لیا ومن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام اور ان کے دائرہ ایمانی میں داخل و شامل ہونے سے ان کے علاقہ میں گویا ایک تبلیغی مشن قائم ہو گیا ہے اور سینکڑوں نفوس دولت ایمان سے مالا مال ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں اور انشاء اللہ ہوتے رہینگے۔ خدا انکی توفیقات زیادہ کرے۔

"دو دل یک شود بشکند کوہ را"

اور یہ سب کچھ شیخ و دفتر البرہان کے آثار وجود سے ہے ونکتب ما قدموا و اثارھم وکل شیی احصیناہ فی امام مبین۔ یہ خبر اور بھی مومنین کیلئے مسرت خیز ہے کہ فخر الحکما زین الفضلا، تاج العلما، العالم الربانی حکیم مولوی السید بدر الاسلام المدنی مدظلہ العالی نے بھی حقانیت مذہب حق کا اعلان کر دیا ہے۔ آپ کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رسالہ "حسبنا کتاب اللہ" حصہ اول پر فریفتہ ہو کر حق کے شیدا بن گئے ہیں اور آپ تبلیغ حق اور اشاعت عزائے حسینؑ پر مٹے ہوئے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ صحیح ہو کیونکہ ہمیں خود ان صاحب کے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا ہے۔ یہ تمام آثار ہیں تبلیغ حق کی اس مستحکم عمارت کے جس کا سنگ بنیاد قدرت نے صوبہ پنجاب میں سرکار علامہ مرحوم کے دست مبارک سے اب سے اکتیس سال قبل رکھا تھا۔ "واللہ یفعل ما یشاء و ھو فعال لما یرید"۔

"اللھم اجعلنی ممن تنتصر لدینک من الاخیار ولا تستبدل بی غیری"۔ تبلیغ دین اسی کا نام ہے نہ اخباری پراپیگنڈا" کا۔ "وان فی ذالک لذکری لاولی الالباب"۔

چہارم۔ علامہ انتہا درجہ کے نظافت پسند اور طہارت کے پابند و عامل تھے۔ مگر آپ کی طہارت و نظافت کچھ ایسے اعلیٰ اصول پر تھی۔ کہ کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتی تھی اور کسی کو آپ کی یہ انتہائی پابندی طہارت گراں نہ گذرتی تھی۔ آپ کا لباس ہمیشہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ابھی تازہ تیار ہو کر آیا ہے۔ اکثر پہنے ہوئے کپڑے ایسے معلوم ہوتے تھے گویا ابھی پہنے ہی نہیں گئے ہیں۔ ایسی ہی نظافت اکل و شرب میں بھی تھی۔ نہایت خوش خوراک، خوش لباس تھے اور عام لوگوں میں پھول کی طرح سے رہتے تھے، اُن کی طہارت کٹ ملاؤں کی طرح رسمی اور خود ساختہ نہ تھی بلکہ حقیقی اصول مسلّمہ شریعت غرائے محمدی پر مبنی تھی۔

پنجم۔ اوراد و اذکار کے نہایت درجہ عامل تھے اور ان میں کچھ ایسا اثر ہوتا تھا کہ اگر کبھی کسی کو سُننے کا اتفاق ہو جاتا تھا تو سُنکر ہی دل میں نورانیت بڑھ جاتی تھی اور روحانیت کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ خصوصاً آخر روز جمعہ کی دعائیں اور تہجد کے وقت کی مناجاتیں سامعین کا دل ہلا دیتی تھیں۔ مرحوم علامہ شب کو ہمیشہ تقریباً تین چار بجے اُٹھتے اور

ادعیہ کے علاوہ اس وقت قرآن شریف کی تلاوت کے عادی تھے اور اس بات میں شیخ بہت کچھ خصوصیات رکھتے تھے جسکا ذکر بھی اس مادہ پرست والفاظ پرست مناسب نہیں۔
دراصل یہی عمل علامہ کا اور یہی عادت ریاضت انکی کمال روحانیت و نورانیت قلب و انشراح صدر کا وسیلہ بھی اس عمل ریاضت کی وجہ سے علامہ کو یہ تبحر علمی حاصل تھا۔ اور کمال ملکہ استنباط و استخراج مسائل و احکام وتحقیق تحصیل حقائق معارف و دقت نظر و عمق علمی خصوصاً علم قرآن میں اس کا نتیجہ تھے اور شیخ کا نفس مزکی و مصفا اور مرتاض تھا۔ رحمہ اللہ
ششم۔ اس ریاضت نفس و عبادت پر شیخ کا یہ حال تھا کہ شیخ اس زمانہ کے اصطلاحی ملا نہ تھے۔ یا یوں کہئے کہ ملا منش نہ تھے۔ یا یوں سمجھئے کہ زاہد خشک نہ تھے، نہایت خوش خلق و خوش مزاج، خوش صحبت، شاہ مزاج، شاہ دماغ تھے۔ اور پھر شاہ پرست نہ تھے اور شاہ پرست نہ ہونے ہی نے انہیں یورپ و ہندوستان کی سیر کرائی جس کو وہ کبھی پسند نہ کرتے تھے ولکن اللہ یفعل ما یشاء۔ اعلیٰ مدبر تھے، سیاستدان تھے۔ وزیروں میں وزیر تھے اور مدبروں میں مدبر، اور امیروں میں امیر اور غریبوں میں فقیر۔

علم سیاست مدن میں ایسی دستگاہ حاصل تھی اور ایسی سوچتے تھے کہ بڑے بڑے مدبر حیران ہو جاتے تھے۔ اور اکثر امور مہمہ میں شیخ سے مشورہ لیتے تھے۔ علوم شرعیہ و غیر شرعیہ اسلامیہ کے علاوہ علوم مروجہ حالیہ میں سے اکثر میں کافی دستگاہ تھی اور بہت سے عجائبات زمانہ سے واقف تھے اور اخبار بینی بھی ایسی تھی کہ روئے زمین کی شاید ہی کوئی خبر ایسی ہو جس کا شیخ کو علم نہ ہو یا شیخ کسی دن اخبار نہ دیکھیں۔
ہفتم۔ شیخ اعلیٰ درجہ کے سوار تھے، اعلیٰ درجہ کے نشانہ باز تھے، اور اعلیٰ درجہ کے شکاری ہمیشہ پستول، بندوق ساتھ رکھتے تھے۔ اور اسیطرح اعلیٰ درجہ کے تیراک اور یہ سب باتیں ہماری چشم دید ہیں گویا السبق والرمایہ والی حدیث کے بھی عامل تھے اور عملاً آیہ مجیدہ اعدوا لھم ما استطعتم کی تعلیم دیتے تھے اور علمائے دین میں سے شیخ جس خصوصیت سے متصف تھے۔ کم متصف پائے جاتے ہیں۔
ہشتم۔ علوم غریبہ جن کی تعلیم مفقود ہے شیخ ان میں سے اکثر میں بہت کافی دستگاہ رکھتے تھے مثلاً نجوم، جفر وغیرہ اور ان علوم میں بھی علامہ کی معلومات، احادیث و فرمائشات معصومین ہی

سے ماخوذ تھیں۔ بلکہ اکثر وبیشتر کتاب اللہ سے مستنبط تھیں۔

آخر الذکر کے بعض عربی رسائل پر علامہ نے حواشی بھی لکھے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ علامہ کی کتب ومسودات میں وہ نہیں نکلے۔

نہم۔ علامہ کی شہامت نفس۔ علوِ ہمت اور بلند خیالی وبلند نظری کا یہ حال تھا کہ چوبیس[۲۴] سال گویا جلا وطنی اور غربت میں گذارے مگر کبھی ہمارے سامنے اُن تکالیف کا ذکر نہیں کیا اپنی مصائب کا تذکرہ مخلوق کے سامنے زبان پر نہیں لائے۔ دوستوں عزیزوں اہل وعیال اور اپنی جاگیرات سے جدا ہوئے۔ چوبیس[۲۴] سال تنہا گذارے۔ مگر کبھی کسی دوست سے یہ نہ کہا کہ میرے بچے مجھے یاد آتے ہیں، کبھی کسی دوست سے یہ نہ کہا کہ مجھے خرچ کی تکلیف ہے۔ جب آپ کا تینتیس[۳۳] ہزار روپیہ جو ارباب جمشید کے بنک میں طہران میں جمع تھا خرچ ہوگیا اور ایران کے دوست واحباب سے بھی منگانا چھوڑ دیا۔ یہاں کے خاص مخلص دوستوں نے ان کی مدد کی۔ مگر شیخ نے مثل عام لوگوں کے اپنی ضروریات کا اظہار نہ کیا اور یہ شیخ ہی کا نفس تھا۔

دہم۔ ہندوستان میں آکر شیخ کی ذات کو روحانی آلام بھی پہنچے جس سے کل باخبر واقف ہیں، اور اخبار شاہد۔ ایک عالم دین جس نے تمام عمر خاص خدمت دین میں صرف کی ہو جو اسلام ومذہب حق کا سچا خیر خواہ وحامی ہو۔ اس کو ان امور سے سابقہ پڑے۔ اور وہ باتیں سنی پڑیں جو کسی شریف کیلئے زیبا نہیں ہوسکتی اور کوئی بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ مگر ان کو بھی بہت کم محسوس کرتے تھے۔ کرتے تھے۔ بڑا صدمہ تھا۔ مگر ہم سے کبھی اس طرح اظہار نہ کیا کہ مجھے اُنکا صدمہ ہے اور یہ لوگ میرے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ اور خون کا سا گھونٹ پیکر رہ گئے اور صبر کیا۔ ہاں دینی سخنہ اندازی میں بہت غصہ آتا تھا اور اس معاملہ میں سخت تھے۔ لاتاخذہ لومۃ لائم فی دین اللہ اس حالت میں بھی جبکہ قوم کی طرف سے ان کے ساتھ یہ سلوک ہوتا رہا حتی الامکان خدمت دین سے غافل نہ رہے۔ ہائے ہائے ایسی وہ باتیں ہیں جن کو اہل دل اور اہل درد ہمیشہ یاد کرینگے شیخ انہیں نہ بھولیگا۔ دنیا بہت کچھ رنگ بدلیگی۔ بہت پلٹے کھائے گی۔ بہت نفوس پیدا کریگی۔ مگر شیخ کی یاد مومنین منصفین سے فراموش نہ ہوسکیگی ؎

"خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنیوالے میں"

حیف صد حیف کہ وہ اعلم دوراں نہ رہا	منبع علم و ہنر معدنِ عرفاں نہ رہا
اسکی ہر بات میں صد نکتۂ علمی تھے نہاں	کاشفِ سرِّ خفی عارفِ سبحاں نہ رہا
اس سے پاتے تھے شرف علم فنون و اخلاق	مصدرِ علم و عمل عالمِ قرآں نہ رہا
جو چہکتا تھا صدا گلشنِ توحید میں آہ	آج وہ بلبلِ خوش لہجہ و الحاں نہ رہا
متبحر، متکلم، متفقہ، عارف	عابد و زندہ دل و قاری قرآن نہ رہا
فیض سے اس کے ہوئیں علم کی نہریں جاری	آہ پنجاب میں وہ شیخ خوش ایماں نہ رہا
شیخ سے عالم دیں نے کیا قصدِ جنت	اب کوئی ہند میں علامہ طہراں نہ رہا

ڈوبا پنجاب میں طہران کا وہ "اخترِ علم"
افق دین پہ اب نیّرِ تاباں نہ رہا

نوٹ:۔ چھٹے اور ساتویں شعر کا مصرع اول مادۂ تاریخ بھی ہے اور آٹھویں میں "اخترِ علم"۔

تالیف و تصنیف

اس عنوان کو ذکر کرتے ہوئے ہمیں سخت افسوس ہوتا ہے ایک تو اس وجہ سے کہ اس باب میں اتنی کمی ہے کہ کچھ لکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ دوسرے مرحوم و مغفور کا اس باب میں جو کچھ خیال تھا افسوس ہے کہ وہ پورا نہ ہوا۔ اور اجل نے مہلت نہ دی کہ وہ ہندوستان میں کوئی خاص ایسی تصنیف چھوڑ جائیں جو یادگار رہے وما کل ما یتمنی المرء یدرکہ۔

علامہ اعلی اللہ مقامہ کی تصانیف کا کم ہونا چند وجوہ سے ہے۔

اول تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علامہ لکھنے میں زیادہ جری نہ تھے اور جہاں تک میں خیال کرتا ہوں وہ بہت ہی کم لکھ سکتے تھے۔ کیونکہ بفضلہ تعالےٰ علم اتنا وسیع تھا کہ جس وقت کچھ لکھنے کا قصد فرماتے تھے تو مضامین اس طرح چاروں طرف سے فوج فوج آتے تھے کہ علامہ اُن کا انتظام نہ کر سکتے تھے یعنی چاہتے یہ تھے کہ ہر مضمون نہایت اعلیٰ درجہ کا ہو اور بالکلیہ ہر اعتبار سے مکمل ہو۔ کوئی مالہ وما علیہ باقی نہ رہ جائے۔ کوئی شبہ ایسا نہ ہو جس کا جواب نہ آجائے۔ کوئی اعتراض ایسا نہ ہو جس کا رد نہ ہو جائے۔ میرا تجربہ بھی ہے اور عقیدہ بھی یہی ہے کہ ایسا شخص اور ایسے خیال کا مصنف بہت کم لکھ سکتا ہے اور اگر کچھ لکھے بھی تو اسکی طبع کی نوبت نہ آسکیگی اگر چھاپنے کا قصد کریگا تو پھر نظر ثانی نہ کر سکیگا۔ کیونکہ نظر ثانی میں ضرور بالضرور کچھ نہ کچھ

مضامین اور آجائیں گے کچھ شبہات کا جواب اور سوچیگا اور یہ بات علامہ میں ضرور تھی خواہ
اس کو نقص کہا جائے یا کمال علمی کا نتیجہ۔
دوم - چونکہ شاہی مزاج رکھتے تھے۔ محنت کم برداشت کر سکتے تھے اور اس
ملک کی گرمی کی بھی برداشت نہ لا سکتے تھے۔ کیونکہ انکو اکثر سرد یا معتدل مقامات ہی
میں رہنے کا اتفاق ہوا اور ہمیشہ امیرانہ شان سے رہے وہ ایسی حالت میں تصنیف
کر سکتے تھے کہ ہر قسم کا سامان تصنیف موجود ہو اعلیٰ درجہ کا مکان ہو اور ایسے مقامات پر
جہاں موسم تقریباً معتدل رہے اور ہر طرح کی بے فکری ہو۔ اہل علم کا مجمع ہو منشی اور نساخ
موجود ہوں اور یہ میری وہ رائے ہے جو میں اب سے چند سال پیشتر قائم کر چکا تھا چنانچہ
اسی کی تصدیق تصنیف تفسیر کے واقعہ اور شاہ ناصرالدین شاہ کے "ادارۃ التالیف"
قائم کرنے سے ہوتی ہے کہ یہ سامان تھا تو علامہ کچھ کر سکے وہ صورت اگر باقی رہتی تو بیشک
علامہ کی تصانیف بہت ہوتیں اور لاجواب ہوتیں اور اگر صرف وہی ایک تفسیر مکمل ہو جاتی
تو بھی ہزار تصنیفوں سے بہتر ہوتی۔ مگر افسوس ہے کہ زمانہ نے مہلت نہ دی اور فلک کج رفتار
شیعہ قوم کی یہ زبردست کامیابی نہ دیکھ سکا۔

"اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"

سوم - یہ بھی مسلم ہے کہ علامہ نے امیرانہ زندگی بسر کی مگر انصاف یہ ہے جو اطمینان
کہ چاہیئے مرحوم کو حاصل نہ ہوا خصوصاً ان کے اپنے نقطۂ خیال سے۔ اور جس حال میں انہوں
نے تیئیس ۲۳ چوبیس ۲۴ سال گذارے ہیں کہ آج کہیں اور کل کہیں۔ آج اس شہر میں اور کل اس
گاؤں میں۔ آج کچھ پروگرام اور کل کچھ۔ قیام کہیں۔ مرکز کہیں، آپ کہیں اور کتب کہیں ایسی
صورت میں ناممکن تھا کہ علامہ جیسا شخص اپنے منشاء کے موافق کوئی چیز لکھ سکے اور مجھے
علم ہے کہ وہ اس کو محسوس کرتے تھے بلکہ بعض اوقات متاسف بھی ہو جاتے تھے اور
انہیں واقعات کو دیکھتے ہوئے اور علامہ کے مزاج کو پہچانتے اور ان کی مجبوریوں کو
جانتے ہوئے اکثر مخلصین کا یہ خیال تھا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ علامہ اس کام کے
ہیں کہ چند اہل علم ہر وقت ان کے ساتھ رہیں اور جو کچھ یہ کہیں وہ لکھ لیا کریں۔ مجھے
بھی اس سے اتفاق تھا۔ اور واقعاً علامہ سے لینے کی بہترین صورت یہی تھی ذرا
چھیڑ دو اور جواہرات علمیہ سے جیب و دامن بھر لو۔ بس یہی سب سے بہتر صورت ان سے

کچھ حاصل کرنے اور ان کے علوم و معلومات کے محفوظ رکھنے کی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ اہل علم کو یہ موقعہ بہت کم ملا۔ کوئی شخص جس کو شوق ہو ایسا فارغ البال نہ تھا جو ہمیشہ علامہ کی خدمت میں رہتا۔ اگرچہ بعض اہل علم نے اس امر کو علامہ کے ابتدائے زمانۂ ورود پنجاب ہی میں سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ سنا ہے کہ شروع ہی ملاقات میں جناب مولٰنا عنایت علی صاحب ساماوی اعلی اللہ مقامہ نے جناب مولوی سید حسن علی شاہ صاحب مرحوم سے فرمایا تھا کہ یہ وہ شخص ہے کہ جب اس کے پاس بیٹھو کاغذ، قلم، دوات لیکر بیٹھو اور جو یہ کہے لکھتے جاؤ۔ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ خذ العلم من افواہ العلماء علماء کی زبان سے علوم حاصل کرو۔

تفسیر مذکور کے علاوہ ایک رسالہ مسئلہ قضا و قدر پر ایک تجسم اعمال پر اور ایک ثبوت معاد جسمانی بدلائل فلسفۂ طبیعیہ پر علامہ نے لکھا تھا اور یہ سب رسالہ مطبوعہ ہیں مگر انکا کوئی نسخہ ہندوستان میں موجود نہیں ہے۔ ایک آدھ دفعہ ایران لکھا بھی مگر کوئی جواب نہیں آیا اب ہم اس کی نسبت مزید سعی سے کام لینگے۔ شاید کامیاب ہو جائیں

مسودۂ امامت

یہاں علامہ اعلی اللہ مقامہ کی تصنیفات میں سے ایک مسودہ تھا اور جس کے اکثر مباحث و مطالب امامت سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ کچھ نوٹ اور اشارات تھے جو وقتاً فوقتاً مرحوم لکھتے رہتے تھے۔ اور چند سال سے برابر مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ اس سال **کوئٹہ** جاکر ان مسودات کو ضرور مرتب کر دونگا۔ مگر قدرت نے ان کی ترتیب کا موقع ندیا اور علامہ اس کی حسرت دل ہی میں لے گئے اور نہایت افسوس ہے کہ مسودات و کتب کی تلاش کی وہ مسودہ بھی اب نہ نکلا جس کو خود میں نے قبل ازیں دیکھا تھا اور ساتھ ہی آپ کے خاص اوراد و وظائف و اعمال کا مجموعہ بھی مفقود ہو گیا۔ ان دونوں چیزوں کے گم ہونیکا مجھے سخت صدمہ ہے۔ اکثر احباب سے دریافت کیا مگر کچھ پتہ نہ چلا اور بعض حضرات نے کچھ جواب بھی نہ دیا۔ "وقد جف القلم بما هو كائن"۔

علامہ کے خاص قلم کا لکھا ہوا ایک مضمون جو عربی میں ہے اور آیۂ مجیدہ انا کل شیئ خلقناہ بقدر کی تفسیر پر ایک سنی المذہب افغانی عالم کے سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اب سے چند سال پیشتر "**البرہان**" میں بجنسہ و بلفظہ شائع ہو چکا ہے

مضمون مختصر ہے مگر اہل علم کے دیکھنے کے قابل ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر اسکو کہتے ہیں اور اس طرح لکھتے ہیں ۔ یہ چند صفحے اہل بصیرت کے نزدیک فی الحقیقۃ ابواب علم ہیں۔ اسیطرح اور بھی چند مضمون علمی بعض مومنین کو لکھکر دئے ہیں جو قابل دید ہیں۔ اور یہ نہایت مفید رسائل مثلاً **سورہ کہف** کی ان آیتوں کی تفسیر لکھکر بعض احباب کو عنایت فرمائی ہے جس میں حضرت **موسیٰؑ اور خضرؑ** کا قصہ ہے اور ان آیات سے مسائل قضا وقدر اور بندہ کے فاعل مختار ہونے کے اہم مباحث کو ایک عجیب وغریب اسلوب سے حل کیا ہے اور اعلیٰ ترین نکات بیان فرمائے ہیں کشتی میں ایک تحصیلدار صاحب کو ہدایت ہادی اور اقسام ہدایات کے بیان ہیں ایک نہایت مفید مضمون لکھکر عنایت فرمایا تھا اور ان دونوں کا خود مجھ سے ذکر کیا تھا۔ وعلی ھذا القیاس بعض دیگر مومنین کو وقتاً فوقتاً مفید مضامین دئے ہیں۔ اگر یہ حضرات یہ مضامین عنایت کر دیتے تو یہ علیحدہ صورت میں بھی شائع ہوسکتے تھے۔ نیز اس موجودہ سودہ میں البتہ وہ عربی مضمون ناظرین اس کتاب کے حصہ سوم میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اہل علم اور اہل بصیرت کے نزدیک علامہ کی وقعت اور عظمت

یہ سب کچھ ہے مگر علامہ سے جس کی امید ہم لوگ رکھتے تھے اور جو کچھ ہمارے نفوس چاہتے تھے اور جو علامہ کی طرف سے ہونا چاہیئے تھا اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ علم معرفت کی ایک بجلی پنجاب پہ چمکی اور غائب ہوگئی۔ ایک پھول تھا جو کھلا تھا اور فوراً مرجھا گیا۔ بیس سال کا عرصہ اس اعتبار سے ایسا گذر گیا کہ گویا بیس دن۔

علامہ نے یہاں علمی بوٹے لگائے مگر انکو پروان نہ چڑھا سکے۔ علامہ نے ہندوستان میں اور بالخصوص سندھ وپنجاب میں شجرۂ اسلام کو زندہ کیا مگر اسکو کامل نہادا اب نہ دیکھ سکے ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

ان کو خود اس کا افسوس رہا اور مرتے وقت اگر علامہ کے دل میں کوئی حسرت تھی تو یہی کہ اسلام پھر مضمحل ہوجائے گا بلکہ جب زندگی سے مایوس ہوگئے تھے تو فرماتے تھے۔ کہ افسوس ہے کہ میں نے بڑی محنت سے اسلام کو زندہ اور تازہ کیا تھا وہ پھر اسی حالت پر

آجائے گا اور پھر مضمحل ہو جائے گا۔ اور جو روح اسلامی میں نے پھونکی ہے وہ باقی نہ رہیگی
چنانچہ ایسی اور وصایا کے بعد میرا سینہ کھلوا کر دیر تک سینہ پر ہاتھ رکھے ہوئے دعائیں
پڑھتے رہے اور بعد ازاں فرمایا کہ "ملازمت را ترک کنید و خدمت دین را پیش
گیرید تا محنت بندہ برباد نرود و ضائع نہ شود" اور یہ بالکل سچ ہے اور یہ ہماری بدقسمتی
ہے کہ ہر طرف سے اہل علم کا سایہ مومنین کے سر سے اٹھتا جاتا ہے۔ یہ نعمتیں پھر کہاں
حاصل ہونگی۔ اگر ہماری ناشکر گذاری نہ ہوتی تو ہرگز ابھی یہ نعماتِ الٰہی ہم سے سلب نہ
ہوتیں۔ بان اللہ لم یک مغیرا نعمۃ انعمھا علی قوم حتی یغیروا ما بانفسھم
الآیۃ۔ برسوں کے بعد یہ دولت ہاتھ آئی تھی۔ جو بہت جلد ہم نے ضائع کر دی۔ جناب مولنا
حالی مرحوم کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ دو سو سال کے عرصہ میں ہندوستان میں ایسا جید عالم
نہیں آیا۔ عالی جناب حذاقت مآب مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب زید مجدہ اکثر فرمایا
کرتے تھے کہ میں نے ایسا عالم نہیں دیکھا۔ پہلا ہی وعظ دہلی میں علامہ کا سنکر حکیم صاحب
نے فرمایا تھا جس کو ہم نے خود سنا تھا۔ "ما سمعت قط" میں نے ایسا وعظ کبھی نہیں سنا
اور اب بھی زمانہ مرض میں حکیم صاحب نے فرمایا کہ میں نے عراق بھی دیکھا ہے اور شام
بھی، مصر بھی اور یورپ بھی اور ہندوستان میں اکثر علماء کو دیکھا اور سنا ہے خصوصاً ان
چند سال کے عرصہ میں میں نے اس پایہ کا عالم نہیں دیکھا جناب مولنا مولوی سید محسن علی شاہ
صاحب جج فرمایا کرتے ہیں کہ جناب مولنا سید عنایت علی صاحب اعلی اللہ مقامہ جیسے متکلم
لاثانی و فاضل اجل فرماتے تھے کہ تیس تیس سال کے بعض شبہات شیخ ہی نے حل کئے ہیں
اور اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ گو شیخ کی تصانیف بہت کم ہیں۔ مگر شیخ کے آثار علمیہ
مفقود نہ ہونگے۔ دیر تک رہینگے کیتنی ہی روحیں ہیں جو زندہ ہوئی ہیں جن میں شیخ کے
علم کی شعاعیں چمکی ہیں اور وہ بہت مدت تک روشن رہینگی۔ اگر ہم اس کی تفصیل لکھیں
کہ کن کن باسواد حضرات نے شیخ سے فیض پایا جن سے شیخ کا نام روشن رہیگا تو بہت
طول ہوگا اور ایک مستقل مضمون بن جائیگا۔ مثال کے طور پر ہم بعض عالموں کا ذکر کر چکے ہیں
اور بعض سے خود ناظرین واقف ہیں۔

بہر حال گو ایسے اہل علم بھی ہیں اور بہت ہیں جنہوں نے علامہ کے خرمن علم سے
بہت خوشہ چینی کی ہے۔ مگر علامہ کے اس احسان و انعام کا کبھی اظہار نہیں فرماتے ہیں

تاکہ وہ نکاتِ علمی جو ان کی زبان سے ادا ہوں ان کی اپنی طبیعت کا نتیجہ سمجھے جائیں جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں لیکن تاہم ایسے نفوس بھی ہیں جو علامہ کے اس احسان کو کبھی بھول نہیں سکتے۔ اور وہ اس کے نام کو انشاء اللہ دیر تک زندہ رکھینگے اور انکی روحیں ہمیشہ شیخ کی شکرگذار رہینگی۔ وہ شیخ اور شیخ کے کمالات کو کبھی فراموش نہ کرسکینگے اور انکی آنکھیں ہمیشہ شیخ کی مفارقت میں آنسو بہائینگی مخلصین ہمیشہ علامہ کا مرثیہ پڑھینگے عارفین ہمیشہ شیخ کی روحانیت کو یاد کرینگے۔

علامہ کی اولاد

شاید ہمارے اس بیان سے بعض حضرات کو یہ شبہ گذرا ہو کہ علامہ کے نام لیوا اور اس کے آثار وجود بس یہی اہل ہند ہیں یا اہل پنجاب۔

علامہ کے دو صاحبزادے تھے جن میں سے بڑے نے شیخ کے دس ماہ بعد انتقال فرمایا چھوٹے صاحبزادے طہران میں ہیں اور عالم و فاضل فائز بدرجہ اجتہاد ہیں گو ہمیں یہ علم نہیں کہ وہ علامہ کی خصوصیات کے زیور سے کہاں تک آراستہ ہیں لیکن الولد سر لابیہ کی حقیقت کچھ نہ کچھ تو ضرور ایسے فاضل میں صادق آتی ہوگی۔ خدا کرے کہ ان سے ملاقات ہو اور ان میں شیخ کے آثار دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ ان کی صرف ایک تحریر حکومت ہند کی وساطت سے درباب دریافت حالِ مرحوم و وصیت نامہ ۱۹۲۳ء میں وصول ہوئی تھی۔ پھر کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔

دوسرے صاحبزادے مشہد مقدس تھے اور وہاں کی جائداد موقوفہ اور غیر موقوفہ کا انتظام انہی سے متعلق تھا یعنی شیخ نصر اللہ مرحوم مغفور ۱۳۴۰ھ ہجری میں وہ یہاں تشریف لائے تھے اور چند ماہ باپ کے سایۂ عاطفت میں بسر کرکے مشہد ہی واپس چلے گئے تھے۔ بعد وفات شیخ انہی کو تار دئے گئے وہ تشریف لائے اور علامہ کا جملہ سامان و اسباب حسب وصیت مرحوم انہی کو سپرد کیا گیا۔ یہ صاحبزادے صورت اور شکل میں بعینہ علامہ تھے مگر علم و فضل میں جدا یعنی فاضل نہیں تھے معمولی اہل علم تھے۔

علامہ اعلی اللہ مقامہ کی وصیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرحوم کی ایک ہمشیرہ بھی بقید حیات ہیں مگر اس خبر سے اس لئے افسوس ہوا کہ خدا جانے اس بیچاری پر کیا گذری ہوگی۔ جبکہ اُس نے سنا ہوگا کہ بھائی نے غربت میں وفات پائی۔ گو میرے لئے یہ فخر کا مقام ہے کہ علامہ اعلی اللہ مقامہ نے اپنا سامان اور اسباب اپنے فرزند ارجمند کو دئے جانے کی وصیت کی اور کتب خانہ میں جو تقریباً ایک سو کتب تھیں وہ

کل احقر کو دے جانے کی لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ تو سو کتابیں ہیں۔ شیخ کے سینے میں
جو کچھ تھا اور جو فیض ہمیں وہاں سے پہنچتا تھا اس کی تلافی دس ہزار کتب کا ذخیرہ بھی نہیں
کرسکتا۔ "لیس العلم فی السماء فینزل علیکم ولا فی تخوم الارض فینبت لکم
بل ہو مجبول فی قلوب العارفین" تادبوا باداب الروحانیین یظہر علیکم
شیخ وہ وجود تھا جس نے اپنی ریاضات نفسانیہ کے ذریعہ حقیقی عارفین کے فیض باطنی
سے بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ نہ صرف الفاظ کے قالب سے پھر کتابیں اس کی کیا تلافی کرسکتی
ہیں جبکہ بہت سی مفید اور نادر کتب جو مرحوم کے پاس تھیں ضائع ہو چکی تھیں۔ اور انکا
کوئی پتہ نہیں۔ کہاں گئیں۔ اور کس کے پاس ہیں۔ مگر جب شیخ ہی ہم سے چھن گئے۔ تو
کتب کہیں جائیں۔ ان کا مجھے افسوس نہیں۔ کتابیں بہت ہیں اور بہت ملینگی۔ مگر
شیخ جیسا روحانی مربی اب میسر نہ آئے گا۔

شیخ نصر اللہ مرحوم ماہ ذی الحجہ سنہ ۴۱ ہجری میں مشہد سے لاہور تشریف لائے
سامان مرحوم ان کے سپرد کیا گیا اور وہ از راہ کوئٹہ بلوچستان ماہ عزا سنہ ۴۲ھ میں واپس
وطن مالوف کی طرف عازم ہوئے۔ مگر افسوس صد افسوس نہ معلوم کس بری گھڑی گھر سے
چلے تھے۔ کہ زندہ وطن واپس نہ پہنچے سیستان میں زہر سے شہید کئے گئے۔ اور شیخ مرحوم
کی زندہ تصویر خاک میں مل گئی۔ مگر تفصیل اس حادثہ جانکاہ کی صحیح طور پر معلوم نہ کرسکے
کس طرح اور کیوں واقع ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شیخ اسد اللہ پسر نصر اللہ مرحوم
نبیرہ سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ سامان ملازم نے گھر پہنچا دیا اور
اب یہی کچھ مرحوم کی یادگار رہے۔

صبح کو طائران خوش الحان — پڑھتے ہیں کل من علیہا فان

کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذِی الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

سرکار شریعتمدار شیخ الاسلام شیخ عبد العلی اعلی اللہ مقامہ فی اعلی علیین نے

۹ دسمبر ۱۹۲۲ء مطابق ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ ہجری (شب شنبہ) اس عالم فنا سے عالم بقا کو رحلت فرمائی۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن"

یہ دن عجب قیامت خیز تھا۔ دنیا تیرہ و تار اور عالم مومنین کی آنکھوں میں سیاہ تھا۔ چہروں پہ ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور آنکھیں آنسو برسا رہی تھیں۔ دل خود بخود بیٹھے جاتے تھے طبیعتیں بے چین تھیں۔ غم والم کا ہجوم تھا اور شہر لاہور میں ہر طرف پریشانی کے آثار ہویدا تھے۔ اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ ماہ عزا نہ تھا۔ مگر مومنین کے گھر عزا خانے بنے ہوئے تھے ہر طرف سیلاب غم والم امڈ رہا تھا۔ کیوں؟ کس لئے؟ اس لئے کہ **"آفتاب معارف غروب ہوگیا" "اختر علم"** ڈوب گیا۔ نیر روحانیت نظروں سے غائب ہوگیا چشمہ ہدایت خشک ہوگیا علم و عمل کا بحر مواج پایاب۔ وہ بلبل ہزار داستان و خوش الحان خاموش ہوگیا۔ جو ہمیشہ گلشن توحید میں چہکتا تھا۔ وہ قمری خوش لہجہ چپ ہے۔ جو ہمیشہ عرفان کا نغمہ سناتی تھی۔ وہ حکیم اسلامی جو اپنے دلائل و براہین سے قلوب مومنین کو روشن کرتا تھا ایک تاریک کوٹھری میں سو رہا ہے۔ جہاں صرف اسکے نور ایمان کی شمع روشن ہے۔ اس فلسفی متکلم کا ماتم برپا ہے۔ جو ہزاروں کے مجمع میں بڑے بڑے ملحدوں اور دہریوں کے سر اپنے دلائل قاطعہ کے آگے خم کرا دیتا تھا۔ جو ہر ایک سوال کے جواب کیلئے ہر وقت تیار رہتا تھا جس کی ذہانت اور ذکاوت اسکو سوچنے کی تکلیف نہ دیتی تھی۔ جس کی روحانیت اس کو الفاظ کے خول میں مقید رہنے سے باز رکھتی تھی جس کی عمیق نظر ہمیشہ کلام کے مغز تک پہنچتی تھی۔ جس کی زبان سے فصاحت اور بلاغت کے دریا بہتے تھے اور جس کی مناجات رات کے وقت سننے والوں کے دل ہلا دیتی تھی۔ اور ہر ایک دل میں معرفت اور روحانیت کی ایک لہر دوڑا دیتی تھی جس کے فضل و کمال کا ہر طرف شہرہ تھا جس کے تبحر علمی کے اپنے پرائے یگانے بیگانے موافق و مخالف سب قائل تھے جس کو نہ صرف شیعہ بلکہ عام مسلمان ایک عالم عدیم المثال جانتے تھے جس کے کمال علمی کا لوہا غیر مسلم بھی مانتے تھے۔ جس کی ذات ستودہ صفات کے لئے لفظ **علامہ** زینت نہ تھا بلکہ اس کی ذات سے اس لفظ کی عزت تھی جو مادرزاد مجتہد اور امی علامہ نہ تھا۔ اس نے مدتوں ریاض کیا تھا۔ صحراؤں کی خاک چھانی تھی۔ ہولناک خرابات کے مناظر دیکھے تھے جس نے ہزارہا کتب کا مطالعہ اور ہزارہا مناظر قدرت کا مشاہدہ کیا تھا

جس نے ریاضت سے نفس کو مزکیّٰ بنایا تھا اور اس کا عمل علم سے بڑھا ہوا تھا۔ اسی نے اس کو کامل بنایا تھا اور وہی اسکی سچی اور حقیقی شہرت کا باعث تھا۔ وہی لوگوں کے دلوں کو کھینچتا تھا۔ اور سچے عالم کے معنی بتلاتا تھا "وانما یخشی اللہ من عبادہٖ العلماءُ"۔ اس کے علمی تبحّر کا ثبوت قومی اشتہارات و اخبارات اور ملک کی انجمنوں کے ریزولیوشنوں۔ اور حاشیہ نشین چائے خوردں کے افسانوں پر موقوف نہ تھا۔ بلکہ اس کی زبان اور اس کا دل اس کا ثبوت تھے والمرءِ باصغریہ قلبہ ولسانہ۔ وہ محقق تھا مدقق تھا حکیم تھا۔ فلسفی تھا۔ مجاہد تھا۔ مرتاض تھا۔ فقیہہ تھا۔ اعلم تھا۔ وہ فصیح البیان مفسر قرآن تھا - صاحب الرائے اور صائب الرائے تھا۔ شاہ مزاج تھا۔ شاہ دماغ تھا۔ مگر شاہ پسند نہ تھا۔ آہ وہ وجود دنیا سے اٹھ گیا۔ جو قوم کا سرپرست اور مذہب و ملت کا سچا محافظ اور حامی تھا۔

لی راہ خلد شیخ نے دنیا کو چھوڑ کر
ہم بدنصیب رہ گئے رونے کیواسطے

وہ بلبل علم وعرفان جو چند روز قبل عرشۂ منبر پر باغ توحید میں چہکتا تھا۔ اب اسکا تابوت مومنین کے کندھوں کی زینت تھا عجب شان کا تابوت تھا ہزارہا مومنین رؤسا عظام بعض والیان ریاست اور بعض دیگر اقوام کے معزز ممبر احاطہ کئے ہوئے تھے۔ تمام مجمع پر حزن وملال کے آثار نمایاں تھے۔ اکثر کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے مومنین کے چہروں سے اخلاص ٹپک رہا تھا۔ اکثر مومنین خصوصاً نوجوانان قوم تابوت کو لئے ہوئے تھے۔ کندھا دینا نہایت دشوار تھا۔ ہر گلی کوچہ سے مجمع میں اضافہ ہوتا جاتا تھا سیاہ علَم آگے آگے رواں تھے اور مومنین تصویر غم بنے ہوئے پیچھے پیچھے۔ جابجا مصور فوٹو لیتے جاتے تھے۔ مومنین کے محلوں سے مستورات پھول برسا رہی تھیں اور اپنے قیمتی آنسو اس فدائے ملت پر نثار کر رہی تھیں۔ یہ بھی اسی کی خصوصیت تھی کہ سینکڑوں چھوٹے بچے ساتھ تھے اور ایک برات کے تمام براتی مع دولھا تشییع جنازے میں شریک حسب وصیت مرحوم آخری خدمت کے جملہ فرائض اس حقیر کے ذمہ تھے جو ادا کئے گئے۔

عالیجناب معلی القاب نواب ابن نواب خان بہادر کربلائی نواب **محمد علیخان**

صاحب قزلباش سی۔ایس۔آئی بالقابہ کی کوٹھی سے تابوت اُٹھا اور شہر میں سے گذرتا ہوا تقریباً تین چار گھنٹہ میں گامے شاہ کی کربلا میں پہنچا وہیں مسجد میں نماز ہوئی جسکا شرف محسن قوم مخلص خاص جناب مولوی محسن علی شاہ صاحب سبزواری مرحوم مغفور کو حاصل ہوا اور آہ و بکا کے اژدحام میں تابوت **نجف اشرف** پہنچانے کی غرض سے کربلائے مذکور میں امانت رکھا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحوم کی ہمیشہ یہی خواہش تھی کہ اُن کا عالم آخرت کا سفر ہندوستان سے نہ ہو بلکہ دارالاسلام **"ایران"** سے ہو مگر "ما تدری نفس ماذا تکسب غدا و ما تدری نفس بای ارض تموت۔ ارادۃ اللہ غالبۃ علی کل ارادۃ" غربت میں شاید ہی کسی غریب کا جنازہ اس دھوم سے اٹھا ہوگا اور اس شان سے ماتم پرسی ہوئی ہوگی۔ اگر ان کے اقربا موجود ہوتے تو خیال بھی نہ کرتے کہ وہ پردیس میں ہیں اور یہ سب کچھ مرحوم کی وجاہت اور جناب کربلائی صاحب موصوف کی شخصیت کا اثر تھا جنہوں نے مرحوم کی تیمارداری اور بیمارداری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا وہی صاحب عزا تھے اور حق عزا بھی ویسا ہی ادا کیا جو ان کی شان کے شایان تھا۔ غفر اللہ لہ۔

کل پنجاب و سندھ اور اکثر مقامات ہندوستان میں مرحوم کا سوگ منایا گیا۔ تعزیت کی گئی۔ تعزیت نامے لکھے گئے، تعزیتی جلسے ہوئے۔ تاریخیں لکھی گئیں۔ اور مومنین نے اپنے اخلاص ایمانی کا آخری ثبوت پیش کیا لیکن

پس ازانکہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

آج بابصیرت اہل پنجاب خود دیکھ رہے ہیں اور افسوس کر رہے ہیں کہ شیخ کے علم و فضل کی جیسی کہ چاہئے تھی قدر نہ کی گئی۔ بلکہ اس کے برعکس اس کی ناقدری میں اور تشہیر و تذلیل میں بعض ودکاندار اہل علم اور انکے حواریین نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جس کو ذکر کرتے شرم آتی ہے اور دل دکھتا ہے اور اس کا وقت بھی نہیں رہا ہے مثل مشہور ہے کہ آدمی کی قدر مرنے کے بعد ہوتی ہے لیکن یہاں یہ مثل حقیقت کے لباس میں جلوہ نما ہے۔ اپنے پرائے سب شیخ کو یاد کر رہے ہیں الا من فی قلوبھم زیغ۔ اور آج عالم کی موت کے متعلق فرمان معصومین کی تصدیق مشاہدے میں آرہی ہے حضرت صادق آل محمد ارشاد فرماتے ہیں: "اذا مات المومن الفقیہ ثلم فی الاسلام ثلمۃ لا

یسد ھا شی" جب کوئی مومن فقیہ مرجاتا ہے تو دیوار اسلام میں ایسا رخنہ پڑجاتا ہے جس کو کوئی شے بھر نہیں سکتی اور حضرت کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اذا مات المومن الفقیہ بکت علیہ الملائکۃ وبقاع الارض التی کان یعبد اللہ علیھا وابواب السماء التی کان یصعد فیھا عملہ وثلم فی الاسلام ثلمۃ لا یسد ھا شیئی لان المومنین الفقہاء حصون الاسلام کحصن اسوار المدینۃ لھا" یعنے جب کوئی مومن عالم مرجاتا ہے تو فرشتے اس پر روتے ہیں اور وہ بقعاتِ زمین روتے ہیں جن پر وہ عبادت خدا کرتا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ابواب آسمان روتے ہیں جن سے اس کا عمل کاتبان اعمال لیکر جاتے ہیں اور اس کے مرنے سے اسلام میں وہ رخنہ پڑجاتا ہے جس کو قیامت تک کوئی چیز نہیں بھر سکتی کیونکہ علماء اسلام اسلام کی پناہ اور اس کا حصار ہوتے ہیں جس طرح فصیل شہر شہر پناہ ہوتی ہے۔

آہ! ہمارا شیخ انہی حصون اسرار معارف دینیہ سے تھا جن میں احادیث معصومین اور ان کے اسرار مخزون ومکنون اور محفوظ ہوتے ہیں۔ کما قال علیہ السلام احادیثنا صعب مستصعب لا یحتملھا الا صدور حصینۃ او حلوم رزینۃ او صدور امینۃ رحم اللہ الشیخ اس کے مرنے سے جو رخنہ پڑا ہے اسکو اہل بصیرت کی آنکھیں صاف دیکھ رہی ہیں اور اُسکی یاد کے اشک حسرت بہا رہی ہیں مخلصین خاص کو اسلئے بھی بڑا صدمہ ہے کہ اپنے فاضل متبحر کی کوئی یادگار قائم نہ کی جو اس کے نام کو خصوصیت سے زندہ رکھتی اور ساتھ ہی احساس مذہبی اور حیات قومی کا ثبوت دیتی کیونکہ زندہ قوموں کے ذی کمال مردے ایسی ایسی یادگاروں سے ہمیشہ زندہ رکھے جاتے ہیں۔ مگر یہاں شیخ کا لگایا ہوا تبلیغ وہدایت کا سرسبز بوٹا "البرھان" بھی شیخ کے ساتھ قوم کی غفلت اور ناقدردانی اور ناحق شناسی کی اندھیری قبر میں زندہ درگور کر دیا گیا تھا۔ جو بعض مخلصین کی مسیحائی سے دوبارہ زندہ ہوا ہے۔ اور ابھی ابتدائی نشوونما کے سانس لے رہا ہے۔ خدا ہماری قومیت کے سکون وجمود میں حرکت پیدا کرے آمین۔ واللہ علے کل شیئی قدیر وبیدہ ازمۃ التقدیر وکل عسیر علیہ سھل یسیر"۔

تاریخہائے وفات

مرحوم اعلی اللہ مقامہ کی تعزیت کے سلسلے میں ان کے مخلص احباب نے بہت سی اُردو، عربی، فارسی تاریخہائے وفات نکالیں اور نظم کیں جن میں سے مومنین مخلصین کی خاطر ہم پانچ تاریخیں یہاں درج کرتے ہیں یعنی از جناب سید محمد عسکری صاحب **اغلب** باہردی برادر عزیز ملک الشعراء سید ناظر حسین ناظم مرحوم و مغفور، جناب سید حسین علی صاحب **ماہر** لدھیانوی مرحوم۔ جناب ابو المحامد شیخ فتح محمد صاحب سیوستانی (ایرانی) جناب شاہزادہ سلطان علی صاحب درانی **سلطان** لاہوری مرحوم و جناب سید علمدار حسین صاحب علمدار واسطی بنوڑی مرحوم یہ تمام حضرات شیخ مرحوم سے تقریباً اسی وقت سے تعارف رکھنے والے ہیں جس وقت سے کہ پنجاب و سندھ میں سرکار علامہ مرحوم کے مواعظ کی شہرت ہوئی اور اس لئے ان حضرات نے قطعات و رباعیات تاریخ میں صرف شاعری ہی نہیں کی ہے۔ بلکہ ہر ایک نے شیخ کی شخصیت اور اس کی خصوصیات کو حقیقت کے الفاظ میں ظاہر کیا ہے اور یہ قطعات ہمارے تمام بیانات سابقہ کا آئینہ ہیں خصوصاً آخر الذکر دو صاحبان یعنی شہزادہ صاحب اور واسطی صاحب۔ شہزادہ صاحب خود ذی علم اور صاحب سواد اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور اسی طرح واسطی صاحب جن کے اکثر مضامین نظم و نثر ناظرین "**البرہان**" مطالعہ فرماتے رہے ہیں اور اکثر ملک کے ادبی رسالوں میں آپ کے گرانقدر مضامین طبع ہوتے رہے ہیں اور **ہلال محرم** و تعمیر عشق و پیمان وفا وغیرہا ان کے کمال کی ناقابل انکار دلائل ہیں۔

جہانتک مجھے یاد ہے۔ لاہور میں اہل لاہور سے اس عالم عدیم المثال و اعجوبۂ زمان کا تعارف کرنے والے شاہزادہ صاحب ہی ہیں اور یہ غالباً، محرم سنہ ۱۹۰۵ء کا ذکر ہے جبکہ جناب شیخ **پٹیالہ** میں تھے۔ اس وقت سے آخری ساعات وفات تک شاہزادہ صاحب نے شیخ کے حالات واقعات علم و عمل فضل و کمال کا مطالعہ اور مشاہدہ سفر و حضر میں کیا ہے اور اس طولانی عرصے میں شیخ کی فضیلت کا جو نقش ان کے دل میں بیٹھا ہے اسکو اپنی نظم میں ظاہر کیا ہے۔

واسطی صاحب بھی خوش قسمتی سے شیخ سے اس وقت سے تعارف رکھتے ہیں جبکہ میں خود شیخ کے نام سے ناواقف تھا اور اس لئے انہوں نے بھی شیخ کی ذات اور شخصیت کے متعلق اپنی

دیرینہ حقیقی معلومات اور معتقدات کا اظہار فرمایا ہے خصوصاً موصوف نے اپنے مرثیہ میں پوری پوری حقیقت کو واضح کردیا ہے۔ اور مرثیہ شیخ کی سوانحعمری اور اس کے فضل و کمال اور اس کے کارناموں کا آئینہ ہے۔ فجزاہ اللہ خیرالجزاء

قطعۂ تاریخ وفات حسرت آیات سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہٗ فی اعلیٰ علیین از جناب شرافت مآب سید محمد عسکری صاحب اغلب باہروی

از چشم اشکِ خوں چہ رامی بارد آسماں
از چشم خلق شد نہاں افسوس دفعتہً
بگذشت از جہان غلامِ شہِ نجف
در ہند مرد حیف زایران آمدہ
روز نہم ز ماہ دسمبر بود کہ شد

حالا چہ ماتم است کہ میگرید انس وجاں؟
عالی ہمم، خجستہ شیم والا دودماں
عابد، فقیہہ اعلم و عامل بلند شاں
بگریست سیترباں کہ شدہ راہی میہماں
آں نیرِ علوم و معارف زما نہاں

اغلب بگو کہ نزدِ جناب امیر رفت
سرکار شیخ عبد العلی نادر جہاں
۱۹۲۲ء

از کلک گہربار جناب سیادت مآب میر حسین علی صاحب ماہر لدھیانوی مرحوم

چندتا ادوار جورِ چرخ برآدم گذشت
فارغ البال از ستمہائے فلک بودم کہ دی
سایۂ سرکارِ شیخ از فرقِ مامفقود شد
ماخذِ علم و ادب علامۂ شیریں بیاں
ماہر از سالِ مسیحی ہاتفم داد ایں ندا

کے گراں بودند زیں یکدم کہ برعالم گذشت
ایں ندائے از سرش ہوش درگوشم گذشت
جعفری ہاشمی اگرنتواں ازیں ماتم گذشت
روزِ آدینہ بوقت شب ازیں عالم گذشت
آہ ازیں دنیائے دوں آں فاضل اعظم گذشت
۱۹۲۲ء

از نتیجہ افکار جناب مجدت نصاب فضیلت انتساب ابو المحامد فتح محمد السیستانی ایرانی

کرد ما را غرق بحرِ رنج و اندوہ فراق
شد بجنت شادماں علامۂ عبد العلی

چوں بپرسیدم سن و سالِ وفاتش از سرش
گفت گو فخر زماں علامۂ عبد العلی
۱۳۴۱ھ

ایضاً

درزمانِ قحطِ مردانِ خدا گشتہ جدا	کرد ما را مضمحل علامۂ عبدُ العلی
گفت ہاتف سالِ فوتِ آں خدا آگاہ مرد	فاضل و آگاہ دل علامۂ عبدالعلی

از رشحاتِ قلمِ حقائق رقم جناب مجدت نصاب فضیلت انتساب جناب شاہزادہ سلطان علی صاحب دُرانی مرحوم المتخلص بہ سلطان

شیخ عالی جناب والا جاہ	کہ نہ بودش مثیل در امکاں
صاحبِ علم وفضل وزہد و ورع	بوذرِ عہد و ثانی سلماں
در معانی بیان و علمِ ادب	بودشاگردِ مکتبش حساں
واقف نکتہ ہائے فرقانی	ماہرِ قولِ سرورِ ذی شاں
عارفِ دودمانِ پیغمبر	خادم و عاشقِ امامِ زماں
ہرچہ می گفت جملہ حق میگفت	زانکہ بودہ است صاحبِ عرفاں
جد وے بود شیخ ابراہیم	باب ہمنامِ سرورِ ذی شاں
مسکن و جد و باب بود ہرات	لیک خود شد مقیم در طہراں
صیتِ فضلش بگوشِ ناصرِ دیں	چوں رسید از زبانِ عالمیاں
نزدِ خود خواست باد و صد اعزاز	حاکمِ شرع ساخت در ایراں
گردشِ دہر چوں بدو نہ آمد	شیخ از دہی رسید ہندوستاں
بست و یک سال بود در پنجاب	آخرش شد بسوئے خلد رواں
غیر حق بہرِ کس بقا نہ بُود	گفتہ خود کل من علیہا فان
داغ بر قلب مومنین بنہاد	آہ از دستِ گردشِ دوراں
دیں فروشان و طالب دنیا	کہ نہ دارند بہرہ از ایماں
روز و شب در تلاش سیم وزرند	درپئے جیفہ مثل خوک وسگاں
طالب جاہ وبے خبر از حق	جاہلِ مطلق اند ابجد خواں
دعوے علم ولیک جاہل محض	از کلامِ نبی و از قرآں

بہ وجودِ مبارکِ مرحوم
ہمہ پامال بودہ اند خسراں

لیک افسوس طالعِ منحوس
کرد شمسِ علوم را پنہاں

در گلستانِ علم بود بہار
لیک تاراج شد ز بادِ خزاں

رحمتِ حق بہ روحِ انورِ او
کہ ز فیضش بماست صد احساں

خود سوئے خلد رفت و وا دیما
درد چہ درد درد بے درماں

اے خدائے کریم صبرِ جمیل
کن بہ سائلاں عطا دریں حرماں

سال فوتش بجستم از ہاتف
آہ از دل کشید نوحہ کناں

از سرِ کرب و حزن گفت کہ شد
شیخ عبد العلی [illegible]

۹۱۰ ۲۱۶ ۹۳

از رشحاتِ قلمِ جوہر رقم جناب نجابت مآب شرافت نصابا سید علمدار حسین صاحب واسطی ہنوتڑی مرحوم

لُٹ گیا آہ! آہ باغِ علم
مٹ گیا دہر سے سراغِ علم

چل بسا ساقی مے عرفاں
بزم اُجڑی لٹا ایاغِ علم

تیرہ و تار ہو گیا عالم
مہر ڈوبا۔ بجھا چراغِ علم

درد دل میں ہے لب پہ دودِ آہ
جل رہا ہے جگر میں داغِ علم

اُٹھ گیا وہ وجود دنیا سے
عرش پر جس سے تھا دماغِ علم

خُلد میں پہنچے شیخ عبد العلی
[illegible] گل ہوا چراغِ [illegible]

۱۳۴۱ھ

ایضاً

آہ از دستِ جفا کیشِ فلک صد آہ آہ
آتشے اندر جگر بر قلب زد تیرہا

سوختہ از برقِ عالم سوز جلوہ زارِ حیات
نقشِ ہستی محو شد از صفحۂ دارِ فنا

مرکزِ ما بود در پنجاب واویلا نہ ماند
عارف و علامہ شیخ عبد العلی پارسا

علمِ قرآن و ائمہ را معلم بود و ہم
شیخِ ما بود و رئیسِ ما بُد و غمخوارِ ما

بود آوازش صدائے قوم و آتش روحِ قوم
پیکرِ ملت بغیرِ نفس ماند بے روح و صدا

ہفدہم بود از ربیع ثانی و ہنگام شب
شد بہ فردوس آں وحید عصر زیں مہماں سرا

آہ از سر شد علمدار از غم صبرم ربود
انتقال شیخ از دنیا سوئے دار البقا

نوٹ۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ شیخ کی سوانحعمری میں میر صاحب موصوف کا تعارفی مقالہ جو قومی ماتم کے عنوان سے البرہان جلد ۱۱ ۱۹۲۱ء میں طبع ہوچکا ہے۔ اس ایڈیشن میں بڑھادیں جس سے شیخ کے کمال روحانیت اور اس کی غیر معمولی شخصیت پر پوری پوری روشنی پڑتی ہے۔ اور ہمارے بیانات کی تصدیق۔ ناظرین اس کو پڑھکر ضرور خوش ہونگے۔ وھوھذا۔

قومی ماتم

بہ ضبط گریہ مشغولم اگر بینی درونم را   زدل تا پردۂ چشمم دو شاخ ارغواں بینی

تمہید۔ اگر حالات وواقعات کا اعتبار کیا جائے تو شیعیت مستلزم ماتم ثابت ہوگی تاریخ اسلام کے صفحات الٹکر پیچھے ہٹتی ہٹتی دیباچہ تک پہنچ جائے۔ شیعہ مخلوق روتی بسورتی نظر آئیگی۔

ہم خدانخواستہ شیعوں کو برا نہیں کہہ رہے لفظ شیعہ کی ہمارے دل میں از حد وقعت و احترام ہے نہ اسلئے کہ ہم خود شیعہ ہیں بلکہ اسواسطے کہ یہ کلام اللہ کی مقدس والہامی زبان کا باعظمت لفظ ہے۔

مگر عرف عام میں اس محترم لفظ کا اطلاق آجکل مسلمانوں کے اس خاص گروہ پر ہوتا ہے جو حضرت آدمؑ سے لیکر جناب ختم المرسلین صلعم تک انبیاء ومرسلین کو معصوم ومحفوظ عن الخطا سمجھتا ہے اور بعد آں حضرت ائمہ اثنا عشر کو آپکا جانشین و معصوم یقین کرتا ہے۔ جو علم تمدن میں عمل میں پالیٹکس میں۔ اخلاق میں دنیا کی کل متمدن ومہذب قوموں سے ہیٹا اور گرا ہوا ہے۔

سنا ہے کہ مسٹر محمود مرحوم اپنے حلقۂ احباب میں صاحب کمالان اسلام کا جب کبھی ذکر کیا کرتے تو کہا کرتے کہ کوئی صیغہ لے لیجیئے۔ اس میں جو بھی چوٹی کا آدمی ہوگا شیعہ ہوگا اور اپنے اس دعوے کی تائید میں ہر لائن میں بیسیوں شیعہ نام گنوادیا کرتے۔ مثلاً سپاہی صناع۔ بہادر مدبر۔ حکیم۔ فلاسفر۔ ریاضی دان۔ عالم۔ شاعر۔ موجد۔ فاتح وغیرہ وغیرہ ہر عنوان کے تحت میں بیسیوں پچاسوں سیدوں کے نام انکو یاد تھے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس فن کی جیتی جاگتی چلتی انسائیکلوپیڈیا ہیں۔

ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ کیونکہ ان کا علم ٹھوس معلومات وسیع۔ نظر غائر۔ اور قوت حافظہ بے مثال تھی۔ مگر ہمارے نزدیک یہ صرف ایک کہانی ہے۔ کیونکہ ہمارا آج کا مشاہدہ اور تجربہ اس کے برعکس ہے۔ اگرچہ عقل یہی چاہتی ہے۔ کیونکہ یہ گروہ جن برگزیدہ ہستیوں کی رہنمائی سے ان کے نقش قدم پر چلنے کا مدعی ہے۔ وہ ایسی ہی تعلیم کے معلم تھے۔ ان کے اسکول

سے جو بھی فارغ التحصیل ہو کر نکلا ہوگا۔ یقیناً ناموران عالم اور مشاہیر اسلام سے ہوا ہوگا۔
لیکن اس پر فخر کرنا اور خود کچھ نہ ہونا محض استخوان فروشی ہے۔ کیونکہ

آدمی را چشم حال ہے نگر   از خیال پدری وی بگذر

ہمیں تو اس خیال سے شرم آتی ہے کہ ان کے اسلاف کے خلف ہیں۔ ہم مغل بادشاہوں کی اولاد۔ آج کل دلی میں موجود ہے۔ مگر رسوا ذلیل محتاج۔ کیا ان کو "پدرم سلطان بود" کہنا زیبا ہے۔

شمس الدین التمش کے زمانہ سے ہندوستان میں آکر آباد ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اچھے اچھے عہدوں پر ممتاز ہوئے۔ بڑی بڑی جاگیروں کے مالک بنے۔ فتوحات میں دربار۔ دہلی میں زور رہا۔ اودھ میں ان کا خوب طوطی بولا۔ بادشاہ گر کہلائے۔ اور ایسے صاحب علم و عمل ہوئے کہ امجد علی شاہ وغیرہ بغیر حکم قبلہ و کعبہ زبان نہ ہلا سکتے تھے۔ مذہبی تصانیف کا بھی معتد بہ ذخیرہ فراہم ہو گیا۔ مختصر یہ کہ شیعت یا کم از کم سیادت پیکر محسوس کی طرح نظر آ گئی۔ ہنوز اس میں بہت کچھ ترقی کی گنجائش تھی کہ سیاسی انقلاب آیا۔ تخت دہلی الٹ گیا۔ سلطنت اودھ خاک میں مل گئی اور لکھنؤ لٹ گیا۔

یہ زمانہ علمائے ہند کیلئے ویسا ہی نازک و خطرناک تھا جیسا کہ عہد بنی امیہ اور خلافت عباسیہ میں علمائے عراق و عرب کو پیش آیا تھا جب کہ ہندوستان و یونان کا الہیات و فلسفہ بذریعہ تراجم اسلامی لٹریچر اور مذہبیات میں نفوذ و حلول کر رہا تھا۔

سیلاب مغرب بڑے زور شور سے سرزمین ہندوستان پر چڑھتا چلا آتا تھا۔ پرانے درخت اور قدیم سربفلک عمارتیں جڑ بنیاد سے اکھڑ رہی تھیں اور ہم میں سے کچھ بالو کی دیوار سے اس کو روکنا چاہتے تھے۔ اور کچھ سراب سمجھ کر لوگوں کو اس دھوکہ سے بچنے کی ہدایت کر رہے تھے کہ دور اندیش سرسید احمد خاں نے زمانہ کی نبض پہچانی اور دین سے پہلے مسلمانوں کی دنیا درست کرنے کی فکر میں اٹھے۔ بہت سے زمانہ شناس ان کے ساتھ ہوئے اور وہ اہم ترین و عظیم الشان کام کر دکھایا۔ جو آج مسلم یونیورسٹی کی صورت میں دنیا کے سامنے ہے۔

علی گڈھ پارٹی کی تحریریں اور تقریریں فضائے ہندوستان میں گونج رہی تھیں اور ہر شخص پرانے پھندوں کو توڑ کر اور قدیم قیود سے آزاد ہو کر اس کثرت میں جا ملنے کو آمادہ تھا۔ دنیا بن رہی تھی گو روح دینی مر رہی تھی۔

ہمارا خیال تھا کہ اگر ہم نے اپنے مرکز پر قائم رہ کر ترقی کی۔ تب تو ترقی ہے۔ ورنہ کسی سوال کے جواب میں ؎

میر کے دین و مذہب سے کیا پوچھتے ہو تم ای ہمدم
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

کہنے سے تو موجودہ حالت ہی بہتر ہے۔

ان لوگوں کی زمانہ شناسی کا تو یہ حال تھا کہ اگر کسی نااہل کا ذکر بھی کیا ہے تو اس حسن و دل آویزی سے کہ اس میں شان معصومیت پیغمبری نظر آگئی ہے۔

اور ہمارے ہاں یہ حال تھا کہ مجالس میں اگر کسی معصوم و برگزیدہ ہستی کا ذکر بھی ہوا ہے تو بجائے فلسفیانہ اور سائنسی ہونے کے اس کی شخصیت کے منصوص من اللہ ہونے کا ثبوت اس طرح دیا گیا کہ انسان کے ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں جن کے منجملہ تین تین لکیریں تو چار انگلیوں میں ہیں۔ چنانچہ تین کو چار میں ضرب دینے سے بارہ ہو جاتے ہیں اور انگوٹھے میں دو خط ہیں جو بارہ میں جمع کرنے سے چودہ ہو جاتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ بارہ امام اور چودہ معصوم منصوص من اللہ ہیں
ممکن ہے کہ یہ شاعرانہ حسن تعلیل صحیح ہو۔ لیکن کیا اس کو ایک عیسائی یا آریہ یا ہندو یا فلسفی شبیہہ تسلیم کرے گا۔

یا یہ بات ذہن نشین کرنے کے لئے کہ جو شخص رسول اللہ کے بعد علی کو بزرگ کائنات عالم اور اپنا امام و پیشوا یقین کرے۔ خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ دلیل دی جاتی تھی کہ چونکہ محمدؐ اور علیؑ کے حروف کے اعداد کا حاصل جمع لفظ رب کے عدد دل کے برابر ہے۔ لہذا اس شخص ل مقصود تک پہنچ جائیگا۔

لیکن اگر معترض کہے کہ یہ ہم عددی صفت اور روحانیت کا ثبوت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کوفہ اور لکھنؤ ہم عدد ہیں اور "کلکانہ" کے عدد مدینہ سے ملتے ہیں تو ہم اس کا کیا جواب دینگے۔

غرض ہمارا اسکول ہنوز اس قسم کی تعلیم دے رہا تھا۔ کہ مصلحت الہی سے ملک ایران میں انقلاب آیا۔ اور آفتاب علم و معرفت آج سے بیس تیس سال قبل افق پنجاب پر طلوع ہوا
یعنی سرکار شریعتمدار علامہ لاثانی شیخ عبدالعلی صاحب ہروی الطہرانی اعلی اللہ مقامہ کے قدوم میمنت لزوم سے زمین ہند کا سر آسمان سے جا ملا۔

آپ کے مفصل حالات زندگی لکھنا تو مرحوم کے سوانح نگار کا کام ہے۔ ہمارا

مقصد اس وقت آپ کی اس عظیم الشان شخصیت کا مختصر ذکر کرنا ہے جس کی نظیر ہندوستان جہالت نشان تو کیا یقین نہیں کہ کسی دوسری جگہ بھی موجود ہو۔

اگر غور کیا جائے۔ تو ظاہر ہوگا کہ حیات انسانی یا دوسرے لفظوں میں انسان کے کارنامے طول و عرض بھی رکھتے ہیں اور عمق بھی ہے چنانچہ جناب شیخ علیہ الرحمہ کی مدت حیات میں بھی یہ صفات نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں۔ مگر ہم یہاں طول و عرض سے تو بحث نہیں کرینگے۔ کیونکہ وہ ہمارے بحث و مقصد سے علیحدہ ہے۔ البتہ عمق سے ہمیں بہت کچھ تعلق رہا ہے۔ لہذا اس کا بطور نمونہ ذکر کرینگے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں بہ حیثیت عالم تشریف لائے۔ اس وقت یہاں عجب طوفان بے تمیزی مچا ہوا تھا۔ ہندو۔ آریہ۔ سکھ۔ عیسائی ہی اسلام پر طرح طرح سے حملے نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ خود مسلمانوں میں مذہبی تصادم ہو رہا تھا کہیں قادیاں سے نئے پیغمبر کے الہام شائع ہوتے تھے۔ کہیں امرتسر سے اہل حدیث شیعوں پر طعن کر رہا تھا۔ کہیں لاہور سے اہل قرآن کی صدائے بے ہنگام بلند تھی۔ کہیں دلی سے مرزا کرزن گزٹ زہر اگل رہے تھے۔ کہیں لکھنؤ میں انجمن اصلاح کا دنگل قائم تھا۔ غرض ہندوستان اچھا خاصہ چڑیا گھر بنا ہوا تھا۔ جہاں طرح طرح کے جانور اپنی اپنی بولیاں بول رہے اور کلیلیں کر رہے تھے ان سب پر مستزاد یہ کہ گورنمنٹ شیخ مرحوم کی ذات سے مطمئن نہ تھی۔ یہ پیٹیکل شبہات میں مبتلا تھی شیخ تازہ ولایت۔ اجنبی حالات ملک و زبان ملک سے ناواقف عجب مشکل میں تھے ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ زمانہ حضرت مرحوم نے کیونکر اور کس طرح بسر کیا۔ ہمیں تو جب آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ملک و قوم کے حالات ضروریات پر پورا عبور و علم حاصل کئے ہوئے ہیں۔

تقریباً اٹھارہ سال ہوئے کہ پٹیالہ کے مجلسی خلیفہ سید محمد کاظم صاحب مرحوم و مغفور اعلی اللہ مقامہ کی بزم عزا میں اول اول ہم نے اس مرکز علم کی زیارت سے دیدہ دل روشن کیا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا فرشتۂ رحمت آسمان سے منبر پر اتر آیا ہے۔

بیان کی روانی اور زور کا یہ عالم تھا۔ کہ جیسے کوئی دریا پہاڑ سے نشیب میں گر رہا ہو۔ باوجودیکہ غیر زبان میں تقریر فرماتے تھے۔ مگر سامعین کی یہ کیفیت تھی کہ گویا مسحور ہو گئے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ یہ شربت انکو کانوں کی راہ سے برابر پلایا جاتا رہے۔

اس وقت مولوی محمد نقی صاحب مرحوم (مالیر کوٹلہ) آپ کے ترجمان تھے جو بذریعہ ترجمہ ان نکات و اسرار قرآنی کو اردو میں بطور قند مکرر سامعین کے ذہن نشین کرتے جاتے تھے۔

اربعین کی مجالس تھیں۔ یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ شہرت ہوگئی۔ سنی شیعہ۔ آریہ ہندو۔ غرض ہر فرقہ کے اہل ذوق مجلس میں آنے لگے۔ ہمیں یہ بھی یاد ہے کہ ایک یا دو دفعہ سامعین میں سے بعض اشخاص نے کسی مسئلہ پر یا طریق استدلال پر بر سر مجلس اعتراض بھی کیا۔ مگر شیخ نے اصل سلسلہ کو چھوڑ کر تا وقتیکہ مشکک یا معترض کی تشفی نہیں فرمادی۔ آگے نہیں بڑھے۔

اس کے بعد آپ دوبارہ رونق افروز پٹیالہ ہوئے تو مجلس میں زیر منبر کرسی پر ایک نوجوان مترجمی کے لئے تشریف فرما تھے۔ جن کے ظاہر حال و رجسٹہ سے بعضوں کا خیال تھا کہ کوئی طالب علم ہونگے۔ یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ علامہ مرحوم نے تقریر شروع فرمائی۔ اور اس قدر مضمون کہ یقیناً دو ورق پر لکھا جائے گا۔ بیان فرماکر خاموش ہوگئے۔ اب مترجم صاحب کا کمال دیکھئے کہ جن الفاظ سے اور جہاں سے سرکار شیخ نے تقریر کی ابتدا کی تھی وہیں سے آپنے ترجمہ کرنا شروع کیا۔ اور اسی ترتیب سے جہاں جہاں آیات قرآنی آئی تھیں اسطرح آئیں اور جن الفاظ پر اصل بیان کا پیراگراف ختم ہوا تھا۔ انہی الفاظ پر ترجمہ ختم ہوا۔ اب تو وہ مجلس محو حیرت تھی۔ کہ الٰہی! یہ شیخ صاحب کی کرامت ہے۔ یا ذہانت کا معجزہ۔ غرض مجلس ترجمہ کی اسی شان سے ختم ہوئی۔ اب لوگوں کو سب سے زیادہ اس کی فکر تھی کہ کسی طرح یہ راز معلوم ہوجائے کہ یہ مترجم صاحب کون بزرگ ہیں؟ اس کمال، ذہانت اور اس علم و معرفت کا آدمی ہندوستانی تو یہ نہیں سکتا۔ اب جس سے پوچھتے ہیں وہ خود اس معمہ کے حل کرنے کی فکر میں ہے۔ آخر ایک صاحب نہ رہ سکے اور میر مجلس سے جا ہی پوچھا۔ انہوں نے فرمایا۔ آپ مولانا سید محمد سبطین صاحب ہیں۔ سرسی ضلع مرادآباد کے رہنے والے ہیں۔ نہایت ذہین فطین و با اطلاع انسان ہیں حال ہی میں فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔ سرکار شیخ نے جوہر قابل دیکھکر اپنی ترجمانی کے لئے منتخب فرمایا ہے۔

بس اب کیا تھا۔ پٹیالہ بھر میں بچہ بچہ کی زبان پر مولوی سید محمد سبطین صاحب کا نام تھا اور جو تھا آپ کی ذہانت اور لیاقت کا معترف۔

جس زمانہ میں خواجہ غلام الثقلین صاحب مرحوم ریاست مالیر کوٹلہ میں چیف جج تھے

راقم کو اکثر مالیر کوٹلہ جانے اور خواجہ صاحب کے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ایک دفعہ خواجہ صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ غالباً اس وقت تک جناب شیخ پٹیالہ میں تشریف نہیں لائے تھے۔ کہ آجکل یہاں ایک ایسا عالم متبحر اور عارف کامل موجود ہے کہ عمر بھر میں اس جامعیت کا انسان دیکھنے میں نہیں آیا۔ اگر آپ ان سے کوئی دقیق سے دقیق اور باریک سے باریک مسئلہ دریافت کریں اور یہ کہدیں کہ میں اس کا جواب محض قرآن سے چاہتا ہوں۔ حدیث کا ذکر نہ آئے۔ تو تاوقتیکہ وہ قرآن ہی سے آپ کا اطمینان نہیں کر دینگے خاموش نہیں ہونگے۔ یا مثلاً آپ کہیں کہ میں حدیث سے اس کا جواب چاہتا ہوں۔ قرآن سے استدلال نہ کیا جائے تو وہ حدیث کے احاطہ سے ایک انچ بھی باہر قدم نہ رکھینگے اور حدیث ہی سے آپکا اطمینان فرمائیں گے۔ یا محض فلسفہ سے یا سائنس سے یا عقل سے۔ غرض جس پہلو سے بھی آپ جواب چاہینگے وہ اسی سے اطمینان قلب فرمائیں گے۔ اور یہ بھی کہا کہ ایک آدھ بار ایسا بھی اتفاق ہوا کہ کسی مسئلہ میں سائل نے کہا کہ میرا اطمینان نہیں ہوا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ اچھا کل صبح اس کا جواب دونگا اور صبحکو جو جواب دیا تو ایسا تھا کہ گویا اس سے پہلے جو کچھ فرمایا تھا کچھ بھی نہ تھا اور سائل کا بالکل اطمینان ہو گیا۔

خواجہ صاحب مرحوم نے یہ بھی فرمایا۔ کہ جہاں تک میرا علم ویقین ہے اس بزرگوار کو ضرور حضرت حجت کی زیارت ہوئی ہے۔ اور ہر اہم امر میں یہ حضرت کی تائید اور ارشاد سے جواب دیتے ہیں۔

یہ فرما کر مجھ سے پوچھا سید صاحب آپ سمجھے کہ وہ کون بزرگ ہیں میں نے عرض کیا آپ ہی فرمائیں۔ فرمایا سرکار علامہ شیخ عبد العلی ہروی الطہرانی۔ میں اپنا تمام خالی وقت آپ کی خدمت میں صرف کرتا ہوں۔ آپ بھی ضرور چلئے" چنانچہ رات کے وقت خواجہ صاحب خود میری آرامگاہ پر تشریف لائے اور فرمایا کہ چلئے آپ کو سرکار شیخ کی زیارت کرائیں۔ مگر چونکہ ایک دوسرے دوست کے یہاں اس وقت میں مدعو تھا۔ اس سعادت سے محروم رہا۔

حضرت شیخصاحب مرحوم فرقہ اثنا عشری کیلئے خدا کی رحمت تھے۔ آپ کے وعظ نے اہل ملک کے خیالات منجمد وسکوت میں ایک ہیجان وحرکت پیدا کر دی اور وہ لوگ جو محض سطحی اور پیش پا افتادہ باتیں اپنی مجالس میں بیان کیا کرتے تھے۔ اکثر قرآن سے استنباط اور استدلال کرنے لگے۔

سچ تو یہ ہے کہ علامہ شیخ عبد العلی صاحب مرحوم کے ہندوستان میں تشریف لانے سے پہلے ہمارے مواعظ کا یہ رنگ ہرگز نہ تھا۔ شیخ صاحب کے بیان میں سب سے بڑی اور ممتاز خصوصیت یہ بھی تھی کہ ہر مذہب اور ہر اعتقاد کا آدمی بے دغدغہ سن سکتا تھا۔ باوجودیکہ وہ اس جامعیت کو لئے ہوئے تھے کہ اگر ایک طرف مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا گھروندا ڈھیتا تھا تو دوسری جانب اہل حدیث کے عامیانہ دعویانہ اعتراضات جڑ بنیاد سے اکھڑ جاتے تھے۔ اور اگر ایک پہلو سے آریوں کے زہر کا تریاق ہوتے تھے۔ تو دوسرے پہلو سے مرزا حیرت کی دروغگوئی کی قلعی کھولتے تھے اور اسی سے اہل قرآن کے دعاوی کی تردید ہو جاتی تھی۔

یہ ایک امر واقعہ ہے کہ حقیقت اسلام حقیقت نبوت اور شان امامت جس معنویت اور عمق علم کامل سے حضرت شیخ صاحب مغفور نے بیان کی ہے اور جس طرح دنیا دین سے وہ اپنے مذہب اور عقیدہ کی تبلیغ و تعلیم کر گئے ہیں۔ اسکی نظیر ہمارا ملک پیش کرنے سے قاصر و معذور ہے۔ اثنا عشریت کا بیان وہ بھی وہی کرتے تھے جو اور علماء کرتے ہیں لیکن یہاں محض مغز ہوتا تھا معنویت ہوتی تھی اور عمق سائنس اور فلسفہ۔

علامہ شیخ کا بیان سن کر سمجھ میں آتا تھا کہ قرآن کا دعوے لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ کہنا کس قدر برحق و صداقت ہے شیخ صاحب نے حقیقی اسلام کی تعلیم کی اور شیخ صاحب نے علم قرآن کے دریا بہادے مختصر یہ کہ شیخ صاحب نے ہمارے لٹریچر کی کایا پلٹ کر دی شیخ صاحب کی سنجیدگی متانت بیان وزن علم اور مقصد کے عمق کا اندازہ صرف اس واقعہ کے بیان سے ہو سکتا ہے کہ جس زمانہ میں خلافت الٰہیہ مصنفہ مولانا سید محمد سبطین صاحب بدفضلہ شائع ہوئی ہے اور قادیانی گروہ کے ایک سنجیدہ شخص نے اپنے احباب سے بیان کیا ہے کہ شیعہ اہل قلم نے پشتہا پشت سے خلافت و امامت پر تصانیف کا انبار لگا دیا ہے لیکن اس سے ہمارا بال بیکا نہیں ہوا۔ اس سے انکا لہجہ اور انداز بیان ایسا ناگوار و تلخ تھا کہ کوئی مہذب آدمی اسکو پڑھ نہیں سکتا تھا۔ نیز ان کی بنیاد بیشتر روایات پر ہوتی تھی۔ آیات سے استنباط و استدلال نہ ہوتا تھا۔ دو چار سطریں پڑھکر کتاب پھینک دی جایا کرتی تھی۔ لہذا مصنف اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ جو بات سنی یا پڑھی ہی نہیں جائیگی۔ اس کا اثر کیا ہو سکتا ہے لیکن شیخ عبد العلی نے ہندوستان میں آکر اپنے مقصد کی تعلیم و تبلیغ کا وہ انداز اختیار کیا ہے کہ جس کی نظیر ہندوستان میں نہیں ملتی اور انہی کی پیروی ان کے مبلغین کر رہے ہیں۔ چنانچہ یہ کتاب (خلافت الٰہیہ) اس سنجیدگی و متانت

سے تکمیل کی ہے کہ بغیر پڑھے ہاتھ سے رکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ اور یہ ناممکن ہے کہ کوئی آدمی ایک دفعہ اسکو سمجھکر پڑھے اور اس پر اثر نہ ہو۔ اس لئے میں نے قادیاں لکھدیا ہے کہ خلافت الٰہیہ کی صورت میں ایک بحث عظیم نے آپ کے مذہب پر حملہ کیا ہے۔ یہ وہ مدبر بہادر اور سنجیدہ جرنیل ہے۔ جو آپ کے حلقہ کی دیوار کو سرمہ کی طرح پیسکر خاک میں ملا دیگا۔ لہذا جلد اس کے حملہ سے بچنے کے۔ لئے کوئی تارپیڈو۔ ب میرن جہاز یا ایروپلین تیار کر لیجئے یعنی اس کا جواب لکھئے ورنہ بچنا محال ہے۔

اگر کسی آرگنائیزیشن کو کسی خاص شخص کے علم وکمال اور خیالات نادرہ کا مبلغ کہ سکتے ہیں۔ تو ہمیں یہ کہنے کی جرأت ہوگی کہ رسالہ البرہان شیعی دنیا میں پہلا پرچہ ہے۔ جس نے حقیقت اسلام معیار نبوت شخصیت امام۔ اور اسرار شہادت پر وہ گراں قدر اور بے نظیر لٹریچر مہیا کر دیا ہے کہ جس کو ہر شخص نہایت ٹھنڈے دل سے پڑھکر مستفید ہو سکتا ہے۔ اور جس کے مضامین عالی آج واعظوں کی زبان پر اضطراراً آجاتے ہیں۔ نہیں بلکہ مجھے یہ کہنا چاہیئے کہ البرہان وہ پرچہ ہے۔ کہ جس نے معمولی لکھے پڑھے آدمیوں کو عمدۃ الذاکرین اور صدر الواعظین والمحققین کے اعلےٰ خطاب دلوا دئے۔ یہ البرہان ہی کا فیض ہے۔ کہ جس نے مناظرہ کا رنگ بدل دیا۔ مختصر یہ کہ البرہان کل ہندوستان کا پہلا اور صرف ایک پرچہ ہے۔ جس نے مندرجہ بالا عنوانات پر ایسا سنجیدہ اور محققانہ اور گہرا سواد فراہم کر دیا ہے جس کی مثال اردو میں نہیں مل سکتی۔

با ایں علو مرتبت وعظیم الشان تبحر علم سرکار شیخ قبلہ وکعبہ کہنے کو بہت برا تصور فرماتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بانی اسلام یک قبلہ معین وشخص فرمود در ہندوستان بسیار قبلہ وکعبہ ہا ہستند۔ ایسا ہی حجۃ الاسلام آیۃ اللہ فی العلمین نائب امام وغیرہ الفاظ کا کسی قابل سہو وخطا اور غیر معصوم شخص کے نام کے ساتھ لکھنے کو معصیت فرمایا کرتے تھے اور کبھی ایسے جلیل المعنی الفاظ اپنے نام کے ساتھ لکھنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ بلکہ منع فرما رکھا تھا۔

مختصر یہ کہ علامہ شیخ ان مستجمع صفات جامع کمالات انسانوں میں تھے جن کا ممتاز اور عدیم المثال وجود پورے ایک قوم کا وجود تصور ہوتا ہو اور جن کی زندگی قوم کی زندگی اور جن کی موت قوم کی موت اپنے اصل معنوں میں کہی جاسکتی ہو۔ ایسی مستثنیٰ اور مخصوص ہستیاں صدیوں بعد قوم اور ملک کی خوش نصیبی سے عدم سے وجود میں آیا کرتی ہیں۔ نہایت بدقسمت ہے وہ قوم جس کا ایسا فرد فرید دنیا سے اٹھ جائے

سرکار شیخ کے تدبر کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مخالفین نے جھوٹی رپورٹیں دیکر

اور سازشیں کر کے گورنمنٹ کو آپ سے بدظن کر دیا تھا لیکن جب حکام کو آپ کی شخصیت کا اندازہ ہوا تو علامہ کی ذاتی قابلیت سے بالکل ان سے صاف ہو گئی اور بعض پولیٹیکل امور میں مشورہ بھی لینے لگی۔

عرصہ ہوا آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب مرحوم نے اپنے مشہور رسالہ عصر جدید میں مولانا حالی مرحوم کی جو رائے درج کی تھی اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جناب شیخ صاحب مغفور کیسی شخصیت کے بزرگ تھے۔ لکھا تھا کہ مولانا حالی فرماتے ہیں کہ میں نے سر یندر ناتھ بینرجی نواب محسن الملک اور سر سید کی پرزور اسپیچیں اور لیکچر سنے۔ لارڈ کرزن کی دھواں دھار تقریریں سنیں لیکن یہ سب لوگ شیخ عبد العلی صاحب کے مقابلہ میں کوئی چیز معلوم نہیں ہوتے۔ یہ علم۔ یہ مغز اور یہ عمق کسی میں نہیں پایا گیا۔ ایک اور موقع پر مولانا حالی نے فرمایا تھا کہ اس علم و معرفت کا انسان دو سو برس کے عرصہ میں ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا۔

آہ! آہ! آج وہ مرکز علم و عرفان ہم میں نہیں رہا۔ وہ بحر بیکران فیوض باطنی دنیا سے اٹھ گیا وہ آفتاب فضل و کمال غروب ہو گیا۔ وہ بدر کامل آسمان ہدایت گہنا گیا۔ وہ اعلم بے مثال وہ عارف خجستہ خصال دنیا سے اٹھ گیا۔

بلبل علم مر گیا ہیہات — جس کی تھی بات بات میں اک بات
نکتہ داں نکتہ سنج نکتہ شناس — پاک دل پاک ذات پاک صفات
اعلم و عارف اور بذلہ سنج — بے وطن مرجع کرام و ثقات
اس کے مرنے سے مر گئے مومن — زندگی اس کی قوم کی تھی حیات
یاں اگر بزم تھی تو اسکی بزم — یاں اگر ذات تھی تو اسکی ذات

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
قوم میں اک چراغ تھا نہ رہا

زمانہ حسب معمول رنگ بدلیگا۔ سورج نکلیگا اور غروب ہو گا۔ چاند چڑھیگا اور چھپیگا۔ صبحیں شام ہونگی اور راتیں دن۔ دریاؤں میں مد و جزر آئیگا۔ خزاں کے بعد بہار آیا کریگی۔ مادر گیتی لاکھوں کروڑوں فرزند جنیگی مگر ہمیں نہ ایسا مرکز علم و عرفان میسر آئیگا نہ اس حادثہ جانکاہ اور اس واقعہ ہائلہ کی تلافی ہو سکیگی۔

من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم ساختم — رفتم و از رفتن من عالمے تاریک شد

(علمدار واسطی)

مرثیہ سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ فی اعلیٰ علیین

از جناب میر علمدار حسین صاحب واسطی بنوڑی

موصوف الصدر مرحوم نے شیخ اعلی اللہ مقامہ کی نسبت جو کچھ لکھا ہے۔ وہ "اندکے از بسیار" کا مصداق ہے۔ ابھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ اور شیخ کا مرثیہ وہ قومی مرثیہ ہے جو مدتوں پڑھا جائیگا لیکن ہم اس سلسلہ کو یہاں بالفعل اپنے مکرم دوست جناب میر علمدار حسین صاحب واسطی کے مرثیے پر ختم کرتے ہیں جس کا تاریخی نام "یادِ مغفور" ہے۔ جو کچھ اب تک لکھا جا چکا ہے۔ وہ سب اس آئینہ میں منعکس ہے۔ اکابرانِ قوم کے بہت سے مرثیے لکھے گئے ہیں لیکن "یادِ مغفور" کو پڑھکر اہل بصیرت صاحبانِ دل بیساختہ کہہ اٹھینگے کہ "ایں زمیں را آسمانے دیگر است"

شیخ کی شخصیت کیطرح یہ مرثیہ بھی سب سے ممتاز ہے۔ زبان لطیف، بندش الفاظ چست، اسلوب پسندیدہ۔ شاعریت اعلیٰ درجہ کی مگر پھر شاعرانہ مبالغہ سے خالی، اور شیخ کی شخصیت کا مع جملہ خصوصیات مکمل نقشہ۔ لفظ لفظ اور بیت بیت میں درد، مرثیت، روحانیت۔ یہ بھی شیخ کی روحانیت کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ امید ہے ناظرین بہت محظوظ ہونگے۔ اور یہ مرثیہ شیخ کی یادگار رہیگا۔ میر صاحب موصوف نے دردِ دین اور احساس قومی کا پورا ثبوت دے دیا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

یادِ مغفور
۱۳۴۱

اے خوشا خاکِ خطۂ پنجاب — ہیں نہاں جس میں گوہرِ نایاب
جو جھکا سن کے نعرۂ تکبیر — جو بڑھا اٹھ کے سیدھے راہ صواب
نازیوں کے لئے ہیں جس نے قدم — جس نے چومی ہے غازیوں کی رکاب
ہے جو منت کشِ نگاہِ علی — جو ہے مرہونِ حیدری آداب
ہو رہے ہیں شہادت سبقت — آج تک جس کے منبر و محراب
جس نے دیکھے بہت نشیب و فراز — جس پہ گذرے بہت عتاب و خطاب
علماء، صوفیہ، مجدد، شاہ — جس کے آغوش میں ہیں محوِ خواب

ایک مدت سے اسکی بزمِ عمل — تھی پڑی بے چراغ و بے مشعل

علم و عرفان کا نشان نہ تھا
عمق درد و ماہیت پہ دھیان نہ تھا

اوپری اوپری سی باتیں تھیں
مغز ہو جس میں وہ بیان نہ تھا

یوں تو ہر گھر بنا تھا بقعۂ نور
دل کا روشن مگر مکان نہ تھا

جو ہوا ہو نہ بندۂ مغرب
قوم میں ایسا اک جوان نہ تھا

تھی نہ کس کی زبان طعن دراز
معترض کون بدگمان نہ تھا

جب یہہ حالت ہوگئے پھر مذہب
اور کیا تھا؟ جو نیم جان نہ تھا

ہم تھے اور یاس و حسرت و حرماں
ہم اور اغیار کی تھی تیغ زباں

پیدا آخر ہوئے نئے ساماں
درد کا اپنے مل گیا درماں

یعنی علم مجسم و عرفاں
ہند میں آیا چھوڑ کر ایراں

کی ہویدا حقیقت اسلام
اس نے سمجھائے معنی ایماں

ناطقے بند کر دئے سب کے
کٹ گئی گویا معترض کی زباں

ہو گئے چپ مذاہب عالم
سن کے اس کے دلائل و برہاں

خود پکار اٹھے فلسفہ سائنس
واقعی ہے کتاب حق قرآں

فخر کرتے تھے اس پہ فقہ و حدیث
اس پہ تفسیر و ترجمہ نازاں

کون تھا وہ وحید لاثانی؟
شیخ عبد العلی طہرانی

آہ! وہ شیخ معصوم تھی جس کی
قلزم علم عقلی و نقلی

آہ! وہ ذات جو تھی جان عمل
ناز کرتی تھی جس پہ شرع نبی

وہ سمندر کہ عمق تھا بے تھاہ
وہ سما حد نہ اوج و رفعت کی

علم یہ جسکو اوستاد پڑھیں
معرفت وہ کہ نور کی تجلی

حکمت ایسی کہ بوعلی بھی پڑھے
فلسفہ وہ کہ سیکھے فارابی

قوم کو تھا وجود شیخ مفید
گویا زندہ تھے مرتضی و طوسی

ہم کہاں وہ ملک نفوس کہاں
دیکھ پائے تھے "مجلسی" و "حلی"

آفتاب الٰہیات تھا شیخ
قوم و ملت کی کائنات تھا شیخ

واعظوں کا بدل گیا انداز
منشیوں کو سکھا گیا پرواز

بزم میں کر گیا کشش پیدا
نطق حق کا دکھا گیا اعجاز

یوں بیاں کی حقیقت اسلام
گویا چھیڑا نہ تھا کسی نے یہ ساز

جو کہا جب کہا وہ قرآں سے
منکشف کر گیا نکات دراز

مولوی سے اڑے وہ طرز بیاں
ذاکروں کو ملے پر پرواز

گو روایت سے کم تھا استدلال
دل نشیں تھا پہ حدیث کا اعزاز

کر گیا ایک طرز نو قائم
حسب حال زمانہ و ممتاز

بزم مذہب میں شمع نور جلی
وہ بیاں تھا بیان عبد العلی

ملک مذہب کا بادشاہ تھا شیخ
قوم و ملت کا خیر خواہ تھا شیخ

اس سے بچتے نہ تھے بدعت و معتز
یم شگاف اور کوہ کاو تھا شیخ

قوم کے حق میں تھا وہ زرہ و سپر
غیر کو تیغ بے پناہ تھا شیخ

تھا علوم ائمہ کا عارف
واقف رمز لا الہ تھا شیخ

اس سے ملتی تھی منزل مقصود
رہنما و چراغ راہ تھا شیخ

حیف صد حیف! کہ نہیں ہے آج
کہنے والے کہ آہ! آہ تھا شیخ

شیخ منہ ہم سے آہ موڑ گیا
اور ہمیں بے پناہ چھوڑ گیا

لٹ گیا آہ! آہ! باغ علم!
مٹ گیا دہر سے سراغ علم!

چل بسا ساقی مئے عرفاں
بزم اجڑی لٹا ایاغ علم!

تیرہ و تار ہو گیا عالم!
پھر ڈوبا! بجھا چراغ علم!

اٹھ گیا وہ وجود دنیا سے
عرش پر جس سے تھا دماغ علم!

دل میں سوزش ہے لب پہ درد و آہ
جل رہا ہے جگر میں داغ علم!

چھپ گیا آفتاب فضل و کمال
حیف گل ہو گیا چراغ علم!

شیخ عبد العلی سحر بیاں!
مر گئے بزم دیں ہوئی سنساں

عارف بے مثال تھا نہ رہا
ایک صاحب کمال تھا نہ رہا

صاحب باطن اور روشن دل
ہم میں اک اہل حال تھا نہ رہا

ہو گئی شمع معرفت خاموش
جلوۂ نور آل تھا نہ رہا

اب وہ ذوقِ الہیات کہاں؟
شیخ حکمت مقال تھا نہ رہا

ہو گئے جادو بیان اور اگر
وہ جو سحر حلال تھا نہ رہا

کھو گئی لذتِ محبت موت!
عشق و شوقِ وصال تھا نہ رہا

ہو گیا ختم درس روحانی
ہو چکے حل نکاتِ قرآنی

وعظِ علمی سنائے گا اب کون
دل کو مومن بنائے گا اب کون

ہو گئے ہوں جو نوجواں گمراہ
راہ پر اُن کو لائے گا اب کون

ذکر سے مدحِ جسر ملت کے
ہم کو پھر دل رولائے گا اب کون

مان لے جو فضیلتِ اسلام
معترض کو بتائے گا اب کون

ہو رہا ہے جو حملۂ اغیار
اس سے دین کو بچائیگا اب کون

خانۂ دل ہوا ہے تیرہ و تار
شمع عرفاں جلائے گا اب کون

ہو علمدار ملتجی کس سے؟
اُس کے شبہے مٹائیگا اب کون

یہ نہیں چند یوم کا رونا!
عمر بھر کا ہے قوم کا رونا!

سرکار علامہ شیخ اعلی اللہ مقامہ
کا
تابوت

مرحوم قدس سرہ نے بوقت انتقال جناب نواب کربلائی محمد علی خانصاحب اعلی اللہ مقامہ کو باستدعائے نواب صاحب وصیت فرمائی تھی کہ ان کا تابوت نجف اشرف پہنچا دیا جائے۔

لہٰذا تابوت مرحوم اس غرض کیلئے کربلائے گامے شاہ لاہور میں امانت رکھا گیا۔ نوابصاحب اپنے حالات کی ناموافقت سے اس کے متعلق کوئی فوری اقدام نہ فرما سکے۔ کہ میر علی محمد خانصاحب مرحوم ادف خیرپور سندھ نے قصد کیا کہ وہ اس خدمت کو انجام دیں۔ وہ اس کار خیر کے عازم ہوئے۔ مگر موت نے مہلت نہ دی۔ اور وہ مرحوم بھی موفق نہ ہوسکے پھر سادات جہانیاں شاہ نے بھی قصد کیا۔ مگر ناسازگاری زمانہ سے اس خدمت کو انجام نہ دیسکے۔ اور قاصر ہی رہے بعض مومنین نے چند مرتبہ ارادہ کیا کہ یہہ فرض ادا کیا جائے کہ وہ بھی ناکام رہے۔ کیونکہ نوابصاحب مرحوم بھی نہ چاہتے تھے کہ کوئی اور اس مقدس خدمت کا شرف حاصل کرے اور وہ محروم رہجائیں۔ تا ایکہ ڈیڑھ سال قبل ازیں وہ بھی راہی ملک بقا ہوئے۔ اور جوار رحمت و قدس الٰہی میں اپنے رفقا سے ملحق۔ موافق وصیت مرحوم نوابصاحب کے بعد ان کے صاحبزادگان اور ورثا کثرہم اللہ دام اعزازہم کا فرض تھا کہ وہ اس فرض کو ادا فرمائیں۔ اور مرحوم نوابصاحب کو اس بار سے سبکدوش۔ مگر زمانہ نے انہیں بھی یہ توفیق نہ ہونے دی۔ اور وہ بھی نوابصاحب کی طرح قاصر و مقصر رہے۔ اور نومبر ۱۹۲۱ء سے یکم جون ۱۹۳۶ء تک تقریباً ساڑھے چودہ سال تابوت مرحوم اس عالم غربت میں کربلائے گامے شاہ کی زینت رہا۔ اس کار خیر کی توفیق **جناب مکرم میجر سردار محمد سرفراز خاں صاحب ای۔ اے۔ سی سپرنٹنڈنٹ جیل** ملتان کے شامل حال ہوئی۔ جو سرکار مرحوم کے مخلصین اور سچے باارادت معتقدین اور فدائیوں میں سے مع اپنے خاندان کے ایک معروف و ممتاز فرد ہیں۔ ہر طرف سے مایوسی دیکھکر میجر صاحب نے عزم بالجزم کرلیا کہ مرحوم کا تابوت وہ منزل مقصود تک پہنچائیں گے ؎

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آخر اپنی ہمت اور محض اپنے اقربا و ارکان خانوادہ کی رفاقت اور سادات کرام جہانیاں شاہ کی سرپرستی سے اس مقدس کام کو سرانجام دیا۔

چنانچہ ۵ جون ۱۹۳۶ء کی صبح کو میجر صاحب اور بندۂ ناچیز لاہور پہنچے۔ تابوت کھولا گیا۔ اور کفن تبدیل کیا گیا۔ اور آخری سامان سفر سے آراستہ۔ اور شام کو مسجد کربلائے گامے شاہ میں ایک شاندار مجلس عزا بغرض ایصال ثواب روح پرفتوح مرحوم منعقد ہوئی۔ جس نے مومنین کے قلوب میں مرحوم کی یاد کو تازہ کیا۔ ۶ جون ۱۹۳۶ء کو تابوت ایک مجمع مومنین میں لاہور کے ریلوے سٹیشن پر پہنچایا گیا۔ اسٹیشن پر اکثر مومنین مخلصین جمع تھے۔ ایک مختصر مجلس عزا پلیٹ فارم پر بھی قائم ہوئی۔ اور تابوت

کراچی میل سے بسپردگی جناب سید حسن صاحب کربلائی و جناب شیخ ظاہر حسین صاحب دلیل الزائرین روانہ ہوا اور اسی دن اس ٹرین سے خود جناب نواب صاحب اعلی اللہ مقامہ و جناب سردار ہدایت علی خانصاحب مرحوم و مغفور و جناب شیخ مولابخش صاحب مرحوم پدر بزرگوار جناب دلیل الزائرین کے تابوت بھی روانہ کربلائے معلی ہوئے۔ اکثر مومنین کا خیال ہے کہ سرکار علامہ قدس سرہٗ نواب صاحب مرحوم سے اخلاص خاص رکھتے تھے۔ اس لئے اس وقت تک ان کے تابوت کے روانہ کرنے کی کسیکو توفیق نہ ہوئی جس وقت تک نوابصاحب مرحوم کا تابوت ہمراہ نہ ہو جائے اور ساتھ ہی اور مومنین بھی رفیق سفر نہوں۔ اور یہ بزرگ ہستی جس کی محفل علم مخلصین مومنین سے پر رہتی تھی۔ اس سفر آخرت میں تنہا نہ رہے۔ وکل امر مرھون باوقاتھا۔ ہم میجر صاحب کو اس خدمت کی انجام دہی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اور پسماندگان مرحوم اور مومنین کی طرف سے شکریہ ادا۔ زاد اللہ توفیقاتہ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

وکل الیہ راجعون

سرکار علامہ ہری اعلی اللہ مقامہ کی تدفین

سرکار موصوف کے تابوت کی روانگی کی اطلاع ہو چکی تھی۔ اکثر مقامات کے مومنین اسٹیشن پر پہنچکر زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ اکاڑہ کے عام مسلمانوں نے بہت اہتمام سے استقبال کیا۔ کراچی میں ۷ جون کو تابوت پہنچا۔ وہاں کے مومنین کرام نے بھی مرحوم کے جنازہ کی عزت افزائی میں دلی جذبات کے ساتھ حصہ لیا۔ خصوصاً انجمن حیدریہ کراچی نے اس باب میں خاص اخلاص کا ثبوت دیا۔ خطوط آمدہ عراق اور اخبارات سے معلوم ہوا کہ اول ضریح اقدس کاظمین شریفین اور سامرہ کا طواف کرایا گیا۔ اور پھر ۲۲ $\frac{5}{36}$ کو جنازہ کربلائے معلی پہنچا۔ وہاں بھی پہلے سے اعلان ہو چکا تھا۔ ہر طبقہ کے مومنین و علماء و مجتہدین و شرفاء و رؤساء اور طلبہ نے تشییع میں شرکت فرمائی۔ کافی جمعیت صحن اقدس میں جمع تھی اور قابل دید منظر تھا۔ یہاں سے بعد طواف جنازہ ہاتھوں ہاتھ حضرت عباس علیہ السلام کے حرم کی طرف روانہ ہوا اور بعد طواف صحن اقدس میں ہی فوٹو لیا گیا۔ اور یہاں سے بذریعہ موٹر کار

نجف اشرف روانہ ہوا اکثر علمارکرام ورؤسائوشرفا بغرض تحصیل ثواب موٹروں پر ہمراہ گئے۔ شہر نجف اشرف سے بھی حضرات علما رورؤسار وشرفا رطلبہ نے پر اخلاص استقبال کیا اور ہاتھوں ہاتھ جنازہ صحن اقدس علوی میں لایا گیا اور بعد طواف ضریح اقدس وادی السلام کو روانہ ہوا۔ اور قریب ضریح حضرت ہود وحضرت صالح دفن کیا گیا۔ سردار محمد سرور خان صاحب کے نام آمدہ خطوط عراق سے معلوم ہوتا ہے کہ نجف اشرف میں آجتک ایسی تشییع کبھی نہ ہوئی تھی اور اس بزرگ نفس قدسی کیلئے اسی اعزاز کی امید تھی۔ بعد دفن حسب قاعدہ عراق میں شب کے وقت مجلس فاتحہ خوانی منعقد ہوئی جس میں اکثر مومنین واہل علم نے شرکت فرماکر مرحوم مغفور کی روح پر فتوح کو قرآن خوانی وفاتحہ خوانی سے شاد کیا۔ اور مرحوم اب اپنے مرکز اصلی پر پہنچکر محو خواب ہیں۔ اور مرحوم کا گنبد مزار مومنین کی زیارتگاہ۔

"پہنچی وہاں یہ خاک جہاں کا خمیر تھا"

اعلی اللہ مقامہ وقدس سرہ فی اعلی علیین۔ خداوندعالم جناب سردار محمد سرور خانصاحب اور جناب شیخ محمد طاہر صاحب کو اجر خیر عطا فرمائے کہ ان حضرات نے مرحوم کی آخری خدمات و فرائض کو نہایت حسن عقیدت کے ساتھ ادا فرمایا (جزاھم اللہ عنا وعنہ خیر الجزاء)

مواعظِ حسنہ

جزوِ اوّل

موعظۂ اوّل

۲ محرم الحرام ۱۳۳۱ سنہ ہجری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قال عزمن قائلہ " اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ وَہُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُہۡتَدِیۡنَ (نحل ۱۶ ع)

نئی روشنی اور زمانہ موجودہ کی حالت

اس وقت اسلام دو صورتوں میں جلوہ گر ہے۔ صورت قدیم[1]۔ صورت جدید[2]۔ صورت جدید یعنی نئی روشنی۔ نئی روشنی کے معنی ہیں۔ ہر ایک چیز کو چھوڑ دینا آثار و شعائر اسلام و علائم اسلامی کو ترک کر دینا۔ احادیث و اخبار سے کنارہ کش ہو جانا۔ اسی پر اکتفا نہیں۔ بلکہ یہاں تک ترقی کر لی ہے کہ کہتے ہیں قرآن کی بھی ترمیم ہونی چاہیئے۔ یہ کتاب جہال عرب ہی کے واسطے تھی۔ اب اس ترقی کے زمانہ میں اس کے قوانین و

احکام قابل عمل نہیں رہے۔ ترمیم ہونی ضروری ہے۔ اس روشنی کے زمانہ میں نئے نئے فرقے اور مجددین پیدا ہو رہے ہیں! مثال کے لئے اہل القرآن کو لے لیجئے۔ وہ احادیث و اخبار نبوی کے بالکل منکر ہیں! متابعت پیغمبر کو منع کرتے ہیں اور اپنے آپ کو خالص پیروِ قرآن کہتے ہیں!!! اور دراصل قرآن کے منکر ہیں۔ قرآن کو اپنی رائے کے مطابق تفسیر کرتے ہیں۔ نہ کہ قرآن کے احکام کی پیروی۔ اس قسم کے فرقے ہر روز پیدا ہوتے رہتے ہیں اور رواج پلتے ہیں۔ اور پیرو اور مقتدی پیدا کر لیتے ہیں کہ علم صحیح مفقود ہے اور تحقیق کا مادہ معدوم یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ ان مجددین کے بیانات و کلمات صراحتہً کتاب خدا کے مخالف ہیں۔ نہ صرف جزوی مخالفت۔ بلکہ نصوص ظاہرہ قرآن کے مخالف ہیں مگر لوگ ہیں کہ ان کے پیرو ہوتے جاتے ہیں نہیں سمجھتے کہ وہ ہمیں کہاں لئے جا رہے ہیں اور کس قعر ضلالت میں پھینک رہے ہیں +

قرآن اور تبیان

قرآن شریف وہ کتاب ہے۔ جس کی شان میں خداوند تعالیٰ "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" فرماتا ہے۔ بیان بھی نہیں تبیان۔ تبیان اور بیان دو چیزیں ہیں۔ بیان صرف اظہار کر دینے کو کہتے ہیں۔ اور تبیان ایسے بیانِ روشن اور آشکارا کو کہتے ہیں۔ جو قابلِ قبول ہو۔ سوائے اس منکر اور جاحد کے جو دیدہ و دانستہ انکار کرتا ہے۔ کوئی اس کا انکار نہ کر سکے۔ گویا قرآن مجید ایسا روشن و آشکار ہے کہ قابل انکار ہی نہیں کتاب لاریب فیہ ہے۔ لیکن یہ کتاب نہایت مختصر اور مختلف اجزاء قصص۔ حکایات۔ امثال۔ مواعظ احکام وغیرہا کو شامل ہے۔ پانچسو تیرہ (۵۱۳) آیات احکام کے متعلق ہیں جن میں سے صرف ایک سو تیرہ (۱۱۳) صریح اور باقی غیر صریح ہیں۔ جن سے صراحتہً احکام مستنبط نہیں ہوتے مثلاً إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ۔ (یعنی کوہِ صفا و مروہ) شعائر الٰہیہ اور اس کی یاد دہندہ نشانیاں ہیں (کہ وہاں اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے) پس جو شخص حج بیت اللہ یا عمرہ بجا لائے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ ان دونوں پہاڑوں کا طواف کرے اور سعی بجا لائے۔ اور جو شخص خیر کو بجا لائے۔ خدا اس کا شکر گذار اور اسکو جاننے والا ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں لفظ لَا جُنَاحَ حکم ہے اور سعی درمیان صفا و مروہ احکام مناسک حج میں داخل ہے حالانکہ ظاہر لفظ سے ایسا نہیں معلوم ہوتا۔ اسی طرح

آیہ مجیدہ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا (النساء - ۱۵ع) میں فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ حکم کے واسطے ہے اور مقام خوف اور سفر میں نماز کو قصر کرنا واجب ہے - مگر آیہ مجیدہ سے صریح معلوم نہیں ہوتا اسی طرح بعض احکام بطور اخبار کے وارد ہوئے ہیں جیسا کہ وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (الخ) میں بحکم رضاعت کہ بچہ کو دو سال دودھ پلایا جائے بطور اخبار بیان ہوا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائینگی - حکم یا امر بطور انشا نہیں ہے - بعض امور لفظ ماضی سے بیان ہوئے ہیں - اور مراد مستقبل ہے جیسا کہ "اَتٰی اَمْرُ اللّٰهِ" امر خدا آگیا (یعنی آئے گا) غرضیکہ ایک سورہ بقر سے پانچ سو (۵۰۰) حکم مستنبط ہوتے ہیں اور ایک ایک آیت سے پندرہ پندرہ اور اٹھارہ اٹھارہ حکم نکلتے ہیں بلکہ آیہ شریفہ وذروا ظاھر الاثم وباطنه" سے آٹھ سو (۸۰۰) حکم اخذ ہوتے ہیں - حالانکہ نہایت ہی مختصر آیت ہے صرف دو لفظ ہیں فلا شک ولاریب کلام حمید مجید تبیان کل شئے ہے ہر ایک شئے اور ہر ایک امر کا بیان اس میں موجود ہے لیکن جب تک علم قرآن حاصل نہ ہو اس مختصر کتاب سے اس قدر احکام نکالنا محال ہے - اور محال در محال ہے کہ ہر کس و ناکس ماہر عربی دان تمام احکام معلوم کر سکے - ہزار کتب منطق و فلسفہ جمع کر لو کچھ فائدہ نہیں ہوگا علم قرآن اور چیز ہے منطق اور فلسفہ اور شئے ہے

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یہ بالکل صحیح ہے کہ اس کتاب پاک میں قیامت تک کے جملہ احکام و ضروریات مایحتاج عالم موجود ہیں - حتی کہ ذکر معادن و معدنیات اور ان سے متمتع ہونیکا طریق حرف و صناعات اور ان کو کام میں لانے کا طریقہ اور کمال اعجاز یہ ہے کہ تمام احکام معادن اور معدنیات وغیرہ کو ایک مختصر سی آیت میں ظاہر فرما دیا ہے - فرمایا ہے خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا" یعنی جو کچھ زمین میں ہے - سب تمہارے انتفاع کے لئے خدا نے پیدا کیا ہے بعض قسم کے انتفاعات نباتات سے حاصل ہوتے ہیں اور بعض حیوانات سے - اور بعض جمادات و معدنیات سے - اور جب ہر ایک شئے ہمارے

انتفاع کیلئے خلق فرمائی ہے تو ضروری ولازمی ہے کہ ان سے منتفع ہونے کا علم اور طریقہ بھی عطا ہوا ہو کہ ہم نباتات سے کس طرح متمتع ہوں۔ حیوانات سے کیونکر مستفید ہوں اور معدنیات سے کس طرح نفع اٹھائیں۔ دریاؤں کو کیسے کام میں لائیں وغیرہ وغیرہ اور اگر اُن سے منتفع ہونے کا علم نہیں دیا۔ تو یہ دعوےٰ غلط ہوگا اور احسان جتانا عبث پس ضرور ان سے متمتع اور منتفع ہونے کا علم عطا کیا ہے بلکہ ان کی خلقت سے پہلے علم عطا کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا اللہ نے حضرت آدم کو تمام اسماء کا علم سکھایا اور اُن اسماء کو ان کی ذریت کی پشتوں میں ودیعت فرمایا اور اُن کے نطفوں میں بالفطرۃ پیدا کیا۔ اس لئے اب جو کوئی شئے ایجاد ہوتی ہے اور اس کا نام رکھا جاتا ہے۔ وہ تمام پہلے سے نطفہ انسانی میں موجود تھا اور حضرت آدم کو سکھلایا گیا تھا۔ پھر فرماتا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ خلقت انسانی کے ساتھ ہی اسکو بیان اور قوت اظہار ما فی الضمیر عطا ہوئی ہے۔ لاکن یہ بیان ناقص انسانوں میں ناقص ہے۔ اور کامل میں کامل اور اکمل میں اکمل پس بیان کامل واکمل وجود اقدس حضرت ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے۔ جو افضل الموجودات واکمل الکنونات واول صادر از مصدر ہیں پس ضرور ہے کہ جمیع علم موجودات و حرف وصنائع و اسماء ومسمیات واسباب وذرائع انتفاع اور انکا بیان وجود پیغمبر میں ہو اور حدیث شریف انا مدینۃ العلم سے یہ مطلب خوب واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مدینہ اور شہر اسی کو کہتے ہیں جس میں جملہ ضروریات اہل شہر بنی نوع انسان موجود ہوں اور آسانی سے مہیا ہو سکتی ہوں اور عَلِیٌّ بَابُھَا سے ظاہر ہے کہ اظہار اور بیان تفصیلی اس شہر علم الٰہی کے علی ابن ابی طالب وصی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ کیونکہ آپ بھی آنحضرت کی طرح انسان کامل واکمل ہیں "والانسان الکامل ھو المظھر الجامع لجمیع الصفات الکمالیۃ" عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ اس حدیث کا مدرک ہے تفصیل اس کی دوسرے مقام پر آئیگی۔

قصص وحکایات کلام مجید میں اس کثرت سے ہیں کہ کوئی سورہ اُن سے خالی نہیں ہے۔ صراحۃً۔ اشارۃً۔ کنایۃً ہر ایک سورہ میں کوئی قصہ موجود ہے۔ اور سورۂ یوسف تو تمام کی تمام قصہ ہی ہے۔ حتّٰی کہ سورۂ اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ" جیسی مختصر سورت میں بھی ایک قصے کی طرف اشارہ موجود ہے۔ ان قصص میں بہت بڑی حکمت ومصلحت ہے اور بعض احکام

قصص ہی سے ماخوذ ہیں۔ اور ان قصص کے واسطے اس قدر تاکید ہے کہ پیغمبر کو حکم تھا۔ اور مامور تھے منجانب اللہ کہ ان کو بیان کریں۔ فقال عزمن قائلہ۔ "اتل علیھم نبا ابنی آدم" آدم کے دونوں بیٹوں کا قصہ انہیں سنا دو۔ وقال واتل علیھم نبا الذی اتیناہ آیاتنا فانسلخ منھا فاتبعہ الشیطان فکان من الغوین ولو شئنا لرفعناہ بھا ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ فمثلہ کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث ذالک مثل القوم الذین کذبوا بآیاتنا فاقصص القصص لعلھم یتفکرون (اعراف ۲۰ ع)

ترجمہ۔ اے رسول تو ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھکر سنا جس کو ہم نے آیتیں عطا کی تھیں پھر وہ اُن سے نکل گیا اور جدا ہو گیا تو شیطان نے اُس کا پیچھا کیا اور آخر کار وہ گمراہ ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان آیات کی بدولت اس کو بلند مرتبہ بنا دیتے مگر وہ تو خود ہی پستی کی طرف مائل ہو گیا اور جب دنیا اس پر غالب آگئی اور اپنی خواہش نفسانی کا تابع ہو گیا تو اُس کی مثال اس کُتّے کی سی ہے کہ اگر دھتکار دو تو بھی بھونکے اور اگر چھوڑ دو تو بھی بھونکے۔ یہی مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔

اے رسول یہ قصّے ان لوگوں سے بیان کر دے تاکہ یہ اُن میں غور کریں اور عبرت حاصل کریں۔ "وقال واتل علیھم ما اوحی علیک" (الخ) یعنی جو کچھ تجھکو وحی کی گئی ہے سب کو تلاوت کر دے۔ ان قصص کی تلاوت کو پیغمبر پر واجب کیا ہے۔ کہ پڑھے۔ اور لوگوں کو سنائے ان قصص سے احکام کا نکالنا بہت دشوار ہے۔

قصص قرآنی اور اُنکی علّت و مصلحت

یہ امر قابل غور ہے کہ قرآن جو معجزہ باقیہ اور حجت دائمہ ہی بطور قصص کیوں نازل ہوا ہے؟ اور اس قدر قصص کیوں وارد ہوئے ہیں؟ کہ قریب دو تہائی قرآن قصص سے پر ہے۔ علت یہ ہی کہ طرق دعوت وہدایت یہ ہے جس کی بابت خدا فرماتا ہے۔ "ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ" (الخ) حکمت و دانائی کے ساتھ لوگوں کو دین کی دعوت دیجائے اور حکمت دو قسم پر ہے، حکمت علمی و نظری۔ اور حکمت عملی و فعلی۔ اور یہ امر بدیہیات سے ہے کہ ہر ایک جنس اپنی جنس سے مانوس اور مالوف ہوتی ہے اور اپنی جنس کے حالات وحکایات سے زیادہ متاثر ہوتی ہی اسی

طرح انسان اپنے ہم مثل اور اپنی نوع سے مانوس اور ان کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس کے حالات سے متاثر ہوتا ہے قصص و حکایات و امثال سے عبرت حاصل ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ قصوں کو موجب تذکر قرار دیا گیا ہے جیسا کہ آیات مذکورہ میں "فاقصص القصص لعلھم یتفکرون" سے ظاہر ہے اور نیز فرمایا ہے۔ وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ یعنی ایام خدا انہیں یاد دلاؤ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔ یہ ایام ہیں کہ ہم انہیں لوگوں میں گردش دیتے ہیں۔ اور ایام خدا سے وہ ایام خاص مراد ہیں۔ جن میں آثار الٰہی خاص طور پر ظاہر ہوئے پس اول شے ہدایت کیلئے عبرت ہے اور وہ قصص سے حاصل ہوتی ہے۔ بعد ازاں احکام و تکالیف مثل روزہ و نماز وغیرھما کا قبول کرنا آسان ہوتا ہے۔
اسی واسطے ان تمام امور میں سے جن کے بیان کرنے پر پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مامور تھے اعظم تر قصص کا بیان ہے۔ تاکہ تاریخی حوادث و واقعات کی حسی مثالیں لوگوں کے لئے باعث عبرت ہوں۔ اسی سبب سے مذاہب و اُمم گزشتہ کے قصص کو بیان کیا گیا ہے کہ دین عبرت سے ثابت و مستحکم ہوتا ہے۔ لہذا تجربیات تاریخی کا بیان کرنا تمام باتوں سے ضروری ہے اس زمانہ میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ گذشتہ امتوں کے تاریخی واقعات سے احکام و علوم استنباط کرتے ہیں اور جس طرح سے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمم گذشتہ کے قصے بیان کرنے پر مامور تھے۔ اسی طرح ہم بھی مامور ہیں کہ اُمم آخرین کے قصص اور واقعات کو بیان کریں۔ اور ان سے عبرت حاصل کریں۔ کیونکہ قرآن میں وہ قصے بھی موجود ہیں۔ اور اس امت محمدی میں بھی مثل امم سابقہ قصص وارد ہوئے ہیں۔ اور ان قصص میں کوئی قصہ قصۂ روز عاشورہ اور کوئی واقعہ واقعۂ کرب و بلا سے بالاتر نہیں ہے جو لوگوں کیلئے عبرت اور نصیحت کا باعث ہو جس کی مثال و نظیر نہ گذشتہ واقعات میں ملتی ہے۔ اور نہ آئندہ میں۔ واقعہ جس قدر عظیم ہوگا اسی قدر زیادہ باعث عبرت ہوگا۔
سب سے اول قصہ حضرت آدم اور شیطان ہے اور یہ قصہ خارجی ہے۔ کہ ایک غیر جنس سے حضرت آدم کے ساتھ واقع ہوا۔ اور شیطان کے تکبر کا یہ نتیجہ ہوا۔ اور غرض اُس کے بیان سے یہی ہے کہ بنی آدم متنبہ ہوں۔ اور عبرت حاصل کریں۔

آدم کے بیٹوں کی قربانیاں

بعد ازاں قصہ داخلی ہے یعنی خود حضرت آدم کے دو بیٹوں کا ہے۔ فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ آدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّکَ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ سنا دو ان کو آدمؑ کے دونوں بیٹوں کی سچی خبر کہ جب دونوں اپنی اپنی قربانی لیکر گئے۔ تو ایک کی قبول کی اور دوسری کی اللہ نے قبول نہ کی تو اُس نے حسد سے کہا کہ میں تجھے قتل کردونگا اور اُس نے جواب دیا کہ خدا تو صرف متقی پرہیز گاروں سے قبول کرتا ہے قربانی سے گوسفند وغیرہ حیوان کی قربانی ہی مراد نہیں ہے بلکہ ما یتقرب الی اللہ یعنی وہ چیز جو موجب تقرب خدا ہو مراد اور مقصود ہے اور قابیل از قسم زراعت کچھ لے کر گیا تھا اور ہابیل گوسفند لے گئے تھے پس ہابیل کی قربانی قبول ہوئی اور قابیل کی نہ ہوئی۔ اور اس سے قابیل کو حسد پیدا ہوا اور اپنے حقیقی بھائی کو قتل کر دیا الخ۔

اسی طرح بلعم باعور کا قصہ ہے جس کی طرف حق سبحانہ وتعالیٰ نے آیہ مذکورہ وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا الخ میں اشارہ کیا ہے یہ شخص بنی اسرائیل میں نہایت عابد اور زاہد تھا اور اس کے زہد وتقوے کی یہ حالت تھی۔ کہ دعا اس کی مستجاب تھی۔ مگر حرص وطمع مال دنیوی نے اُسے ایسا گمراہ کیا کہ مخالفین جناب موسےٰ سے اشرفیاں لے کر آن کے اصحاب کیلئے بد دعا کی۔ بنی اسرائیل چالیس سال تک میدان تیہ میں بھٹکتے پھرے (افسوس ہے کہ اس زمانہ میں بلا اشرفی و روپے کے ہی بہت سے لوگ دین کو ہاتھ سے دیدیتے ہیں)

سب سے زیادہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ کے قصص مذکور ہیں۔ حتیٰ کہ ولادت باسعادت سے لیکر آخر عمر تک کے قصص موجود ہیں۔ قصہ حضرت ابراہیم بھی نہایت عبرت خیز ہے۔ کہ راہ خدا میں قربان کرنے کیلئے کس طرح سے اپنے بیٹے جناب اسمٰعیل کو پیش کر دیا۔

مسلمان اور واقعۂ کربلا حسینی دعوت اور اصحاب حسینؑ

مگر روزِ عاشورہ کے واقعۂ ہائلہ میں تمام واقعات سابقہ کی مثالیں اور نظیریں موجود ہیں۔ بلکہ ایک امر زیادہ ہے وہ یہ ہے۔ کہ انبیائے سابقین کے ابتلاآت وتکالیف کفار ومشرکین کے مقابلہ میں تھیں۔ اور یہاں کرب وبلا کی ابتلا داخلی ہے یعنی ان مسلمانوں کے مقابلہ میں ہے جو در باطن مشرک تھے۔ وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون اور اسی فساد باطنی نے امت محمدی کو پریشان ومتفرق کیا ہے اور آج جو مسلمانوں میں یہ اختلاف نظر آرہا ہے۔ جس نے اسلام برباد کر دیا ہے۔ وہ اسی کا نتیجہ ہے اور خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں

کی کرتوت ہے۔ منافقین اسلام نے اسلام کی بیخکنی کی۔ کیونکہ لوگ انہیں مسلمان سمجھکر انپر اعتماد او بھروسہ کرتے تھے اور جو کچھ وہ کرتے اس میں ان کی پیروی کرنے لگتے تھے اور ظاہر ہے۔ کہ فساد داخلی فساد خارجی سے بہت زیادہ موثر ہوتا ہے۔ روز عاشورا امام حسین علیہ الصلوٰۃ السلام نے اپنی حکمت عملی و علمی دونوں سے دعوت ایمانی دی ہے۔ نہ دعوت اسلامی پیغمبر دعوت اسلام دیتے تھے اور جو شخص صرف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا داخل اسلام ہو جاتا اور جان و مال اس کا مصئون اور محفوظ۔ خواہ ابھی دل میں ایمان مستحکم نہ ہوا ہو کیونکہ ابتدائی دعوت تھی اور ابتدائی تعلیم میں حضرت صرف یہی فرماتے تھے۔ قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا اور یہی وجہ تھی کہ اکثر اصحاب پیغمبر با وجود وعدۂ نصرت و فتح لڑائیوں سے بھاگ جاتے تھے لیکن امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام جس کو بلاتے تھے اور دعوت دیتے تھے۔ موت اور فنا ہونے کی دعوت دیتے تھے کہ جس کو قتل ہونا ہے۔ وہ میرے ساتھ آئے یہ مسلمانوں کو دعوت ایمانی تھی کیونکہ ایمان کی یہی نشانی ہے۔ ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم باموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون (الخ) اور حضرت کے ساتھ وہی لوگ ہونے جن کے دلوں میں نور ایمان نہایت درجۂ کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ اور خوشی سے راہ خدا میں حسین فرزند رسول الثقلین کے قدموں پر ہزار بار سر نثار کرنے کو تیار تھے۔ ہر ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا اور یہ چند نفوس ہزاروں کے مقابلہ میں ایسے لڑے کہ بھاگنا تو درکنار کسی نے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹایا۔ یہ دعوت دعوت پیغمبر کا عکس تھی۔ اور اس سے اثر میں اعظم تر پس اس واقعہ کا ذکر و تذکرہ تمام قصص سے زیادہ ضروری اور لازمی ہے۔ بحکم خدا حضرت ابراہیم راہ خدا میں اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کیلئے صدق دل سے تیار ہو گئے تھے اور انہیں خبر نہیں تھی کہ عوض میں فدیہ آجائے گا اور اسمٰعیل بچ جائیگا۔ اسی وجہ سے خداوند عالم نے اپنے خلیل خاص کا اس عظمت سے ذکر کیا ہے۔ لیکن ابراہیم کربلا نے ایک اسمٰعیل نہیں قربان کیا بلکہ علاوہ اصحاب والنصار واحباب اٹھارہ بنی فاطمہؑ کو جن کا روئے زمین پر کوئی مثل و نظیر نہ تھا راہ خدا میں لڑنے کو خوشی سے بھیجدیا اور امام حسین علیہ السلام کو معلوم تھا کہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچیگا سب کے سب بھوکے پیاسے نہایت سختی اور بیرحمی سے ذبح کئے جائینگے الخ فلاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

موعظۂ دوم

۲ محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال عز من قائلہ۔ یوم ندعوا کل اناس بامامھم (بنی اسرائیل ع ۸)

ضرورتِ امام

بدیہی وضروری ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ ہر گھر میں ایک شخص بڑا ہوتا ہے جو اس گھر کا منتظم کہلاتا ہے۔ وہ گھر کا انتظام درست رکھتا ہے۔ ہر شخص اس کی بات کو مانتا ہے۔ اور وہ ہر ایک کے حق کا خیال رکھتا ہے۔ ہر آدمی اُس کی اطاعت کرتا ہے اور مثل مشہور ہے کہ جس گھر میں کوئی بڑا نہ ہو اس کا انتظام درست نہیں ہوتا۔ ہر ایک فرد اس گھر کا خود رائے ہوتا ہے اور فتنہ وفسادات برپا رہتے ہیں اسی طرح اگر وہ منتظم موجود ہو۔ مگر افرادِ خانہ اس کی اطاعت نہ کریں اور بات نہ مانیں۔ یا وہ سب کے حقوق کی مساوی رعایت نہ رکھے تب بھی انتظام خانہ داری درست نہیں رہتا اس سے اوپر ترقی کر کے ہر ایک محلہ میں ایک میر محلہ ہوتا ہے۔ جو اپنے محلہ کی تمام جزوی ضروریات کا لحاظ رکھتا ہے اور محلہ کے مشترکہ حقوق کی نگہداشت کرتا ہے۔ جزوی معاملات و نزاعات میں لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ اُن کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس صورت سے اُن کے بہت سے معاملاتِ مشترکہ بلا کسی فسادِ عظیم و حرج و مرج و نقصان جان و مال کے طے ہو جاتے ہیں۔ بخلاف اُس کے جہاں ایسا شخص موجود نہ ہو۔ وہاں تمام امور درہم و برہم ہو جاتے ہیں۔ پھر اوپر چل کر اسی طرح ہر گاؤں میں ایک مقدم کی ضرورت ہے جو اسی طرح گاؤں والوں کے مشترکہ حقوق کی نگہداشت رکھے اور ان کے جزوی معاملات و نزاعات کا فیصلہ کرے وعلیٰ ہذا القیاس ہر شہر میں ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے۔ جو شہر کا انتظام کرے اور اپنے معاملات و نزاعات میں لوگ اس کی طرف رجوع کریں اور وہ انکو رفع کرے اسی اصول پر بوجہ احتیاج اجتماع نوعی ضرورت ہے کہ تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک ایسا شخص ہو۔ جو سارے ملک کا نظم و نسق درست رکھے اور تمام نوعی و

شخصی و ملکی نزاعات میں لوگ اس کی طرف رجوع کریں۔ اور باقی تمام منتظمین اس کے تحت حکم ہوں۔ وہ ہر شخص کے حق کی رعایت کرے۔ مظلوم کا ظالم سے بدلہ لے۔ ہر ایک حقدار کو اس کا حق دلوائے۔ جس قوم یا ملک میں ایسا شخص موجود نہ ہو۔ وہ کبھی تہذیب یافتہ نہیں ہو سکتی اور متمدن اقوام میں شمار ہونے کی ہرگز مستحق نہیں۔ بلکہ روزمرہ کے فسادات اور خانہ جنگیوں سے برباد ہو جائے گی۔ بے سری قوم جس کے سر پر کوئی حاکم منتظم نہ ہو کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ بھی بدیہی ہے کہ ہر شخص صاحب حاجت اور محتاج ہے اور ہر ایک اپنی ضروریات کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ انسان کی طبیعت میں حرص و طمع داخل ہے۔ اور منشا اُن کا اپنی ضروریات واقعیہ سے زیادہ لینا ہے۔ جب یہ حرص و طمع انسان پر غالب آجاتے ہیں تو وہ اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کے پورا کرنے کے لئے دوسروں کے حقوق غصب کرتا ہے۔ اور اُن کے ظلم و جور پر آمادہ ہو جاتا ہے اور چونکہ دوسرے انسان میں بھی یہی احتیاج موجود ہے۔ پس وہ اپنی ضرورت پوری کرنی چاہتا ہے اور نہیں چاہتا کہ اس کا حق دوسرا لے۔ لہذا دفاع پر آمادہ ہوتا ہے اور فساد و نزاع قائم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بے انتہا کشت و خون تک نوبت بھی ہوتا ہے۔ انہیں فسادات و نزاعات کے رفع کرنے کے لئے اُس منتظم و مدبر کی ضرورت ہے کہ وہ ان کے واسطے ایک قانون مرتب کر دے جس کی رو سے کوئی شخص کسی پر زیادتی نہ کر سکے اور حقدار کو اس کا حق پہنچ جائے اور جو اس قانون کی خلاف ورزی کرے اس کو وہ مدبر و منتظم سزا دے۔

لیکن چونکہ تمام نوع انسان احتیاج و حرص و ہوا میں مشترک ہے۔ اس واسطے اگر وہ منتظم و مدبر بھی عام لوگوں کی طرح ان ہی میں سے ایک شخص انہی جیسا محتاج و ہوا و ہوس کا پتلا ہو تو یہ نظام درست نہیں رہ سکتا اور اگر یہ قانون انہی لوگوں کا بنایا ہوا ہو یا ایسے ہی منتظم و مدبر کا مرتب کیا ہوا ہو تو وہ کامل قانون نہ ہوگا۔ جس میں ہر شخص کے حق کی پوری رعایت رکھی گئی ہو۔ اور جمیع ضروریات شخصی و نوعی کو ملحوظ رکھا گیا۔ پس ایسا قانون نہیں بنا سکتا۔ مگر وہ جو انکا خالق و صانع ہے اور ہر ایک کی ضروریات کا بالذات عالم۔ یعنے اگر یہ قانون قانون الٰہی نہ ہوگا تو کبھی کامل قانون مبنی بر عدل و انصاف نہ ہوگا۔ اسی طرح اس قانون کا جاری کرنے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے ذریعے سے متخاصمین

سے نزاع کو رفع کرنے والا بھی ایسا ہی شخص ہونا چاہیئے جو عام لوگوں سے خارج ہو مثل انکے محتاج و حریص نہ ہو ورنہ نزاعات و فسادات قائم و ثابت رہینگے۔

لہٰذا اس سلسلہ انتظام عالم میں ضرور ہے کہ ایک شخص ایسا موجود ہو جو حقوق افراد انسانی کی حفاظت کرے اور ہر ایک حقدار کو اس کا حق پہنچائے۔ اور مثل دیگرا فراد نہ ہو۔ ورنہ اغنیا کی رعایت کرے گا۔ خالق عالم واجب الوجود غنی مطلق ہے۔ ہر ایک قسم کی احتیاج سے ارفع و اعلیٰ ہے پس چاہیئے کہ وہ شخص واجب الوجود سے دوسرے درجہ پر غنی ہو۔ سوائے واجب الوجود کے اور کسی کی احتیاج نہ رکھتا ہو۔

محافظ و حاکم دو طرح کے ہیں ایک ظاہری محض اور وہ بادشاہ ہے۔ بادشاہ اگر اپنی رائے سے اور اپنی طرف سے حکم کرے۔ تو وہ حکم مبنی بر عدل نہ ہوگا۔ کیونکہ خواہش نفسانی و احتیاج سے وہ خالی نہیں ہے اور اگر از روئے عدالت حکم کرے تو بھی من حیث المجموع جامع جمیع ضروریات شخصی و نوعی نہ ہوگا اور عدل و انصاف مطلق پر مبنی اور حق و باطل میں فارق نہ ہوگا۔ دوم۔ ظاہری و باطنی اور وہ نبی و امام ہے۔ اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں جزئی و کلی۔ قسم اول کی طرف خداوند عالم آیہ مجیدہ میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ یعنی ہم نے داؤد کو حکم اور وہ کلام عطا کیا ہے جو حق و باطل میں فارق و فاصل ہے پس حکم صحیح وہی ہے جو حکم الٰہی کے مطابق ہو ورنہ غلط و باطل۔ اور جو اس حکم کے ادا کرنے میں تساہل اور کوتاہی کرے وہ عنداللہ مسئول و ماخوذ ہے۔ چنانچہ خدا ارشاد فرماتا ہے۔ ولنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین یعنی جن کو ہم نے اپنے احکام واوامر ونواہی کے ساتھ بھیجا ہے۔ ہم ان سے دریافت کرینگے کہ انہوں نے ہمارا حکم پہنچایا یا نہیں۔ اور نیز جنکی طرف وہ بھیجے گئے۔ ان سے بھی دریافت کرینگے۔ کہ انہوں نے ہمارے احکام پر عمل کیا یا نہیں

امامت دراصل دو طرح کی ہے ایک امامت صغریٰ اور دوسری امامت کبریٰ اور صاحب امامت صغریٰ دو ہیں۔ امام جمعہ و جماعت۔ و امام فتویٰ جسے روحساب کا تعلق زیادہ تر امام فتویٰ سے ہے نہ امام جماعت سے۔ اگر فتویٰ امام فتویٰ (مفتی و مجتہد) موافق و مطابق حکم امام صاحب امامت کبریٰ ہے۔ تو یہ فتویٰ دراصل فتویٰ امام مفترض الطاعت ہے اور مفتی مستحق ثواب اور عمل کرنے والے ناجی اور رستگار۔ اور اگر فتویٰ خلاف حکم امام اصل ہے تو مفتی اور اس کے پیرو ایک علیحدہ جماعت

ہے۔ اور اُن کا حشر اسی مفتی کے ساتھ ہوگا ویوم ندعوا کل اناس بامامھم اور امامت
کبریٰ مطلق پیشوائی دین ہے۔ اور امام صاحب امامت کبرے خلیفہ خدا۔ وجہ اللہ وید اللہ
ومفترض الطاعۃ ہوتا ہے۔ اور یہی امام اصل وامام عدل ہے اور یہی اصل صاحب حکم ہے
اور ضرورت وجود امام پر وہ دلائل عقلی ونقلی قائم ہیں۔ جو ضرورت نبوت پر دال ہیں اور یہ امامت
ونبوت ایک ہی سلسلہ ہے جیساکہ ثابت ہوگا اور یہی امامت کبرے منقسم ہوتی ہے۔
امامت جزئی وکلی کی طرف جس کی قسم اول یعنی امامت جزئی کی طرف پہلے بھی اشارہ
کیا جا چکا ہے۔ صاحب درمختار مطلق امامت کے متعلق لکھتے ہیں کہ امامت دو قسم پر ہے
امامت صغرے وامامت کبرے اور امامت کبرے رکن اعظم دین ہے اسی واسطے اس امام
کے تقرر کو مسلمانوں نے دفن وکفن پیغمبر صاحب معجزات وصاحب شریعت پر مقدم رکھا۔ قسم دوم
امامت کبرے یعنے امامت مطلقہ کا سلسلہ حضرت ابراہیم سے شروع ہوا۔ فقال عزّ وجلّ
"اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔" اور حضرت مہدی آخر الزمان عجل اللہ فرجہ پر ختم ہوتا ہے۔

اختیار مذہب وجملہ معتقدات نجات کے واسطے ہیں اور نجات موقوف ہے معرفت
امام وقت پر۔ اگر کوئی شخص روزے نماز کا پابند ہو اور اعمال خیر بجالاتا ہو۔ مگر اپنے امام مفترض
الطاعۃ کو نہیں پہچانتا کہ وہ کون ہے تو وہ جہنمی ہے۔ ہر ایک فعل مثل روزہ اور نماز اس کے
لئے ایک درجہ جہنم کا کھولتا ہے چنانچہ آیات ذیل اس پر شاہد ہیں۔ قال عزّ وجلّ "عَامِلَۃٌ
نَاصِبَۃٌ تَصْلٰی نَارًا حَامِیَۃً" یعنے بعض نفوس ایسے ہیں جو نہایت محنت ومشقت سے اعمال
بجالاتے ہیں۔ مگر وہی اعمال ان کے لئے آتش جہنم بنتے جاتے ہیں۔ وقال عزّ وجلّ "قُلْ
ھَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا۔ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ
یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ وَلِقَآئِہٖ
فَحَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَزْنًا" یعنے کہدو اے پیغمبر کیا ہم تم کو خبر
دیدیں اُن لوگوں کی جو از روئے اعمال نہایت ہی خسارے میں ہیں ان کی تمام کوشش زندگی
دنیا ہی میں ضائع ہوگئی اور وہ یہ گمان کرتے رہے کہ وہ نیک کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں۔
جنہوں نے آیات الٰہی اور حشر ونشر اور حساب وکتاب کا انکار کیا پس اُن کے سب اعمال
حبط وضائع ہوگئے اور روز قیامت ہم اُن کے لئے کوئی وزن قرار نہ دیں گے اور وہ
کسی شمار میں نہ ہوں گے۔

امامت نفس نبوت ہے۔ بلکہ غایتِ قصوے نبوت اور معرفت امام معرفت خدا ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَدْ مَاتَ مِیْتَۃً الْجَاھِلِیَّۃِ۔ جس نے امام زمانہ کو نہ پہچانا اور مرگیا۔ وہ جاہلیت کی موت مشرک کا فریا منافق مرا۔ بلا معرفت امام نہ توحید صحیح ہے۔ نہ اعتقاد نبوت۔ اور اسی وجہ سے ہر ایک شخص اپنا کوئی پیشوا (امام) رکھتا ہے۔ اور پیشوا دو قسم کے ہیں پیشوائے حق اور پیشوائے باطل۔

امام حق و امام باطل

چنانچہ قرآن شریف میں خداوند عالم نے دو قسم کے اماموں کا ذکر کیا ہے ایک تو وہ امام ہیں جو لوگوں کو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور وہ وہی لوگ ہیں جو بحکم خدا دعوت نہیں دیتے۔ بلکہ اپنی طرف سے جو کچھ چاہتے ہیں کہتے ہیں اور بندگانِ خدا کو گمراہ کرتے ہیں، چنانچہ فرماتا ہے "وَجَعَلْنَاھُمْ اَئِمَّۃً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ" یعنے یہ امام بنائے گئے ہیں جو لوگوں کو جہنم کی دعوت دیتے ہیں دوسرے وہ امام ہیں جو بامر خداوند عالم لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں۔ ہر وقت تابع مشیت الٰہی رہتے ہیں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے ہیں اور وہی راہ مستقیم دکھلانے والے اور وصل مقصد پر پہنچانیوالے اور خدا سے ملانے والے ہیں جن کی بابت ارشاد فرماتا ہے "وَجَعَلْنَا مِنْھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا" یعنے ہم نے اُن کو امام بنایا ہے جبکہ صبر ان سے ثابت ہوا۔ وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں " وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ وَجَعَلْنَاھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَا اِلَیْھِمْ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءَ الزَّکٰوۃِ وَکَانُوْا عَابِدِیْنَ" اور ہم نے اُن میں سے امام بنائے ہیں جو ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں۔ ہم نے اُن کو

نوٹ:۔ اگرچہ لفظ جعل دونوں مقاموں پر آیا ہے۔ یعنی ائمہ باطل و ائمہ حق دونوں کے ساتھ۔ لیکن اول میں جعل جعل ثانوی ہے اور ان کو آئمہ ضلال بنایا جانا ان کے افعال باطلہ اور ہدایت نہ پانے اور آیات میں تدبر نہ کرنے۔ اور خواہشاتِ نفسانی میں منہمک ہو جانے اور لوگوں کو بہکانے اور اپنی طرف بلانے کا نتیجہ ہے کہ وہ پیشوائے باطل و داعیان نار قرار پائے۔ اور دوسرے روز ازل سے ائمہ ہدایت بنائے گئے ہیں یعنی امامت حقہ کے لئے خلق کئے گئے ہیں۔ بجعل اولی یعنی خلق انہ بجعل ثانوی بمعنی صیر۔ فتدبر۔

(مولف)

فعل خیرات اور اقامۃ الصلوٰۃ وایتاءِ زکوٰۃ کی وحی کی ہے اور وہ ہماری عبادت کرتے تھے
اس آیت کی رو سے وحی شرطِ امامت ہے اور ہر فعل امام و قولِ امام تحت وحی الٰہی ہوتا ہے۔
پس ان دونوں قسم کے اماموں میں فرق و امتیاز ضروری ہے کہ بہشت میں
پہنچانے والا امام کون ہے اور دوزخ میں ڈالنے والا کون ؟
ظاہر ہے کہ اس لفظ امام سے امام جمعہ و جماعت ۔ یا امام فتویٰ مراد نہیں ہے۔
بلکہ امام اصل مفترض الطاعت مراد ہے۔ جو حکم خدا لوگوں تک پہنچائے اور موافق امرِ
الٰہی بندگان خدا کو ہدایت کرے۔ یعنے مالک امامت کبریٰ۔

امام کی شناخت کیونکر ہو سکتی ہے ؟

اب یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ آیا امام کی شناخت کتب
احادیث وغیرہ سے ہو سکتی ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ
ہر ایک فرقہ اپنی کتب سے اپنے امام کی صفات ثابت
کرتا ہے اور ہر ایک دوسرے کے خلاف ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اکثر کتب
احادیث کذب و جعل سے خالی نہیں ہیں اور یہ امر آیت قرآن سے ثابت ہے کہ محافظ توریت
اور اس سے حکم کرنے والے انبیاء تھے۔ جیسا کہ خداوند عالم خبر دیتا ہے: اِنَّا اَنْزَلْنَا
التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا
وَالرَّبَّانِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ
الخ) (مائدہ ع)، یعنے ہم نے توریت کو نازل کیا ہے اور اس میں ہدایت اور نور
ہے حکم کرتے ہیں اُس سے یہود کو انبیاء جو اسلام لائے ہیں اور مطیع و منقاد مطلق خداوند
عالم ہیں اور نیز خدا پرست اور صاحبانِ علوم کیونکہ وہ کتاب اللہ کے مستحفظ اور اس پر شہید
تھے (الخ)، باوجود اس کے بھی یہود نے تورات میں وہ چیزیں داخل کر دی ہیں کہ پناہ بخدا
ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ موجودہ تورات میں لکھا ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت لوط کی
دونوں بیٹیوں نے چاہا کہ باپ کے ساتھ خلوت کریں تاکہ اولاد پیدا ہو پس انکو شراب
پلائی اور شب کو ایک اُن کے ہمراہ سوئی۔ دوسری شب دیگر اور اُن سے حاملہ
ہوئیں۔ اور انہیں سے ان کی نسل چلی۔ اور حضرت عیسیٰ ابن مریم (معاذ اللہ) ماں
کی طرف سے انہیں کی نسل سے ہیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پس جب ان کتابوں
میں جن کے محافظ انبیاء رہے۔ منافقین نے ایسے ایسے بہتان اور لغو باتیں داخل کر دیں

توکیا حال ہوگا۔ ان کتب احادیث کا جن کو ہر قسم کے فجار فساق نے جمع و مرتب کیا ہے جو لوگ محض ایک شخص کی سبزی فروخت کرانیکے لئے حدیث وضع کرلیں۔ ان کی احادیث اور ان کی کتب پر کیونکر اعتماد ہو سکتا ہے۔ ہر شخص نے اپنے مطلب و مقصد ثابت کرنے کے لئے ایک حدیث اختراع کر لی ہے۔ لہذا محض ان کتب سے امامت کا فیصلہ ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں اگر شیعہ اپنی کتب سے احادیث پیش کردیں توسنی انکار کرتے ہیں۔ اور اگر سنی پیش کریں۔ توشیعوں کے نزدیک وہ مردود ہے پس ایسی صورت میں اس کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ جو متفق علیہ امت ہے۔ یعنے کلام حمید مجید جس کی بابت خداوند عالم فرماتا ہے۔ هٰذَا الْكِتَابُ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ ۔ (انعام ع۲۰) یہی کتاب مبارک ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ اس کی تم پیروی کرو لیکن جب قرآن شریف کے ترجموں اور تفاسیر کو دیکھا جاتا ہے تو ایک آیت کی تفسیر میں بائیس بائیس قول اور رائیں پائی جاتی ہیں۔ اور ہر ایک دوسرے کے خلاف۔ حالانکہ یہ امر مسلم ہے کہ کلام کرنیوالا صرف ایک مطلب کو مد نظر رکھکر گفتگو کرتا ہے۔ اور الفاظ میں اسکو ظاہر کرتا ہے تاکہ سننے والے اس سے آگاہ ہوں پس لابد خلاقِ عالم نے اپنے کلام میں ہر ایک آیت میں ایک مطلبِ خاص کو ملحوظ رکھا ہے۔ جو اپنے بندوں کو پہنچانا چاہتا ہے۔ لہذا حقیقت واقعیہ ایک ہے۔ نہ کہ بائیس بائیس مختلف مطالب اسی وجہ سے ہر ایک امر میں اختلاف ہے مثلاً وضو شرط نماز ہے۔ اور آیۂ وضو نہایت واضح ہے۔ مگر اس میں بھی اختلاف موجود ہے اور علماء کی تحقیق یہ ہے۔ کہ آیۂ وضو میں ایک سو متشابہ ہیں۔ حالانکہ ظاہر آیت حقیقت وضو پر بالصراحت دال ہے۔ جب کلام حمید مجید کے ترجموں اور تفاسیر کا یہ حال ہے۔ تو اس سے از خود کوئی مطلب کیونکر ثابت کر سکتے ہیں۔

مسلم ہے کہ کلام مجید کمال درجہ مختصر ہے اور پھر دعوے یہ ہے کہ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۔ ہر ایک خشک و تر کا بیان کتاب مبین میں موجود ہے حالانکہ بظاہر قرآن کا بہت بڑا حصۂ قصص و حکایات سے پُر ہے کوئی صورت قصے سے خالی نہیں۔ سوائے سورۂ اخلاص کے مگر تمثیل اس میں بھی موجود ہے۔ جو تشحیذ اذہان کے لئے نہایت مفید ہے اور مطلب خوب سمجھاتی ہے۔

توراۃ بصورت معجزہ نازل نہیں ہوئی اور نہ اس سے تحدی کی گئی ہے مگر اس سے

حکم کرنے اور احکام بیان کرنے کے لئے انبیاء مقرر کئے گئے تھے پس وہ کتاب جو معجزہ ہو۔ اور بطور تحدی نازل کی گئی ہو اُس سے عوام یا خواص کیونکر احکام نکال سکتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے حکم کر سکتے ہیں حقیقت معجزہ کو سوائے معجز نما اور کوئی نہیں جان سکتا پس لازم ہے کہ جس پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے وہ خود احکام کو بیان کرے۔ یا وہ شخص جو نفس پیغمبر ہو اور درجۂ نبوت کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اور صاحب علم لدنی ہو۔ جیسا کہ بیان بالا سے ظاہر ہے۔

زمانۂ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی اختلاف نہ تھا کیونکہ حضرت ختمی مرتبت ہر ایک اختلاف کو قرآن مجید فرقان حمید سے رفع فرما دیتے تھے اور قرآن مجید رفع اختلاف ہی کیلئے آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے: وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ (نحل ع) یعنی نہیں نازل کیا ہم نے کتاب کو تجھ پر مگر اس لئے کہ تو بیان کرے ان سے وہ باتیں جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔ اور یہ رفع اختلاف وہدایت رحمت ہے اہل ایمان کے لئے پس پیغمبر اسی قرآن سے اختلاف کو رفع فرماتے تھے لیکن اب اگرچہ وہی قرآن موجود ہے۔ مگر اختلاف روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ حالانکہ بڑے بڑے مدعیان قرآن فہمی و اہل الذکر اور اہل القرآن موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ علماء اختلاف کو رفع نہیں کر سکتے۔ اور اگر کر سکتے تو یہ اختلاف نہ ہوتا۔ ذکر کیا گیا کہ حقیقت واقعیہ ایک ہے اور مقصود خداوند عالم واحد پس اگر لوگ حقیقت قرآن کو سمجھ سکتے اور اصل مقصود معلوم کر سکتے تو یہ اختلاف نہ ہوتا۔ اور ایک ایک آیت سے بیس بیس مختلف ومتضاد مطالب بیان نہ کئے جاتے علماء حقیقت قرآن کو نہیں سمجھ سکتے پس ضروری ہوا کہ بعد پیغمبر بھی مثل پیغمبر مبین قرآن موجود ہو جو اختلافات کو رفع کرے اور اصل حکم خدا بندگان خدا کو پہنچائے اور وہ شخص سوائے خصائص خاصہ نبوت مثل زائد بیبیاں وغیرہ رکھنا جو قرآن شریف میں خاص ذات قدسی صفات حضرت ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختص ہیں۔ اور خاص احکام شریعت کی اس کو وحی ہونا۔ وغیرہ۔ باقی تمام صفات وکمال میں مثل پیغمبر ہو۔ قرآن فہمی کے لئے مبین قرآن کی ضرورت ہے۔ بلا اس کے بیان کے صحیح حکم قرآن سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور نفس پیغمبر مبین قرآن ہی عہدۂ امامت کی صلاحیت رکھتا ہے۔

فرق درمیان کتاب و قرآن

قَالَ عَزَّ وَجَلَّ هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ اٰیَاتٌ مُّحْکَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ۔ اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے تجھ (پیغمبر) پر کتاب کو نازل کیا ہے کہ بعض اس میں سے آیات محکمات ہیں۔ اور وہی ام الکتاب ہیں۔ اس آیۂ مبارکہ میں خداوند عالم نے قرآن نہیں فرمایا۔ بلکہ کتاب فرمایا ہے کہ خدا نے تجھ پر کتاب نازل کی ہے۔ اور قرآن و کتاب میں فرق ہے۔ مگر اس فرق کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوا۔ اور اگر کوئی ہوا بھی ہے تو اس کا حق ادا نہیں کیا۔ لوگ چار کتابوں کے قائل ہیں۔ حالانکہ خداوند عالم نے ہر ایک نبی کے ساتھ اس کی کتاب نازل کی ہے جیساکہ فرماتا ہے۔ کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ (بقرع ۲۶) یعنی سب آدمی اُمت واحدہ تھے پس اللہ نے ان میں انبیاء کو مبعوث کیا۔ جو بہشت کی بشارت دینے والے اور آتش جہنم سے ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان چیزوں میں فیصلہ کریں جن میں وہ اختلاف رکھتے تھے۔ یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے کہ ہر نبی کے ساتھ کتاب ہوتی ہے۔ اور وجود نبی اور کتاب ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے اور اسی طرح میزان بھی ہر ایک نبی کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔ فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید ع ۳) پس اس کتاب سے کتاب تنزیلی اور میزان سے میزان ظاہری مراد نہیں۔ بلکہ یہ کتاب کتاب وجودی ہے اور موازین اس کتاب کی موازین علیہ ہیں نضع الموازین بالقسط (تحقیق حقیقت میزان کسی دوسرے موقعہ پر بیان ہوگی) یہاں سے معلوم ہوا کہ کتاب اور قرآن دو چیزیں ہیں قرآن قرأت سے ہی یعنی مقروء جو کچھ کہ زبان مبارک نبوی سے بیان ہوا۔ اور انہوں نے قرأت فرمایا! اور کتاب نفس وجود پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے چنانچہ آیہ ذیل اس کی تشریح کرتی ہے انه لقراٰنٌ کریمٌ فی کتابٍ مکنون لا یمسه الا المطهرون یقصود یہ ہے کہ اے پیغمبر یہ قرآن جو تم قرأت کرتے ہو کتاب مکنون میں ہے، اس کتاب کو سوائے

لہ فی الجملہ تحقیق کیلئے ہمارا رسالہ میزان حق ملاحظہ ہو۔ (مولف)

مطہر و معصوم اور کوئی مس نہیں کرسکتا۔ اس سے زیادہ توضیح اس آیت میں ہے کہ قرآن اور کتاب دو چیزیں ہیں۔ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ غیر خدا سے افترا کیا گیا ہو لیکن یہ مصدق ہے کتب سابقہ کا اور تفصیل ہے اس کتاب وجودی پیغمبر کی جو شہر علم الٰہی ہے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پس یہ کتاب نہیں ہے مگر وجود پیغمبر اور کتاب سے مراد کتاب وجودی ہے نہ مکتوب یا مقرو۔ صورت مقروۂ قرآن ہے۔ اور جب تک کوئی خانۂ طہارت میں داخل نہ ہو اس کتاب کو مس نہیں کرسکتا۔ اس کتاب کے مس کرنے والوں کی شان میں فرماتا ہے۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ پس سوائے اُن نفوس طاہرہ مطہرہ کے اور کوئی اس کتاب وجودی پیغمبر کو مس نہیں کرسکتا جن کی شان میں یہ آیۂ تطہیر نازل ہوئی ہے یعنی اہل بیت نبوت و رسالت۔

تقسیم آیات قرآن

آیات کے تین درجے ہیں ایک جگہ خداوند عالم بیان فرماتا ہے کہ تمام آیات مفصل اور محکم ہیں چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ۔ یعنی یہ ایسی کتاب ہے جس کی تمام آیات محکم اور مفصل ہیں۔ دوسری فرماتا ہے۔ تمام متشابہ ہیں۔ نَزَّلَ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ۔ خدا نے بہترین کلام کو کتاب متشابہ مثانی کی صورت میں نازل کیا ہے یعنی تمام آیات متشابہ ہیں۔ حالانکہ ایک تہائی قرآن ایسا ہے کہ اس میں تصور تشابہ ممکن ہی نہیں۔ پھر کیونکر سب متشابہ ہوگیا۔ تیسری جگہ فرماتا ہے کہ بعض آیات کتاب محکم ہیں اور بعض متشابہ۔ هُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ۔ یعنی خداوند عالم وہ ذات پاک ہے جس نے تجھ پر کتاب نازل کی ہے جس کی بعض آیات محکم ہیں۔ اور وہی ام الکتاب ہیں اور بعض متشابہ ضمیر هُنَّ راجع ہے آیات کی طرف اور ام الکتاب مَا يَؤُمُّ اِلَيْهِ سے ماخوذ ہے یعنی اصل مقصود بہ و مرجع اصل اور بظاہر یہ تینوں آیات ایک دوسرے کی مناقض معلوم ہوتی ہیں اور پھر متشابہات کی بابت فرماتا ہے کہ انکی تاویل سوائے خدا اور کوئی نہیں جانتا۔ لہذا معلوم ہوا کہ تمام قرآن فہمی کا دعوے سوائے اس کے جو علم بہ تعلیم الٰہی ہو۔ اور کسی کے لئے جائز

نہیں۔ تمام قرآن کو وہ جانتا ہے جس کے لئے تمام قرآن آیات محکمات ہے۔ ورنہ عام علماءُ تو محکم ترین آیات کو بھی متشابہ کر دیتے ہیں۔ اگر انسان محکم اور متشابہ کے معانی جانتا ہو تو بعد غور و تامل سمجھ سکتا ہے کہ مطلب ان آیات کا کیا ہے۔ نیز انہیں سے حقیقت کتاب بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ دیکھئے منجملہ آیات محکمات آیۂ اطیعوا اللّٰہ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ہے یعنے اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولی الامر کی مگر مفسرین میں اولی الامر کے مصداق کے متعلق بھی اختلاف کثیر ہے۔ حالانکہ نفس مفہوم اولی الامر صاف ظاہر کرتا ہے کہ اولی الامر وہ صاحب حکم وامر ہیں جن کو حکم اور امر خدا پہنچتا ہے۔ یہدون بامرنا کا مصداق ہیں اور جن کا امر ہر شئے میں جاری وساری ہے اور ان کے امر سے کسی کو کسی حالت میں تخلف جائز نہیں۔ جو ان کے حکم سے پھرا وہ خدا و رسول کے حکم اور امر سے پھرا۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو پکارا۔ اس نے جواب نہ دیا۔ بعد فراغ نماز جب وہ حاضر خدمت نبوی ہوا تو حضرت نے دریافت فرمایا کہ تو نے جواب کیوں نہیں دیا؟ تب اس نے عرض کیا چونکہ میں نماز میں تھا۔ جواب نہ دیا۔

حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ یعنے جواب دو اللہ اور اس کے رسول کو خواہ کسی حالت میں ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر پیغمبری سے کسی وقت میں بھی عدول جائز نہیں ہے۔ نماز میں بھی ہو تو اس کو جواب دو۔ وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ مَاکَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهٖ (الخ) اہل مدینہ اور جو ان کے گرد و نواح میں اعراب ہیں۔ انہیں سزاوار نہیں کہ وہ رسول خدا سے تخلف کریں اور پیچھے ہٹ رہیں اور نہ یہ کہ نفس رسول سے اعراض کریں۔ اس آیت میں تخلف سے جہاد سے ہٹ رہنا اور جہاد پر نہ جانا ہی مراد نہیں بلکہ تخلف سے تخلف امری مراد ہے یعنی خدا فرماتا ہے کہ اہل مدینہ وغیرہم کو یہ جائز نہیں کہ وہ کسی حکم پیغمبری سے تخلف کریں۔ بلکہ اسے فوراً بجا لائیں۔ خواہ کہیں ہوں اور کسی حالت میں ہوں۔ اور کسی قسم کا امر ہو۔ پس بعد پیغمبر اولی الامر وہ ہے جس کا حکم مثل پیغمبر ہر حالت میں واجب العمل ہو اور ہر شئے میں جاری اور ساری۔ اور اسی امام کے ساتھ انکا حشر ہوگا جو اس کے ساتھ ہے وہ ناجی ہے۔ آیہ یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ صاف دلالت کرتی ہے کہ اولی الامر بعد رسول امام ہے (وھوالحاشر الی اللہ) قرآن شریف میں پیغمبر کے دس نام ہیں۔ اور امام کے بھی دس۔ رسول پیغمبر کے لئے

مخصوص ہے اور اولی الامر امام کیلئے اور باقی دونوں میں مشترک ہیں ایک پیغمبر ہے اور ایک نفس پیغمبر جیسا کہ آیۂ مباہلہ سے بھی ظاہر ہے۔ اس آیۂ مذکورہ لَا یَرْغَبُوا بِاَنْفُسِھِمْ عَنْ نَّفْسِہٖ" میں نفس سے مراد نفس پیغمبر ہوتا تو عنہ ہونا چاہئے تھا۔ لہذا ثابت ہوا کہ جس طرح امر پیغمبر سے تخلف و اعراض جائز نہیں اسی طرح نفس رسول یعنی امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امر سے بھی تخلف و اعراض جائز نہیں۔ اسی غزوۂ تبوک کے بعد جس کا اس آیت میں اشارہ ہے حضرت رسول نے جناب امیر المومنینؑ کو اپنا جانشین بنایا اور فرمایا اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی (الخ) اور بعد رسول وہی اولی الامر ہے جس کی اطاعت مثل رسولؐ فرض کی گئی ہے اور اسی کے ساتھ حشر ہوگا پس مفہوم و منطوق قرآن سے ثابت ہے۔ کہ امام اصل ذریت رسول ہی سے ہوتا ہے جس کا آئندہ او مفصل ذکر آئے گا۔ اگر نفسانیت و تعصبات اور خود رائے کو قرآن میں دخل نہ دیا جائے تو اصل امامت بنصوص محکماتِ قرآن سے ثابت ہو سکتی ہے۔ گو کیفیات جزئیہ امامت مفصلاً ظاہر قرآن سے نہ معلوم ہوں۔ اور ہر زمانے میں ایک امام کا وجود ضروری ہے۔ اور اس کا تصرف تصرف پیغمبری ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پیغمبر صاحب شریعت و صاحب دین ہے وہ دین لایا ہے اور یہ (امام) محافظ دین و مکمل دین ہے نفس رسول اُس وقت بحکم آیۂ مباہلہ چار شخص تھے۔ اور مع پیغمبر پانچ تن ہوتے ہیں۔ اور بلا ان کی معرفت کے نجات ممکن نہیں۔ اول معرفتِ امام موجب بہشت ہے اور عمل کرنا دوسری چیز اور دوسرا درجہ ہے۔ زمانہ کا امام اور نفس رسول ان ایام (ایام عاشورۂ محرم الحرام) میں متزلزل ہے۔ اس لئے کہ وہ شہید علی الناس ہے۔ اور وہ دیکھتا ہے کہ ذریت رسولؐ و اولاد رسولؐ وطن سے دُور اور روضۂ رسولؐ سے مہجور ایک میدانِ کربلا میں بے یار و مددگار مضطرب و مضطر نظر آ رہے ہیں۔ ایک نفس رسول و جگر گوشۂ بتول سر تا پا خون میں ڈوبا ہوا پکار رہا ہے ھَلْ مِنْ نَّاصِرٍ یَّنْصُرُنَا ھَلْ مِنْ مُّغِیْثٍ یُّغِیْثُنَا (الخ) لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۔

موعظۂ سوم

۴ محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یَومَ نَدعُوا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِھِم

امام۔ اُم الکتاب اُم القریٰ پیغمبر اُمی لقب

اجمالاً بیان کیا جا چکا ہے کہ انتظامِ عالم کے لئے ایک منتظم و مدبر کی ضرورت ہے جو فساداتِ عالم اور طوائف الملوکی کو دور کرے اور وہ قوتِ منتظمہ امام ہے لفظ امام مشترک ہے۔ جیسے کہ امام جمعہ و جماعت کو بھی شامل ہے اور معنی اس کے ضمن یُقتدیٰ بہٖ ہیں یعنی وہ شخص جس کی اقتدا کی جائے اور چونکہ لوگ نماز میں اس کی اقتدا کرتے ہیں، اس واسطے اس کو امام کہتے ہیں۔ ہمارے پیغمبر کو بھی امام کہا جاتا ہے اور معنی اس کے مَا یَأمُّ الخَلقُ اِلَیہِ ہیں یعنی جس کی طرف لوگ رجوع کریں۔ اور مقصودِ خلائق و مرجع انام ہو پس اس اعتبار سے کہ وہ صاحب درجۂ رفیعہ ہے۔ نبی کہلاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ تبلیغ احکام الٰہی پر مامور کیا گیا ہے پیغمبر ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ مطلق مقتدائے امت ہے امام کہلاتا ہے۔ ام الکتاب و ام القرےٰ بھی اسی معنی میں مستعمل ہیں، ام الکتاب وہ کتاب ہے کہ تمام عناوین و مضامین کتبِ الٰہیہ اس کی طرف منتہی ہوں اور اس سے جدا نہیں لہٰذا تمام خلق کو اس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ وعلیٰ ہذا القیاس اُم القرےٰ وہ ہے کہ تمام قریئے اس سے جدا ہوئے ہوں اور وہ سب کا مرکز ہو اس واسطے مکہ کی طرف تمام لوگ رجوع کرتے ہیں اور وہی قبلۃ الانام ہے۔ اُمی کے بھی یہی معنی ہیں۔ کہ رجوع خلائق اسی کی طرف ہے اور وہ مقصد کائنات و مرجع مکونات ہے کسی خاص امر میں نہیں۔ بلکہ ہر ایک چیز میں علم میں، معرفت میں، تحصیل فضل و کمال میں غرض محتاج الیہ کل ہے۔ اس کی طرف ہر شے محتاج ہے اور وہ سوائے خدا کسی کا محتاج نہیں۔ ہر شے اس کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اور وہ خدا کی طرف۔ وہ کوئی چیز کسی سے حاصل نہیں کرتا۔ وہ کسی سے تعلیم نہیں پاتا۔ اگر وہ دوسرے

سے تعلیم حاصل کرے تو وہ پیغمبر و امام نہیں ہے۔ جو ایسا خیال کرتے ہیں وہ اس کے معنی نہیں سمجھتے۔

افضلیتِ خاتم الانبیاء برجمیع انبیاء علیہم السلام

مرجع تمام پیغمبران پیغمبر اُمی لقب نبی مطلق ہے۔ اور بعد ازاں انبیاء فرداً فرداً مرجع امت ہیں آیت ذیل اسی پر دال ہے۔ اور یہی اس کا مطلب ہے کَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَہِیْدًا" یعنی خداوند عالم فرماتا ہے اس دن گنہگاروں کا کیا حال ہوگا۔ جبکہ ہم ہر ایک امت میں سے ایک شہید کو لائیں گے۔ اور تجھکو اے پیغمبر اُن تمام شہداء پر شہید قرار دیں گے۔ ہر ایک اُمت کا شہید اس کا پیغمبر ہے جیسا کہ قول حضرت عیسیٰ سے صاف ظاہر ہے وَکُنْتُ شَہِیْدًا عَلَیْہِمْ مَّا دُمْتُ فِیْہِمْ" میں ان پر شہید تھا جبتک کہ میں ان میں رہا۔ اس آیت سے دو باتیں صاف ثابت ہیں۔ اول یہ کہ جناب عیسیٰ اپنی امت پر شہید تھے۔ دوم یہ کہ وہ جناب شہید مطلق نہیں ہیں بلکہ صرف اپنی امت کے لئے اور وہ بھی اس وقت تک جبتک کہ امیں تھے اور پیغمبر امی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء پر شہید ہے اور خداوند عالم تمام مخلوقات و مکونات پر شہید ہے جس میں پیغمبر اُمی بھی داخل ہیں چنانچہ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ۔ تحقیق کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک شئے پر شہید ہے۔

شہید اور شاہد کے معنوں میں فرق ہے۔ شہید خواہ حاضر ہو۔ یا غائب وہ اُن لوگوں پر شہید ہے۔ جن پر اس کو شہید قرار دیا گیا ہے۔ اور وہ ان پر ہمیشہ حاضر و ناظر ہے۔

اور شاہد وہ ہے جو بذریعہ علم شہادت دے سکے۔ خواہ اس کا یہ علم بالمشاہدہ ہو یا بالاخبار وغیرہ (اس کی مزید تشریح عنقریب آتی ہے) پس آیۂ شریفہ وَمَا کُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ (اے پیغمبر تو جانب غربی پر موجود نہ تھا) مخالف و منافی شانِ شہید نہیں۔ کیونکہ یہاں حضور جسمانی کی نفی ہے اور یہ منافی شہیدیت نہیں ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ شہید کے لئے حضور و غیاب مساوی ہے اور نبوتِ نبی روح قدس نبوتی سے ہے نہ کہ جسم سے۔ بلکہ حقیقۃً نبی وہ روح ہی ہے۔ وہ ہمیشہ شہید ہے۔ خواہ اس کا ظہور صورت جسمانی میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

اور یہ خیال وشبہ کہ نبوتِ نبی جسم نبوتی پر موقوف ہے۔ وسوسۂ شیطانی ہے۔ وعلیٰ

بذالقیاس آیۂ مجیدہ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ وَاِنۡ کُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِیۡنَ (یعنی اے پیغمبر ہم تجھ سے بہترین قصص کو بیان کرتے ہیں۔ اسی ذریعہ سے جس سے کہ ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے۔ اگرچہ تو اُس سے پہلے غافلین میں سے تھا بھی منافی شانِ شہیدیت نہیں ہے۔ کیونکہ غافلین فرمایا ہے نہ جاہلین۔ اور غفلت و جہالت دو چیزیں ہیں اور یہ غفلت بھی خاص غفلت ہے جس کے معنے بما اوحینا و من قبلہ کے سمجھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ بہرحال یہ منافی شہادت نہیں۔ کہ یہ غفلت قبلِ وحی الٰہی و قبل ظہور نور نبوتی ہے اور نبوت حجاب الٰہی ہے اور اتنا ہی پردہ اُٹھتا ہے جتنا قدرت اُٹھائے۔ یہی وہ مقام ہے جس کے لحاظ سے فرمایا ہے۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (فافهم وتدبر) مولف

شہید ثالث یا امامِ خلق

بعد خدا و پیغمبر خدا ایک اور شہید بھی ہے اور وہ امام ہے اور بلا اس کے وجود کے قیامت قائم نہیں ہو سکتی۔ "جَآءَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيۡدٌ"۔ روز قیامت ہر نفس بارگاہِ الٰہی میں حاضر کیا جائے گا کہ اس کے ساتھ اس کا ایک سائق راہ نکلنے والا اور ایک شہید ہوگا یہ شہید شہیدِ باطنی ہے۔ قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًۢا بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ وَمَنۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡكِتٰبِ پس یہ شہید غیر پیغمبر و خدا ہے اور "يَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمۡ"۔ سے صاف ظاہر ہے کہ شہید امام ہی ہے۔ کیونکہ حشر امام ہی کے ساتھ ہوگا اور یہ شہید ظاہری و خارجی ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیۂ مبارکہ میں من عندہ علم الکتاب (وہ شخص جس کو علم الکتاب حاصل ہے) سے مراد عبداللہ سلام یہودی ہے جو توراۃ کا عالم تھا۔ اور بعد میں اسلام لایا اور پیغمبر کی تصدیق کی لیکن یہ محض غلط ہے۔ اور قصہ حضرت سلیمان ع میں تختِ بلقیس کا واقعہ اس کی نفی کرتا ہے۔

وَمَنۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡكِتٰبِ

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اَيُّكُمۡ يَاۡتِيۡنِىۡ بِعَرۡشِهَا قَبۡلَ اَنۡ يَّاۡتُوۡنِىۡ مُسۡلِمِيۡنَ ۔ قَالَ عِفۡرِيۡتٌ مِّنَ الۡجِنِّ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ مِنۡ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّىۡ عَلَيۡهِ لَقَوِىٌّ اَمِيۡنٌ ۔ قَالَ الَّذِىۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡكِتٰبِ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ يَّرۡتَدَّ اِلَيۡكَ طَرۡفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَهٗ ۔ قَالَ هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّىۡ ۔

یعنی حضرت سلیمان نے فرمایا اے گروہ حاضرین تم میں سے کون تخت بلقیس کو میرے پاس لاسکتا ہے قبل اس کے کہ وہ مسلمان ہو کر میرے پاس آئیں؟ عفریت جنی نے کہا کہ یا نبی اللہ میں اس کو لاتا ہوں قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس کو برخاست کریں یعنی صبح سے ظہر تک اور میں اس کی قوت رکھتا ہوں اور اس کا ذمہ وار ہوں۔ پھر اس شخص نے دوزیر جناب سلیمان آصف برخیا، کہا جس کو کتاب کا تھوڑا سا علم حاصل تھا کہ یا نبی اللہ میں اسکو چشم زدن سے پیشتر لاسکتا ہوں۔ اور جب حضرت سلیمان نے فوراً اس کو وہاں مع تخت کھڑا دیکھا تو فرمایا یہ میرے پروردگار کا فضل و احسان ہے (الخ)۔

اس سے ظاہر ہے کہ جس کو تھوڑا سا علم کتاب حاصل تھا۔ وہ پلک جھپکنے سے پہلے تخت کو ایک ماہ کی مسافت سے لے آیا پس جس کو علم الکتاب حاصل ہے اس کے کمالات کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے عبداللہ سلام یہودی کو یہ قدرت کہاں حاصل؟ نیز عبداللہ سلام مدینہ میں ایمان لایا ہے اور یہ سورہ سورۂ مکیہ ہے۔ جو اس کے ایمان لانے سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ لہذا مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ کا مصداق وہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

تمام کتاب کا علم سوائے نبی کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ پھر کس طرح سے عبداللہ سلام مثل حضرت موسیٰ ہو گیا اور اس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس کو تمام توراۃ کا علم حاصل تھا اور مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ سے وہی مراد ہے یہ غلط محض ہے۔ علم الکتاب میں کتاب پر جو الف لام ہے یا تو عہد کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ایک کتاب مخصوص معہود مراد ہے یعنی قرآن یا جنسی ہے اور جنس کتب مراد ہے اور مقصود پیغمبر کا یہ ہے کہ جس کو کل قرآن یا تمام کتب کا علم نہیں وہ مجھکو نہیں پہچان سکتا۔ اور جس کو کل کتب کا علم ہے۔ وہی میری نبوت کی سچی شہادت دینے والا اور تصدیق کرنے والا ہے۔

پس بعد پیغمبر تمام کتب کا علم سوائے نفس پیغمبر اور کسی کو نہیں ہو سکتا اور وہ علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں پس علی ہی دلیل نبوت ہے اگر وہ تصدیق نہ کرتے تو کوئی تصدیق نہ کرتا۔ کیونکہ وہ جناب حضرت ابراہیم کی اس ذریت میں سے ہیں جس کے واسطے انہوں نے اس طرح دعا کی تھی۔

اُمّتِ مُسلمہ

اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ یعنی جس وقت حضرت

ابراہیم واسمٰعیل خانہ کعبہ تیار کررہے تھے تو اُنہوں نے اس طرح دُعا کی۔ اے ہمارے پروردگار ہماری خدمت کو قبول فرما تحقیق کہ تو ہر ایک بات کو سُنتا ہے اور ہر شے کا عالم ہے۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ یعنے اے ہمارے پروردگار تو ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان بنا۔ اور منقاد و مطیع مطلق قرار دے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو ہماری طرح کا مسلمان بنا۔ یہ ظاہر ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا کی تھی۔ آپ مسلمان تھے پیغمبر تھے خلیل تھے امام تھے۔ لہٰذا حضرت ابراہیم جس اسلام کی اپنے اور اپنے بیٹے اسمٰعیل کے لئے التماس کررہے ہیں وہ فعلیت اسلام ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ پروردگار جس طرح سے تونے ہمکو کامل الایمان و کامل الیقین پیدا کیا ہے۔ اسیطرح ہم کو یہ بھی توفیق دے کہ ہم سے اعمال بھی ویسے ہی صادر ہوں۔ اعتقاد کے موافق ہمیں عامل بھی بنا اور توفیق دے کہ ہر حال میں تیرے مطیع و منقادِ مطلق رہیں۔ پھر اسی اسلام کی خواہش اپنی اولاد میں سے ایک خاص امت کیلئے کی ہے۔ کیونکہ لفظِ جعل مکرر نہیں لایا گیا ہے جو تکرار معانی کرے بلکہ وَاجْعَلْنَا بصیغہ متکلم مع الغیر فرمایا ہے اور جو لام اختصاص اپنے لئے استعمال کیا ہے وہی اپنی اُس ذُریت کیلئے استعمال کیا ہے غرض جو اپنے لئے مانگا ہے وہی اپنی اولاد میں سے ایک گروہ خاص کیلئے مانگا ہے اور یہ ثابت ہے کہ اسلام پیغمبر اسلام بلا واسطہ ہوتا ہے۔ خدا اور اس کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ حتّٰی کہ جبرئیل بھی جیساکہ خدا حضرت ابراہیم کی بابت خبر دیتا ہے۔ "اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"۔ یعنی جب اُس کے پروردگار نے اُس سے فرمایا کہ اسلام لا تو اس نے کہا میں اسلام لایا اور میں پروردگار عالمین کا مطیع و منقاد ہوں۔ بخلاف دیگر مسلمانوں کے کہ ان کا اسلام ہمشہ بالواسطہ ہوتا ہے یعنی پیغمبر یا امام یا کسی عالم کے ہاتھ پر اسلام لاتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ حضرت ابراہیم نے اپنی اُس ذریتِ خاص کے لئے اسلام نبوتی و اسلام بلا واسطہ کی خواہش کی ہے۔ بلکہ اس پر عامل ہونے کی اور اس کو فعلیت میں لانے کی۔ پھر اس ذریت کے بارے میں فرماتے ہیں۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ پروردگارا ان میں سے ایک شخص کو مبعوث برسالت فرما تاکہ وہ ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے۔

یہ ثابت و محقق ہے کہ ذریت حضرتِ ابراہیم اولادِ حضرت اسمٰعیل میں صرف پیغمبر آخر الزمان صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مبعوث برسالت ہوئے ہیں پس یہ امت مسلمہ جس کے لئے دعا کی گئی ہے وہ ہے جس میں سے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں اور خود پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا ایک فرد ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ قبل از بعثت پیغمبر خدا چاہئے کہ یہ امت موجود ہو جس میں پیغمبر مبعوث ہوا اور یہ بھی معلوم ہے کہ پیغمبر قبیلۂ بنی ہاشم سے مبعوث ہوا ہے۔ لہٰذا امت مسلمہ باسلام بلا واسطہ بنی ہاشم میں موجود تھی اور یہ بجز سوائے حضرت امیرالمومنین علی ابن ابیطالب علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اسلام فطری پر باقی تھے۔ اور صغر سنی ہی میں پیغمبر پر ایمان لائے اور نبوت کی تصدیق کی اور کوئی نہیں ہو سکتا یعنی جس وقت پیغمبر خدا مبعوث برسالت ہوئے حضرت علی موجود تھے پس امت مسلمہ رسول و نفس رسول تھے اور اس میں سے جناب رسول خدا مبعوث ہوئے اور نفس رسول نے اُن کی تصدیق کی اور شہادت دی اور وہ ہی شہید اور امام امت ہوئے۔ اور امت کا لفظ ایک شخص پر بھی بولا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کی نسبت خدا وند عالم فرماتا ہے كَانَ إِبْرَاهِيمُ أُمَّةً قَانِتًا یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم سولہ سال کی عمر میں مبعوث برسالت ہوئے اور اس وقت بتوں کو توڑا جیسا کہ خدا وند عالم خبر دیتا ہے۔ وَآتَيْنَاهُ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ یعنے ہم نے اس کو پہلے ہی سے رشد و ہدایت عطا کی۔ اور اس کو ہم جانتے ہیں پس یہ بھی عہد طفولیت ہی سے امتِ مسلمہ تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت امیرالمومنین نے فرمایا ہے أَنَا أَوَّلُ مَنْ آمَنَ بِهِ یعنی میں ہی پہلا شخص ہوں جو پیغمبر پر ایمان لایا یعنی اسلام تو پہلے ہی سے حاصل تھا پیغمبر پر ایمان سب سے پہلے لائے اور اس کی تصدیق فرمائی اور حضرت کا پیغمبر پر ایمان لانا وہی معنی رکھتا ہے جو حضرت لوطؑ کے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے کے ہیں۔ فَآمَنَ لَهُ لُوطٌ یعنی لوط نے ان کی تصدیق کی اور شہادت دی اسیطرح جناب امیر مصدقِ حضرت ختمی مرتبت ہیں یہ معنی نہیں ہیں کہ پہلے مومن نہ تھے اس وقت ایمان لائے تھے۔ اور اسلام ثبوتی منزہ ہوتا ہے۔ شرک ذاتی۔ شرک صفاتی۔ شرک افعالی اور شرک عباداتی سے۔ چنانچہ قول جناب یوسف سے ظاہر ہے۔ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ یعنے میں اپنے آبا و اجداد ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کی ملت کا پیرو ہوں۔ اور ہم اللہ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کرتے کسی بات میں اس کا شریک

قرار نہیں دیتے اور کسی جزوی شرک کے بھی قائل و عامل نہیں ہوتے۔

پس جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام جو مسلم باسلام نبوتی و بلا واسطہ ہیں ہر ایک قسم کے شرک سے مبرّا اور منزہ ہیں۔ انہی کی شان ہے لَمْ یُشْرِكْ بِاللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ أَبَدًا پس وہی بعد پیغمبر شہید اُمت ہیں۔

(نکتہ) حضرت ابراہیم مسلمین میں سے ہیں۔ اور مسلمان باسلام نبوتی اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول المسلمین پس ان بزرگواروں سے جو ذریت ہو گی وہ کیسی ہو گی بلا شک و شبہ مصداقِ آیہ مجیدہ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہو گی۔ یَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ اُن کا نور خود بخود روشن و درخشاں ہے اُن کے فضائل و کمالاتِ علوم و معارف بلا تحصیل و اکتساب تعلیم ان سے ظاہر ہوتے ہیں اگر چاہتے ہو کہ اس کا امتحان کرو تو تھوڑی دیر کے واسطے میدان کربلا کا تصور کرو ظہور و بروز نورانیتِ فرزندِ پیغمبرِ خدا ذریت ابراہیم کا تماشا دیکھو۔ یہ ہے مسلمان باسلام نبوتی و مطیع و منقاد مطلق پروردگار عالم کہ جس قدر مصائب و شدائد زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ نورانیت زیادہ روشن ہوتی جاتی ہے اور رنگتِ چہرۂ اقدس سُرخ۔ راہِ خدا میں گھر کو لٹا رہا ہے۔ دوست احباب، عزیز و اقربا، شیر خوار بچے تک ظلم و ستم سے بھوکے پیاسے نہایت بیکسی کے عالم میں سامنے ذبح کئے جاتے ہیں۔ مگر نہ چہرے پر حزن و ملال اور نہ لب پر حرف شکایت۔ بکمال طیب خاطر اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اسلام کی خاطر قربان کرتا ہے مگر سوائے رِضًا بِقَضَائِهٖ وَتَسْلِيْمًا لِاَمْرِهٖ۔ زبان مبارک سے کچھ نہیں فرماتا۔ اس کی راہ میں صابر و شاکر ہے۔ وہ صبر دکھا رہا ہے کہ ملائکہ آسمان تعجب کرتے ہیں۔ اور امام زمان عجل اللہ ظہورہ فرماتے ہیں۔ لَقَدْ عَجِبَتْ مِنْ صَبْرِكَ مَلٰٓئِكَةُ السَّمَآءِ یعنی اے جدّ بزرگوار آج آپ نے ایسا صبر دکھایا ہے۔ کہ ملائکہ آسمان آپ کا صبر دیکھ کر تعجب کر رہے ہیں۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

موعظۂ چہارم

۵ محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

"یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِھِمْ" سابقاً بیان کیا گیا ہے کہ نظام وسلسلۂ عالم میں ایک منتظم کا وجود ضروری ہے۔ اور طبیعین واہل حکمت کا بھی یہ اعتقاد ہے کہ نظام عالم کے لئے ایک بادشاہ با اختیار کا وجود ضروری ہے جو نزاعات ومشاجرات کو رفع کرے اگرچہ لوگوں کے دل اس سے متنفر ہی کیوں نہ ہوں۔

جسم ورزق جسمانی جسم انسان روح کے لئے بمنزلہ مقدمہ ہے اور مقدمہ ذی المقدمہ سے اخس وادنی ہوتا ہے لیکن وجود ترکیب فعلی میں مقدم ہوتا ہے۔ اگرچہ ذی المقدمہ من حیث الایجاد مقدم ہے اور وہی علت غائیہ۔ مثلاً مکان دراصل کسی انسان کی رہائش کے لئے بنایا جاتا ہے۔ اس کا وجود بالذات مقصود نہیں۔ مگر اُس کے واسطے اینٹ، گارا۔ چونا، لکڑی، تختے وغیرہ پہلے تیار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مکمل ہوکر رہائش انسان کے قابل ہوجائے۔ اور مسلم ہے کہ جزو اخیر شے علت تامہ ہوتا ہے اور وہ رہائش و سکونت مکان ہے اور وہی مقصود بالذات ہے نہ ترتیب وترکیب اسباب مکانیہ۔ اسیطرح سے ترکیب وترتیب اجزاء مادیۂ انسانیہ، نطفہ، علقہ، مضغہ وعظام، لحم نسبت بہ نفس انسان مقصود از خلق نہیں ہیں۔ بلکہ مقصود وعلت تامہ جزو اخیر ہے جو مقام "ثُمَّ اَنْشَأْنَاہُ خَلْقًا اٰخَرَ" ہے اور اس خلقت سے بھی نیز اصل مقصود تربیت وتکمیل نفس انسانی ہے لیکن اس کے کمال پر پہنچنے کے لئے حفاظت جسم بھی ضروری ہے اور مقدم۔ حفاظت وبقائے جسم کے سارے اسباب خدا ہی کی طرف سے مہیا ہوتے ہیں اور وہی انجام دیتا ہے اور یہ اس کا فضل وانعام اور احسان ہے اور اول اسی انعام واحسان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے "فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰی طَعَامِہٖ" یعنی چاہیئے کہ انسان اول اپنے کھانے کی طرف نظر کرے اور اس کی پیدائش میں بدقت تمام غور و فکر کرے تاکہ اپنے خالق کو پہچانے کہ کس طرح اس نے اس کو ہمارے لئے بہم پہنچایا ہے۔ اِنَّا صَبَبْنَا

الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَعِنَبًا وَقَضْبًا وَزَيْتُوْنًا وَنَخْلًا وَ حَدَائِقَ غُلْبًا وَفَاكِهَةً وَاَبًّا مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (عبس) یعنے ہم نے اول پانی برسایا اور پھر زمین کو شق کیا۔ اور اُس سے غلے، انگور تنا ور سایہ دار درخت۔ زیتون کھجوریں اور گنجان باغ اور میوے۔ چراگاہیں اور سبزہ زار اُگائے۔ اور پیدا کئے جو تمہارا اور تمہارے چوپایوں کا رزق ہیں واقعًا یہ تمام پروردگارِ عالم و عالمیان کے انعامات وتفضلات ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرے۔ تو ہم ایک دانہ اور ایک تنکا گھاس کا پیدا کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے اور منکرین موثر حقیقی یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو خود انسان کرتا ہے۔ کیونکہ اول وہی زمین میں ہل چلاتا ہے۔ پھر بیج بوتا ہے، پھر پانی دیتا ہے لیکن انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ خیال غلط ہے کیونکہ اگر انسان تمام کام کرے اور خداوند عالم نہ چاہے تو ایک دانہ بھی نہ اُگے۔ گو انسان زمین میں ہل چلاتا ہے اور بیج بکھیرتا ہے لیکن اس دانے کو زمین سے اگاتا کون ہے؟ پھر اس کو سرسبز کون کرتا ہے؟ پھر خوشہ لگاتا ہے؟ اور پختہ کون کرتا ہے؟ اور ہر قسم کی آفات ارضی وسماوی سے حفاظت کون کرتا ہے؟ کیا انسان ان میں سے کسی چیز پر قادر ہے؟ ہرگز نہیں ہے؟ ہرگز نہیں یہ سب اسی کی قدرت کاملہ کا اثر ہے۔ اسی واسطے دوسرے مقام پر بتصریح اس زراعت کے متعلق فرماتا ہے " اَفَرَاَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ " تم اس کی بابت کیا خیال کرتے ہو۔ کہ تم جو یہ کھیتی کرتے ہو درا صل تم اس کی زراعت کرتے ہو۔ یا ہم زراعت کرنے والے ہیں۔ لَوْ نَشَاۤءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ " اگر ہم چاہیں تو اس کو خشک وریزہ ریزہ کردیں اور ایک دانہ بھی پیدا نہ ہو پس تم متعجب و حیران کھڑے رہ جاؤ۔ اَفَرَاَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ۔ تم دیکھتے ہو کہ یہ پانی جو تم پیتے ہو۔ تم نے اسکو "مزن" سے نازل کیا ہے یا ہم اُس کے نازل کرنے والے ہیں۔

(نکتہ) یہاں خداوند عالم نے لفظ سحاب (بادل) نہیں فرمایا۔ بلکہ لفظ (مزن) استعمال کیا ہے۔ کیونکہ مزن اور سحاب دو چیزیں ہیں۔ پانی کا تجزیہ و تحلیل کرنے سے ثابت ہے کہ پانی دو چیزوں سے مرکب ہے۔ جن کو فلاسفہ جدید اپنی اصطلاح میں **آکسیجن وہیڈروجن** کہتے ہیں۔ اور یہ دونوں ہمیشہ مدارج معلومۂ حرارت میں بحالت **گیس** یعنی حالت ہوائی میں موجود رہتے ہیں۔ اور یہ دونو جزو ایسے ذرات، واجزار خورد پر مشتمل ہیں۔ کہ کسی طریق سے اُنکا

تجزیہ و تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اور صورت ترکیبی میں تو جزو آب خالص میں ایک حصہ ہیڈروجن اور آٹھ حصے آکسیجن ہوتی ہے $\frac{1}{9}$ و $\frac{8}{9}$ کی نسبت ہے پس ایک جزو مفروض آب یعنی جزو لایتجزی بھی چاہئے کہ اجزائے لایتجزی آکسیجن و ہیڈروجن سے مرکب ہو۔ اور اُن کے اوزان کی یہی نسبتِ موجودہ آب خالص میں بصورت ترکیبی پائی جائے اور علمائے محققین دلائل و براہین سے ثابت کرتے ہیں۔ کہ ہر ایک (ہر مولیقولِ آب) یعنی ہر ذرۂ آب میں ایک **اتوم** آکسیجن اور دو **اتوم** ہیڈروجن ہے اور **اتوم** جزو لایتجزیٰ ہے۔ بہر حال ان اجزاء و ذرات کی صورت مرکبہ بہیئتِ مذکورہ مزن کہلاتی ہے جو ہمیشہ ورائے آب ہے۔ اور کبھی فضا و خلاء اس سے خالی نہیں ہمیشہ اِس سے پُر ہے اور صورت مرکبہ اجزائے آب سحاب کہلاتی ہے کبھی تو اس طریق پر اور کبھی بہ طریق دیگر اور صورت اخیرہ ورائے آب نہیں ہے بصرف کشش ہوائی ہوتی ہے اور کبھی لسان شرع میں اس کو ظل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ومن فوقہ سحاب ظلمات بعضہا فوق بَعْضٍ غرض سحاب صورت انجمادی کو جبکہ ایک دوسرے کو کھینچتا ہوا ہوا میں چلتا ہے کہتے ہیں۔ اس لئے مزن ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے بخلاف سحاب کے۔

نزول و ہبوط بھی دو چیزیں ہیں۔ بطور قہر و غلبہ پستی کی طرف آنے کو ہبوط کہتے ہیں جیسے کہ خدا فرماتا ہے "وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ" یعنی اور بعض پتھر وہ ہیں جو خوف خدا سے نیچے گر پڑتے ہیں۔ اور جس وقت انسان کی طرف منسوب ہو۔ تو بطور استخفاف ہوتا ہے جیسے اِهۡبِطُوۡا مِصۡرًا شہر میں اُتر جاؤ اور نزول و انزال مطلق الخطاط از علو کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔

لیکن یہ امر کہ موردِ استعمال دونوں (ہبوط و نزول کا) حقیقۃً اجسام ہیں یا حقائق کسی دوسرے موقع پر بیان ہوگا۔ نیز انزال اور تنزیل کا فرق فلینتظروا۔

نزول آہن

وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ فِيۡهِ بَاۡسٌ شَدِيۡدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ اور ہم نے نازل کیا ہے لوہے کو اُس میں خوف ہے۔ اور لوگوں کے لئے منافع ہیں۔ یہاں خداوند عالم نے لوہے کی بابت یہ فرمایا ہے کہ وہ نازل کیا گیا ہے حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ لوہا زمینی کانوں سے نکلتا ہے۔ پھر یہاں نزول کس طرح صادق آیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نزول مواد صلیۂ آہن دراصل ہوا سے ہے۔ اور اسی مزن سے نازل ہوتا ہے۔ اور قوت برقیہ بھی اسی سے لیجاتی ہے یہی ہوائے مواد مزنیہ زمین میں بذریعہ

مسامات داخل ہوتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ بقوت قابضہ زمین صورت انجمادی پیدا کرتی جاتی ہے ہے۔ اور جب حرارت چھٹے درجے پر پہنچ جاتی ہے۔ تو لوہا بن جاتا ہے۔ غرض تمام اجسام میں تثاقل و تدافع (دباؤ) اور تجاذب (کشش) موجود ہے۔ کوئی جسم اس سے خالی نہیں چونکہ ہوا بھی جسم ہے۔ وہ بھی اس میں شریک ہے۔ دوسرے اجزائے مادیہ کے دباؤ اور قوت جاذبہ زمین کے سبب سے زمین میں داخل ہوتی ہے۔ اور زمین میں (محتقن) بند اور محبوس ہو جاتی ہے اور چونکہ تمام تکونات ارضیہ مثل معدنیات کے اجزائے مادیہ ہوا میں موجود ہیں۔ وہ بعض اجزائے ارضیہ سے مختلط ہوتے ہیں۔ اور زمین کی قوت انجذاب سے اس میں انجماد پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ زمین میں بہ نسبت دوسرے اجسام لطیفہ کے قوت انجذاب زیادہ ہے۔ لہذا اس طرح اجزائے مادۂ ہوائیہ و ارضیہ سے لوہا وغیرہ معدنیات پیدا ہوتی ہیں اور اکثر مادہ انکا ہوا میں ہوتا ہے۔ اسی واسطے اللہ نے آہن کو نزول سے نسبت دی ہے کہ ہم نے آہن کو نازل کیا ہے۔ زمین و مغارات و کہوف کو دیکھنے سے ایک قاعدۂ کلیہ پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام اجسام میں مرکز کی طرف منجذب ہونے کا میلان پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ جو چیز بھی زمین سے جدا ہوتی ہے وہ خلاء اور فضاء میں واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ زمین کی طرف منجذب ہوئی ہے اور زمین میں آجاتی ہے جو اجسام زمین سے دور پھینکے جاتے ہیں وہ جلد اس کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ اسی میل کو ثقل و جذب ارضی سے تعبیر کیا جاتا ہے پس زمین کی خاصیت یہ ہے کہ تمام اجزائے مادیہ کو جن سے وہ مرکب ہے اپنے مرکز کی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اور نیز ان تمام اجسام کو جو سطح زمین پر ہیں یا اس سے دور ہیں۔ اور تجربے سے ثابت ہے کہ یہ قوت جذب موافق عکس مربع مافات ہوتی ہے۔ اس صورت میں کرۂ ارض ان تمام جزئیات کا نام ہے۔ جو بقوت جذب مرکزی ایک دوسری سے منضم ہیں (جیسا کہ اپنے مقام پر محقق ہے)۔

یہ بھی معلوم ہے کہ جو پانی آسمان سے زمین پر گرتا ہے۔ دو قسم پر منقسم ہے ایک تو وہ ہے جو سطح زمین پر بہتا ہے یا چشموں اور چھوٹی چھوٹی ندی نالوں کی صورت میں اطراف زمین سے جاری ہوتا ہے اور چونکہ وہ عمق طبقات ارض میں زیادہ گہرائی تک نہیں پہنچتا ہے اس لئے اس میں اور کوئی چیز نہیں پائی جاتی اور وہ آب شیریں ہوتا ہے اور ایک قسم وہ ہے جو بعض مقامات میں جمع ہو جاتا ہے اور اعماق زمین میں جذب ہو جاتا ہے۔ اور پھر وہاں سے

گرم اور نیز چشموں کی صورت میں اُبلتا ہے۔ جو جواہر معدنیہ سے پُر ہوتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ طبقات ارضی جن پر پانی کا گذر ہوتا ہے مختلف الطبیعۃ ہوتے ہیں اور نیز اعماق زمین جہاں تک پانی جذب ہو کر پہنچتا ہے مختلف ہوتے ہیں پس اسی واسطے ان کی ترکیب مختلف ہوتی ہے اور درجات حرارت بھی مختلف ہوتے ہیں اور وہ اعماق ارض میں بانواع مختلفہ متفاوتہ منقسم ہوتا ہے پس کبھی اس سے چشمے۔ نہریں اور دریا جاری ہوتے ہیں۔ کنوئیں اُبلتے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک کا درجہ حرارت اس طبقہ زمین کے درجہ حرارت کے موافق ہوتا ہے۔ جہاں یہ چشمے پائے جاتے ہیں اور بعض اور بھی چشمے ہوتے ہیں۔ جن کا پانی ان مواد سے بھرا ہوتا ہے جو اس زمین میں نہیں پائے جاتے جہاں وہ چشمے نکلتے ہیں۔ اور اُن کا درجہ حرارت مختلفۃ الارتفاع ہوتا ہے۔ اور وہ ہی ینابیع معدنیہ و ینابیع حارہ ہیں جو مختلف اعماق زمین و اغوار ارضی سے پیدا ہوتے ہیں اور ان مواد معدنیہ کے اجزائے اصلیہ سب ہوائے مزنی سے بذریعہ بارش نازل ہوتے ہیں۔ اور نسبت انزال بطرف آہن و دیگر معدنیات بالکل صحیح ہے۔ (والتفصیل فی مقامہ)

خلقتِ آتش

پھر آگ کی پیدائش کی نسبت خداوند عالم نے اپنے انعام و اکرام کا ذکر فرمایا ہے۔ اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ کیا تم دیکھتے ہو کہ یہ آگ جو تم روشن کرتے ہو اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے۔ یا ہم اُسکے پیدا کرنیوالے ہیں یہ درخت خدا نے ایسے پیدا کئے ہیں جن سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ اگر ان کی سبز شاخوں کو لیکر رگڑا جائے تو آگ روشن ہو جاتی ہے بخلاف اور درختوں یا جسموں کے کہ اُن سے آگ بالکل نہیں نکلتی۔ البتہ حرارت ہر دو جسموں کے آپس میں رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے ان درختوں کو عربی میں مرخ و عفار کہتے ہیں پتھر کا کوئلہ بھی درختوں سے پیدا ہوتا ہے یہی اشجار حوادث و طوفانات سے زمین میں دب گئے ہیں۔ اور زمین کی حرارت اور اس کی قوت قابضہ سے یہ صورت موجودہ اختیار کی جیسا کہ اب کانوں سے کھودا جاتا ہے کیفیت اس کی یہ ہے۔ کہ بعض وادیوں اور پست زمینوں میں جہاں پانی گھرا رہتا ہے اور جمع ہو جاتا ہے۔ رسوبات (دُرد، تہ نشین) نباتات مختلفہ پیدا ہو جاتی ہے جن کے تحلل سے ایسا جسم پیدا ہو جاتا ہے۔ جو قابلِ احتراق ہوا اور یہ رسوبات حالات مخصوصہ میں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ اور کوئی شک نہیں کہ وہ رسوبات جن سے کوئلہ بنتا ہے۔ تراکم و تزاحم

نباتات سے پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ علم جیالوجی کے جاننے والے اس پر اتفاق رکھتے ہیں رو التفصیل فی مقامہ) اور خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے "نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ" یعنی ہم نے ان درختوں کو مقوین کیلئے موجب عبرت و سرمایۂ دولت بنایا ہے۔ مقوین آہن نکالنے۔ کوئلہ کھودنے والے اور قوت بہم پہنچانے والوں کو کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مشین بنانے والوں اور آہن گروں کی تمام قوتیں زیادہ اسی کوئلہ پر موقوف ہیں اور یہی مشین[1] والوں کیلئے دولت و نعمت ہے

[1] قَالَ مُصَنِّفُ "كَاشِفُ الْأَسْرَارِ النُّورَانِيَّةِ" فِي تَفْسِيرِ قَوْلِهِ تَعَالَى الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ اِعْلَمْ إِنَّهُ يَتَكَوَّنُ عَلَى سَطْحِ الْأَرَاضِي الْغَاذِيَةِ يَوْمِيًّا فِي تَجَاوِيفِ مِنْهَا وَفِي الْأَوْدِيَةِ ذَاتِ الْانْحِدَارِ الْقَلِيلِ وَالْأَمَاكِنِ الْمُنْخَفِضَةِ ذَاتِ الْمُسْتَنْقِعَاتِ رُسُوبَاتٌ مِنْ نَبَاتَاتٍ مَتَى تَحَلَّلَتْ تَحْصُلُ مِنْهَا جِسْمٌ قَابِلٌ لِلْاِحْتِرَاقِ وَلَا تَتَكَوَّنُ هٰذِهِ الرُّسُوبَاتُ إِلَّا فِي أَحْوَالٍ مَخْصُوصَةٍ فَلَا تَتَكَوَّنُ فِي الْمِيَاهِ الْجَارِيَةِ وَلَا فِي الْبِرَقِ الْعَمِيقَةِ وَلَا فِي الْمَحَالِّ الَّتِي يَجِفُّ مَاءُهَا فِي بَعْضِ الْأَحْيَانِ وَإِنَّمَا تَتَكَوَّنُ فِي الْمَحَالِّ الَّتِي تَبْقَى فِيهَا الْمِيَاهُ الرَّاكِدَةُ عَلَى الدَّوَامِ وَفِي عُمْقٍ قَلِيلِ الْغَوْرِ وَهٰذَا الْجِسْمُ يُسَمَّى عِنْدَهُمْ بِالتُّورَبِ وَتَكَوُّنُهُ يَنْشَأُ خُصُوصًا عَنْ تَرَاكُمِ النَّبَاتَاتِ الْخَلْوِيَّةِ الْمَغْمُورَةِ فِي الْمَاءِ عَلَى الدَّوَامِ وَهِيَ تَتَكَاثَرُ بِسُرْعَةٍ كَأَنْوَاعِ النَّبَاتَاتِ الْمَائِيَّةِ فَهِيَ الَّتِي تَتَكَوَّنُ مِنْهَا الْعَجِينَةُ الْأَصْلِيَّةُ لِلرُّسُوبَاتِ أَيِ الْمَادَّةِ الَّتِي تُحِيطُ بِجَمِيعِ النَّبَاتَاتِ الْمَائِيَّةِ (الخ) یعنی اس زمین کی سطح پر جو روز بروز نئی غذا حاصل کرتی رہتی ہے اور قلیل الانحدار وادیوں اور ان پست زمینوں میں جو ہمیشہ پانی میں ڈوبی رہتی ہیں۔ کچھ نباتاتی رسوبات پیدا ہو جاتی ہیں کہ جب وہ تحلیل ہو جاتی ہیں تو ان سے ایک جسم بن جاتا ہے جو جلنے کے قابل ہوتا ہے اور رسوبات خاص خاص حالات میں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے آب جاری اور گہری جھیلوں اور تالابوں اور مقاموں میں جہاں کا پانی کبھی کبھی خشک ہو جایا کرتا ہے۔ نہیں پیدا ہوتیں۔ بلکہ صرف ان پست زمینوں میں یہ رسوبات بنتی ہیں۔ جہاں پانی ہمیشہ ٹھہرا رہتا ہے اور اس کی گہرائی زیادہ نہیں ہوتی۔ اور اس جسم کو اصطلاح حکماء میں "تورب" کہتے ہیں اور یہ خصوصیت سے خلاء و فضا کی ان نباتات کی تہ بتہ جمع ہو جانے سے پیدا ہوتا ہے جو ہمیشہ پانی میں ڈوبی رہتی ہیں اور وہ نباتاتِ مائیہ کی طرح بسرعت بڑھتی ہیں۔ یہی وہ نباتات ہیں جن سے ان رسوبات کا اصل خمیر یعنی وہ مادہ تیار ہوتا ہے جو تمام نباتاتِ آبی کو محیط ہے اور سب میں پایا جاتا ہے

رزقِ روحانی

غرض رزق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک رزق جسمانی جس کا مختصر ذکر ہوا۔ دوسرا رزقِ روحانی۔ اور وہ دین ہے اور دین نہیں ہے۔ مگر قرآن پس رزقِ روحانی قرآن ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ بعد رزق جسمانی فرماتا ہے۔ "اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ"۔ کیا تم اس حدیث (قرآن) کے ساتھ منافقت کرتے ہو۔ اور اپنے اس رزقِ روحانی کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہو۔ کہ اس کی تکذیب کرتے ہو بظاہر اس کے قائل ہو اور عمل اس پر کرتے نہیں۔ یہ رزق روحانی کس سے حاصل کرنا چاہیئے؟ ہر کس و ناکس سے یا اُن لوگوں سے جن کے پاس یہ خزانہ ہو؟ طعام یعنے رزق جسمانی کی نسبت تو خدا یہ حکم دیتا ہے کہ اہل کتاب سے لینا چاہیئے نہ کہ مشرکین

بقیہ حاشیہ صفحہ کبھی کبھی ان ہی مواد میں زمین کے اوپر کی نباتات بھی زمین میں گل کر شامل ہو جاتی ہیں۔ اور اس مادہ کے تکون میں مساعد ہوتی ہیں کبھی کبھی انقلاب زمانہ سے جنگل کے جنگل اس طرح زمین میں دفن ہو جاتے ہیں اور انسے ایسے مواد پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ مواد ہمارے زمانہ کی نباتات سے منسوب ہیں اور انکو "انجی" درخت کہتے ہیں، اور انہیں میں شاہ بلوط کی قسم کے بہت سے درخت شامل ہیں) دراسیطرح لسان العصافیر (جو مشہور و معروف نباتاتی دوا ہی) اور ایسی پست زمینوں اور وادیوں میں جہاں یہ توربہ پیدا ہوتے ہیں دودھ والے جانوروں کے اجزا بھی پائے جاتے ہیں۔ جیسے گائے کی ہڈیاں اور بارہ سنگے کے سینگ وغیرہ (اور یہ سب ارضی الخسافات اور طوفانوں کا نتیجہ ہیں)

"وَلَا شَكَّ اِنَّ الرُّسُوْبَاتِ الْفَحْمِيَّةِ الَّتِيْ تُوْجَدُ فِيْ بَاطِنِ الْاَرَاضِيْ تَتَكَوَّنَتْ مِنْ نَبَاتَاتٍ تَرَاكَمَتْ عَلٰى بَعْضِهَا كَالتَّوْرَبِ وَدَلِيْلُ ذٰلِكَ الْبَقَايَا الَّتِيْ تَنْكَشِفُ فِيْهِ وَفِي التَّوْرَبِ بِالْمِنْظَارِ الْعَظِيْمِ وَكَذَا السُّوْقُ وَالْاَوْرَاقُ الْعَدِيْدَةُ الَّتِيْ تُوْجَدُ فِي الْمَوَادِ الطِّيْنِيَّةِ الَّتِيْ تُصَاحِبُهَا وَقَدِ اتَّفَقَتْ اٰرَاءُ الْجِيُوْلُوْجِيُّوْنَ عَلٰى هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ غَيْرَ اَنَّهُمْ لَمْ يَتَّفِقُوْا عَلٰى كَيْفِيَّةِ التَّرَاكُمِ"۔ بلاشک و شبہ وہ رسوبات جن سے پتھر کا کوئلہ بنتا ہے اور زمین کے اندر پائی جاتی ہیں وہ نباتات متراکمہ ہی سے بنتی ہیں جس طرح کہ توربہ بنتا ہے (اور بلاشبہ پتھر کے کوئلہ کی اصل بھی نباتات ہیں) اور اسکی دلیل یہ ہے کہ بڑی بڑی خوردبینوں سے ان رسوبات فحمیہ اور توربہ میں نباتات کے اجزا منکشف ہوتے ہیں۔ اور اسیطرح ایسی زمینوں میں درختوں کے تنے۔ اور نیز اُن کے پتے وغیرہ پائے جاتے ہیں اور تمام جیولوجسٹ اس پر متفق ہیں۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ نباتات کس طرح اکٹھے اور تہ بتہ جمع ہو جاتے ہیں (اور اس تحقیق سے واضح ہے کہ پتھر کا کوئلہ جو ایک آتشی مادہ اور جسم ہے اور جو نوع انسان کیلئے ایک نہایت زبردست قوت و طاقت ہے سبز درختوں سے بنتا اور پیدا ہوتا ہے) "وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا" وَاللّٰهُ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ +

نباتات سے پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ علم جیالوجی کے جاننے والے اس پر اتفاق رکھتے ہیں
(والتفصیل فی مقامہ) اور خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے "نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَ
مَتَاعًا لِلْمُقْوِينَ" یعنی ہم نے ان درختوں کو مقوین کیلئے موجب عبرت و سرمایۂ دولت
بنایا ہے۔ مقوین آہن نکالنے۔ کوئلہ کھودنے والے اور قوت بہم پہنچانے والونکو کہتے
ہیں اور ظاہر ہے کہ مشین بنانے والوں اور آہن گروں کی تمام قوتیں زیادہ اسی کوئلہ
پر موقوف ہیں اور یہی مشین والوں کیلئے دولت و نعمت ہے

لے قَالَ مُصَنِّفُ "كَاشِفِ الْأَسْرَارِ النُّورَانِيَّةِ" فِي تَفْسِيرِ قَوْلِهِ تَعَالَى الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ
الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ، اِعْلَمْ أَنَّهُ يَتَكَوَّنُ عَلَى سَطْحِ الْأَرَاضِي
الْغَاذِيَةِ يَوْمِيًّا فِي تَجَاوِيفِ مِنْهَا وَفِي الْأَوْدِيَةِ ذَاتِ الْانْحِدَارِ الْقَلِيلِ وَالْأَمَاكِنِ
الْمُنْخَفِضَةِ ذَاتِ الْمُسْتَنْقَعَاتِ رُسُوبَاتٌ مِنْ نَبَاتَاتٍ مَتَى تَحَلَّلَتْ تَحْصُلُ مِنْهَا
جِسْمٌ قَابِلٌ لِلْاحْتِرَاقِ وَلَا تَتَكَوَّنُ هٰذِهِ الرُّسُوبَاتُ إِلَّا فِي أَحْوَالٍ مَخْصُوصَةٍ فَلَا تَتَكَوَّنُ
فِي الْمِيَاهِ الْجَارِيَةِ وَلَا فِي الْبِرَقِ الْعَمِيقَةِ وَلَا فِي الْمَحَالِّ الَّتِي يَجِفُّ مَاءُهَا فِي بَعْضِ
الْأَحْيَانِ وَإِنَّمَا تَتَكَوَّنُ فِي الْمَحَالِّ الَّتِي تَبْقَى فِيهَا الْمِيَاهُ الرَّاكِدَةُ عَلَى الدَّوَامِ وَ
فِي عُمْقٍ قَلِيلِ الْغَوْرِ وَهٰذَا الْجِسْمُ يُسَمَّى عِنْدَهُمْ بِالتَّوَرُّبِ وَتَكَوُّنُهُ يَنْشَاءُ خُصُوصًا
عَنْ تَرَاكُمِ النَّبَاتَاتِ الْخَلَوِيَّةِ الْمَغْمُورَةِ فِي الْمَاءِ عَلَى الدَّوَامِ وَهِيَ تَتَكَاثَرُ بِسُرْعَةٍ
كَأَنْوَاعِ النَّبَاتَاتِ الْمَائِيَّةِ فَهِيَ الَّتِي تَتَكَوَّنُ مِنْهَا الْعَجِينَةُ الْأَصْلِيَّةُ لِلرُّسُوبَاتِ أَيِ
الْمَادَّةِ الَّتِي تُحِيطُ بِجَمِيعِ النَّبَاتَاتِ الْمَائِيَّةِ (الخ) یعنی اس زمین کی سطح پر جو روزبروز نئی نئی
غذا حاصل کرتی رہتی ہے اور قلیل الانحدار وادیوں اور ان پست زمینوں میں جو ہمیشہ پانی میں ڈوبی رہتی ہیں۔
کچھ نباتاتی رسوبات پیدا ہو جاتی ہیں کہ جب وہ تحلیل ہو جاتی ہیں تو ان سے ایک جسم بن جاتا ہے جو جلنے کے
قابل ہوتا ہے اور رسوبات خاص خاص حالات میں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے آب جاری اور گہری جھیلوں
اور تالابوں اور مقاموں میں جہاں کا پانی کبھی کبھی خشک ہو جایا کرتا ہے۔ نہیں پیدا ہوتیں۔ بلکہ صرف ان پست
زمینوں میں یہ رسوبات بنتی ہیں۔ جہاں پانی ہمیشہ ٹھہرا رہتا ہے اور اس کی گہرائی زیادہ نہیں ہوتی۔ اور اس
جسم کو اصطلاح حکماء میں "تورب" کہتے ہیں اور یہ خصوصیت سے خلاء و فضا کی ان نباتات کی تہ بتہ جمع ہو جانے
سے پیدا ہوتا ہے جو ہمیشہ پانی میں ڈوبی رہتی ہیں اور وہ نباتاتِ مائیہ کی طرح بسرعت بڑھتی ہیں۔ یہی وہ نباتات
ہیں جن سے ان رسوبات کا اصل خمیر یعنی وہ مادہ تیار ہوتا ہے جو تمام نباتاتِ آبی کو محیط ہے اور سب میں پایا جاتا ہے

رزقِ روحانی

غرض رزق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک رزق جسمانی جس کا مختصر ذکر ہوا۔ دوسرا رزقِ روحانی۔ اور وہ دین ہے اور دین نہیں ہے۔ مگر قرآن پس رزقِ روحانی قرآن ہے۔ چنانچہ حق سبحانہٗ تعالیٰ بعد رزق جسمانی فرماتا ہے: "اَفَبِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ"۔ کیا تم اس حدیث (قرآن) کے ساتھ منافقت کرتے ہو۔ اور اپنے اس رزقِ روحانی کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہو۔ کہ اس کی تکذیب کرتے ہو بظاہر اس کے قائل ہو اور عمل اس پر کرتے نہیں۔ یہ رزق روحانی کس سے حاصل کرنا چاہیئے؟ ہرکس وناکس سے یا اُن لوگوں سے جن کے پاس یہ خزانہ ہے؟ طعام یعنے رزق جسمانی کی نسبت تو خدا یہ حکم دیتا ہے کہ اہل کتاب سے لینا چاہیئے نہ کہ مشرکین

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰ کبھی کبھی ان ہی مواد میں زمین کے اوپر کی نباتات بھی زمین میں گل کر شامل ہو جاتی ہیں۔ اور اس مادہ کے تکون میں مساعد ہوتی ہیں کبھی کبھی انقلاب زمانہ سے جنگل کے جنگل اس طرح زمین میں دفن ہو جاتے ہیں اور اُنسے ایسے مواد پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ مواد ہمارے زمانہ کی نباتات سے منسوب ہیں اور انکو "رانجی" درخت کہتے ہیں، اور انہیں میں شاہ بلوط کی قسم کے بہت سے درخت شامل ہیں اور اسیطرح لسان العصافیر (جو مشہور ومعروف نباتاتی دوا ہے) اور ایسی پست زمینوں اور وادیوں میں جہاں یہ تورب پیدا ہوتے ہیں دودھ والے جانوروں کے اجزا بھی پائے جاتے ہیں۔ جیسے گائے کی ہڈیاں اور بارہ سنگے کے سینگ وغیرہ اور یہ سب ارضی انخسافات اور طوفانوں کا نتیجہ ہیں)

"وَلَا شَكَّ اِنَّ الرُّسُوْبَاتِ الْفَحْمِیَّةِ الَّتِیْ تُوْجَدُ فِیْ بَاطِنِ الْاَرَاضِیْ تَتَكَوَّنَتْ مِنْ نَبَاتَاتٍ تَرَاكَمَتْ عَلٰی بَعْضِهَا كَالتُّوْرُبِ وَدَلِیْلُ ذٰالِكَ الْبَقَایَا الَّتِیْ تَنْكَشِفُ فِیْهِ وَفِی التُّوْرُبِ بِالْمِنْظَارِ الْعَظِیْمِ وَكَذَا السُّوْقُ وَالْاَوْرَاقُ الْعَدِیْدَةُ الَّتِیْ تُوْجَدُ فِی الْمَوَادِ الطِّیْنِیَّةِ الَّتِیْ تُصَاحِبُهَا وَقَدِ اتَّفَقَتْ اٰرَاءُ الْجِیُوْلُوْجِیُّوْنَ عَلٰی هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ غَیْرَ اَنَّهُمْ لَمْ یَتَّفِقُوْا عَلٰی كَیْفِیَّةِ التَّرَاكُمِ"۔ بلاشک وشبہ وہ رسوبات جن سے پتھر کا کوئلہ بنتا ہے اور زمین کے اندر پائی جاتی ہیں وہ نباتات متراکمہ ہی سے بنتی ہیں جس طرح کہ تورب بنتا ہے (اور بلاشبہ پتھر کے کوئلہ کی اصل بھی نباتات ہیں) اور اسکی دلیل یہ ہے کہ بڑی بڑی خوردبینوں سے ان رسوبات فحمیہ اور تورب میں نباتات کے اجزا منکشف ہوتے ہیں۔ اور اسیطرح ایسی زمینوں میں درختوں کے تنے۔ اور نیز ان کے پتے وغیرہ پائے جاتے ہیں اور تمام ژدالوجسٹ اس پر متفق ہیں۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ نباتات کس طرح اکھٹے اور تہ بتہ جمع ہو جاتے ہیں (اور اس تحقیق سے واضح ہے کہ پتھر کا کوئلہ جو ایک آتشی مادہ اور جسم ہے اور جو نوع انسان کیلئے ایک نہایت زبردست قوت وطاقت ہے سبز درختوں سے بنتا اور پیدا ہوتا ہے) "وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا" وَاللّٰهُ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ +

سے اور وہ بھی ضرورت میں ورنہ تو مومن مسلمان سے لینے کا حکم ہے کیونکہ مشرکین وغیرہ سے لینے اور خرید و فروخت کرنے میں اُن کی ایک قسم کی اعانت و امداد ہوتی ہے۔ اور خدا فرماتا ہے "تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت کرو۔ اور گناہ و ظلم و جور میں کسی کی اعانت و امداد نہ کرو اور ظاہر ہے کہ مشرکین سے خریدنے میں اعانت اثم ہے پس جبکہ رزق جسمانی کی نسبت یہ حکم و احتیاط ہے۔ تو رزق روحانی کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہر کس و ناکس سے لیا جائے۔ کیا ان مورخین سے لیا جائے جن میں سے اکثر یہودی اور منافقین بھی ہیں؟

قرآن اور کتاب کا فرق

قرآن اور کتاب دو چیزیں ہیں جس کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ قرآن قرأت سے ماخوذ ہے اور بمعنی مقروٗ ہے یعنی وہ الفاظ جو زبان حق ترجمان خاتم پیغمبراں سے نکلے۔ اور کتاب شے وجودی ہے ہر ایک شے ایک کلمہ وجودیہ ہے۔ اور کوئی چیز کتاب سے خالی نہیں لیکن جس جسم کا تاکد زیادہ ہے۔ اس میں کتابت زیادہ ہے پس صحیفہ وجودیہ حضرت ختمی مرتبت جو سب سے اتم اکمل ہے کتابت بھی اس کی سب سے اتم و اکمل ہے اور وہی کتاب جامع اور حاوی جمیع کتب اور در اصل کتاب وہی ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ پس کتاب سے مراد کتاب وجودی یعنی صحیفۂ وجودیہ حضرت ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ لہذا رزق روحانی اس سے لینا چاہیے "اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ" یعنی یہ قرآن کریم کتاب مکنون میں ہے۔ اور وہ صحیفۂ وجودیہ حضرت رسالتمآب ہے "لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" سوائے مطہرین کے اور کوئی اس صحیفہ وجودیہ کو مس نہیں کر سکتا اور بعد پیغمبر اس شخص سے رزق روحانی حاصل کرنا چاہیے جو مثل پیغمبر ہو۔ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" مفسرین کہتے ہیں کہ اہل الذکر یہودی ہیں ان سے علم قرآن حاصل کرنا چاہیے (نعوذ باللہ من ذالک الاعتقاد) یہی وجہ ہے کہ مسلمان مختلف فرقوں پر تقسیم ہو گئے ہیں کہ قرآن کو اہل قرآن سے نہ لیا حالانکہ آیہ مجیدہ "بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ" (بلکہ وہ قرآن آیات بینات ہیں سینوں میں ان لوگوں کے جن کو علم فطرۃً عطا کیا ہے) دال ہے کہ امت محمدیہ میں غیر پیغمبر کچھ لوگ ہیں۔ جن کے وجود میں قرآن ودیعت ہے +

معنی مس قرآن فی امام مبین

"لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" میں یمسہ ضمیر یا تو قرآن

کی طرف راجع ہے یا کتاب کی طرف لیکن بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن صورت مفرد ہے اور وہ قابل مس (چھونا) نہیں اور اگر کتابت قرآن مراد لی جائے۔ تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ قرآن اس وقت مکتوب نہ تھا۔ جو قابل مس ہوتا پس کتاب سے مراد صحیفہ وجود یہ حضرت ختمی مرتبت ہے۔ اور وہی کتاب لاریب فیہ ہے جس میں قرآن ودیعت کیا ہے۔ اور مس سے مراد مس باطنی ہے نہ مس ظاہری اور اس سے مقصود قرآن کا لینا اور اس کا حاصل کرنا ہے پس وجود اقدس نبوی سے اس کو نہیں لے سکتے اور نہیں حاصل کر سکتے مگر وہ لوگ جو مطہر ہیں یعنی مطہر بہ طہارت باطنیہ یعنی معصوم ہیں اور آیۂ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَھِّرَکُمۡ تَطۡھِیۡرًا" سے ثابت ہے کہ مطہر بہ تطہیر الٰہی غیر اہل بیت رسالت اور کوئی نہیں۔

پس وجود اقدس نبوی سے کوئی شخص سوائے امام معصوم مس باطنی نہیں کر سکتا اور انہیں کو اتصال باطنی بلکہ اتحاد باطنی پیغمبر سے حاصل ہے کہ اصل ان کی ایک ہی ہے پس قرآن انہیں کے وجود میں ہے اسی واسطے توصیف امام مبین میں خداوند عالم فرماتا ہے۔ "وَکُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ" ہر ایک چیز کو ہم نے وجود امام مبین میں احصا کر دیا ہے (نکتہ) یہاں خدا نے احصا فرمایا ہے نہ عَدَّ وَتَعۡدَاد کیونکہ احصا اور عدد میں فرق ہے اور احصا احاطہ بر اعداد ہے "وَاَحۡصٰی کُلَّ شَیۡءٍ عَدَدًا" یعنے مقصود یہ ہے کہ وجود امام ظرف ہے ہر ایک شے کا اور کل اشیاء مظروف اسی واسطے فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ فرمایا ہے نہ کہ لِاِمَامٍ مُّبِیۡنٍ اسی کو احصار کا مفہوم مقتضی ہے۔ کیونکہ احصا رسے ہر ایک شے موجود رہتی ہے۔ اس لئے کہ لغت میں احصا ہر شے کے مقابل ایک کنکر یا سنگریزہ رکھے جانے کو کہتے ہیں بخلاف عدد کے کہ شمار کرتے چلے جاؤ۔ دوسرا آیا تو پہلا چلا گیا پس وجود امام مبین خزینۂ موجودات و مادۂ کائنات ہے۔ مفسرین (امام مبین سے) لوح محفوظ مراد لیتے ہیں۔ مگر یہ بھی غلط محض ہے۔ کیونکہ لفظ امام لوح محفوظ کے لئے قرآن میں استعمال نہیں ہوا۔ اگر کہیں ہوتا تو اس کا ذکر ہوتا۔

فَاِنَّ الۡقُرۡاٰنَ یُفَسِّرُ بَعۡضُہٗ بَعۡضًا" قرآن میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں کئی کئی جگہ پہ استعمال ہوئے ہیں۔ اگر لوح محفوظ کو امام کہا جاتا تو وہ بھی قرآن میں موجود ہوتا۔ "وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ اس کا دعوے ہے اور صحیح ہے۔ چنانچہ آیۂ ذیل میں امام مبین حضرت شعیب و حضرت صالح دو پیغمبروں کو فرمایا ہے نہ کہ لوح محفوظ کو اِنَّھُمَا لَبِاِمَامٍ

مُبِیْنٍ " تحقیق کہ وہ دونوں امام مبین ہیں۔

مسِ کتابتِ قرآن

آیہ " لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ " سے ثابت کرتے ہیں کہ کتابت قرآن کو بلا طہارت یعنی وضو و غسل مس کرنا جائز نہیں ہے لیکن ظاہر آیت اس پر دال نہیں کیونکہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ اس کتاب سے مراد وجود حضرت نبوی ہے۔ اور مس سے مراد باطنی مس لہٰذا یہ مستنبط ہوسکتا ہے اس طرح پر کہ ہر شے کے چار وجود ہوتے ہیں۔ وجود لفظی جیسے لفظ زید جبکہ زبان سے ادا کریں۔ دوم کتبی یعنی صورت مکتوبی زید۔ سوم۔ وجود ذہنی یعنی زید کا وہ تصور جو کسی متصور کے ذہن میں ہوتا ہے اور وہ مطابق ہوتا ہے۔ وجود خارجی عینی کے۔ چہارم۔ وجود عینی جو در اصل زید ہے یعنی ایک شخص خاص جو اس نام سے موسوم ہے اور وجود لفظی وجود خارجی پر دلالت کرتا ہے اور اس کو مفید ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے اس کو ایک قسم کی نسبت و تعلق ہے۔ مثلاً جب کہیں کہ زید کو بلالاؤ تو اس شخص خاص کو بلالائیں گے نہ اس آواز کو۔ اسی طرح جب حکم لکھتے ہیں کہ زید پر یہ دعوے ڈگری کیا گیا۔ تو اس شخص سے ڈگری وصول کی جاتی ہے۔ نہ کہ حرفوں یعنی (ز۔ ی۔ د) سے وعلیٰ ہذا القیاس۔ غرض حکم وجود لفظی و کتبی پر وجود عینی خارجی جاری ہوتا ہے پس اسی طرح سے قرآن شریف کے بھی چار وجود ہیں ملفوظی مکتوبی ذہنی اور عینی اور اصل قرآن وہ ہے۔ جو قلب نبی پر نازل ہوا ہے اور وہی وجود عینی ہے نہ وجود ملفوظی و مکتوبی و ذہنی۔ ہاں باقیوں کو اس سے ایک قسم کی نسبت و تعلق اتحادی ہے اور ثابت ہوچکا ہے کہ اس حقیقت قرآن کو سوائے مطہروں کے اور کوئی مس نہیں کرسکتا یعنی مس باطنی +

پس چونکہ اس وجود مکتوبی (جو قابل مس ہے) کو بھی اس وجود حقیقی سے ایک قسم کا اتحاد ہے۔ لہٰذا بلا طہارت ظاہری مس کرنا جائز نہیں ہوگا۔

لہ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ (صافی) اَوْ یَطَّلِعُ عَلَی اللَّوْحِ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ مِنَ الْکُدُوْرَاتِ الْجِسْمَانِیَّۃِ اَوْ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ مِنَ الْاَحْدَاثِ الخ فَیَکُوْنُ نَفْیًا بِمَعْنٰی نَہْیٍ۔ (فی التہذیب عن الکاظم) اَلْمُصْحَفُ لَا تَمَسَّہٗ عَلٰی غَیْرِ طُہْرٍ وَلَا تَمَسَّہٗ خَطَّہٗ (خیطہ) وَلَا تُعَلِّقُہٗ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ (وفی الاحتجاج) لَمَّا اسْتُخْلِفَ عُمَرُ سَاَلَ عَلِیًّا اَنْ یَدْفَعَ اِلَیْہِمُ الْقُرْاٰنَ فَیُحَرِّفُوْہُ بَیْنَہُمْ فَقَالَ یَا اَبَا الْحَسَنِ اِنْ جِئْتَ بِالْقُرْاٰنِ الَّذِیْ جِئْتَ بِہٖ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ حَتّٰی نَجْتَمِعَ عَلَیْہِ فَقَالَ ہَیْہَاتَ لَیْسَ اِلٰی ذٰلِکَ سَبِیْلٌ اِنَّمَا جِئْتُ بِہٖ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ لِتَقُوْمَ

بہر حال یہ حقیقت قرآن وجودی میں ہے اور اس سے امام کو اتحاد نفسی ہے پس وہ بھی وجود امام کے ساتھ متحد ہے۔ اسی واسطے پیغمبر خدا نے فرمایا ہے۔ لَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْض

بقیہ حاشیہ صفحہ: الحجۃ علیکم و لا تقولوا یوم القیامۃ انا کنا عن ھذا غافلین او تقولوا ما جئتنا بہ فان القرآن الذی عندی لا یمسہ الا المطھرون و الاوصیاء من ولدی فقال عمر فھل وقت لاظھارہ معلوم قال نعم اذا قام القائم من ولدی یظھرہ فیحمل الناس علیہ فتجری السنۃ بہ ۔

اقول و فی التحقیق لا منافاۃ بین المعنیین لجواز الجمع بینھما و ارادۃ کل واحد منھما او یکون احدھما تفسیرا و الاخر تاویلا (انتھی)

صاحب صافی "لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ" کے ذیل میں تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم لوح محفوظ میں ہے اور لوح محفوظ پر سوائے ان مطہرین کے اور کوئی مطلع نہیں ہو سکتا جو کدورات جسمانیہ سے پاک ہیں اور وہ ظلمانی نہیں بلکہ نورانی نفوس ہیں اور وہاں سے علم ان نفوس قدسیہ کے سوا اور کوئی نہیں لے سکتا یا یہ کہ اسکو نہیں چھو سکتے مگر وہ لوگ جو حدث سے پاک ہوں (یا وضو اور باغسل ہوں) اور اس صورت میں یہ نفی بمعنی نہی ہو گی یعنی حکم ہے کہ بلا طہارت اس کو مس نہ کریں (پہلی صورت میں ضمیر غائب لوح کی طرف راجع ہوئی اور دوسری صورت میں قرآن کی طرف) اور کتاب التہذیب میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قرآن کو بلا طہارت نہ چھوؤ اور نہ جنابت کی حالت میں اور نہ اس کو لٹکاؤ کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ اسکو سوائے مطہرین اور کوئی مس نہیں کر سکتا اور احتجاج میں ہے کہ عمر کو جب خلیفہ بنایا گیا تو اس نے علی سے سوال کیا کہ وہ اپنا جمع کیا ہوا قرآن دیدیں تاکہ وہ اپنے درمیان اس کو رد و بدل کریں تو کہا کہ اے ابوالحسن اگر آپ وہ قرآن جو ابوبکر کے پاس لائے تھے لے آتے تو بہتر ہوتا تاکہ ہم سب ایک ہی قرآن پر جمع ہو جاتے آپ نے فرمایا ھیھات اب تو اسکی کوئی سبیل نہیں ہو سکتی۔ میں اسکو ابوبکر کے پاس اسلئے لایا تھا کہ تم پر حجت تمام ہو جائے اور روز قیامت یہ نہ کہو کہ "ہمیں اس کی خبر نہ تھی"۔ یا یہ کہو کہ اے علی تم ہمارے پاس یہ قرآن لائے نہیں کیونکہ وہ قرآن جو میرے پاس ہے سوائے مطہرا در میری اولاد کے ائمہ کے اور کوئی نہیں چھو سکتا۔ اس وقت عمر بن الخطاب نے کہا کہ کیا اس کے اظہار کیلئے کوئی وقت معین ہے۔ فرمایا۔ ہاں۔ جب میری اولاد میں سے امام قائم ظہور کریگا تو اس کو ظاہر کریگا اور لوگوں کو اسی کا پابند کرے گا۔ اور یہی سنت جاری ہو گی میں کہتا ہوں (صاحب صافی) کہ ان دونوں معنوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں معنی مراد لئے جا سکتے ہیں یعنی اس کا علم لوح محفوظ سے سوائے مطہرین کے کوئی حاصل نہیں کر سکتا اور اس کو بلا طہارت کے کوئی نہیں چھو سکتا یا یہ کہا جائے کہ ایک معنی اس کی تفسیر ہیں

یعنی وجود امام وکتاب اللہ ایک دوسرے سے تار وزجزا جدا نہ ہونگے اور تعریف کتاب میں فرمایا ہے "حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ" یعنی ایک حبل ممدود ہے زمین سے آسمان تک اسی سے

بقیہ حاشیہ صفحہ اور دوسرے اس کی تاویل ہیں۔ ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی اور قرآن کی یہی شان ہے کہ اس کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور باطن کا باطن سات بطنوں تک، یہ ایک دقیق اور طولانی بحث ہے کہ لوح محفوظ کی حقیقت کیا ہے اور وہ کہاں ہے وہ عالم جسمانی سے ہے جیسے کہ ہماری تختیاں ہوتی ہیں یا عالم نفسانی سے جیسے کہ ہمارے نفس میں ہماری معلومات ملکات راسخہ ہوتے ہیں یا عالم روحانی سے ہے پہلی صورت میں قرآن کا لوح محفوظ میں ہونا اور معنی میں ہوگا اور دوسری صورت میں اور معنی اور تیسری صورت میں اور معنی۔ اور پہلی صورت میں کعبہ یا بیت المقدس۔ یا بیت المعمور یا کسی آسمان پر آسمان کو جسم جانتے ہوئے ایک بہت بڑا اسان بورڈ ہوگا۔ اور یہ سب کچھ عالم جسمانی میں ہوگا اور عالم جسمانی اور زمین و آسمان سے پہلے نہ اس لوح محفوظ کا کہیں وجود ہوگا۔ اور نہ اس لوح محفوظ میں قرآن کریم کا اور جب یہ علم ہوا کہ قرآن پاک کا وجود زمین و آسمان کے وجود سے مقدم ہے حامل قرآن جوہر اول و اکمل ہے اور تعلیم قرآن بحامل قرآن خلقت انسان سے اقدم ہے "الرحمان. عَلَّمَ الْقُرْآنَ. خَلَقَ الْإِنْسَانَ. عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" تو عقل کو تفکر کرتے ہوئے حیرت طاری ہوگی اور جب اُسکے ساتھ "كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ" شامل کیا جائے اور نیز اس مسئلہ کو کہ مایہ نبوت و رسالت ختمی بھی قرآن پاک ہے تو اور حیرت بڑھے گی اور ماننا پڑیگا کہ وہ لوح محفوظ جس میں یہ قرآن کریم قبل خلقت زمین و آسمان تھا وہ کوئی جسمانی لوح نہیں ہوسکتی ہے۔ وہ لوح بلا شک و شبہ اس عالم روحانی و نورانی کی اصل اور راسی سنخ سے ہوگی اور اگر عالم جسمانی میں کوئی جسمانی لوح ثابت کی جائیگی تو وہ من حیث التنزل بہ نشأت عوالم تیسرے درجہ و مرتبہ پر ہوگی، مرتبہ اول و دوم میں اسکی یہ حقیقت نہ ہوگی۔ لیکن ہم اس بحث کو یہیں چھوڑکر دوسری صورت سے لایمسہ الا المطہرون پر روشنی ڈالتے ہیں کہ محققین حکماء کے نزدیک وجودات اربعہ رجوع عینی، ذہنی، لفظی، کتبی ہیں سے وجود لفظی و کتبی حقیقتاً وجود نہیں بلکہ اسکو وجود کیطرف ایک نسبت رکھنے کی وجہ سے مجازاً وجود کہا گیا ہے اور اسی نسبت کی وجہ سے اس پر احکام مرتب ہوتے ہیں اور یہ بدیہی ہے۔ کون کہتا ہے کہ لفظ انسان کی آواز جو میرے منہ سے نکلی ہے یہی انسان کی حقیقت واقعیہ خارجیہ ہے یا جو صورت لکھی ہے یہی اسکی حقیقت ہے۔ اور وجود ذہنی اگرچہ وجود کہلاتا ہے اور اسپر وجود کا اطلاق ہوتا ہے لیکن نظر تحقیق میں یہ بھی حقیقی وجود نہیں ہے۔ بلکہ وجود حقیقی کا عکس اور ظل ہے کون ذی عقل کہہ سکتا ہے کہ انسان کا جو تصور میرے ذہن میں ہے وہی اس کی حقیقت خارجیہ ہے یہ اس کی صورت ذہنی ہے نہ وجود خارجی عینی وہ تو جسم اور روح کا مجموعہ اعضاء و جوارح کا چلتا پھرتا، ہنستا بولتا، ایک پتلا ہے جو سوذہنوں میں نہیں سما سکتا پس قرآن کا وجود عینی وجود کتبی نہیں ہوسکتا خواہ آسمانی تختے پر لکھا ہوا ہو یا کسی زمین کے

ظاہر ہے کہ اس کتاب سے قرآن کا وجود مکتوبی بین الدفتین مراد نہیں ہے اور مقصود پیغمبر یہ ہے کہ میں اس کتاب اللہ کو اپنے ہمراہ نہیں لیجاتا اس کو یہیں چھوڑے جاتا ہوں۔

پس وہ کتاب وجود امام میں موجود ہے اور وجود امام برائے قیامت ضروری ہوتا کہ با ہم دین

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۶ - پتھر یا کاغذ کے صفحات پر اور نہ وہ آواز عینی وجود ہے جو ہمارے منہ سے نکلی ہے۔ نہ صورت ذہنیہ جو الفاظ قرآنی کے پڑھنے یا سننے سے کسی عالم کے ذہن میں آتی ہو وہ عینی وجود ہے خواہ کسی عالم میں ہو اور کسی ذہن میں ہو اور اسلئے قطعاً قرآن کا وجود عینی اس وجود کے غیر ہوگا جو لوح محفوظ پر نقش ہوگا اور یقیناً وہ لوح محفوظ کے وجود سے مقدم ہوگا اور ان وجودات کو اس سے نسبت اور ربط ہوگا اور جب یہ مسلم ہوا کہ اس کے وجود کتبی کو چھونا ممنوع ہے۔ اور اسیطرح بحالت جنابت جو حالت جنابت خاصہ ہے اسکی تلاوت درست نہیں ہے مکروہ ہے اور بعض سور کی حرام ہے تو یقیناً اس کے الفاظ اور نقوش سے اسکے معانی اصلیہ کا کسی نجس اور ناپاک دماغ و ذہن میں آنا منتفی ہوگا اور منہی عنہ اور وجود عینی پر غیر طاہرین کیلئے اطلاع پانا قطعاً محال ہوگا اور اس وجود حقیقی اور ظلی کے لحاظ سے بلاشک و شبہ مس سے مراد مس معنوی و باطنی ہوگی نہ ہاتھ سے چھونا اور اگر یہ وجود عینی کا مس غیر طاہر کیلئے جائز یا ممکن ہو تو پھر ان وجودات کا مس جو در اصل وجود ہی نہیں ہے کیونکر منتفی یا منہی عنہ ہوگا اور اگر وہاں منتفی ہے تو پھر یہاں اس نسبت کے لحاظ سے منہی عنہ ہوا تاکہ اصل منسوب الیہ کی حرمت ہر منسوب میں باقی ہے۔ بنا بریں آیہ مبارکہ کے یہی معنی ہونگے کہ اس قرآن پاک کی حقیقت واقعیہ پر غیر مطہر اطلاع نہیں پا سکتا اور اس کے معانی صحیحہ کسی ناپاک دماغ اور ذہن میں نہیں آسکتے اور اس کے نقوش و خطوط کو غیر مطہر نہیں چھو سکتا۔ اور اس کے سوا عزائم کی تلاوت غیر طاہر و جنب وغیرہ نہیں کر سکتا۔ اور عام سور کا پڑھنا مکروہ ہے۔ اور سات آیات کا استثنا سہولت کیلئے اور تخفیف تکلیف کیلئے ہے۔ وَلَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا" اور یہ بھی اسلئے کہ وجود لفظی بظاہر ابعد وجودات ہے۔ اور اس کتاب عظیم اور قرآن کریم کی حقیقت اور لوح محفوظ اور کتاب مکنون کی حقیقت حقیقت روحانیہ محمدیہ سے کسی عالم اور کسی نشاء میں جدا نہیں ہو سکتی اور اس لئے قلب محمدی کے لوح محفوظ قرآنی ہونے میں کسی مسلمان کو شبہ نہیں ہو سکتا اور قلب محمدی سے قرآن لینے اور اس پہ اطلاع پانیکے لئے بلاشک و شبہ طہارت واقعی کی ضرورت ہے اور وہ مطہرین جو اس پہ مطلع ہیں نفس محمدی ہیں اور وہ علی و یازدہ امام اولاد علی ہیں "بَلْ هُوَ اٰيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ"۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر ہم ایک مکمل کتاب لکھ سکتے ہیں لیکن یہ حاشیہ اس کو مقتضی نہیں ہے یہاں اسی قدر بیان کافی ہے اور ہماری اکثر کتب میں اس کا مختصراً ذکر موجود ہے۔ حسبنا کتاب اللہ میں بھی اشارہ ہے اس لئے بالفعل ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ اور تفصیل کی جائے۔ العاقل تکفیہ الاشارہ۔ (مؤلف)

کو جزا دی جائے۔ "یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ"۔

سوال جواب طلب از اہلِ علم

وجودِ پیغمبر افضل ہے وجودِ قرآن سے لیکن حروف و نقوش قرآن کو بلا وضو مس کرنا ناجائز ہے۔ مگر پیغمبر نے کبھی حکم نہیں دیا کہ مجھکو بلا وضو مس نہ کرو۔ اور جس وقت مجھ سے مصافحہ کرو تو پہلے وضو کر لیا کرو بلکہ اعراب بے وضو و بے غسل آتے تھے۔ اور حضرت سے مصافحہ کرتے تھے پس کس واسطے حضرت نے حروف قرآنی کو بلا وضو مس کرنے کو حرام قرار دیا۔ اور اپنے جسمِ اقدس کیلئے ایسا نہ فرمایا؟

آیۃ اللہ و حجۃ اللہ

اثنائے وعظ میں ایک صاحب نے سرکار علامہ کو آیۃ اللہ کہدیا۔ اس پر سرکار علامہ نے فرمایا۔ ایسے الفاظ بلا تکلف استعمال کرنے درست نہیں لفظ آیۃ اللہ مخصوص ہے پیغمبر و امام و اولیا راللہ کے لئے کہ خدا فرماتا ہے "انا جعلنا ھا وابنھا ایۃ للعالمین"۔ ہم نے اس (مریم) کو اور اس کے بیٹے (عیسیٰ) کو تمام عوالم کے لئے ایک آیت قرار دیا ہے پس جو حضرات لفظ آیت اللہ کو کسی عالم یا مولوی وغیرہ کے واسطے استعمال کرتے ہیں اگر آیتِ خاص مراد لیتے ہیں جو وجود پیغمبر یا امام ہے تو اس معنی میں دوسرے کے لئے استعمال کفر ہے اور اگر مطلق آیت مراد ہے تو پھر اس کا استعمال کسی عالم یا مجتہد کیلئے نہ تو باعث فخر ہے اور نہ اس کی تعظیم و تکریم پر دال اس واسطے کہ اس معنی میں تو ہر ایک شئے وجود آیتِ خدا ہے حتّٰی کہ وجودِ سگ بھی آیت خدا ہے۔ وہ بھی اپنے خالق و صانع پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا بھی کوئی ہے۔ وہی اس کو زندہ رکھتا ہے اور پرورش کرتا ہے۔ بلکہ ذرہ ذرہ خدا کے وجود اور اس کی توحید اس کی قدرت و حکمت کی آیت و نشانی ہے۔ اسیطرح لفظ حجۃ اللہ بھی ہر کس و ناکس کے لئے استعمال کرنا درست نہیں البتہ عالم حقیقی و واقعی کے لئے متاخرین نے اس کو جائز جانا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ اسحاق بن یعقوب نے حضرت حجۃ عجل اللہ فرجہ سے دریافت کیا کہ ہم زمانہ غیبت میں کیا کریں۔ تحریر فرمایا کہ ہمارے راویان اخبار سے دریافت کرو۔ جو ہمارے احکام کے عارف ہوں اور حلال و حرام پر نظر رکھتے ہوں۔ کیونکہ وہ ہماری طرف سے حجۃ ہیں لوگوں پر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ حجت ایسے علماء کے واسطے استعمال کر سکتے ہیں۔ جو حرام و حلال سے پورے طور سے واقف ہوں۔ اور اخبار اہل بیت کے راوی۔ نہ کہ ظن و قیاس و رائے پر عمل کرنے والے اور وہ بھی باضافت یعنی حجۃ الاسلام وغیرہ نہ حجتِ مطلق یا حجۃ اللہ کہ یہ خاص

ہے امام علیہ السلام کے لئے۔ بعض متاخرین نے لفظ آیت اللہ کو بھی ایسے اشخاص کامل الایمان وکامل العلم کے واسطے جائز جانا ہے۔ مگر آیت اللہ فی العلمین بجز پیغمبر یا امام کے اور کسی کے واسطے کسی وقت اور کسی کے نزدیک جائز نہیں۔ تبارك الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا سے ثابت ہے کہ حجۃ اللہ فی العلمین وایۃ اللہ فی العالمین امام اور پیغمبر ہی ہے۔ غرض ایسے الفاظ کے استعمال میں نہایت احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ مؤلف

صفات مشترکہ نبی و امام

آیہ مجیدہ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (اسی طرح ہم نے تم کو اُمتِ وسط بنایا ہے کہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور رسول تم پر شہید ہے) میں اُمتِ وسط سے مراد امام ہے نہ کہ تمام امت۔ دوسری آیت اس پر بالصراحت دال ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ. اس آیت میں بارہ دلیلیں وجود امام پر موجود ہیں۔ اس آیت میں خطاب ذریت حضرت ابراہیم کی اس امت مسلمہ سے ہے جس کی حضرت نے دعا کی تھی۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (الخ) اور سابق میں ثابت کیا گیا کہ وہ امت مسلمہ پیغمبر و نفس پیغمبر یعنی علیؑ ہے۔ جو مسلمان باسلام نبوتی تھے۔ بالفطرۃ اور ایک آن واحد کے واسطے شرک نہیں کیا۔ اسی واسطے حضرت علی کو مسلمان کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں۔ حضرت کسی بت کے سامنے نہیں جھکے۔ اور اسی واسطے اس آیت میں لفظ آمنوا آیا ہے اسلموا نہیں کیونکہ مسلم پہلے ہی تھے۔ انہیں کو حضرت ابراہیم نے مسلمان و امت مسلمہ کہا ہے اور یہی شہید علی الناس ہیں شہداء علی الناس عام اور تمام امت محمدی کبھی نہیں ہو سکتی بعض مفسرین لاہور نے لکھا ہے کہ امت مسلمہ سے مراد کفار اولاد حضرت ابراہیم ہیں۔ جو حضرت رسول کے ہاتھ پر ایمان لائے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ پس ہر زمانے میں ایک شہید کا وجود ضروری ہے اور وہ امام وقت ہے۔ لازم ہے کہ تا قیام قیامت امام موجود رہے۔ اور آیہ ذیل اس کی شاہد ہے کہ حضرت ابراہیم نے اس امامت کو اپنی ذریت

میں ہمیشہ کے لئے قائم کیا ہے جس کی بابت خدا خبر دیتا ہے "وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ" (یعنی اس کو آپ نے کلمہ باقیہ قرار دیا اپنی اولاد میں) آیت مذکورہ کے بارہ براہین میں سے یہاں ایک برہان کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے "وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ" یعنی جہاد کرو راہ خدا میں حق جہاد کہ خدا نے تمہیں اسی کام کے واسطے انتخاب کیا ہے۔ اور چن لیا ہے اور یہ حق جہاد راہ خدا حضرت ابراہیم کا کام تھا کہ اول اول یہ جہاد انہی نے کیا کہ بتوں کو توڑا اور خانۂ خدا سے باہر کیا۔ حضرت ابراہیم کو حکم تھا کہ تم خانۂ خدا کو پاک کرو۔ "وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ" میرے گھر کو طواف کرنے والوں۔ عبادتگزاروں اور راکعین ساجدین کے لئے پاک کرو۔

حضرت علی علیہ السلام نے بھی یہ کام کیا۔ وقت نزول آیہ بعد از بعثت وقبل از ہجرت جبکہ حضرت ختمی مرتبت شعب ابی طالب میں محصور تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ کو لیکر کعبہ میں آئے اور بتونکو توڑا بعد فتح مکہ دوبارہ توڑے گئے حضرت فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم دو روز پوشیدہ رہے ابوجہل نے جب بتوں کو دیکھا تو کہا یہ کام سوائے سرخ آنکھوں والے (حضرت علی) کے اور کسی کا نہیں ہے۔ یہ ملت ابراہیمی ہے جس کی امت مسلمہ متبع رہی۔ افسوس ہے کہ لوگ ملت کے معنی بھی نہیں جانتے اور سنت وملت میں فرق نہیں کرسکتے۔ "ملت" کیش ہے۔ اور سنت چند مرتبہ عمل کرنے سے ثابت ہوتی ہے اور ان دونوں میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے غرض حق جہاد فی سبیل اللہ پیغمبر یا امام ہی ادا کرسکتا ہے اور یہی اس کا خاص فرض ہے پس آیۂ مجیدہ میں جَاهِدُوا فِي اللَّهِ کے مصداق آئمہ ہی ہیں۔ جو امت مسلمہ ذریت ابراہیم ہیں۔

فرق شاہد و شہید بعبارت دیگر

شہد دو معنی میں استعمال ہوتا ہے اول بمعنی حضور۔ دوم بمعنے علم۔ اور اسی سے شاہد ہے اور جب بمعنے حضور ہوتا۔ وہ مفعول بہ کی طرف متعدی ہوتا ہے کقولہ تعالے "أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ" "وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَمَا أَشْهَدْتُهُمْ خَلْقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ" اور نہیں حاضر کیا میں نے ان کو زمین آسمان کی خلقت کے وقت اور نہ خود ان کے نفسوں کی خلقت کے وقت اور اسی سے شہید ہے۔ "فَالشَّاهِدُ لِلشَّيْءِ مَنْ حَضَرَ عِنْدَهُ صُورَةُ ذَالِكَ الشَّيْءِ۔ وَالشَّهِيدُ هُوَ الْقُوَّةُ الَّتِي بِهَا يَقَعُ الشُّهُودُ وَالْحُضُورُ سَوَاءٌ كَانَتْ مُفَارِقَةً أَوْ جِسْمَانِيَّةً" یعنی شاہد کسی

شے کا وہ ہے جس کے سامنے اس شئے کی صورت موجود ہو اور شہید وہ قوت ہے
جس کے ذریعہ سے شہود و حضور واقع ہوتا ہے۔ خواہ وہ مجرد ہو یا مادی پس بعد معلوم
ہونے معنی شہید جاننا چاہیے کہ شہید کبھی تو ذاتِ شے میں داخل اور اس کا مفہوم ہوتا ہے
یعنی وجود میں ذات سے مبائن نہیں ہوتا۔ کقولہ تعالےٰ وجاءت کل نفس معھا
سائق وشھید" کیونکہ سائق سے مراد قوتِ عملیہ محرکہ ہے۔ اور شہید سے مراد قوت
مدرکۂ علمیہ ہے اور ہر ایک نفس میں یہ دونوں قوتیں موجود ہیں لیکن بلحاظ نقص و کمال
شرافت وخست۔ علو و دنائت مراتب مختلفہ متفاوتہ رکھتے ہیں۔ اور کبھی سائق ذات
شے سے مبائن ہوتا ہے جیسے کہ شیطان سائق نفس ہے بجانب نار۔ اور کبھی شہید مبائن
از ذاتِ شئے ہوتا ہے مثل انبیاء علیہم السلام بلحاظ اپنی امتوں کے اور ائمہ بالقیاس اپنے
اتباع واشیاع کے کیونکہ وہ بمنزلۂ قوتِ ادراکیہ ہیں۔ اذلا علم ولا شھادۃ للتابع بما ھو
تابع الابعلم الامام وشھادتہ۔ یعنے تابع کے لئے بحیثیت تابع ہونے کے نہ علم ہے
نہ شہادت الا علم وشہادت امام پس ہر ایک نبی و امام اپنی قوم پر شہید ہے اور آنحضرت
صلعم چونکہ امام الائمہ و مرکزِ دائرۂ نبوت ہیں۔ تمام انبیاء و آئمہ پر شہید ہیں۔ اس لئے سب
آپ کے مقتدی اور آپ کے قدم بقدم چلنے والے اور اپنے مقامات و مدارج میں آنحضرت
کے تابع اور وہ سب کے سب روز قیامت آپ کے لوائے حمد کے نیچے ہونگے۔ اور اسی
پر یہ آیت شاہد ہے" کیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علےٰ ھولاء
شھیدا" کیونکر ہوگا اس دن جب کہ ہم ہر ایک امت کے شہید کو لائیں گے اور تجھکو
تمام شہیدوں پر شہید قرار دینگے۔ فافھم۔

غرض شاہد کے لئے حضور لازمی نہیں ہے۔ برخلاف شہید کے کہ وہ احاطہ و حضور
رکھتا ہے اور حضور و غیاب جسمانی۔ خواب و بیداری۔ قرب و بعد اس کے لئے مساوی
ہے۔ وہ ہر وقت ہر شے پر احاطہ رکھتا ہے۔ اور یہ مخصوص ہے خدا و نبی و امام کے لئے
چنانچہ حدیث بخاری اس کی خبر دیتی ہے کہ حضرت نے فرمایا" تنام عینی ولا ینام قلبی"
میری آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا منقول ہے کہ حضرت خواب سے بیدار ہو کر بلا وضو ہی نماز
پڑھ لیتے تھے تو ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے دریافت کیا آپ نے یہ جواب دیا کہ ہماری آنکھ
سوتی ہے مگر قلب بیدار رہتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے" نحن معاشر الانبیاء تنام

الْعَیْنُ وَلَا یَنَامُ الْقَلْبُ" ہم گروہ انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور قلب بیدار رہتے ہیں یعنی ہماری طرح سے وہ سوتے ہیں۔ بے خبر و غافل نہیں ہوتے۔ اگر اسی طرح غافل ہو جائیں تو شہید علی الناس کس طرح رہینگے پس خواہ اُس جگہ موجود ہوں یا نہ ہوں۔ مگر اس کو دیکھتے ہیں پہاڑ درخت وغیرہ ان کی نظروں کے حاجب و مانع نہیں ہوتے اور شاہد کے واسطے حضور اور شہود ضروری ہے۔ اسی واسطے برادران یوسف نے وقت شہادت سرقہ مَا شَهِدْنَا اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا کہا کہ ہم نے وہی شہادت دی ہے جس کا ہمیں علم ہے۔ مَا رَأَیْنَا نہیں کہا کہ ہم نے وہی بیان کیا ہے جو دیکھا ہے کیونکہ وہ شہید نہ تھے اور احاطہ نہ رکھتے تھے۔ بہر حال ہر زمانہ میں وجود امام ضروری ہے جو شہید علی الناس ہوتا ہے اور وہ ذریت ابراہیمیہ اولاد پیغمبر سے ہوگا۔ اگر کوئی اور شخص اس خاندان کے سوا دعوٰے امامت کرے تو جھوٹا ہے[1]

[1] وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَسَطًا لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ۔ عن الباقر علیہ السلام قال نحن الْاُمَّةُ الْوَسَطُ وَنَحْنُ شُهَدَاءُ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ وَحُجَّتُهٗ فِيْ اَرْضِهٖ وَعَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِيَّانَا عَنٰى بِهٖ بِقَوْلِهٖ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَرَسُوْلُ اللّٰهِ شَاهِدٌ عَلَيْنَا وَنَحْنُ شُهَدَاءُ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ وَحُجَّتُهٗ فِيْ اَرْضِهٖ نَحْنُ الَّذِيْنَ قَالَ اللّٰهُ فِيْهِمْ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَسَطًا لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (وفی الکافی) عَنِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ قَوْلِهٖ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا نَزَلَتْ فِيْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ خَاصَّةً فِيْ كُلِّ قَرْنٍ مِنْهُمْ اِمَامٌ مِنَّا شَاهِدٌ عَلَيْهِمْ وَمُحَمَّدٌ شَاهِدٌ عَلَيْنَا۔

ایضاً۔ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى كَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَسَطًا الاية۔ عَنِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَحْنُ الْاُمَّةُ الْوُسْطٰى وَنَحْنُ شُهَدَاءُ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ وَحُجَجُهٗ فِيْ اَرْضِهٖ قُلْتُ (راوی) قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ اِيَّانَا عَنٰى خَاصَّةً فَرَسُوْلُ اللّٰهِ الشَّهِيْدُ عَلَيْنَا بِمَا بَلَّغَنَا عَنِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَنَحْنُ الشُّهَدَاءُ عَلَى النَّاسِ فَمَنْ صَدَّقَ صَدَّقْنَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ كَذَّبَ كَذَّبْنَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(آیہ مجیدہ) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَسَطًا لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (الخ) کے تحت میں حضرت باقر العلوم علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم ہی امت وسط اور خدا کی طرف سے اس کی مخلوقات پر شہید اور اس کی زمین میں اس کی حجت ہیں۔ اور جناب امیر المومنین نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے مراد ہم ہی ہیں

ایک عالم بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ ایام محرم میں شہید شہید نہیں ہے۔ کیونکہ ان ایام میں تمام توجہ شہید
زمان عجل اللہ ظہورہ کرب وبلا کی طرف منعطف ہے کیونکہ جب ہم لوگ ان واقعات ہائلہ

بقیہ حاشیہ صـ۱۱۲ پس رسول اللہ ہم پر شہید ہیں اور ہم خدا کی طرف سے اس کی خلقت پر شہید ہیں اور اس کی
حجت ہیں۔ ہماری شان میں خدا نے فرمایا ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ الخ
کافی میں صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے کیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک
علی ھولاء شہیدا کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ آیت خصوصیت سے امت محمد کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ انہیں
ہم میں سے ایک نہ ایک امام ہر قرن میں موجود ہے جو ان پر شہید ہے اور محمد رسول اللہ ہم آئمہ پر شہید ہیں و اسیطرح
آیہ مذکورۃ الصدر وکذالک جعلنٰکم امۃ وسطا الآیہ کی ذیل میں فرمایا ہے کہ ہم ہی امت وسطی ہیں۔ ہم ہی
خدا کی طرف اس کی مخلوق پر شہید ہیں اور اس کی زمین پر اسکی حجت ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا پھر ملۃ
ابیکم ابراھیم (الآیہ) سے کیا مراد ہے۔ فرمایا اس سے خاص ہم ہی مراد ہیں یعنی ہم ہی امت مسلمہ ہیں ہمارا
ہی نام ہمارے جد ابراہیم نے مسلم رکھا ہے۔ اور ہمارا ہی اس قرآن اور پہلی کتب میں ذکر ہے۔ ہم ہی شہید علی الخلق
ہیں پس رسول تبلیغ رسالت میں ہم پر شہید ہیں اور ہم لوگوں پر شہید ہیں پس جو سچا ہے ہم اس کی روز قیامت تصدیق
کرینگے اور جو جھوٹا ہے روز قیامت اس کی تکذیب کرینگے اور اسی طرح آیہ مبارکہ قل اعملوا فسیری اللہ
عملکم و رسولہ والمومنون (الخ) (یعنی عمل کرو کہ خدا تمہارے اعمال کو ہمیشہ دیکھتا ہے اور اس کا رسول
اور مومنین دیکھتے ہیں) کے ذیل میں حضرت صادق آل محمد علیہم السلام ارشاد فرماتے ہیں اس آیہ مجیدہ میں والمومنون
سے خدا نے ہمیں مراد لیا ہے اور رسول اللہ کی طرح ہم اپنے بندوں کے اعمال کو دیکھتے ہیں۔ نیز اسی جناب سے
حضرت کاظم علیہ السلام کی ولادت کے ذکر میں خصائص ولادت امام برحق کے ذیل میں مروی ہے کہ آپ نے ارشاد
فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّخْلُقَ الْاِمَامَ مِنَ الْاِمَامِ بَعَثَ مَلَكًا فَاَخَذَ شَرْبَةً مِّنْ
تَحْتِ الْعَرْشِ وَدَفَعَهَا اِلَى الْاِمَامِ فَشَرِبَهَا فَيَمْكُثُ فِي الرَّحِمِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا لَا يَسْمَعُ الْكَلَامَ ثُمَّ يَسْمَعُ
الْكَلَامَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاِذَا وَضَعَتْهُ اُمُّهُ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَلَكَ الَّذِيْ اَخَذَ الشَّرْبَةَ فَكَتَبَ عَلٰى عَضُدِهِ
الْاَيْمَنِ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ فَاِذَا قَامَ بِهٰذَا الْاَمْرِ رَفَعَ اللّٰهُ لَهٗ
فِيْ كُلِّ بَلْدَةٍ مَنَارًا يَنْظُرُ بِهٖ اِلٰى اَعْمَالِ الْعِبَادِ ۔
اللہ تعالیٰ جب ارادہ فرماتا ہے کہ امام کو امام سے خلق کرے تو ایک فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ فرشتہ تحت
عرش سے ایک گھونٹ (ربانی) کا لیتا ہے۔ امام کو دیتا ہے۔ اس سے امام بنتا ہے اور جب وہ رحم میں جاتا ہے
تو چالیس دن تک کچھ نہیں سنتا۔ جب چالیس دن تمام ہو جاتے ہیں تو وہ آواز سننے لگتا ہے۔ اور جب

کو یہاں پر سُن کر مضطرب و بے قرار ہو جاتے ہیں تو امام زمان علیہ الصلوٰۃ والسلام جو ان واقعات کو عیاناً دیکھتے ہیں ان کیلئے کوئی حاجب و مانع نہیں۔ تمام منظر ان کے پیش نظر ہے۔ ان کی کیا حالت

بقیہ حاشیہ صـ۱۱۳ وضع حمل ہوتا ہے تو وہی فرشتہ پھر بھیجا جاتا ہے اور اس بچے کے داہنے شانہ پر لکھتا ہے "تمت کلمۃ ربک صدقاً وعدلاً لامبدل لکلماتہ"۔ یہ کلمۃ اللہ صدق و عدل کے ساتھ درجہ تمام کو پہنچا اور کلمات اللہ کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا اور جب وہ امام ناطق ظاہر ہوتا ہے تو ہر شہر میں ایک منارۂ نور اس کے لئے بلند کیا جاتا ہے جس میں وہ اعمال عباد کو دیکھتا ہے۔ یہ روایت یونس بن ظبیان سے ہے اور روایت ابو بصیر میں یوں ہے۔ کہ جب وہ چار ماہ کا ہوتا ہے تو حیوان نام فرشتہ بھیجا جاتا ہے اور وہ دائیں شانہ پر لکھتا ہے۔ تمت کلمۃ ربک الایۃ" اور جس وقت متولد ہوتا ہے تو سر آسمان کی طرف بلند کرتا ہے اور ہاتھ زمین پر ٹیک دیتا ہے۔ پس ایک منادی زیر عرش سے من جانب اللہ اس امام اور اس کے والد ماجد کا نام لے کر ندا دیتا ہے۔ ثابت و مستقیم رہو کہ ایک امر عظیم کے لئے میں نے تجھے خلق کیا ہے تو میری برگزیدہ مخلوق ہے میرا رازدان میرے علم کا خزانہ میری وحی کا امین اور میری زمین میں میرا خلیفہ ہے۔ تیرے اور تیرے دوستوں کے لئے میں نے اپنی رحمت کو واجب کر دیا ہے اور اپنی جنت کو بخشدیا ہے اور اپنے قرب کو حلال کر دیا ہے۔ مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم ہے کہ میں تیرے دشمنوں کو سخت عذاب کرونگا۔ اگرچہ دنیا میں ان کو وسعت رزق کیوں نہ دوں۔ جب یہ آواز ختم ہوتی ہے تو امام جواب دیتا ہے اور کہتا ہے "شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ"۔ جب وہ یہ کہتا ہے تو اللہ علم اولین و آخرین اس کو عنایت فرما دیتا ہے۔ اور اس وقت سے شب قدر میں زیارت روح القدس کا مستحق ہو جاتا ہے (تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ)

یونس بن ظبیان کی ایک روایت میں یہ ہے۔ کہ جب وہ پیدا ہوتا ہے "رُفِعَ لَهٗ عَمُوْدٌ مِّنْ نُّوْرٍ مَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ يَرٰى مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ"۔ یعنے اس کے لئے مابین زمین و آسمان ایک عمود نور نصب کیا جاتا ہے جس سے مغرب سے مشرق تک تمام اشیاء کو دیکھتا ہے۔ اور ابن مسکان کی روایت میں۔ رُفِعَ لَهٗ مَنَارٌ يُبْصِرُ بِهٖ اَعْمَالَ الْعِبَادِ ہے۔ ایک روایت میں ہے جُعِلَ لَهٗ مِصْبَاحٌ مِّنْ نُّوْرٍ وَعَرَفَ بِهِ الضَّمِيْرَ وَيَرٰى بِهٖ سَآئِرَ الْاَعْمَالِ اس مضمون کی روایات بکثرت ہیں جو معنوی حیثیت سے حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

ہو گی۔ بلاشبہ آج کل اُن کی تمام توجہ اپنے جد بزرگوار کی طرف متوجہ ہے کہ خود حضرت زیارت ناحیہ میں فرماتے ہیں:۔ اہ اہ یا جداہ وَلَئِنْ اَخَّرَتْنِی الدُّھُوْرُ وَعَاقَنِیْ عَنْ نَصْرِكَ الْمَقْدُوْرُ وَلَمْ اَكُنْ لِمَنْ حَارَبَكَ مُحَارِبًا وَلِمَنْ نَصَبَ لَكَ الْعَدَاوَةَ مُنَاصِبًا فَلَاَنْدُبَنَّكَ صَبَاحًا وَمَسَاءً وَلَاَبْكِيَنَّ لَكَ بَدَلَ الدُّمُوْعِ دَمًا الخ۔ اے جدبزرگوار اگرچہ زمانوں نے مجھے تاخیر میں ڈالا اور تقدیر آپکی نصرت سے اسوقت مجھے عائق اور مانع ہوئی اور میں آپ کے دشمنوں سے جدال وقتال نہ کرسکا اور آپکے قاتلوں اور مخالفوں سے مقابلہ نہ کرسکا (لیکن) اے جدبزرگوار اب میں صبح وشام آپ پر باآوازبلند گریہ وبکا کرتا ہوں اور اب میں آپ کے لئے اشکوں کے عوض خون روتا ہوں۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

موعظہ پنجم

۶ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ

تفاوت انواع موجودات اور اُس کی علت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ محسوس ومشاہد ہے کہ انواع موجودات مختلف درجات رکھتی ہیں خواہ **جماد** ہو یا **نبات** و**حیوان** نباتات

(بقیہ حاشیہ ۱۱۴) اور اگرچہ بعض بعض الفاظ میں اختلاف ہے لیکن معنی ایک ہیں اور ان آیات شہادت کے ساتھ ان روایات کو ملانے سے واضح ہو کہ امام شہید ہے اور امام اعمال عباد کو دیکھتا ہے اور اس صورت میں شہید کے معنے حاضر وناظر ہی ہوئے اور اس کی مزید تصریح مواعظ کے ضمن میں آئندہ بھی آئیگی۔ تشریح کی خاطر ہم نے پہلے چند اقوال معصومین درج کر دئے ہیں تاکہ موجب بصیرت ہوں بعض اہم شبہات کا جواب ہم کتاب کشف الاسرار میں لکھ چکے ہیں اہل تحقیق وہاں سے مطالعہ فرمائیں۔ یہاں حاشیہ میں اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اور شہید کی شان سمجھنے کیلئے اسی قدر اشارات کافی ہیں واللہ اعلم باسرار اولیائہ + مؤلف

میں بیشمار مختلف درجہ ہیں بعض ایسی ہیں جو ایک دو روز میں ہی خشک ہو جاتی ہیں۔ اور بعض ایک یا دو ماہ بعد بعض اپنے موسم تک باقی رہتی ہیں۔ اور پھر خشک ہو کر فنا ہو جاتی ہیں اور بعض کئی کئی برس تک باقی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض درخت ایسے بھی پائے جاتے ہیں۔ جو ہزاروں برس قائم و باقی رہتے ہیں۔ اور اس وقت دس ہزار سال عمر کے درخت دنیا میں موجود ہیں۔ بعض درخت ایسے ہیں کہ باوجود جسیم ہونے کے بھی سخت سردی و برف وغیرہ کی برداشت نہیں کر سکتے۔ اور بعض باوجود نہایت نازک بیل ہونے کے موسم سرما میں اسی طرح باقی رہتے ہیں پس اگر ان چیزوں کو دیکھکر بظاہر حکم کیا جائے تو غلط ہوگا عقل ظاہر بین ان میں کبھی صحیح حکم نہیں کر سکتی۔ کدو کی بیل نہایت نازک ہوتی ہے کہ ذرا ہلنے سے ٹوٹ جاتی ہے اور خراب ہو جاتی ہے اس نازک بیل میں ایک ایک کدو بیس۲۰ بیس۲۰ سیر کا لگتا ہے اور ایسا سخت و مضبوط ہوتا ہے کہ بعض اوقات چاقو سے نہیں کٹتا، اگر کدو کو توڑ کر اور بیل سے علیحدہ کر کے ایسے شخص کو دکھلایا جائے جو اس سے واقف نہیں ہے اور کہا جائے کہ یہ پھل اس نازک بیل سے پیدا ہوا ہے اور نکلا ہے تو وہ اس کے ظاہر پر نظر کر کے یہی کہیگا کہ بالکل غلط ہے کبھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور اس کو کبھی یقین نہ آئیگا کہ یہ کدو اس نازک بیل سے نکلا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ ظاہر پر نظر کر کے حکم کر رہا ہے لیکن جو شخص اس کی حقیقت سے واقف ہے اس کو ذرا بھی شبہ نہ ہوگا غرض حسب ظاہر حکم کرنا غلطی ہے۔ موجودات عالم کی قوتوں اور ان کی بقا و نشو و نما کا یہ فرق ظاہری جسامت و مادیت پر موقوف نہیں ہے بلکہ باطنی قوت پر موقوف ہے جس میں وہ قوت زیادہ ہے۔ زیادہ دیر باقی رہتا ہے اور سردی و گرمی و ہوا کے صدمات کو برداشت کرتا ہے۔ اور جس میں قوت کم ہے وہ کم باقی رہتا ہے اور صدمات ارضی و سماوی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ بہر حال یہ نقص و کمال قوت باطنی کا نتیجہ و اثر ہے نہ کہ ظاہری جسامت وغیرہ کا۔

(حکایت) دو طالب علم عراق عرب سے تحصیل علوم کر کے اپنے وطن بخارا کو واپس جا رہے تھے۔ ایک ان میں کمسن، لاغر اور قصیر القامت تھا۔ اور لباس بھی معمولی پہنے ہوئے تھا۔ دوسرا کبیر السن، طویل القامت۔ اور جسیم تھا۔ اور جبہ، عبا، قبا، عمامہ کفش وغیرہ سے آراستہ۔ دونوں میں گفتگو ہونے لگی۔ بڑے نے کہا۔ تم اتنے دنوں عراق میں رہے مگر کچھ نہ

کیا۔ وطن پہنچ گے۔ تو تمہاری کچھ عزت نہ ہوگی۔ لوگ جب میری عبا قبا جبہ و دستار۔ اور ڈاڑھی اور اس جسم کو دیکھینگے میری عزت و توقیر و تعظیم کرینگے۔ اور بڑا عالم سمجھینگے اور تمہیں کوئی پوچھیگا بھی نہیں۔ چھوٹے نے ایک حکایت بیان کی کہ جناب عالی ایک درخت مدت سے ایک جنگل میں کھڑا تھا۔ اس کے نیچے سے ایک بیل اُگی اور تین ماہ کے عرصہ میں درخت کی چوٹی سے بلند ہوگئی۔ اور درخت سے کہنے لگی کہ میں تین ماہ میں اتنی بڑھ گئی۔ اور تو اتنی مدت سے یہاں کھڑا ہے۔ مگر کچھ ترقی نہیں کی۔ درخت نے جواب دیا۔ جب ہوا چلیگی اور برف پڑے گی۔ ترقی معلوم ہو جائیگی۔ سو جناب عالی جب آپ سے کوئی علمی سوال کیا جائے گا اس وقت آپ کی قلعی کھلجائیگی بزرگی بعقل است نہ بسال و نہ بلباس۔ صورت علماء دلیل علم نہیں۔ اسی طرح صورت ظاہری جسمانی دلیل اصل کمال و افضلیت نہیں۔

بہرحال اسی طرح سے انسان بھی بیشمار مختلف درجے رکھتے ہیں اور ہر ایک عتبار سے ایک دوسرے سے بہت مختلف و متفاوت ہوتے ہیں بعض باعتبار جسامت بہت لاغر ہوتے ہیں۔ مگر قوت و طاقت میں جسیموں سے زیادہ بعض معمولی حادثے کی برداشت نہیں کر سکتے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ خواہ ان پہ کتنے ہی مصائب نازل ہوں مضطرب نہیں ہوتے وعلیٰ ہذالقیاس۔

تحمل انبیاء علیہم السلام

انبیاء اگرچہ صورت بشری میں ہوتے ہیں مگر مصائب و شدائد میں سب سے زیادہ متحمل دیکھئے حضرت ابراہیم سولہ برس کے سن میں نمرود کے مقابلہ پر آتے ہیں۔ جو خدائی کا دعوے کرتا ہے بتوں کو توڑتے ہیں۔ ذرا خائف اور ہراساں نہیں ہوتے نہ بھاگتے ہیں نہ چھپتے ہیں۔ بلکہ کمال استقلال سے قوم کو جواب دیتے ہیں۔ فَاسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ یعنے اگر بُت کلام کر سکتے ہیں تو انہیں سے پوچھ لو کہ ان کو کس نے توڑ کر فنا کر دیا ہے بعض نافہم اس مقام سے حضرت ابراہیم پہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت نے نعوذ باللہ جھوٹ کہا۔ بلکہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے تمام عمر میں تین دفعہ جھوٹ کہا ہے۔ مگر یہ غلط فہمی ہے یہ جھوٹ نہیں ہے بلکہ ایک قسم کا استدلال و احتجاج ہے اسکات خصم کیلئے۔ چنانچہ وہ ایسے لاجواب و ساکت ہوئے کہ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے اور سخت شرمندہ ہوئے (والتفصیل فی مقامہ)

نیز بکمال قوت قلب نمرود سے مباحثہ کیا۔ اول دلیل جدلی سے اس کو ملزم کیا۔ دوبارہ پھر برہان

میں بیشمار مختلف درجہ ہیں بعض ایسی ہیں جو ایک دو روز میں ہی خشک ہو جاتی ہیں۔ اور بعض ایک یا دو ماہ بعد بعض اپنے موسم تک باقی رہتی ہیں۔ اور پھر خشک ہو کر فنا ہو جاتی ہیں اور بعض کئی کئی برس تک باقی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض درخت ایسے بھی پائے جاتے ہیں۔ جو ہزاروں برس قائم و باقی رہتے ہیں۔ اور اس وقت دس ہزار سال عمر کے درخت دنیا میں موجود ہیں۔ بعض درخت ایسے ہیں کہ باوجود جسیم ہونے کے بھی سخت سردی و برف وغیرہ کی برداشت نہیں کر سکتے۔ اور بعض باوجود نہایت نازک بیل ہونے کے موسم سرما میں اسی طرح باقی رہتے ہیں پس اگر ان چیزوں کو دیکھکر بظاہر حکم کیا جائے تو غلط ہو گا عقل ظاہر بین ان میں کبھی صحیح حکم نہیں کر سکتی۔ کدو کی بیل نہایت نازک ہوتی ہے کہ ذرا ملنے سے ٹوٹ جاتی ہے اور خراب ہو جاتی ہے اس نازک بیل میں ایک ایک کدو بیس بیس سیر کا لگتا ہے اور ایسا سخت و مضبوط ہوتا ہی کہ بعض اوقات چاقو سے نہیں کٹتا، اگر کدو کو توڑ کر اور بیل سے علیحدہ کر کے ایسے شخص کو دکھلایا جائے جو اس سے واقف نہیں ہے اور کہا جائے کہ یہ پھل اس نازک بیل سے پیدا ہوا ہے اور نکلا ہے تو وہ اس کے ظاہر پر نظر کر کے یہی کہیگا کہ بالکل غلط ہی کبھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور اس کو کبھی یقین نہ آئیگا کہ یہ کدو اس نازک بیل سے نکلا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ ظاہر پر نظر کر کے حکم کر رہا ہے لیکن جو شخص اس کی حقیقت سے واقف ہے اس کو ذرا بھی شبہ نہ ہو گا غرض حسب ظاہر حکم کرنا غلطی ہے۔ موجودات عالم کی قوتوں اور ان کی بقا و نشو و نما کا یہ فرق ظاہری جسامت و مادیت پر موقوف نہیں ہے بلکہ باطنی قوت پر موقوف ہے جس میں وہ قوت زیادہ ہے۔ زیادہ دیر باقی رہتا ہے اور سردی و گرمی و ہوا کے صدمات کو برداشت کرتا ہے۔ اور جس میں قوت کم ہے وہ کم باقی رہتا ہے اور صدمات ارضی و سماوی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ بہرحال یہ نقص و کمال قوت باطنی کا نتیجہ و اثر ہے نہ کہ ظاہری جسامت وغیرہ کا۔

(**حکایت**) دو طالب علم عراق عرب سے تحصیل علوم کر کے اپنے وطن بخارا کو واپس جا رہے تھے۔ ایک ان میں کمسن، لاغر اور قصیر القامت تھا۔ اور لباس بھی معمولی پہنے ہوئے تھا۔ دوسرا کبیر السن طویل القامت۔ اور جسیم تھا۔ اور جبہ، عبا، قبا، عمامہ کفش وغیرہ سے گداستہ۔ دونوں میں گفتگو ہونے لگی۔ بڑے نے کہا۔ تم اتنے دنوں عراق میں رہے مگر کچھ نہ

کیا۔ وطن پہنچے گے۔ تو تمہاری کچھ عزت نہ ہوگی۔ لوگ جب میری عبا قبا جبہ و دستار۔ اور ڈاڑھی اور اس جسم کو دیکھینگے میری عزت و توقیر و تعظیم کرینگے۔ اور بڑا عالم سمجھینگے اور تمہیں کوئی پوچھیگا بھی نہیں چھوٹے نے ایک حکایت بیان کی کہ جناب عالی ایک درخت مدت سے ایک جنگل میں کھڑا تھا۔ اس کے نیچے سے ایک بیل اُگی اور تین ماہ کے عرصہ میں درخت کی چوٹی سے بلند ہوگئی۔ اور درخت سے کہنے لگی کہ میں تین ماہ میں اتنی بڑھ گئی۔ اور تو اتنی مدت سے یہاں کھڑا ہے مگر کچھ ترقی نہیں کی۔ درخت نے جواب دیا جب ہوا چلیگی اور برف پڑے گی۔ ترقی معلوم ہو جائیگی۔ سو جناب عالی جب آپ سے کوئی علمی سوال کیا جائے گا اس وقت آپ کی قلعی کھلجائیگی بزرگی بعقل است نہ بسال و نہ بر لباس۔ صورت علماء دلیل علم نہیں۔ اسی طرح صورت ظاہری جسمانی دلیل اصل کمال و افضلیت نہیں۔

بہر حال اسی طرح سے انسان بھی بیشمار مختلف درجے رکھتے ہیں اور ہر ایک اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت مختلف و متفاوت ہوتے ہیں بعض باعتبار جسامت بہت لاغر ہوتے ہیں۔ مگر قوت و طاقت میں جسیموں سے زیادہ بعض معمولی حادثے کی برداشت نہیں کر سکتے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ خواہ ان پہ کتنے ہی مصائب نازل ہوں مضطرب نہیں ہوتے و علیٰ ہذا القیاس۔

تحمل انبیاء علیہم السلام

انبیاء اگرچہ صورت بشری میں ہوتے ہیں مگر مصائب و شدائد میں سب سے زیادہ متحمل دیکھئے حضرت ابراہیم سولہ برس کے سن میں نمرود کے مقابلہ پر آتے ہیں۔ جو خدائی کا دعوے کرتا ہے۔ بتوں کو توڑتے ہیں۔ ذرا خائف اور ہراساں نہیں ہوتے نہ بھاگتے ہیں نہ چھپتے ہیں۔ بلکہ کمال استقلال سے قوم کو جواب دیتے ہیں۔ فَاسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ یعنے اگر بت کلام کر سکتے ہیں تو انہیں سے پوچھ لو کہ ان کو کس نے توڑ کر فنا کر دیا ہے بعض نافہم اس مقام سے حضرت ابراہیم پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت نے نعوذ باللہ جھوٹ کہا۔ بلکہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے تمام عمر میں تین دفعہ جھوٹ کہا ہے۔ مگر یہ غلط فہمی ہے یہ جھوٹ نہیں ہے بلکہ ایک قسم کا استدلال و احتجاج ہے اسکات خصم کیلئے۔ چنانچہ وہ ایسے لاجواب و ساکت ہوئے کہ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے اور سخت شرمندہ ہوئے (والتفصیل فی مقامہ)

نیز بکمال قوت قلب نمرود سے مباحثہ کیا۔ اول دلیل جدلی سے اس کو ملزم کیا۔ اور پھر برہان

واقعی سے "فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ" وہ کافر حیران ولاجواب رہ گیا۔ اسی واسطے خدا فرماتا ہے۔ "لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ" انبیا میرے پاس کچھ خوف نہیں کرتے اور کسی سے نہیں ڈرتے

رفع اشتباہ بعض آیات سے ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض انبیاء سے خوف ظاہر ہوا ہے جیساکہ حضرت موسیٰ فرماتے ہیں۔ وفررت منکم لما خفتکم یعنی میں نے تم سے ڈر کر تم سے فرار کیا۔ لہذا اس آیت اور پہلی آیت میں بظاہر منافات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ جیسے نبی فرعونیوں سے ڈرے کیوں؟ جواب یہ ہے کہ اول تو یہ خوف آیات الٰہی سے تھا نہ کہ فرعونیوں سے۔ دوم یہ کہ قبل بعثت تھا یعنے جبکہ آپ کو اظہار نبوت اور مقابلہ کی اجازت نہ ملی تھی اور یہی وجہ حضرت ختمی مرتبت اور جناب ولایت مآب کے بت توڑنے کے بعد شعب ابیطالب میں پوشیدہ رہنے کی ہے نہ کہ ابوجہل یا دیگر مشرکین مکہ کے خوف سے چھپے تھے چنانچہ منقول ہے کہ جب ابوجہل نے بتوں کو ٹوٹے ہوئے دیکھا تو حضرت ابوطالب سے کہا کہ یہ کام سوائے تمہارے بیٹے سرخ چشم علیؑ کے اور کسی کا نہیں۔ تو اس وقت حضرتؐ نے اقرار کیا ہے۔ کہ ہاں میں نے توڑے اور میں اس پر مامور تھا اور یہاں تو خوف کا ذکر بھی نہیں ہے۔ حضرت نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم مشرکین سے ڈرے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ہم دونوں پوشیدہ رہے۔ واختفینا لیلتاین ہم دو رات چھپے رہے۔

قاعدۂ کلیہ پیغمبر اور امام ہر وقت تابع حکم الٰہی ہے۔ بلا اس کے حکم کے کچھ نہیں کرسکتا پس بعض وقت اس کو جدال وقتال کا حکم ہوتا ہے اور بعض وقت اس پر مامور نہیں ہوتا جس وقت مقابلہ وقتال پر مامور ہوتا ہے۔ اس وقت اگر سارا عالم اس کے مقابلہ پر آجائے کبھی خوف نہ کریگا۔ ہرگز نہ بھاگے گا۔ اگر بھاگے تو نبی اور امام نہیں جس وقت مقابلہ وقتال پر مامور نہیں۔ اس وقت اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی حفاظت کرے یا تو اپنے کو چھپائے یا کوئی معجزہ ظاہر کر کے دشمن کو رد کرے اور دشمن کو ضرر پہنچائے جیساکہ بعض اوقات حضرت ختمی مرتبت سے ظاہر ہوا کہ دشمن قتل کے ارادہ سے آیا ہے اور ہاتھ اٹھایا ہے تو ہاتھ خشک ہوگیا مگر ہر وقت پیغمبر وامام آیات ومعجزات ظاہر کرنے پر بھی مامور نہیں۔ اگر آیۂ استیصال ظاہر کرے کہ سب کے سب فنا ہو جائیں۔ تو تبلیغ کس کو کریگا اور حجت خدا کس طرح تمام

نوٹ: حضرت عقیل ابن ابی طالب نہایت تند مزاج تھے۔ ایک مرتبہ انکی آنکھیں دکھنے لگئیں انکی والدہ دوا ڈالنا چاہتیں تو نہ ڈلواتے۔ ہرچند کوشش کرتیں مگر نہ مانتے اور کہتے اول علی کی آنکھیں ڈالو تو میں ڈالونگا۔ مہادا میری آنکھ پھوڑ دو۔ مجبوراً آپ اول علی کی آنکھ میں بلا ضرورت ڈالتیں اسوجہ سے آپ کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں اور حمر العین کہلانے لگے تھے

ہوگی۔ ہدایت معطل رہ جائے گی۔ ایسے وقت میں آیۂ استیصال ظاہر نہیں کرتا بلکہ اپنی حفاظت کرتا ہے۔ اور اگر وہ طلب بھی کریں تو فرماتا ہے قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِي بِالْبَيِّنٰتِ وَ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِن كُنتُمْ صٰدِقِينَ (آل عمران ع ۱۹) یعنی مجھ سے پہلے اور رسول معجزات کو لے کر آئے اور وہی معجزہ دکھایا جو تم مانگتے تھے۔ اگر تم سچے ہو۔ تو پھر تم نے انکو کیوں قتل کر دیا۔ اور ایمان کیوں نہ لائے پس حضرت موسیٰ کو اپنی حفاظت کا خیال مامور بر جہاد نہ ہونے کی وجہ سے تھا۔ اور یہی معنی خوف انبیاء کے ہیں۔

فضائل و مقامات صبر

شدائد و ابتلاآت میں پیغمبر یا امام نے کبھی خوف نہیں کیا اور بھاگے نہیں بلکہ اس کے دفع کیلئے دعا بھی نہیں کی۔ مگر بعض انبیاء سے ایسا ظاہر ہوا ہے کہ انہوں نے رفع شدائد کے واسطے دعا کی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء بھی ساوی درجہ نہیں رکھتے بلکہ مقامات رفیعہ رکھتے ہیں۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ انبیاء میں بھی خدا نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہوئی ہے جیسا کہ حضرت ایوب نے لسان مفہومی میں زبان حال سے اس کی خواہش کی اور فرمایا رَبِّ إِنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرّٰحِمِينَ۔ اور لفظ ضر ضاد کے پیش کے ساتھ بمعنی تکلیف باطنی ہے نہ ضرر بمعنے نقصان مال وغیرہ اور جو قصہ کرم وغیرہ حضرت ایوب کی نسبت مشہور ہے۔ وہ غلط ہے۔ بلکہ آپ کا یہ فرمانا تکلیف باطنی کی وجہ سے تھا اور وہ یہ تھی کہ شیطان لعین نے آپ کی زوجہ کے پاس آکر یہ کہا تھا کہ اگر ایوب مجھے ایک دفعہ تعظیم دیتا تو اس کی ساری تکالیف رفع ہو جائیں۔ چونکہ ناموس کا معاملہ تھا حضرت ایوب کو شیطان کا اپنی زوجہ کے پاس آنا اور نبی کو اپنی طرف دعوت کرنا نہایت گران گذرا۔ اس پر عرض کیا رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین۔ اب یہ صدمہ مجھ سے برداشت نہیں ہوسکتا ہے اور انبیاء اولوالعزم کا صبر غیر اولوالعزم سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اسی واسطے حضرت ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حکم ہوا کہ انبیاء اولوالعزم کا سا صبر ظاہر کرو فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل ولا تستعجل لھم (احقاف) یعنے اے پیغمبر مثل انبیاء اولوالعزم صبر کرو اور ان کے لئے عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ کرو۔ اور فرمایا ولاتکن کصاحب الحوت۔ اور مثل یونس بن متی نہ ہو۔ کہ انہوں نے طلب عذاب میں جلدی کی۔ اور انبیاء اولوالعزم کا سا صبر نہ کیا۔ غرض صابر تو تمام انبیاء ہوتے ہیں لیکن حسب

تفاوت نبوت درجاتِ مختلفہ رکھتے ہیں۔ مگر اس صفت سے متصف سب ہوتے ہیں سورۂ انبیاء میں بعد ذکر انبیاء سب کے حق میں فرماتا ہے واسمعیل وادریس وذالکفل کل من الصابرین وادخلنا ھم فی رحمتنا انھم من الصلحین ایسے ہی مدح حضرت اسمٰعیل میں دوسری جگہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ وہ صابر تھے کہ اپنے پدر بزرگوار کے استفسار کے جواب میں فرمایا ستجدنی ان شاء اللہ من الصبرین اور آیۂ مجیدہ "وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا" میں ارشاد فرماتا ہے کہ ان کو امام اسی وجہ سے بنایا گیا کہ وہ صابر ثابت ہوئے اور سورۂ وَالعصر میں فرماتا ہے کہ تمام انسان خسارے میں ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایک دوسرے کو وصیت بالصبر کرتے ہیں ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صبر خاصہ نبوت و امامت ہے اور امام کی شناخت صبر سے ہوتی ہے۔

نکتہ بلیغہ۔ ان آیات میں جن میں صبر انبیاء کا ذکر ہے خواہ ان کی زبانی یا خود خداوند عالم نے ان کی مدح کے موقع پر فرمایا ہے لفظ (من) موجود ہے یعنی من الصابرین ہے کہ وہ صابرین میں سے تھے اور اسی طرح جہاں کہیں صالحین کا ذکر ہے وہاں بھی یہی حال ہے کہ من الصالحین ہے یہی طرح مسلمین کا حال ہے کہ وہاں بھی من المسلمین۔ چنانچہ حضرت نوح کا قول وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ یعنی میں مسلمین میں سے ہوں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ صابر اول و صالح اول و مسلم اول کوئی اور موجود ہیں کہ جن میں سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے آپ کو شمار کرتے ہیں پس دیکھنا چاہئے کہ صابر اول و صالح اول کون ہے؟

بعض کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم اول مسلم ہیں مگر یہ غلط ہے کیونکہ حضرت نوح ان سے پہلے ہیں وہ فرماتے ہیں انا من المسلمین پس حضرت نوح سے پہلے وہ مسلمین موجود ہیں لہٰذا اول المسلمین حضرت ابراہیم نہیں بلکہ اول المسلمین وہ ہے جو فرماتا ہے۔ اُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ یعنے اول المسلمین سوائے ذات بابرکات حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کوئی نہیں ہے۔ وہی جناب فرماتے ہیں انا اول المسلمین پس وہی اول صابرین و صالحین ہیں +

معنی صبر معنی صبر کَفُّ النَّفْسِ عَمَّا لَا یَنْبَغِیْ ہے یعنے نفس سے وہ باتیں صادر ظاہر نہ ہوں جو مناسب نہیں ہیں اور یہ غلط ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ صبر کے یہ معنی ہیں کہ انسان مصائب و شدائد و بلیات میں چپ چاپ خاموش بیٹھا رہے کچھ نہ بولے

کیونکہ نصوص آیات اسکی نفی کرتی ہیں۔ دیکھو قصہ حضرت یعقوب جسوقت بن یامین کو حضرت یوسف نے اپنے پاس رکھ لیا اور برادران یوسف نے حضرت یعقوب سے یہ حال بیان کیا تو حضرت یعقوب نے فرمایا فصبرٌ جمیلٌ یعنی میرا صبر صبر جمیل ہی یا میں صبر جمیل کرتا ہوں اور انکی پشت پھیرتے ہی فرمایا۔ یا اسفیٰ علیٰ یوسف ہائے افسوس یوسف پر (یا) حرف ندا ہی اور اسفیٰ میں الف حرف ندبہ ہی اور ندبہ آواز بلند رونے اور فریاد کرنیکو کہتے ہیں لہٰذا یہ لفظ دلالت کرتا ہی کہ حضرت یعقوب باواز بلند روئے اور پھر اسکو صبر جمیل فرماتے ہیں پس معلوم ہوا کہ رونا خلاف صبر نہیں بلکہ رونا اور اپنے حزن و ملال کو اپنے پروردگار کے سامنے عرض کرنا عین صبر ہے نہیں بلکہ صبر جمیل ہے۔ چنانچہ اس آیت میں حضرت یعقوب کا یہ قول ہے۔ قَالُوا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتّٰى تَكُونَ حَرَضًا اَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ. قَالَ اِنَّمَا اَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ یعنی اس رونے پر ان کے بیٹوں نے کہا کہ تم برابر یوسف کو یاد کئے جاؤ گے یہاں تک کہ عشق میں گھل کر لاغر قریب ہلاکت یا ہلاک ہو جاؤ گے۔ آپ نے فرمایا سوائے اس کے نہیں کہ میں اپنی پریشانی اور اپنے حزن و ملال کی اپنے اللہ ہی سے شکایت کرتا ہوں۔ اور میں من اللہ وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے پس رونا اور اپنے خدا سے اپنی تکالیف کا ذکر کرنا بے صبری نہیں ہے۔ بلکہ عین صبر ہے۔ نہیں بلکہ صبر جمیل ہے۔

اسی طرح حضرت ایوب کا رونا مشہور ہے مگر حضرت ایوب کو قرآن میں صابر کہا گیا ہی لہٰذا اگر رونا خلاف صبر ہوتا یا برا کام ہوتا تو انبیاء سے ہرگز صادر نہ ہوتا۔ کیونکہ انکا ہر فعل فعل خیر ہوتا ہے نہ کہ شر اِنَّهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ پس بحکم فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ہم کو چاہئے کہ رونے میں انبیاء علیہم السلام کی تقلید کریں اور خوب روئیں فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا۔

معنی بےصبری

بے صبری دراصل یہ ہے کہ جب انسان پر کوئی مصیبت پڑے تو وہ خدا پر اعتراض کرے کہ تونے ایسا کیوں کیا یا تونے برا کیا۔ یا مجھ پر ظلم کیا یا سوائے خدا کے کسی دوسرے سے شکایت کرے یعنی فعل فاعل پر اعتراض کرنیکا نام بے صبری ہے۔ خود حضرت موسیٰ و حضرت خضر کے قصہ سے پوری تصدیق ہوتی ہے۔ قَالَ لَهُ مُوسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا یعنی حضرت موسیٰ نے کہا کہ کیا اس شرط پر تمہارے ساتھ چلوں کہ تم مجھے وہ باتیں سکھا دو جو تمہیں منجانب اللہ تعلیم ہوئی ہیں "قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا" حضرت خضر نے جواب دیا

کہ تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھتے یعنی تمہارے وجود میں وہ قوت ہی نہیں ہے کہ تم صبر کرسکو" وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۔ اور تم کیونکر اس بات پر صبر کرسکتے ہو۔ جس پر تمہارا علم احاطہ نہیں رکھتا؟ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا کہا انشاء اللہ تم مجھے صابر پاؤگے اور میں تمہاری کسی امر میں مخالفت نہ کرونگا پس حضرت موسےٰ نے کشتی توڑنے پر اعتراض کیا تو حضرت خضر نے جواب دیا اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا؟ کہ تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت ہی نہیں رکھتے ہو۔ پھر جب قتل غلام پر اعتراض کیا تو پھر حضرت خضر نے بھی فرمایا۔ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا" اس سے معلوم ہوا کہ بےصبری فاعل کے فعل پر اعتراض کرنا ہی اور وہ اکثر نتیجہ ہے لاعلمی کا انسان کو جس بات کو علم نہیں۔ اس پر صبر نہیں کرسکتا۔ حتی مثال جراح جس وقت فصد کھولتا ہے۔ یا کسی عضو کو کاٹتا ہے۔ اگر وہ شخص عالم ہے اس بات کا کہ اس عمل سے اس کو کس قدر فائدے حاصل ہونگے۔ اور کیسے کیسے مفید نتائج مرتب ہونگے اور یہ معمولی سی تکلیف ہمیشہ کے آرام کا باعث ہوگی تو وہ اس تکلیف پر صبر کرتا ہے اور خوشی سے عضو کٹوا دیتا ہے بخلاف اس کے جو شخص اس سے ناواقف ہے وہ صبر نہ کرسکیگا اور اس کو گوارا نہ کریگا پس بےصبری دلیل بےخبری ہے اور صبر موافق مقدار علم ہوتا ہے جس کا صبر زیادہ ہے اس کا علم بھی زیادہ ہوگا۔ یا یوں کہئے کہ جس قدر جس کا علم وسیع ہوگا۔ اسی قدر اس کا صبر وسیع ہوگا۔ غرض صبر مراحل علم سے ہے۔ اور صابر مطلق خدا ہے اور صبر اس کا ذاتی۔ فرعون اس کے مقابلہ میں دعوے خدائی کرتا ہے اور خدا اسکو چارسو سال تک مہلت دیتا ہے اور انتقام نہیں لیتا اور مظہر اس صبر مطلق کا ذات مقدس محمدی ہے۔ جس قدر بلیات پڑتی ہیں بخوشی انکا تحمل فرماتے ہیں قوم سے جس قدر مصائب پہنچتے ہیں اس کی شکایت نہیں کرتے بلکہ اس کے لئے یہی دعا کہتے ہیں۔ رَبِّ اهْدِ قَوْمِيْ اِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (یعنی اے میرے پروردگار میری قوم کو ہدایت دے کہ میری قدر کریں کہ یہ جاہل ہیں مجھے نہیں پہچانتے) کیونکہ آپ بعثت کے فوائد و عواقب کو خوب جانتے تھے۔ لہذا باوجود گوناگون مصائب و شدائد کے قوم کے حق میں دعا کرتے تھے نہ کہ بددعا جنگ احد میں حضرت کے لب و دندان مبارک مجروح ہوتے ہیں مگر آپ شکایت نہیں کرتے۔ کیونکہ انکا احاطہ علمی نہایت وسیع ہے۔ غرض بےصبری نتیجہ بےعلمی ہے۔ اور اس میں حسب مراتب علمیہ کمی و بیشی ہوتی ہے ✦

صبر ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ

اولاد جزو انسان ہوتی ہے۔ اس کی مفارقت و جدائی نہایت شاق گذرتی ہے۔ ان کی تکالیف سخت دردانگیز ہوتی ہیں۔ کون انسان ہے جو اپنے جگر کے ٹکڑے کو سامنے ذبح ہوتے دیکھ سکے۔ چہ جائیکہ بطیب خاطر ذبح کرنے کیلئے آمادہ ہو جائے۔ یہ صرف حضرت ابراہیم کا کلیجہ تھا واقعاً جو کام انہوں نے کیا کسی سے نہیں ہو سکتا۔ ایک ایسے بیٹے کے ذبح کیلئے تیار ہو گئے جو پیغمبر برگزیدہ خدا تھے۔ کیونکہ اس کے انجام سے واقف تھے۔ اور چونکہ حضرت اسمٰعیل بھی پیغمبر تھے اور علم احاطی رکھتے تھے۔ باپ کے استفسار پر انکار نہیں کیا اور نہ اعتراض کیا فوراً ذبح کے لئے آمادہ ہو گئے اور فرمایا "یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ"۔

صبر ابراہیمِ کربلا

لیکن جو صبر ان ایام میں فرزند پیغمبر نے کیا ہے وہ نہ کسی نبی سے ہو سکا اور نہ وصی نبی سے وہ مظہر صبر محمدی ہے۔ اگر تمام پیغمبروں کے صبر جمع کر کے صبر حسینی سے موازنہ کیا جائے تو صبر حسینی بدرجہا راجح ہوگا۔ حضرت نوح جیسا پیغمبر اولوالعزم قوم کے ظلم سے تنگ آکر یہ دعا کرتا ہے۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا " مگر ابراہیمی قربانی کو حسین ہی روز عاشورا فعلیت میں لائے۔ یعنے مقصود یہ تھا کہ جو امر اسوقت فعلیت میں نہ آسکا اُسے میں بجالاتا ہوں۔ واقعاً امام حسین نے حضرت ابراہیم سے کہیں زیادہ کر دکھایا۔ اس بات میں مورخین کو اختلاف ہے کہ خاندان بنی ہاشم میں روز عاشورا پہلا شہید کون ہے؟ لیکن فرمائش امام زمان عجل اللہ فرجہ سے ظاہر ہے کہ اول مقتول علی اکبر فرزند سبط پیغمبر ہیں۔ سب سے پہلے اپنے ہی لخت جگر کو قربان کیا تاکہ دوسروں کے لئے حجت و دستور العمل ہو۔ حضرت ابراہیم اول جناب اسمٰعیل سے استفسار کرتے ہیں کہ مجھکو خدا کا حکم اس طرح سے پہنچا ہے کہ میں تمہیں ذبح کروں تمہاری اس میں کیا رائے ہے؟ مگر حسینؑ مظلوم کے صبر کو دیکھئے کہ وہ استفسار نہیں فرماتے مشورہ نہیں لیتے بلکہ اول ہی فرماتے ہیں یَا بُنَیَّ تَقَدَّمْ اے فرزند میدان جنگ میں شہید ہونے کیلئے جاؤ۔

حضرت علی اکبر فوراً حکم سنتے ہی چل دیتے ہیں۔ اس وقت حسین ان کی آمادگی دیکھکر فرماتے ہیں اِلَیَّ اِلَیَّ اے فرزند میرے پاس آؤ میرے پاس آؤ۔ حضرت علی اکبر واپس آئے تو حضرت نے صندوق اسباب و تبرکات نبوت طلب فرمایا اس میں سے زرہ ذوالفضول نکال کر خود پہنی اور جو خود پہنے ہوئے تھے اُتار کر شہزادہ علی اکبر کو پہنادی اور عمامہ سحاب اپنے سر مبارک پر رکھا

اور عمامۂ سیاہ جو سر اقدس پر تھا علی اکبر کے سر پر رکھدیا۔ اسی طرح شمشیر جناب امیر نکالکر آپنے لگائی اور اپنی تلوار علی اکبرؑ کی کمر سے باندھی۔ اور اسپ سابح جس کو عقاب بھی کہتے تھے منگایا اور علی اکبرؑ کو اس پر سوار کیا۔ اس وقت تمام عورتیں قطار باندھے کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھیں جب تمام ہتھیار زیب تن فرما چکے اور علی اکبر جانے لگے۔ اس وقت حسینؑ مظلوم نے یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ذُرِّیَّۃًۢ بَعۡضُہَا مِنۡۢ بَعۡضٍ وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ۔ یعنی درجات و مقامات حضرت علی اکبرؑ بیان فرماتے ہیں کہ بعد درجۂ امامت میری ذریت میں سے یہ جوان سب سے افضل ہے اور پھر فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اَشْھَدُ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَاِنَّہٗ قَدْ بَرَزَ اِلَیْھِمْ غُلَامٌ اَشْبَہُ النَّاسِ خَلْقًا وَّخُلُقًا وَّمَنْطِقًا بِرَسُوْلِکَ وَکُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰی نَبِیِّکَ نَظَرْنَا اِلٰی وَجْھِہٖ یعنی اے پروردگار اس قوم پر گواہ رہو کہ اب تیری راہ میں قربان ہونے کے لئے وہ شاہزادہ چلا ہے۔ جو خلق اور خُلق رفتار و گفتار میں تیرے رسول سے مشابہ ہے اور جب ہم تیرے پیغمبر کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو اس کی صورت زیبا دیکھ لیا کرتے تھے۔ یہ بات حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کو کہاں حاصل تھی بہت فرق ہے ذبیح منیٰ اور ذبیح کربلا میں حضرت ابراہیم اپنے اس فعل خاص کی وجہ سے فتیٰ کے لفظ سے متصف وملقب ہوئے کیونکہ فتیٰ (جوانمرد) اس شخص کو کہتے ہیں جو راہ خدا میں اپنے جان و مال عزت و ناموس سب سے گذر جائے اور سب کچھ قربان کردے کسی چیز کی پروانہ کرے +

اصحاب کہف کو اسی لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔ کَانُوْا فِتْیَۃٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّھِمْ یعنی وہ چند جوانمرد تھے۔ جو اپنے خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ ان سے کیا فتوت (جوانمردی) ظاہر ہوئی تھی صرف یہ کہ اپنا مال و دولت۔ جاہ و حشم چھوڑ کر چلے گئے اور دین سے منہ نہ موڑا مگر حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام آیۂ قرآنی سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَھْفِ وَ الرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا یعنی کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ اصحاب کہف ہماری آیات عجیبہ سے ہیں اور مطلب حضرت کا یہ ہے کہ میرا حال اصحاب کہف سے کہیں عجیب تر ہے۔ جو اصحاب کہف نے کیا ہے۔ وہ تو میرے اصحاب سے ظاہر ہوا ہے بلکہ اس سے زیادہ میرا معاملہ ان سے کہیں زیادہ تعجب خیز ہے۔ ان کو یہ یقین نہ تھا کہ ان کے بعد ان کے اہل و عیال لٹے جائیں گے یا اسیری کی بلا میں مبتلا ہونگے اور دربدر پھرائے جائیں گے۔ ان کا

جوان بیٹا اُن کے سامنے سنانِ ظلم کا شکار نہ ہوا تھا اُن کے سامنے عباس جیسے برابر کے بھائی کے شانے نہ کاٹے گئے تھے۔ اُن کے ہاتھوں پر چھ مہینہ کا بچہ تیر ظلم وستم کا نشانہ نہ ہوا تھا کون اندازہ کر سکتا ہے مصائب ابراہیم کربلا کا۔ اگر تنہا مصیبت ہو تو اس کا موازنہ ہو سکتا ہے لیکن جب بیشمار مصیبتیں ایک بار وارد ہوں۔ اس وقت یہ اندازہ مشکل ہے کہ کون سی مصیبت سب سے بڑی ہے۔ سب سے بڑی وہ مصیبت ہے جو صابر کامل کو مضطرب کر دے۔ اگرچہ بعض اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی اکبر کی مصیبت حضرت ابی الفضل العباس کی مصیبت سے بڑھی ہوئی تھی۔ کہاں کی شہادت پر پردگیان عصمت و طہارت خیمے سے باہر نکل پڑی تھیں مگر امام مظلوم کو عباسؑ کی شہادت زیادہ ناگوار گذری اور سخت اثر کیا۔ مورخین نے باتفاق ایک لفظ لکھا ہے وہ یہ ہے "سَقَطَ کَالصَّقَرِ لِلْعَضِّ" یعنی جس وقت امام مظلوم ہم شکل پیغمبر کی لاش پر پہنچے ہیں تو اس طرح سے بے اختیار ہو کر لاش پر گرے جس طرح شکاری پرندہ اپنے شکار پر گرتا ہے۔

مگر جس وقت حضرت عباس کے لاشے پر پہنچے ہیں۔ تو وہاں بھی اسی طرح سے مضطربانہ گرے مگر ایک زیادتی فرمائی یعنے بھائی کی لاش کو دیکھکر فرمایا۔ اَلْاٰنَ انْکَسَرَ ظَہْرِیْ وَقَلَّتْ حِیْلَتِیْ یعنے میرے قوتِ بازو کے شانے کٹ جانے سے میری کمر ٹوٹ گئی اور روح حیات جاتی رہی۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

۷ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِہِمْ

مسلمانوں کی حالت

اخبارات چند روز سے ایک مضمون خاص (عزاداری و گریہ وبکا حرام و بدعت ہے) کو شائع کر رہے ہیں۔ افسوس ہے اہل اسلام کی اس حالت پر۔ اگر ایک چیز نہ ہوتی۔ تو یہ اختلاف و افتراق پیدا نہ ہوتا یعنی اگر

آرا شخصیہ کو دین میں دخل نہ ہوتا تو یہ صورت نظر نہ آتی۔ شخصی رائیں جزو دین ہو گئی ہیں۔ کہ اسوقت اُنکا جدا کرنا ناممکن ہے۔ عام قاعدہ یہ تھا کہ عالم جو بات کہتے تھے۔ جاہل اس کی تقلید و پیروی کرتے تھے۔ مگر یہاں جاہل بھی دین میں دخل دیتے ہیں۔ اور اس کے ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ اگر کسی عالم سے دریافت کریں اور بحث کریں۔ اور پھر مغلوب و مجاب ہو جائیں۔ تب بھی قبول نہیں کرتے اپنی ہی رائے کی پیروی کرتے ہیں حق تو یہ تھا کہ اپنی آرا کو قرآن کے موافق و مطابق کریں۔ مگر یہاں قصہ بالعکس ہے چاہتے ہیں کہ قرآن کو اپنی رائے کے موافق کریں۔ اگر قرآن اُن کی رائے کے خلاف ہوتا ہے تو اس سے صاف اعراض کرتے ہیں۔ جب یہ صورت ہو تو پھر اتفاق کیونکر ہو سکتا ہے۔

اگر ایک چیز بھی مسلمانوں میں ما بہ الاشتراک ہوتی تو اختلاف نہ ہوتا۔ اگر تمام اہل اسلام قرآن کی پیروی کرتے تو ہرگز اختلاف پیدا نہ ہوتا۔ اور ایک دوسرے کی تکفیر نہ کرتے جس وقت سے نئی روشنی پھیلی ہے حالت یہ ہو گئی ہے کہ ہزار دلیلیں پیش کرو۔ اگر ان کی رائے کے خلاف ہیں تو ہرگز قبول نہ کرینگے ایسی صورت میں یا سکوت کریں یا آخر الدواء الکیّ (آخری علاج داغ ہی) پر عمل کریں +

اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں میں ما بہ الاشتراک موجود ہے۔ تو کہا جائیگا کہ پھر ایک دوسرے کی تکفیر کیوں کی جاتی ہے؟ یہ صحیح ہے کہ اسلام ما بہ الاشتراک ہے لیکن مسلمان قانون اسلامی کی پیروی نہیں کرتے۔ اگر قانون اسلام کی پیروی کرتے تو یہ حالت نہ ہوتی اور ایک دوسرے کی تکفیر نہ کرتا۔ مسلمان زبانی تو بہت کہتے ہیں کہ قرآن ہماری کتاب ہے اور اس پر اعتقاد رکھتے ہیں لیکن عمل میں اتفاق نہیں۔ صرف زبانی ہی جمع خرچ ہے +

اسلام کوئی قانون رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر رکھتا ہے تو وہ قانون کامل ہے یا ناقص؟ اگر کہا جائے کہ اسلام میں کوئی قانون ہی نہیں۔ اور قرآن قانون سے معرا ہے تو بالکل جھوٹ ہے۔ اس واسطے کہ قرآن کا دعوے یہ ہے "وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ" ہر خشک و تر کتاب مبین میں موجود ہے۔ "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ" اس کتاب میں کسی شے کی کمی نہیں اگر کوئی یہ کہے کہ قانون تو ہے مگر قانون ناقص ہے (جیسا کہ بعض ناعاقبت اندیش عالم نما جاہلوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن کی اب ترمیم ہونی چاہیئے۔ اس وقت کے لئے اس کے قوانین کافی نہیں۔ یہ صرف جہال عرب کے واسطے تھے (معاذ اللہ) تو محض غلط اور کذب صریح ہے۔ کیونکہ

قرآن خبر دیتا ہے کہ دین ہر اعتبار سے کامل کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ آیۂ مجیدہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (آج میں نے تمہارے دین کو کامل و اکمل کر دیا) صاف دلالت کرتی ہے لہذا مجبوراً تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ قانونِ قرآن کامل ہے۔ تو پھر یہ اختلاف کیسا؟ اس کا کوئی جواب نہیں دیسکتا سوائے اس کے کہ کہا جائے کہ خود رائی نے اہل اسلام کو متفرق کیا ہے۔ جب تک اہل اسلام دیانت اسلامی میں رائے زنی سے باز نہ آئیں گے۔ اتفاق ممکن نہیں۔ جو شخص باوجود قانون کامل موجود ہونے کے اپنی رائے کو دخل دیتا ہے[1] مشرک ہے۔

---

[1] حضرت امیر المومنین امام المتقین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ تَرِدُ عَلٰى اَحَدِهِمُ الْقَضِيَّةُ فِي حُكْمٍ مِنْ الْاَحْكَامِ فَيَحْكُمُ فِيْهَا بِرَاْيِهٖ ثُمَّ تَرِدُ تِلْكَ الْقَضِيَّةُ بِعَيْنِهَا عَلٰى غَيْرِهٖ فَيَحْكُمُ فِيْهَا بِخِلَافِهٖ ثُمَّ يَجْتَمِعُ الْقُضَاةُ بِذٰلِكَ عِنْدَ الْاِمَامِ الَّذِيْ اسْتَقْضَاهُمْ فَيُصَوِّبُ اٰرَاءَهُمْ جَمِيْعًا وَاِلٰهُهُمْ وَاحِدٌ وَنَبِيُّهُمْ وَاحِدٌ وَكِتَابُهُمْ وَاحِدٌ اَفَاَمَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِالْاِخْتِلَافِ فَاَطَاعُوْهُ اَمْ نَهَاهُمْ عَنْهُ فَعَصَوْهُ اَمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ دِيْنًا نَاقِصًا فَاسْتَعَانَ بِهِمْ عَلٰى اِتْمَامِهٖ اَمْ كَانُوْا شُرَكَاءَهٗ فَلَهُمْ اَنْ يَقُوْلُوْا وَعَلَيْهِ اَنْ يَرْضٰى؟ اَمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ دِيْنًا تَامًّا فَقَصَّرَ الرَّسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ عَنْ تَبْلِيْغِهٖ وَاَدَائِهٖ؟ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ يَقُوْلُ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ وَقَالَ فِيْهِ تِبْيَانٌ لِكُلِّ شَيْءٍ وَذَكَرَ اَنَّ الْكِتَابَ يُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا وَاَنَّهٗ لَا اخْتِلَافَ فِيْهِ فَقَالَ سُبْحَانَهٗ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا وَاِنَّ الْقُرْاٰنَ ظَاهِرُهٗ اَنِيْقٌ وَبَاطِنُهٗ عَمِيْقٌ لَا تَفْنٰى عَجَائِبُهٗ وَلَا تُكْشَفُ الظُّلُمَاتُ اِلَّا بِهٖ یعنی جب احکام دین میں سے کوئی مسئلہ اور کوئی قضیہ ان عام علماء اسلام کے سامنے پیش ہوتا ہے تو ایک عالم اپنی رائے سے ایک حکم دیتا ہے دوسرا بعینہ اسی مسئلہ میں بالکل خلاف حکم دیتا ہے۔ اور تیسرا اس کے خلاف اور چوتھا اس کے خلاف وعلیٰ ہذا القیاس۔ پھر یہ سارے مفتی اور قاضی اپنے اس پیشوا اور بادشاہ وقت کے پاس اکھٹے ہوتے ہیں جس نے ان کو اپنی طرف سے قاضی و مفتی بنایا ہے۔ وہ ان سب کی آراء متناقضہ کی تصویب کرتا ہے اور سب کو درست قرار دیتا ہے۔ ایک مسئلہ اسلامی اور ان میں اتنی مختلف رائیں۔ حالانکہ انکا معبود ایک ہے۔ نبی ایک کتاب ایک تو کیا اللہ تعالیٰ نے انکو اختلاف کا حکم دیا ہے اور یہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں ایسا کرتے ہیں یا اللہ نے اس اختلاف سے انکو منع کیا ہے اور یہ اس کی نافرمانی کرتے ہیں؟ یا اللہ نے دین کو ناقص نازل کیا ہے اور ان سب ملاؤں سے اس کی تکمیل میں اعانت چاہی ہے کہ یہ ملا اس کمی کو پورا کر دیں؟ یا یہ مفتی اس کے شریک ہیں اور انکو یہ حق حاصل ہے کہ یہ فتویٰ دیں اور جو دل میں آئے کہیں اور اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ ان کے ان فتوؤں سے راضی ہو اور انکو پسند کرے یا اللہ تعالیٰ

قرآن فہمی

یہ تو ثابت ہوا کہ قرآن قانون مکمل ہے لیکن کیا ہر شخص قرآن کو سمجھ سکتا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے تو یہ قول بالبداہت باطل ہے۔ کیونکہ قرآن بزبان عربی نازل ہوا ہے جو شخص عربی نہیں جانتا وہ کیسے سمجھ سکتا ہے بغیر علوم عربیہ صرف و نحو معانی و بیان کی تحصیل کے قرآن نہیں سمجھ سکتا لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ہر ایک عربی دان قرآن کو سمجھتا ہے تو وہ بھی غلط ظاہر البطلان ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہے تو یہ اختلاف کہاں سے آیا۔ علامۂ زمخشری علم نحو میں اپنا نظیر نہیں رکھتے اور امام فخرالدین رازی منطق و فلسفہ میں لیکن رازی نے جو تفسیر لکھی ہے وہ زمخشری کی تفسیر کا رد ہے پس معلوم ہوا کہ اگر فہم قرآن عربیت پر ہی موقوف ہو تو مفسرین میں اس قدر اختلاف نہ ہوتا کہ ایک تفسیر دوسرے کی رد اور اس کے بالکل برخلاف ہے پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب علاوہ علوم عربیہ بھی قرآن کو نہیں سمجھتے تو پھر ایسی کتاب جس میں حذف و اضمار، ایجاز، ابہام، اجمال، اطلاق، عموم، خصوص، ناسخ و منسوخ ہے پیغمبر کس کے واسطے لایا؟ شاید اپنے ہی واسطے لایا ہے اور حق یہی ہے کہ قرآن پیغمبر کے واسطے نازل ہوا ہے اور وہی اس کا مبین و مفسر ہے جیسا کہ خدا خبر دیتا ہے۔ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔ ایضاً لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ۔ اور آیات متشابہات کے باب میں فرمایا ہے۔ لَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا۔ آیات متشابہات کی تاویل سوائے اللہ اور راسخون فی العلم پیغمبر اور وہ نفوس جو مثل پیغمبر ہیں۔ اور کوئی نہیں جانتا۔ اول مبین و مفسر قرآن پیغمبر ہے +

بقیہ صفحہ ۱۲۷ نے تو دین کامل و تمام نازل فرمایا تھا مگر رسول نے تبلیغ میں تقصیر کی اور درست نہ پہنچایا۔ حالانکہ خدا فرماتا ہے ہم نے کتاب میں کوئی کمی باقی نہیں چھوڑی اور اس میں ہر شے کا بیان موجود ہے اور اس میں بالکل اختلاف نہیں ہے جیسا کہ فرماتا ہے کہ اگر یہ منزل من اللہ نہ ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے اور بے شک قرآن کا ظاہر انیق اور باطن عمیق ہے اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے اور ظلمات جہالت و ضلالت اسی کی روشنی سے دور ہوتے ہیں۔ جو لوگ اپنی رائے سے فتوے دیتے ہیں اور احکام دین میں قیاس پر حکم کرتے ہیں وہ گویا یا تو شریک خدا ہیں یا اس کے ناقص دین کے مکمل کرنے والے اس کے مقابلہ میں اپنی رائے کو ترجیح دینے والے اپنی غلطی کو خطاء اجتہادی کے پردے میں چھپا کر اس کی مخلوق کو دھوکا دینے والے اور اپنی ضلالت سے رسول اللہ کو بھی مجتہد اور رائے میں غلطی کرنے والا بتلانے والے ہیں۔ اور ایسے علماء عامہ کے طرز عمل سے دنیائے اسلام میں اختلاف کا طوفان اٹھا ہے۔ اور اٹھتا جاتا ہے۔

اعاذنا اللہ من ذلک (مؤلف)

علت نزول قرآن رفع اختلاف ہے

"وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ" (الخ) یعنے اے پیغمبر نہیں نازل کیا ہم نے قرآن کو مگر اس لئے کہ تو تمام اختلافات کو رفع اور بیان کر دے اور رفع اختلاف اہل ایمان کے لئے رحمت و ہدایت ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ ہر ایک اختلاف کو حضرت قرآن سے رفع فرما دیتے تھے۔ اگر کبھی بلا آیت تلاوت فرمائے جواب دیدیتے تھے تو لوگ دریافت کرتے تھے کہ حضرت آپ یہ خدا کی طرف سے فرماتے ہیں۔ یا اپنی طرف سے۔ حضرت اس کے جواب میں ایک آیت تلاوت فرما دیتے تھے۔ غرض ہر ایک اختلاف کو قرآن سے رفع فرماتے اور ہر ایک کا جواب قرآن سے دیتے تھے پس اگر یہ کہا جائے کہ قرآن سے اختلاف پیدا ہوتا ہے تو گویا پیغمبر نے تبلیغ رسالت میں کوتاہی کی۔ کیونکہ قرآن رفع اختلاف کے واسطے اترا ہے نہ کہ اختلاف کے واسطے اور پیغمبر بھی اختلاف مٹانے کے واسطے آیا ہے نہ کہ اختلاف پیدا کرنیکے لئے یہاں سے وہ خیال بھی باطل ہے جو بعض لوگ رکھتے ہیں کہ اختلاف امت محمدی رحمت ہے۔ اور "اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ" حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔ اختلاف کسی وقت میں رحمت نہیں ہو سکتا۔ آیت رفع اختلاف کو رحمت ثابت کرتی ہے نہ کہ اختلاف کو۔ اور جو حدیث خلاف نص آیت قرآنی ہو کبھی تسلیم نہیں ہو سکتی۔ اگر اس حدیث کو اسی معنی میں صحیح مانا جائے تو گویا پیغمبر نے خلاف فیصلہ قرآنی کیا اور یہ خلاف شان نبوت ہے۔ لہذا حدیث اگر صحیح مانی جائے تو اسکے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے ہاں اگر اختلاف سے آمد و رفت امت شہروں میں مراد لیجائے تو ایک صورت صحت نکل سکتی ہے +

لیکن پیغمبر ایک زمانہ خاص تک ظاہر رہا۔ اب اس وقت موجود نہیں ہم کیا کریں؟ ضروری ہے کہ بعد پیغمبر مبیّن و مفسر قرآن موجود ہو۔ جو ان اختلافات کو رفع کرے اور اس کے سینہ میں قرآن موجود ہو۔ بعد پیغمبران ماسبق کتب سابقہ کے محافظ پیغمبر اور اوصیاء پیغمبری تھے۔ پس قرآن جو اکمل اور ناسخ کتب ہے اس کے لئے محافظ کیوں نہ موجود ہو۔ ضرور بعد پیغمبر اس کے محافظ مثل پیغمبر موجود ہیں اور وہ وہی نفوس ہیں جن کے سینوں میں قرآن موجود ہے "بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ" (الخ) اور ان نفوس قدسیہ کی تعیین و تشخیص میں پیغمبر نے جو حدیث بیان فرمائی ہے تقریباً (۳۰) تیس طریق سے وارد ہوئی ہے۔ موالف و مخالف

نقل کی ہے کتب فریقین پر ہیں حتیٰ کہ علامہ ابن حجر مکی نے بھی تقریباً پندرہ طرق سے نقل کی ہے کہ پیغمبر نے فرمایا۔ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَھُمَا لَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ

یعنی میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک کتاب اللہ۔ دوسرے میری عترت یعنی اہل بیت جب تک تم ان دونوں سے تمسک رکھو گے۔ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ (قرآن و اہل بیت) ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے۔ جب تک لوگ حساب و کتاب سے فارغ نہ ہوں پس مبین قرآن و مفسر قرآن اہل بیت پیغمبر ہیں۔ جو نہ قرآن سے جدا ہیں نہ قرآن اُن سے جدا ہے۔ اور وہی محافظ قرآن ہیں۔ بعد پیغمبر علم قرآن اُن سے حاصل کرنا چاہیے۔ تمام اختلافات اہل بیت کی پیروی و متابعت نہ کرنے سے پیدا ہوئے ہیں اگر ان مبینین و مفسرین سے قرآن کی پیروی کی جاتی اور اُن سے علم قرآن حاصل کیا جاتا تو دنیا میں یہ فسادات و بے دینیاں ہرگز پیدا نہ ہوتیں۔

نوبت بایںجا رسید کہ اہل بیت سے تمسک اور ان کی متابعت تو کجا ذکر اہل بیت کو حرام بتلایا جاتا ہے معلوم نہیں اس کا مدرک و منشا رکیا ہے؟ کوئی آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ذکر اہل بیت نبوی حرام ہے یا حدیث؟

وہ ذریت ابراہیم جس کے واسطے دعا کی تھی وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ یہی اولاد پیغمبر ہے نہ کوئی دوسرا تعجب ہے کہ ذریت ابراہیم جو مسلمان اسلام ہوتی ہے اس کا ذکر حرام بتلایا جاتا ہے۔ اور اتباع ملت ابراہیمی کا ادعا ہے۔

خدا قرآن میں اصحاب کہف کو ایسے کلمہ تعظیمی تکریمی سے ذکر کرتا ہے جس سے ایک برگزیدہ پیغمبر یعنے اپنے خلیل کو متصف کیا ہے یعنی لفظ "فتیٰ" سے فِتْیَۃٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّھِمْ" پھر اس سے قرآن میں اُن کے کتے کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کا حال بیان کیا ہے کیونکہ اس نے نیکوں کی متابعت اختیار کی تھی۔ ایک ثلث قرآن قصص و امثال سے پر ہے نہ صرف انبیاء کے حالات۔ بلکہ مچھر۔ مکھی۔ چیونٹی تک کے قصص موجود ہیں پس اگر کوئی شخص حالات و قصص انبیاء کو بیان کرے تو کیا اس کو کافر کہہ سکتے ہیں۔ یہ قصص و امثال جزو قرآن ہیں اور جزو دیانت۔ اور ہم کو حکم ہے کہ ہر روز بقدر امکان قرآن کی تلاوت کریں یعنی اُن قصوں کو پڑھیں اور ذکر کریں فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ لہذا اگر کوئی کہے کہ ذکر ان چیزوں کا حرام ہے

تو قرآن پڑھنے سے منع کرتا ہے اور وہ کافر ہے۔ اور منکر قرآن تعجب ہے کہ ذکر سگ و پشہ جس تو دیانت ہو اور ذکر ذریت ابراہیم و اولاد رسول حرام سمجھا جائے۔ یہ عجیب و غریب دینداری ہے اگر قصص کو فضول قصص و حکایات سمجھکر اور امثال کو نادل خیال کر کے او قصص کفار کو اس لئے کہ یہ قصص کفار ہیں۔ ترک کر دیا جائے تو پھر قرآن کہاں رہیگا؟ کیونکہ قرآن انہیں باتوں سے پر ہے اور انہیں کے مجموعے کا نام قرآن ہے پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ذکر اولاد پیغمبر حرام ہے اُنہوں نے قرآن کی متابعت کو چھوڑ دیا ہے پھر کس لئے پیغمبر روز قیامت اُن مسلمانوں کی شکایت نہ کرے اور کہے "رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا" یعنی حضرت ختمی مرتبت روز قیامت بارگاہ الٰہی میں شکایت کرینگے اور فرمائیں گے اے پروردگار میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا اور اُس پر عمل نہ کیا۔

نظر عوام میں قصہ عشق سے زیادہ شرمناک کوئی قصہ نہیں ہو سکتا اور قرآن میں عشق زلیخا کا قصہ موجود ہے۔ بلکہ خدا اس کو احسن القصص بہترین قصہ فرماتا ہے اور بہت سے فاجرین و فاسقین کے قصے قرآن میں مذکور ہیں کسی کا پڑھنا و ذکر کرنا حرام نہیں پھر ذریت رسول کا ذکر کس طرح حرام ہوا؟ اول قصہ خوان خدا ہے جس نے یہ تمام قصص و حکایات و امثال ذکر فرمائے ہیں "نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ" اور پھر پیغمبر کو ان کی تلاوت کا حکم دیا ہے کہ اگر پیغمبر اُن قصص کو بیان نہ کرے۔ تو خلاف حکم خدا ہوگا اور پیغمبر گنہگار ٹھہریگا۔ اور ہم کو بھی یہ حکم ہے کہ ہم سے جس قدر ممکن ہو قرآن کی تلاوت کریں یعنی یہ قصص و حکایات پڑھیں۔ بیان کریں "فَاقْصُصِ الْقَصَصَ" خداوندعالم اپنے پیغمبر کے حق میں فرماتا ہے: "اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا" (الخ) ہم نے تمہاری طرف ذکر کو بھیجا ہے جو رسول ہے وہ تم پر ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے یعنے ذکر نام حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔

اور پھر فرماتا ہے "فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ"۔ یعنے اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر سے دریافت کرو۔ پس اہل الذکر آل محمد و اہل بیت پیغمبر ہیں۔ انہیں سے دریافت کرنے کا حکم ہے۔ مگر تعجب ہے اہل اسلام پر کہ انہیں اہل الذکر و اہل بیت نبوی و ذریت رسول کے ذکر کو حرام کہتے ہیں پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو سارے مسلمان تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا پیغمبر ہے۔ مگر حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شیعوں سے مخصوص کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر پیغمبر سارے مسلمانوں کا ہے تو حسینؑ جو فرزند رسول و جگر گوشۂ بتول ہے وہ بھی سارے مسلمانوں کا

ورنہ اگر حسینؑ شیعوں سے مخصوص ہے تو پیغمبر بھی شیعوں ہی سے مخصوص ہے۔ اور مسلمانوں کا پیغمبر نہیں۔ ولنعم ما قیل:۔

یُصَلِّی عَلَی الْمَبْعُوْثِ فِیْ اٰلِ ھَاشِمٍ
وَیُغْزِیْ بَنُوْہُ اِنَّ ذَا لَعَجِیْبٌ

(ترجمہ) پیغمبر بنی ہاشم پر تو درود بھیجتے ہیں اور اُسکی اولاد سے لڑتے ہیں یہ نہایت عجیب بات ہے۔

ذکر گریہ و بکا بعض محتاط مسلمان کہتے ہیں کہ ذکر حسینؑ تو ممنوع و حرام نہیں البتہ گریہ و بکا کرنا اچھا نہیں۔ کیونکہ اول تو اس سے جسمانی نقصان پہنچتا ہے۔ دوسرے رونا فطری فعل ہے۔ اس پر کسی قسم کا ثواب مترتب نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ بنصوص آیات ثابت ہے کہ رونا مومنین و انبیاء کی صفات کا خاصہ ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے "اَفَمِنْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَکُوْنَ وَلَا تَبْکُوْنَ"۔ کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں۔ اس آیت سے گریہ و بکا کا وجوب ثابت ہوتا ہے مگر مسلمان اس کو حرام کہتے ہیں یا للعجب!

ایضاً۔ وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْکُوْنَ وَیَزِیْدُھُمْ خُشُوْعًا (بنی اسرائیل) یعنے جب آیاتِ الٰہی ان پر تلاوت کی جاتی ہیں۔ تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور روتے ہیں۔ اور اُن کا خشوع و خضوع بڑھ جاتا ہے۔

ایضاً۔ "وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا" جب آیات پروردگار ان کو یاد دلائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے۔ اس قسم کی اور بہت سی آیات ہیں جو بالصراحت دال ہیں کہ رونا صفات خاصۂ مومنین سے ہے بلکہ خواص انبیاء سے ہے پھر نہ معلوم حرام کیونکر ہو گیا۔ شان انبیاء میں فرماتا ہے۔ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُکِیًّا (مریم) جب آیاتِ رحمٰن اُن پر تلاوت کیجاتی ہیں تو روتے ہوئے سجدے میں جھک جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی مدح میں فرمایا ہے "حَلِیْمٌ اَوَّاہٌ مُّنِیْبٌ" یعنے ابراہیم بہت بڑے بردبار اور بہت آہ آہ کرنے والے اور خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے پس رونا آہ آہ کرنا صفاتِ انبیاء میں داخل ہے۔ اور ان کی مدح میں شامل۔ نہ یہ کہ حرام اور خلاف تہذیب۔ بلکہ نہ رونا صفات مذمومہ سے ہے اور قساوت قلبی کی نشانی ہے۔ جو بہت ہی بُری صفت ہے۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے "ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ

مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (بقرہ) یعنی بعد اس کے تمہارے دل سخت ہو گئے ہیں۔ پس وہ مثل پتھر کے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی سخت تر۔ کیونکہ بعض پتھر ایسے ہیں جن سے نہریں نکلتی ہیں اور بعض ایسے ہیں۔ جو شق ہو جاتے ہیں اور ان سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو خوف خدا سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تمہارے عملوں سے غافل نہیں ہے پس جو لوگ مظلوم کی مصیبت پر آبدیدہ نہیں ہوتے اور آیات الٰہی کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے وہ پتھر سے بھی زیادہ قسی القلب ہیں اور ان لوگوں کی قساوت قلبی کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا جو رونا تو درکنار دوسرے رونے والوں کو بھی منع کرتے ہیں ع ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔

یہ کہنا کہ چونکہ رونا فعل فطری ہے اور فطریات پر ثواب و عقاب مترتب نہیں ہوتا اس لئے رونے سے کچھ فائدہ نہیں۔ یہ بھی عدم تدبر قرآن اور دیانت اسلامی سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ کیونکہ اگر یہ قول صحیح ہو۔ تو چاہیئے نفس دین موجب ثواب نہ ہو بلکہ بیدینی باعث ثواب ہو کیونکہ خدا دین کو بھی فطری فرماتا ہے۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ غرض اس قسم کی تحریریں و تقریریں دراصل قرآن پر ایراد و اعتراض ہیں۔ اور انکار و مخالفت دیانت اسلام پر دال +

صبر و بے صبری

صبر کے معنی سکوت کے لئے جاتے ہیں یعنی جب کوئی مصیبت نازل ہو تو آدمی خاموش بیٹھا رہے۔ ایک حرف زبان سے نہ نکالے اور اس پر آیۂ ذیل سے استدلال بھی لاتے ہیں وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ یعنی وقت مصیبت اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہیں اور بس مگر یہی آیت اُن کے قول کو رد کرتی ہے کہ صبر کے معنے سکوت کے نہیں کیونکہ اس آیت میں خدا نے یہ نہیں فرمایا سَكَتُوْا یعنی وقت نزول مصیبت وہ خاموش ہو جاتے ہیں بلکہ فرمایا ہے قَالُوْا یعنے کہتے ہیں اور بولتے ہیں۔ ہاں اس کی تعیین فرما دی ہے کہ کیا کہتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ یعنی ہم خدا ہی کے واسطے ہیں اور اسی کی طرف

رجوع کرنے والے ہیں ہم خدا پر اعتراض نہیں کرتے۔ اس ابتلاآت میں رضائے خدا پر راضی ہیں
اور اس کی قضا و قدر پر خوش۔ علاوہ ازیں گریہ حضرت یعقوب اس پر دال ہے کہ باآواز بلند بطور
ندبہ تھا بس کلام بھی ہے آواز بھی اور پھر صبر جمیل بھی کہلاتا ہے۔ نیز جب برادران حضرت یوسف نے
حضرت یعقوب پر بھی اعتراض کیا کہ تم اس قدر فراق یوسف میں کیوں روتے ہو؟ تو آپ نے جواب
میں فرمایا اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی
سوائے اس کے نہیں ہے کہ میں اپنے حزن و ملال کو اپنے پروردگار ہی سے بیان کرتا ہوں اور
میں منجانب اللہ وہ باتیں جانتا ہوں جن کا تمہیں علم نہیں یعنی ابتلاآت و مصائب و شدائد
میں خدا کی طرف رجوع اور اپنے حزن و ملال کو بیان کرنا بے صبری نہیں بلکہ عین صبر اور اصل
معبودیت ہے۔ بلکہ حکم ہے کہ مصائب و شدائد میں ہم خدا ہی کو یاد کریں اور اپنی تکالیف کو اسی
سے عرض کریں۔ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ بے صبری فاعل کے فعل
پر اعتراض کرنا یا خدا کی شکایت دوسرے سے کرنا اور راضی برضا نہ رہنا ہے نہ کہ رونا اور اپنا حزن و
ملال اپنے پروردگار کے سامنے بیان کرنا رکما ذکرناہ سابقا)

صبر حضرت یونسؑ

سابقاً عرض کیا گیا ہے کہ بے صبری دلیل بے خبری ہے اور صبر
نتیجۂ علم جس کا علم وسیع ہے۔ اس کا صبر وسیع۔ اور جس کا علم کم ہے
اس کا صبر بھی ناقص۔ اور چونکہ انبیاء علیہم السلام علم میں درجات مختلفہ متفاوتہ رکھتے ہیں۔ اور
بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور اولوالعزم غیر اولوالعزم سے افضل ہیں۔ اسی واسطے انکا
صبر بھی افضل ہے اور انہیں کی تاسی کا حکم پیغمبر کو ہوا کہ انبیاء اولوالعزم کا سا صبر ظاہر کرو۔ نہ کہ
غیر اولوالعزم کا سا اور مثل صاحب حوت یعنی یونس بن متی نہ ہو۔ قصہ حضرت یونس یہ ہے۔ کہ
حضرت نے اپنی قوم سے تنگ آکر اُن کیلئے بددعا کی کہ خداوندا ان پر عذاب نازل کر۔ دعائے
حضرت مستجاب ہوئی اور قوم یونس کو صرف تین روز کی مہلت دی گئی۔ حضرت کی قوم میں ایک
عالم تھا۔ روبیل نام اور ایک عابد تھا تنوخا۔ تنوخا چونکہ عابد تھا۔ اور علم و معرفت کم رکھتا تھا
عذاب کا وعدہ سنکر قریہ سے باہر چلا گیا کہ مبادا اسپر بھی عذاب نازل ہو۔ روبیل چونکہ عالم تھا وہیں
رہا۔ تین روز کے بعد عذاب نازل ہونا شروع ہوا۔ اول روز اُن کے رنگ زرد پڑ گئے دوسرے
روز سیاہ ہو گئے۔ اور تیسرے روز ایک ابر سیاہ ان پر اترنا شروع ہوا۔ یہ لوگ گھبرائے اور
روبیل کے پاس گئے کہ عذاب شروع ہو گیا کوئی نجات کی تدبیر بتلاؤ۔ ورنہ ہم تم کو بھی باہر نکالے

دیں گے - ردبیل مجبور ہوئے - اور حکم دیا کہ اچھا تم توبہ کرو - جو کسی پر مظلمہ ہے وہ ادا کر دے اور بچے عورتوں سے الگ کئے جائیں - جوان علیحدہ ہوں اور بوڑھے علیحدہ - حیوانات سے اُن کے بچے علیحدہ کئے جائیں - وادی کوہ میں دربار الٰہی میں استغاثہ کرو ممکن ہے کہ وہ رحم فرمائے - غرض اس طرح سے باہر گئے - درآنحالیکہ عذاب اُن کے کندھوں تک آ چکا تھا ردبیل نے سربرہنہ قوم کے بیچ میں کھڑے ہو کر دعا شروع کی اور فرمایا کہو - رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَكَذَّبْنَا نَبِيَّكَ وَتُبْنَا اِلَيْكَ مِنْ ذُنُوْبِنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ الْمُعَذَّبِيْنَ فَاقْبَلْ تَوْبَتَنَا وَارْحَمْنَا يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ - یہاں تک کہ رحمتِ خداوندِ غفار جوش میں آئی اور عذاب اُن سے مرتفع ہونے لگا - بعد رفع عذاب وہ سب خوش و خرم اپنے گھروں کو واپس آئے - حضرت یونس تین دن کے بعد واپس تشریف لائے کہ قوم کا حال دیکھیں فنا ہو گئے ہونگے لیکن آ کر دیکھا سب کے سب صحیح و سالم خوش و خرم پھر رہے ہیں حضرت بہت ملول و غضبناک ہوئے کہ اُن سے عذاب کیوں دفع ہوا ؟ یہ اب میرا استہزا کرینگے اسی کی طرف اشارہ فرما کر خداوند عالم بیان فرماتا ہے " اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ " یہ تھی بے صبری بمقابلہ صبر انبیاء اولوالعزم جو حضرت یونس سے ظاہر ہوئی - یہ دلیل کم علمی ہے بمقابلہ انبیاء اولوالعزم وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ +

صبر حسینی

صبر کامل صفت انبیاء اولوالعزم ہے لیکن انہوں نے بھی وقت شدت مصائب و ابتلاآت آخر کار خدا سے خواہش کی ہے کہ ان سے مصائب و شدائد رفع کئے جائیں حضرت موسیٰ نے ایسا ہی کیا - حضرت عیسیٰ نے ایسا کیا ایلی ایلی لما شبقتنی - حضرت ایوب کا صبر مشہور ہے مگر آخر کار انہوں نے بھی رَبِّ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ کہا جس وقت نوبت ناموس تک پہنچی ہے - اس وقت حضرت ایوب سے صبر نہیں ہو سکا - یہ پیغمبر ہیں - مگر جب معاملہ ناموس تک پہنچتا ہے تو دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور رفع تکلیف کی دعا کرتے ہیں - مگر صبر ایوب کربلا کو دیکھئے اور انبیاء اولوالعزم کے صبر سے اس کا موازنہ کیجئے - یہ امر ظاہر ہے کہ جب انسان پر آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ مصائب و شدائد وارد ہوتے ہیں تو وہ عادی ہو جاتا ہے اور پھر اس پر زیادہ گراں نہیں گزرتا - مگر جب تمام مصائب ایکبارگی ٹوٹ پڑیں تو انسان تنگ آ کر مرنا گوارا کرتا ہے اور انکا تحمل نہیں کر سکتا - جو شخص رات کو بادشاہ ہو مالک و مختار ہو اور صبح کو ہر ایک شے اس سے جدا ہو جائے - فقیر و مفلس بے یار و مددگار رہ جائے اس کے صدمے

ملال کا اندازہ ممکن نہیں حسین مظلوم رات کو بادشاہ ہے۔ تمام یار و انصار، عزیز و اقربا پاس ہیں اہل حرم محفوظ و مصئون صبح ہوتے ہی احباب و اصحاب جدا ہونے لگے ہیں اور ظہر تک سوائے بنی ہاشم کوئی باقی نہیں رہتا۔ مگر وقت عصر جب نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں نہ وہ عزیز ہیں نہ قریب سب خاک و خون میں غلطان پڑے ہیں ؎

نہ مونسے نہ رفیقے نہ کثرت الناسے
نہ قاسمے نہ علی اکبرے نہ عباسؑ سے

مشاہد و محسوس ہے کہ بہ نسبت مردوں کے عورتیں زیادہ نرم دل اور ضعیف ہوتی ہیں۔ اور جلد مضطرب ہو جاتی ہیں۔ روز عاشورا تین مرتبہ حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس عورتوں کا ہجوم ہوا۔ ایک مرتبہ بوقت صبح۔ دوم بوقت نماز ظہر۔ سوم بوقت عصر۔ مخدرات کرب و بلا حرم پیغمبر تھیں کسی کو ان کا حال معلوم نہ تھا کبھی گھر سے نہ نکلی تھیں۔ اسی واسطے آج تک اس امر میں اختلاف ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کی کے بیٹیاں تھیں +

بعض کہتے ہیں دو تھیں بعض کہتے ہیں ایک تھی اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ جس وقت جناب فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے شہادت پائی ہے تو ایک لڑکی برقع اوڑھے ہوئے دروازہ مسجد نبوی پر آئی اور رو کر باواز بلند چلائی یَاجَدَّاہُ قَدْ مَاتَتْ اُمَّنَا اے جد بزرگوار ہماری والدہ نے انتقال فرمایا پس وہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت امیر المومنین کے دو بیٹیاں ہوتیں۔ تو دونوں اس وقت گھر سے نکل پڑتیں اور مسجد نبوی میں آتیں۔

غرض یہ مخدرات عصمت و طہارت کبھی لشکر کے مقابل نہ ہوئی تھیں، کبھی میدان جنگ نہ دیکھا تھا گھر سے باہر نہ نکلی تھیں۔ روز عاشورا پہلا دن ہے کہ میدان جنگ میں ماں نے بیٹے کو اور بھائی نے بہن کو پھوپھی نے بھتیجے کو ذبح ہوتے دیکھا۔

جس وقت امام مظلوم نماز ظہر میں مشغول تھے اور اس وقت حضرت کے ساتھ معدودے چند آدمی باقی رہ گئے تھے۔ ایک دستہ فوج مخالف خیمہ گاہ اہل حرم کی طرف چلا۔ تمام عورتیں باہر نکل پڑیں کہ کہیں پناہ لیں۔ مگر اس وقت انکا فریاد رس کون تھا باواز بلند چلانے لگیں یا جداہ یا محمداہ اتنے میں حضرت کی نماز ختم ہو گئی خیمہ عصمت کی طرف تشریف لائے تمام عورتیں حضرت کے گرد جمع ہو گئیں اور چاروں طرف سے احاطہ کر لیا اور کہنے لگیں حضرت ہم کو ہمارے جد بزرگوار کے روضہ پر پہنچا دیجئے۔ چشم مبارک سے آنسو نکل پڑے مگر ایسے موقع پر بھی حسین نے

کبھی شکایت نہیں کی اور رفع تکالیف کی دعا نہیں فرمائی۔ بلکہ جب مصائب کی نہایت شدت ہوئی تو حضرت خیمہ عبادتگاہ کی پشت پر تشریف لے جاتے اور ریش مبارک ہاتھ میں لیکر فرماتے رِضًا بِقَضَائِكَ اللّٰهِ وَتَسْلِيْمًا لِاَمْرِكَ یعنی خداوندا تیری رضا پر راضی ہوں۔ اور تیرے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہے +

امام علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں اے جد بزرگوار آپ نے وہ صبر دکھایا ہے کہ ملائکہ آسمان تعجب کرتے ہیں۔ آپ کی بیکسی اس درجہ پر پہنچ گئی کہ کوئی باقی نہ تھا کہ آپ کی خبر شہادت خیمہ گاہ تک پہنچا دے آپ کے ذوالجناح نے اس فرض کو ادا کیا[1]

---

[1] قال الامام علیه السلام قد عجبت من صبرك ملائكة السموات فاحدقوا بك من كل الجهات واثخنوك بالجراح وحالوا بينك وبين الرواح ولم يبق لك ناصر وانت محتسب صابر تذب عن نسوتك واولادك حتى نكسوك عن جوادك فهويت الى الارض جريحا وعلى التراب طريحا تطؤك الخيول بحوافرها وتعلوك الطغاة ببواترها قد رشح للموت جبينك و اختلف بالانقباض والانبساط شمالك ويمينك تدير طرفا خفيا الى رحلك وبيتك وقد شغلت بنفسك عن ولدك واهاليك واسرع فرسك شاردا والى خيامك قاصدا محمحما باكيا فلما راين النساء جوادك مخزيا ونظرن الى سرجك ملويا برزن من الخدور ناشرات الشعور لاطمات على الخدود سافرات الوجوه الخ۔ اے جد بزرگوار آپ کے صبر سے ملائکہ آسمان نے تعجب کیا۔ جبکہ ان ملاعین نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور زخموں سے گھائل کر دیا اور ایک قطرہ پانی کا نہ دیا اور اسوقت آپ کا کوئی ناصر و مددگار باقی نہ رہا تھا اور آپ بامید ثواب صبر فرما رہے تھے۔ اور اپنے عیال اور اطفال سے دشمنوں کو دفع کر رہے تھے۔ تا اینکہ آپ کو گھوڑے سے گرا دیا اور آپ زمین سے زمین کی طرف جھکے اور جلتی ریت پر گر پڑے۔ دشمنوں کے گھوڑے آپ پر سے گذرتے اور پامال کرتے تھے اور دشمن ہر طرف سے تلواریں لیکر چڑھے چلے آتے تھے پیشانی پر موت کا پسینہ آیا ہوا تھا کبھی ایک پیر پھیلاتے تھے اور کبھی دوسرا اور حالت نزع میں اہل وعیال کی طرف سے مشغول تھے کہ آپ کا اسپ باوفا خیمہ گاہ کی طرف ہنہناتا اور روتا ہوا دوڑا کہ اہل حرم کو آپ کی شہادت کی خبر پہنچائے جب مخدرات عصمت نے آپ کے ذوالجناح کو اس ذلت وخواری کی حالت میں دیکھا اور زین الٹا ہوا پایا تو سر برہنہ خیمہ سے نکل پڑیں بال کھلے ہوئے تھے اور منہ پر طمانچے مارتی تھیں اور فریاد کرتی تھیں۔ الا لعنة الله على القوم الظالمين +

موعظۂ ہفتم

۸ محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمۡ !

شہید رویتِ اعمال

بیانات سابقہ سے ثابت ہے کہ دیانت اسلامیہ ایک امام کو مقتضی ہے جو حاوی ہو تمام امور دینی و دنیاوی پر اور اس کو قرآن میں لفظ شہید سے موسوم کیا گیا ہے یعنی ہمیشہ شہید کا وجود ضروری ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ وہ سلسلۂ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ اور اولاد پیغمبر سے ہے۔ نیز اجمالاً شہید کے معنی بھی بیان کر دئے گئے ہیں۔ اگر شہید دوسرے مقامات پر اور معنوں میں استعمال ہو تو بطور حل مجاز ہوگا۔ اول شہید خدا ہے پھر اس کا رسولؐ پھر امام۔ اور شہید کے لئے یہ ضروری نہیں کہ بوجود شخصی ہر جگہ موجود ہو۔ علم احاطی شہید کے لئے کافی ہے۔ چونکہ بعض آیات قرآنی بعض دوسری آیات کی مفسر ہیں معنی شہید کی آیۂ ذیل تفسیر کرتی ہے۔ قُلِ اعۡمَلُوۡا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ وَسَتُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ (توبہ ۔ ۱۲) یعنی عمل کرو پس تحقیق کہ خدا اور اس کا رسول اور مومنون تمہارے عمل کو دیکھتے ہیں۔ پھر تم عنقریب عالم الغیب والشہادۃ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر وہ تم کو تمہارے اعمال کی خبر دیگا۔ اس آیت میں رویت خدا و رسول اور مومنون کو سلسلہ وار ایک جگہ ذکر کیا گیا ہے لیکن رویت تینوں درجات میں یکساں نہیں نحویین کہتے ہیں۔ یہاں "س" استقبال کے واسطے ہے اور مراد یہ ہے کہ قیامت میں خدا و رسولؐ اور مومنون اعمال کو دیکھیں گے لیکن یہ نہیں سمجھتے۔ کہ اگر (س) استقبال کے معنوں میں لیا جائے تو کفر محض ہے۔ کیونکہ نفی رویت باریتعالیٰ لازم آتی ہے کہ اس وقت خدا ہمارے اعمال کو نہیں دیکھتا اور ان سے بے خبر ہے اور یہ مطلقاً محال ہے اور کفر۔ حق یہ ہے کہ یہ الفاظ ہر ایک مقام پر یہی معنی نہیں دیتے۔ بلکہ کلام خدا میں اکثر اس قسم کے الفاظ نیز الفاظ ترجی و تمنی وغیرہ تاکید کے واسطے استعمال ہوتے ہیں یا بمعنی دوام و استمرار۔ اور یہ بات قرآن

سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سین وسوف استقبال کیلئے بھی آتے ہیں جیسا کہ اسی آیت
کے دوسرے جزو یعنی سَتُرَدُّوْنَ اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ میں ہے جس سے مراد قیامت
ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کے جزو اول فَسَیَرَی اللّٰہُ" میں سین استقبال کے لئے
نہیں ہے۔ اور یہ غلط ہے کہ اس رویت سے مراد رویت قیامت ہے۔ کیونکہ رویت
قیامت کا ذکر آیت کے دوسرے جزو "ستردون" میں موجود ہے پس ضرور اس رویت سے
مراد رویت دنیا ہی ہے کہ یہاں ہمارے اعمال کو خدا اور رسول خدا اور مومنون دیکھتے
ہیں اور مومنون سے مراد وہی شہید یعنی امام ہیں +

شبہ۔ کلام حمید مجید میں لفظ شہید جہاں خدا کے واسطے استعمال ہوتا ہے تنہا ہے۔
اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ۔ بہ تحقیق اللہ ہر شے پر شہید ہے رسول کا ذکر نہیں ہے۔ اور
دوسری جگہ جہاں رسول اور ائمہ کے واسطے استعمال ہوا ہے وہاں خدا کا ذکر نہیں جس سے
یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہادت خدا غیر شہادت رسول وامام ہے اور اس آیت میں رویت
خدا ورسول وائمہ کو ایک جگہ مساوی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تینوں
رویت میں یکساں ہیں اور یہ اطلاق کہ رویت رسول بعینہٖ مثل رویت خدا ہے یا خدا ورسول و امام
اس میں یکساں ہیں شرک ہے اور منافی آیات دیگر +

جواب شبہ یہ ہے کہ اگر آیہ مذکورہ میں متعلق رویت یعنی عَمَلَکُمْ تمام موضوعات کے
آخر میں مذکور ہوتا۔ تو بیشک سب کی رویت یکساں ہو سکتی لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ عَمَلَکُمْ
بعد لفظ "اللہ" مذکور ہوا ہے۔ جو متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ عمل سے بالذات صرف رویت خدا
کو تعلق ہے۔ اور اسی کی رویت حقیقی واصلی ہے۔ اور رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ کی بالعرض و
بالتبع من جانب اللہ۔ لہذا رویت یکساں نہیں۔

قاعدہ کلیہ جب کسی قضیہ میں موضوع متعدد ہوں۔ اور محمول ایک جیسا کہ اس آیت
میں موضوع تین ہیں۔ خدا، رسول، امام اور محمول ایک یعنی رویت اعمال
پس اگر محمول بعد موضوع اول مذکور ہو۔ تو موضوع اول پر حمل حقیقی ہوگا۔ اور باقیوں پر حمل بالعرض
اور یہاں ایسا ہی ہے۔ کہ عملکم بعد لفظ اللہ مذکور ہوا۔ اور باقی موضوعات بعد میں لہذا حمل

نوٹ:۔ سرکار علامہ نے اس مقام پر فرقہ شیخی وبابی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے مقابلہ میں انکے رئیس اور بانیوں کو فضلا اور
فضا کے برابر بھی شمار نہیں کرتا سوائے حسد اور بغض اور کوئی وجہ نہیں جو مجھ پر یہ تہمت لگائی جاتی ہے۔ (مولف عفی اللہ عنہ)

رویتِ اعمال اللہ پر حقیقی ہے اور پیغمبر و امام پر عرضی لہذا سب رویت میں یکساں نہ ہوئے۔

ایراد بغرض جواب

آیۂ ذیل میں چار موضوع ہیں اور ایک محمول انما الخمر و المیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان یعنی شراب۔ جوا۔ انصاب اور ازلام (طریق جوا) پلید و شیطانی عمل ہیں) چونکہ رجس کو چاروں موضوع کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ لہذا چاہیئے کہ چاروں چیزیں۔ شراب۔ جوا۔ انصاب۔ ازلام نجس و پلید ہوں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ صرف شراب ہی نجس ہے نہ کہ جوا وغیرہ۔ ہاں حرام سب ہیں۔ علماء اسی آیت سے شراب کی نجاست پر استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر اس آیت کو دلیل قرار دیا جائے تو چاہیئے کہ چاروں کا حکم یکساں ہو۔ صرف شراب ہی کیوں نجس سمجھی جائے۔ مدعیان اجتہاد اس کا جواب مدلل دیں +

لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔ اِنَّمَا یَاْمُرُکُمْ بِالسُّوْءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ کیونکہ وہ تمہارا دشمن ہے اور تم کو برائی اور فحش باتوں کا حکم کرتا ہے۔ اور نیز کہ خدا پر افترا کرو۔ اور وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ بدی فحش اور اپنی رائے سے حکم کرنا۔ اور خلاف حکم خدا حکم لگانا اور ایسا شخص درباطن نجس و پلید +

قاعدۂ کلیہ

معانی الفاظ میں نسبت و اضافت بالوضع ملحوظ ہے اور کسی لفظ کے معنی کرتے ہوئے اس کے منسوب و مضاف الیہ کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیئے اس مضاف الیہ کے اعتبار سے لفظ کے معنے لئے جائیں مثلاً لفظ علم خدا کیلئے بھی بولا جاتا ہے اور پیغمبر کیلئے بھی اور عام لوگوں کیلئے بھی۔ جیسے اللّٰهُ عَالِمٌ۔ اَلنَّبِیُّ عَالِمٌ۔ وَزَیْدٌ عَالِمٌ۔ پس کیا ہر جگہ لفظ علم آجانے سے یہ مطلب ہوگا کہ علم کے معنے تینوں جگہ یکساں ہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ علم خدا اور چیز ہے۔ اس کا علم حقیقی ذاتی ہے بخلاف پیغمبر کے وقس علی ذالک آیۂ شریفہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا میں لفظ صلوٰۃ خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ملائکہ کی طرف بھی اور ہم کو بھی صلوٰۃ بھیجنے کا حکم ہے تو کیا صلوٰۃ کے معنی تینوں جگہ یکساں لئے جائیں گے؟ اور کیا خدا بھی ہماری طرح سے درود بھیجتا ہے اور ہمارے ساتھ اس عبادت میں شریک ہے۔ اور کہتا ہے اللهم صل علی محمد و آل محمد اگر ایسا ہے تو پھر خدا بھی کسی دوسرے خدا سے

دعا کرتا ہے۔ تعالے اللہ عن ذالک علواً کبیرا لہذا صلوٰۃ کے معنی تینوں جگہ یکسان نہیں صلوٰۃ خدا سے نزول رحمت مراد ہے اور صلوٰۃ ملائکہ استغفار۔ اور صلوٰۃ انسان بمعنے طلب رحمت۔ غرض نسبت و اضافت کو معنی الفاظ میں ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے جیسی ذات کی طرف لفظ منسوب ہو اسی کی شان کے موافق معنی لئے جائیں پس اسطرح سے آیۂ مذکورہ فسیری اللہ عملکم (الخ) میں رویت خدا و رویت رسول اور رویت ائمہ یکسان نہیں خدا کی صفات میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ رویت خدا ذاتی و حقیقی ہے اور رویت رسول و ائمہ بالتبع و بالعرض منجانب اللہ عطیہ خدا ہے۔ کیونکہ تمام صفات پیغمبری عطیات الہیہ و منجانب اللہ ہیں نہ کہ حقیقی و بالذات پس اعمال عباد کے دیکھنے کی روحانی قوت بھی خدا نے انکو عطا کی ہے۔

حقیقت و فضیلت صلوات

خداوند عالم واجب الوجود غنی بالذات و کریم بالذات ہے۔ جو چاہے دیدے۔ جس قدر چاہے دیدے اس کے خزانۂ جود و سخا میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی مسلم ہے۔ کہ عطا و کرم موافق مراتب و درجات شخصیہ ہوتا ہے جس درجے کا جو شخص ہوتا ہے۔ اسی درجے کا اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی ایک ادنی درجہ کے آدمی مثلاً خاکروب پر مہربان ہو اور اس کو کچھ عطا کرے۔ تو اس کی حیثیت کے موافق کچھ رقم اُسے دیدیگا۔ اور اگر ایک عالم کامل مدبر و دانا شخص پر اس کا لطف و کرم ہو تو اس کو حکومت و عہدہ جاگیر و منصب عطا کریگا کیونکہ اس کے لئے وہی شایان ہے اگر ایک جاہل ادنی شخص پر ایسا کرے تو لوگ اسکو سفیہہ و احمق کہینگے۔ کیونکہ اس نے اسکو وہ چیز دی ہے کہ جس کی اس میں قابلیت نہیں پس معلوم ہوا کہ قابلیت و استعداد عطا و کرم میں شرط ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہم ناقص و کم ظرف و کم استعداد جواد مطلق و غنی مطلق و کریم بالذات کے جود و سخا کی قابلیت و استعداد بالذات نہیں رکھتے ہم اس کی رحمت واسعہ کے بلا واسطہ قابل نہیں اس کے دریائے رحمت کے مقابلہ میں ہماری مثال ایک ادنے کوزے کی ہے ع گنجائش بحر در سبو ممکن نیست۔ ہمارے ظرف کہاں اتنی قابلیت رکھتے ہیں کہ جن میں رحمت الہیہ کی گنجائش ہو۔ لہذا رحمت واسعۂ الہیہ کے لئے ایک محل قابل کی ضرورت ہے تاکہ اولاً بالذات اس پر نزول رحمت ہو۔ اور اس سے بالواسطہ ہم تک پہنچے اور وہ محل قابل و مستعد اول ما صدر از مصدر ہے جس کی شان میں ہے وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِیْنَ پس محل نزول رحمت الہیہ اولاً و بالذات وجود پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہے اور چونکہ وہ بھی کریم و مظہر جواد مطلق مبدء فیاض ہے وہاں بھی بخل نہیں اس لئے وہ ہم لئیموں اور بدبختوں کو پہنچاتا ہے پس ہم لئیم و بدبخت اس ذات کریم کے لئے مبدء فیاض سے طلب رحمت کرتے ہیں۔ اور چونکہ وہ بخیل نہیں وہاں سے ہم پر تقسیم ہوتی ہے +

مثال حسی

اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ بڑے شہروں میں پانی کے نل لگائے جاتے ہیں۔ تو ایک مقام خاص پر پانی کے لئے ایک خزانہ بنایا جاتا ہے۔ (واٹر ورکس) کہ اول حکام و منتظم وہاں پانی پہنچاتے ہیں۔ اور وہاں سے پھر بقدر ضرورت و خواہش اہل شہر کو تقسیم ہوتا ہے اور جب اہل شہر کو زیادہ پانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ حکام و افسران سے درخواست کرتے ہیں۔ تو وہ اس خزانہ میں پانی کی مقدار بڑھا دیتے ہیں اور پھر وہیں سے اہل شہر کو پہنچتا ہے پس بلاشبہ اسی طرح سے رحمت الٰہیہ کا خزانہ وجود اقدس نبوی ہے ہم جب محتاج رحمت خدا ہوتے ہیں تو مبدء فیاض سے طلب رحمت کرتے ہیں کہ وہ اپنے خزانۂ معمور پر نزول رحمت زیادہ کرے تاکہ وہاں سے ہمکو تقسیم ہو اور کہتے ہیں اللّٰھم صل علے محمد و آل محمد یعنی محمد و آل محمد پر نزول رحمت کو مزید فرما پس پیغمبر و آل پیغمبر خزانۂ رحمت الٰہی ہیں فقط۔ قَالَ الْمَجْلِسِیُّ اِنَّهُمْ وَسَائِطُ فُیُوْضِ اللّٰهِ تَعَالٰی فِیْ هٰذِهِ النَّشَاءَةِ وَالنَّشَاءَةِ الْاُخْرٰی اِذْ هُمُ الْقَابِلُوْنَ لِفُیُوْضَاتِ الرَّبَّانِیَّةِ وَ الرَّحْمَاتِ الْقُدْسِیَّةِ وَبِتَوَسُّطِهِمْ تَفِیْضُ الرَّحْمَةُ عَلٰی سَائِرِ الْخَلْقِ وَهٰذِهِ الْحِکْمَةُ فِیْ لُزُوْمِ الصَّلٰوةِ عَلَیْهِمْ وَالتَّوَسُّلِ بِهِمْ فِیْ کُلِّ حَاجَةٍ لِاَنَّهٗ اِذَا صَلّٰی عَلَیْهِمْ لَا یُرَدُّ لِاَنَّ الْمَبْدَءَ فَیَّاضٌ وَالْمَحَلَّ قَابِلٌ وَبِبَرَکَتِهِمْ تَفِیْضُ عَلَی الدَّاعِیْ بَلْ عَلٰی جَمِیْعِ الْخَلْقِ۔ یعنی علامہ فرماتے ہیں کہ اہل بیت ہی فیوض خدا کے وسائط ہیں۔ کیونکہ فیوضات الٰہیہ اور رحمات قدسیہ کی وہی قابلیت رکھتے ہیں۔ اور انہیں کے واسطے سے تمام موجودات پر فیضان رحمت ہوتا ہے اور یہی حکمت ہے ان پر درود لازم ہونے اور ہر ایک حاجت میں انہیں سے متوسل ہونے میں کیونکہ جب ان پر درود بھیجا جائے گا تو رد نہ ہوگا۔ اس لئے کہ مبدء فیاض ہے اور محل قابل اور ان کی برکت دعا کرنے والے۔ بلکہ تمام مخلوقات پر فائض ہوگی۔ پھر فرماتے ہیں۔ کُلُّ فَیْضٍ وَجُوْدٍ یَبْتَدِءُ بِهِمْ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَیْهِمْ ثُمَّ یَنْقَسِمُ عَلٰی سَائِرِ الْمَوْجُوْدَاتِ ہر ایک فیض وجود کی اول انہیں سے ابتدا ہوتی ہے۔ اور پھر تمام موجودات پر منقسم ہوتا ہے۔ فَفِی الصَّلٰوةِ عَلَیْهِمْ اِسْتِجْلَابٌ لِلرَّحْمَةِ اِلٰی مَعَادِنِهَا وَلِلْفُیُوْضِ اِلٰی مَقَسِّمِهَا لِیَنْقَسِمَ عَلٰی سَائِرِ الْبَرَایَا پس انپر درود بھیجے

میں رحمت کو معادن رحمت اور فیوض کو مقسم فیوض کی طرف کھینچنا ہے کہ وہاں سے تمام مخلوقات
پر تقسیم ہو پس چاہیئے کہ ہم ہمیشہ خزانہ رحمت میں رحمت طلب کریں) مؤلف +

شہید کی مزید تشریح

خدا بالذات شہید ہے۔ اور پیغمبرؐ بالعرض لیکن اس کے لئے بھی
شہید ہونے کیلئے وجود عینی وحضور جسمانی ضروری نہیں۔ بلکہ
اس میں از طرف خدا ایک قوت نورانی ایسی ہوتی ہے جس سے تمام چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اور وہ
نور ہے کیونکہ روح نبوی نفس نور ہے۔ اور فوق جمیع انوار بلکہ مبدء انوار ہے وَلٰکِنْ جَعَلْنَاہُ نُوراً
اور جسم بھی آپ کا نورانی قَدْ جَاءَکُمْ مِنَ اللّٰہِ نُورٌ وَکِتَابٌ مُبِینٌ پس وہ مجسم نور بلکہ نُورٌ عَلٰی
نُورٍ ہے اور وہ قوت نورانی جس سے ہم اشیاء کو دیکھتے ہیں اس کے سارے جسم میں موجود ہے۔
اور اس کا سارا جسم حس جلیدیہ ہے۔ تمام جسم میں وہ قوت موجود ہے جو آنکھ کے اندر پردہ جلیدیہ
میں ہے وہ تمام جسم سے جلیدیہ کا کام لیتا ہے بلکہ حس نورانی نبویؐ ہمارے پردہ جلیدیہ سے کہیں
افضل و اکمل ہے۔ کیونکہ ہماری آنکھ کے سامنے جب کوئی شے حائل ہو جائے تو وہ نہیں دیکھ سکتی۔
بخلاف پیغمبرؐ کے کہ اس کو کوئی شے حائل وحاجب نہیں ہوتی چنانچہ حدیث بخاری و دیگر کتب
احادیث وصحاح میں ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا۔ سَوُّوا صُفُوفَکُمْ وَلَا تَسْبِقُونِی بِالرُّکُوعِ فَاِنِّی
اَرَاکُمْ مِنْ خَلْفِی کَمَا اَرَاکُمْ مِنْ قُدَّامِی یعنی رکوع کرنے میں مجھ سے سبقت نہ کرو کیونکہ
میں تم کو پیچھے سے بھی اسیطرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے سے۔ لوہے کو جب خوب صاف وشفاف
کر لیتے ہیں تو اس میں صورت نظر آنے لگتی ہے پس اس جسم اقدس کی کیا حالت ہو گی جس کو خدا نور
کہتا ہے۔ لقد جاءکم من اللہ نور تمہارے پاس یہ خدا کی طرف سے ایک نور آیا ہے اور جو
خزانہ قوت برقیہ الٰہیہ ہو۔ اس کو کوئی چیز حائل ومانع نہیں ہو سکتی۔ لباس اس کیلئے مانع وحاجب نہیں
بلکہ لباس حکم جسم میں ہو جاتا ہے۔ بلکہ کفش پا بھی جس طرح آگ جب ایک سو بیس درجہ پر پہنچ جاتی ہے
تو اس وقت اس میں جو چیز ڈالو۔ آگ بنجاتی ہے۔ اور مشتعل ہو جاتی ہے۔ اسیطرح نورانیت وجود اقدس
نبویؐ ہر شے پر غالب ہو جاتی ہے لوہے کو اگر خوردبین سے دیکھا جائے تو اس طرف سے اُس
طرف کی چیزیں دکھائی دینے لگتی ہیں کیونکہ ہر جسم میں تخلخل ومسامات موجود ہیں پس جسم پیغمبر جو نور خدا
ہے وہ کیوں نہ ہر شے کو دیکھ سکیگا اور کیوں اس کا جسم مثل حس جلیدیہ نہ ہو گا جس کو خود خدا اپنے نور سے
تشبیہ دیتا ہے۔ اَللّٰہُ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُورِہٖ کَمِشْکوٰۃٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ
فِی زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ کَاَنَّهَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَکَةٍ زَیْتُونَةٍ لَا شَرْقِیَّةٍ وَلَا

غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَكَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ +

ذکر کتاب ہندی

ایک کتاب دیکھی گئی ہے اس میں لکھا ہے کہ شہادت میں امام بھی مثل پیغمبر ہے۔ وہ بھی پیچھے سے اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح آگے سے اور اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ شاید پیغمبر و امام کے سر کے پیچھے بھی ایک ایسی قوت ہوگی جیسی کہ آنکھ میں یعنی وہ جلیدیہ میں ہوتی ہے۔ اس قوت کے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔ گویا پیغمبر و امام کی تین آنکھیں ہوتی ہیں (معاذ اللہ) واقعاً جو شخص اپنے کو اولی الامر کہے وہ پیغمبر و امام کی ویسی ہی تعریف کریگا۔ اور اپنا جیسا شخص جانے گا۔ وہ نورانیت پیغمبر و امام کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ اولی الامر کے بیان میں اصول کافی میں ایک باب مخصوص ہے اور ایک سو سولہ آیۂ قرآنی اس پر دال ہیں پس جو شخص اپنے آپکو اولی الامر کہے وہ مذہب شیعہ سے خارج ہے پس اگر ایسا آدمی اس شخص کو جو اس کے خلاف حقیقی درجہ امامت و نبوت کو ثابت کرتا ہے اور شبہات و اعتراضات کو رد کرتا ہے شیخی و بابی نہ کہے تو اور کیا کہیگا کیونکہ وہ تو امام کو اپنا جیسا ہی سمجھتا ہے۔ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وہ کیا جانے کہ امام وہ ہے جو اندھوں کو بینائی بخشتا ہے۔ بصیرت باطنی ہی نہیں بلکہ چشم ظاہری عطا کرتا ہے۔ دیکھو قصہ (ابو البصیر) یہ اندھے تھے صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نابینائی کی شکایت کی۔ فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ بینا ہو جائے۔ عرض کیا کہ ہاں۔ حضرت نے اُسکی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا وہ بینا ہو گیا اور اس کی روشنی اس قدر بڑھ گئی کہ اطراف عالم و ملائکہ کو دیکھنے لگا اور عرض کیا تمام عالم کو نورانی دیکھتا ہوں (اسی وجہ سے اس کو ابو البصیر کہتے ہیں) پھر امام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت کیا۔ تو چاہتا ہے کہ تجھکو درجات عالیہ حاصل ہوں؟ یا چاہتا ہے کہ اسی حالت پر رہے۔ عرض کیا نہیں۔ حضرت نے پھر اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا اور وہ ویسا ہی ہو گیا جیسا کہ پہلے تھا +

نہ صرف ہاتھ پھیرنا بلکہ امام وہ ہے۔ کہ ایک قطرۂ خون سے یہودی کو چشم بصیرت بخشتا ہے مشہور روایت ہے کہ بعد قتل امام مظلومؑ ایک یہودی کہیں جا رہا تھا ہمراہ اُس کے نابینا لڑکی تھی۔ ایک درخت کے نیچے قیام کیا۔ ایک کبوتر خون میں تر درخت پر آن کر بیٹھا۔ اس کا قطرہ ٹپک کر اس لڑکی کی آنکھ پر گرا وہ فوراً بینا ہو گئی (الخ)

بہرحال امام مثل پیغمبر رویت اعمال میں مساوی ہے۔ اور اس کا دیکھنا کسی عضو

خاص سے مخصوص نہیں ہا ور مومنون سے اس آیت میں ائمہ ہدیٰ مراد ہیں کیونکہ وہی شہید علی الناس ہیں۔ خدا اپنے کو کریم کہتا ہے۔ اپنے پیغمبر کو بھی کریم کہتا ہے۔ اپنے کو رحیم فرماتا ہے پیغمبر کو بھی رحیم بیان کرتا ہے۔ اپنے کو رؤف کہتا ہے پیغمبر کو بھی رؤف سے خطاب کرتا ہے اور امام ان تمام صفات میں شریک پیغمبر ہے۔ اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ۔

یعنی جس نے اپنے امام وقت کو نہ پہچانا اور وہ مرگیا۔ وہ موت جاہلیت مشرک کافر یا منافق مرا +

حدیث میں لم یعرف ہے لم یعلم نہیں ہے یعنی صرف جاننا کافی نہیں بلکہ معرفت (پہچاننا) ضروری ہے کہ وہ کون ہے اور اس کی صفات کیا ہیں؟ کیونکہ معرفت امام ہی سے معرفت پیغمبر حاصل ہوتی ہے اور معرفت پیغمبر موجب معرفت خدا پس جس نے امام کو نہ پہچانا وہ کافر یا مشرک یا منافق ہے +

فرق علم و معرفت

علم اور معرفت میں فرق ہے۔ فان المعرفۃ ادراک الشیٔ بتفکر وتدبر لاثرہ و ھواخص من العلم یعنی کسی شے کے آثار میں تدبر و تفکر کرکے اس کو ادراک کرنا معرفت ہے اور وہ علم سے اخص ہے اور علم اس سے اعم۔ اور ضدِ معرفت انکار ہے اور ضدِ علم جہل پس یہ کہنا تو صحیح ہے کہ فُلَانٌ یَعْرِفُ اللّٰہ فلاں شخص خدا کو پہچانتا ہے اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فُلَانٌ یَعْلَمُ اللّٰہ فلاں شخص خدا کو جانتا ہے اور معرفت مفعول واحد کی طرف متعدی ہوتی ہے کیونکہ انسان خدا کو اس کے آثار ہی سے پہچانتا ہے۔ نہ بذریعہ ذات خدا۔ کیونکہ تصور ذات باری تعالےٰ محال ہے اور کہا جاتا ہے اَللّٰہُ یَعْلَمُ خدا جانتا ہے اور یوں نہیں کہہ سکتے کہ اللہ یَعْرِفُ کذا خدا پہچانتا ہے فان المعرفۃ تستعمل فی العلم القاصر المتوصل بہ بتفکر یعنی معرفت اس علم قاصر کے معنے میں استعمال ہوتی ہے۔ جو بذریعہ تفکر فی الآثار حاصل ہوتا ہے۔ پس صرف یہ جاننا کہ لوگوں کیلئے ایک امام ہوتا ہے یا امام ہے۔ کافی نہیں بلکہ اس کے اوصاف وآثار کی معرفت ضروری ہے۔ لان ادراک ذاتہ غیر مقدور و العلم ادراک الشیٔ بحقیقتہ فافہم امام صفات پیغمبر میں شریک ہے۔ وہ بھی مثل پیغمبر شہید ہے۔ خواب و بیداری اس کے لئے مساوی ہے پیغمبر تمام عوالم پر مبعوث ہوا اور سب کے

لئے نذیر ہے اور مقام پیغمبر آیات ذیل سے ظاہر ہے اِذْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَہٰی عِنْدَ ھَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰی اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی سدرۃ المنتہی انتہائے محل ترقی موجودات ہے۔ علماً وعملاً اس سے اوپر محض نور جلال و جمال الٰہی ہے پیغمبر اس مقام سے بھی اوپر گیا کہ جہاں جبرئیل کے پر جلتے ہیں کہ خو جبرئیل فرماتے ہیں لَوْ دَنَوْتُ اِنْمِلَۃً لَاَحْتَرَقْتُ کہ اگر ایک انگلی برابر اوپر کا قصد کروں تو انوار جلال سے جل جاؤں (نور سے جلنا فرمایا ہے نہ کہ نار سے مقام تدبر ہے)

انوار الٰہیہ سدرۃ المنتہی کو احاطہ کئے ہوئے تھے پیغمبر نے تمام اشیاء کو وہاں پر علماً وعملاً وحقیقۃً چشم جسمانی سے دیکھا۔ اور آپ کی بصارت نے ذرا خیرگی نہ کی۔

آفتاب باوجودیکہ اس قدر بڑا ہے کہ زمین سے دو سو اٹھائیس گنا زیادہ ہے۔ پھر بھی تمام زمین کو روشن نہیں کرسکتا۔ زمین کا سایہ پڑتا ہے اور رات ہوجاتی ہے۔ بلکہ ایک انڈے کو بھی چاروں طرف سے روشن نہیں کرسکتا۔ مگر نور محمدی تمام اشیاء پر محیط ہے۔ یہی وہ قوت جس سے رسول اعمال کو دیکھتا ہے۔ اور اسیطرح سے امام علیہ السلام جو اس کا قائم مقام ہے۔ اور نور محمدی کی بابت خدا فرماتا ہے۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ۔ نور محمدی کو خدا ایک دن بالفعل کامل کرے گا۔ اور وہ اس وقت ہوگا جسکی بابت فرماتا ہے۔ اشرقت الارض بنور ربھا نور رب الارض سے زمین روشن ہوجائے گی اور وہ زمانہ ظہور مہدی ہے اس سے نور آفتاب و مہتاب بیکار ہوجائیں کیونکہ ان کے نور بھی اسی نور سے ہیں پس جب وہ خود جلوہ گر ہوگا۔ ان کی ضرورت نہ رہے گی[1]

[1] اشرقت الارض بنورھا" روی القمی عن الصادق فی ھذہ الآیۃ قال رب الارض امام الارض قلت فاذا خرج یکون ماذا قال اذن یستغنی الناس عن ضوء الشمس ونور القمر یجتزون بنور الامام وفی ارشاد المفید قال اذا قام قائمنا اشرقت الارض بنورھا واستغنی الناس عن ضوء الشمس وذھبت الظلمۃ۔ یعنی امام حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ رب الارض۔ امام ارض ہے۔ راوی نے عرض کیا جب امام خروج فرمائیں گے تو کیا حالت ہوگی؟ فرمایا انکے نور سے زمین چمک اٹھیگی اور لوگ ضیائے آفتاب اور نور ماہتاب سے بے نیاز ہوجائیں اور نور امام پر اکتفا کرینگے اور ارشاد مفید میں ہے کہ جب قائم آل محمد کا ظہور ہوگا تو زمین نور سے روشن ہوجائیگی اور لوگ آفتاب کی روشنی سے بے نیاز ہوجائیں گے اور ظلمت بالکل نابود ہوجائیگی اللہم عجل فرج محمد وآل محمد (بحار الانوار۔ الصافی) (مولف)

غرض امام مثل پیغمبر احاطۂ نورانیہ رکھتا ہے اور کوئی شے اس کو حائل و حاجب نہیں اور
تمام ائمہ اس وصف میں یکساں ہیں جس طرح سے بے تار کی تار برقی تمام آوازوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے
ائمہ ہر آواز کو سنتے ہیں اور ہر شئے کو دیکھتے ہیں۔ اور وہ مخزنِ قوتِ برقِ الٰہی ہیں اگر وہاں کچھ خلل
واقع ہو تو تمام عالم مختل ہو جائے جیسا کہ خزانہ قوت برقی ہیں اگر خلل پڑ جائے تو سب جگہ انقلاب
پیدا ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ امام علیہ السلام جس وقت پشت زین سے زمین پر گرے۔ عالم متزلزل
ہو گیا۔ زمین و آسمان میں زلزلہ آگیا۔ اس موقع پر بیان نہیں کر سکتا کہ امام زمان جو شہید ہے اور تمام
حالات کو دیکھتا ہے اس کی کیا حالت ہوتی ہوگی۔ نہ معلوم سید الساجدین پر کیا گزری ہوگی جو خود کربلا
میں موجود تھے۔ خود حضرت زینب خاتون صلوات اللہ علیہا جو تالی امام ہیں فرماتی ہیں کہ بعد غارتِ
خیامِ اہلِ حرم شتروں پر سوار کر کے قتل گاہ میں لائے گئے۔ جب قریب لاشہائے شہدا پہنچے۔
ہر ایک نے خواہ مرد تھا یا عورت۔ بچہ تھا یا بڑا۔ لونڈی تھی یا غلام اپنے کو اونٹوں پر سے گرا دیا مگر
سید الساجدین نہ اتر سکے۔ یہ مقام غور ہے کہ امام کیوں پیادہ نہ ہوئے کیا انکو باپ سے محبت نہ تھی؟
کیا وہ نامہربان تھے؟ نہیں نہیں بلکہ وجہ یہ تھی کہ آپ کے پائے مبارک زنجیروں کے ساتھ پشت
شتر سے بندھے ہوئے تھے۔ میں خود نہیں کہتا بلکہ امام زمان علیہ السلام فرماتے ہیں۔ آہ آہ اس
وقت سے کہ جس وقت آپکے اہل حرم اسیر تھے۔ اور اُن کے پیر زنجیروں سے شکم شتر سے بندھے
ہوئے تھے غرض جس وقت قتل گاہ پہنچے اور ہر ایک نے بے اختیار اپنے کو اونٹ پر سے
گرا دیا سب لاشوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک دوسرے کو تسلی و تعزیت کرتے اور پرسہ
دیتے تھے کہ اتنے میں حضرت زینب نے دیکھا حضرت زین العابدین موجود نہیں۔ نظر کی تو دیکھا کہ اونٹ
ہی پر سوار ہیں۔ "یجود بنفسہ" قریب بہلاکت ہیں۔ جان پر کھیل رہے ہیں۔ مگر اتر نہیں سکتے
جناب زینب نے یہ حالت دیکھکر کہا اے برادر زادے تم تو حجت خدا ہو یہ کیا کر رہے ہو۔ کیوں
جان پر کھیلتے ہو؟ فرمایا پھوپھی اماں۔ کیا تم نہیں دیکھتیں کہ حجت خدا وہ ہے جو خاک و خوں میں
غلطاں بے سر زمین پر پڑا ہوا ہے۔

"لا حول ولا قوۃ الا باللہ"۔

موعظۂ ہشتم

۹ محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ

"الشھر الحرام بالشھر الحرام والحرمات قصاص فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدیٰ علیکم واتقوا اللّٰہ واعلموا ان اللّٰہ مع المتقین" ہرچند چاہتا ہوں کہ مطلب پر پہنچوں مگر نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک امر بزرگ میرے قلب کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جو کچھ آجتک بیان کیا گیا ہے وہ صرف مقدمات تھے نتیجہ و مطلب آج اور کل ظاہر ہوگا۔ لیکن جب نتیجہ کی نوبت آتی ہے۔ تو تم لوگ اس کو نہیں لیتے ضائع کر دیتے ہو یعنی تم لوگ روز عاشورا صورت عزاداری کو دوسری شکل میں تبدیل کر دیتے ہو جس کا ایک حصہ اصل و حقیقت ہوتا ہے۔ اور باقی نو حصے بے اصل و مخالف۔ غرض اس وجہ سے تم نتیجہ کو اخذ نہیں کر سکتے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بعض باتیں ایسی ہیں جو بلحاظ تذکر جائز ہیں نہ بطور تعبد اور یہ ایام عشرہ محرم الحرام میں ہی منحصر نہیں بلکہ یہی قاعدہ دوسری جگہ بھی جاری و ساری ہے لیکن لوگ ان باتوں کو جو بغرض تذکر یاد جائز رکھی گئی ہیں۔ بطور عبادت کرنے لگتے ہیں۔ بلکہ بہت سی بدعت کی باتیں اس میں شامل کر لیتے ہیں بلکہ اس کی صورت تماشے کی شکل میں تبدیل کر دیتے ہیں اور وہ امور محض تماشہ بنجاتے ہیں جیسا کہ مشاہد و محسوس ہے۔

بہترین شئے اعمالِ روزِ عاشورا میں ذوالجناح کا نکالنا ہے نفس عمل اگر اغراض شخصیہ دیگر مفاسد و مناکر سے خالی ہو۔ موجب تذکر ہے کیونکہ اس کی ایک صورت اصلیہ واقعیہ روز عاشورا موجود ہے۔ کہ خالی ذوالجناح خبر لے کر خیمہ گاہ میں حاضر ہوا تھا مگر جب اس کو بطور اسباب تماشہ نکالا جائے مقصود اصلی سے خارج ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ بعض حضرات لباس فاخرہ پہنکر ذوالجناح کے ہمراہ جاتے ہیں۔ سگار سگرٹ منہ سے لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ فاحشہ عورتیں ساتھ ساتھ ہوتی ہیں اور اور اغراض شخصیہ بھی شامل ہوتی ہیں۔ یہ باتیں بہت بری ہیں اور مخل و مضر غرض اصلی ہیں۔ یہ عزاداری و سوگواری کا دن ہے نہ تماشے

اور زینت کا۔ روز عاشورا تماشہ نہ تھا قیامت صغریٰ بپا تھی۔ کیا یہ تماشہ تھا کہ باپ بیٹوں کو خون میں نہایا ہوا دیکھ رہا تھا۔ مائیں اپنے جگر کے ٹکڑے پاش پاش دیکھ رہی تھیں بہنیں بھائیوں کے ذبح ہونے کا نظارہ کر رہی تھیں۔

اگر ہم ذوالجناح بے کر غرض اصلی کے حاصل کرنے کے لئے جائیں تو بہتر ہے ورنہ اگر سیر و تماشہ کی غرض سے تو بہت بُرا ہے۔ ہم کو ذوالجناح اس طرح نکالنا چاہئے اور ہماری صورت ایسی ہونی چاہئے کہ جو بے خبر لوگ سیر و تماشے کی غرض سے آتے ہیں وہ بھی ہمکو دیکھ کر ایسے متاثر ہوں کہ ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں اور تماشہ بھول جائیں۔

ذوالجناح کا جواز قرآن سے

ذوالجناح وغیرہ کے بنانے اور نکالنے کا جواز قرآن سے ثابت ہے۔ اور آیۂ ذیل اس پر دال یعملون لہ مایشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیٰت (سبا ع)
یعنی بنی جان حضرت سلیمانؑ کو محراب ہائے عبادت انبیائے سابقین اور انکی تمثالیں بنا کر دیا کرتے تھے۔ اور حضرت سلیمانؑ بغرض تذکر بنوایا کرتے تھے۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ تذکر (یاد) کی غرض سے تمثالیں وغیرہ بنوانا جائز ہے اور فعل پیغمبر لہٰذا ذوالجناح بنانا یا شبیہ روضۂ امام حسین وغیرہ بنانا جائز ہے۔ مگر غرض وہی ہونی چاہئے۔ جو پیغمبر یعنے حضرت سلیمانؑ کی تھی یعنی محض تذکر کی غرض سے بنائے جائیں نہ کہ عبادت کے واسطے مطلب صرف یہ ہو کہ ہماری ساری توجہ کربلا کی طرف منعطف اور اس خونی منظر کی اصلی تصویر آنکھوں میں پھر جائے اُن تمثالوں کو اگر کوئی صاحب اثر سمجھے کہ یہ بذاتہا ہمارے واسطے کچھ کر سکتی ہیں یا اثر رکھتی ہیں تو وہ مرتکب فعل حرام ہے اور گنہگار یہی وجہ بُت پرستوں کی مذمت کی ہے کہ وہ نفس تماثیل وتصاویر کو صاحب اثر جانتے تھے اور جانتے ہیں۔ اوّل اوّل حضرت ادریس کے شاگردوں نے بغرض تذکر انبیاء علیہم السلام کی تصویریں اور پھر تمثالیں بنائیں ایک مدت کے بعد لوگوں نے ان کو عبادت میں داخل کر لیا اور ان کی پرستش کرنے لگے حضرت ابراہیم کے زمانہ تک اس کا رواج ہو گیا تھا اسی واسطے حضرت ابراہیم اپنی قوم سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں" ما ھٰذہ التماثیل التی انتم لہا عاکفون" یعنی یہ تماثیل کیا ہیں تم جن کے گرد ہو رہے ہو۔ تمام بت پرست ان تو ںکو خدا نہیں جانتے تھے۔ بلکہ نفس تماثیل کو عنداللہ شفیع جانتے اور کہتے تھے" ھٰؤلاء شفعاءنا عنداللہ" یعنی یہ بت خدا کے پاس ہمارے شفیع ہیں لیکن چونکہ خود ساختہ پتھر قابل شفاعت نہیں ہو سکتے اسلئے

لئے انکو مشرک کہا گیا کہ وہ ان کو مظاہر صفات خدا جانتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ ان کو معبود بھی کہنے لگ گئے اور لفظ "الٰہ" اُن پر بولا جانے لگا۔ غرض ان تماثیل کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جائز یعنی جبکہ محض تذکرے کے واسطے ہوں۔ دوسری ناجائز جبکہ ان کو صاحب اثر و حقیقی شفیع سمجھا جائے۔

مسئلہ تعظیم

اب رہا یہ امر کہ جن چیزوں کو بغرض تذکر بنایا جائے ان کی تعظیم بھی جائز ہے یا نہیں؟ ہاں صاحب خیر و برکت اشیاء کی تعظیم جائز ہے اور قرآن اس پر شاہد ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ۔ بیشک کوہ صفا و مروہ شعائر الٰہیہ سے ہیں" "والبدن جعلنٰھا من شعائر اللہ قربانی کے اونٹ کو ہم نے شعائر سے قرار دیا ہے۔ پھر فرماتا ہے "ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب یعنی جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے۔ تو یہ بات اس کے دل تقوے کی نشانی ہے لیکن تعظیم کے یہ معنی نہیں جو ہندوستان میں عام طور پر خیال کئے جاتے ہیں یعنی سامنے جھکنا۔ سرنگون ہونا۔ سجدہ کرنا۔ جن شعائر کی تعظیم کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انکو سجدہ کیا جائے۔ یا ان کے سامنے سرنگون ہوں اور نہ ایسا کیا جاتا ہے۔ بلکہ تعظیم کے یہ معنی ہیں کہ انہیں دیکھکر خدا کو یاد اور اس کا ذکر کریں جیسا کہ خدا فرماتا ہے "فاذکروا اسم اللہ علیھا" یعنی اس پر اس خدا کا ذکر کرو شعائر کے معنے علامات و نشانیاں ہیں پس شعائر اللہ وہ خاص نشانیاں ہیں۔ جہاں ذکر الٰہی کا حکم ہے اور جہاں اور جن سے خدا کی یاد تازہ ہوتی اور عظمت پیدا ہوتی ہے۔ ہر شئے کی تعظیم اس کی شان کے موافق ہوتی ہے مسجد کی تعظیم یہ ہے کہ وہاں عبادت خدا بجالائی جائے۔ اور ... دل اور کا... سے اجتناب کیا جائے اس کو پاک و صاف رکھا جائے۔ وقس علیٰ ذالکم

مس کرنا و بوسہ دینا

جس طرح اشیاء متبرکہ کی تعظیم جائز ہے۔ اسی طرح انکو مس کرنا بوسہ دینا بھی ناشروع نہیں ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم علی الصباح اصطبل میں تشریف لے جاتے تھے اور گھوڑوں کی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فرماتے تھے "الخیل معقود بنواصیھا الخیر الیٰ یوم القیامۃ" یعنی گھوڑوں کی پیشانی سے تا قیامت خیر وابستہ ہے پس جس میں خیر و برکت ہو اس کی تقبیل اور اس پر ذکر خدا کرنا منع نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام جب جہاد پر گھوڑے بھیجتے تھے۔ تو انکی گردنوں اور ٹانگوں وغیرہ پر ہاتھ پھیرتے تھے اور مس کرتے تھے "اذ عرض علیہ بالعشی الصافنات الجیاد فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتیٰ توارت بالحجاب ردوھا علی

فطفق مسحاً بالسوق والاعناق ایک ایک گھوڑا حضرت سلیمان پر پیش کیا جاتا تھا اور حضرت انکی گردن اور ٹانگوں پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے غرض باخیر و برکت اشیا کو مس کرنا درست و مباح ہے اور فعل انبیاء علیہم السلام وعلی ہذا القیاس بوسہ دینا۔ بوسہ دینا یا تو بوجہ محبت ہوتا ہے جیساکہ ماں باپ بیٹے کا منہ چومتے ہیں۔ اس کی تعظیم کے لئے ایسا نہیں کرتے۔ بلکہ بوجہ محبت اور کبھی بوسہ تبرکاً و تیمناً دیا جاتا ہے جس طرح کہ قرآن اور جلد قرآن کو بوسہ دیتے ہیں۔ جلد قرآن معمولی چمڑہ ہوتا ہے۔ مگر قرآن کی جلد کہلانے اور قرآن کے ساتھ ملحق ہونے سے وہ بھی بابرکت ہوگیا کہ اس کو چومتے اور بوسہ دیتے ہیں۔ اسی طرح غلاف خانہ کعبہ سے ملحق ہونے سے بابرکت ہوگیا۔ اور اس کو بوسہ دینا مس کرنا مستحب ہی۔ کیونکہ خانہ کعبہ محل خاص نزولِ رحمتِ پروردگار ہے۔ بلکہ اشیاء متبرکہ ایک اثر بھی رکھتی ہیں اور ایسے ہی ان کو مس کرنا اور بوسہ دینا دیکھو قصہ سامری۔

سامری قوم فرعون سے تھا جب قوم کے غرق ہونے کا حکم ہوا اور بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ وہ دریا سے گذر جائیں اور دریا شق ہوگیا۔ ایک سوار بنی اسرائیل کے آگے آگے چلنے لگا۔ تاکہ وہ خائف نہ ہوں۔ سامری نے دیکھا۔ اس سوار کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی خاک متحرک ہے۔ اور ایک کیفیت خاص رکھتی ہے سمجھا کہ اس میں کچھ اسرار ہی اور اس سوار کے گھوڑے کے سموں کی نیچے کی کچھ خاک اٹھا کر اپنے پاس رکھ لی اور بنی اسرائیل دریا سے گذر گئے۔ پھر جب اس کے نفس نے بہکایا اور حضرت موسیٰ کی غیبت میں اس نے ایک سونے کا بچھڑا بنایا تو اس میں وہی خاک ڈالی تو اس سے ایک آواز پیدا ہوگئی "عجلاً جسداً له خوار" اور جب اس سے دریافت کیا گیا کہ یہ گوسالہ متحرک کیوں ہے؟ اور بولتا کیوں ہے؟ تو اس نے جواب دیا "فقبضت قبضة من اثر الرسول" کہ میں نے سول (قاصد مراد جبرئیل) کے نشان قدم کی خاک ایک مٹھی بھر کر اٹھالی تھی۔ اس کو میں نے اس میں ڈالدیا۔ تو یہ بولنے لگا یعنے وہ سوار جو بنی اسرائیل کے آگے آگے تھا حضرت جبرئیل تھے اور ان کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی خاک متحرک تھی۔ اور اس کا یہ اثر ہوا کہ دھات کا جسم بولنے لگا گویا یہ اثر تھا برکتِ قدم حضرت جبرئیل کا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو چیزیں کسی باخیر و برکت شے سے منسوب اور انسے ملصق ہیں۔ وہ بھی باعث خیر و برکت و صاحب اثر ہوجاتی ہیں۔ لہذا وہ چیزیں جو پیغمبر خاتم النبیین وافضل المرسلین اور ان کی اولادِ طاہرین

مخدوم جبرئیل امین کی طرف منسوب اور ان سے ملصق ہیں وہ کیوں باعث خیر و برکت و صاحب اثر نہ ہونگی۔ اور یہ برکت و اثر دراصل منسوب الیہ کا اثر ہوگا۔ نہ حقیقتہً اس شے منسوب کا جب جبرئیل کے گھوڑے کے پیر کی خاک میں اثر ہے تو قدم ذوالجناح میں کیوں نہ ہوگا حضرت رسول کا فرس جسے ذوالجناح کہتے ہیں۔ اس کا اصلی نام مرتجز تھا۔ حضرت اکثر اسی پر سوار ہوتے تھے۔ روز عاشورا امام مظلوم اول ناقہ قصوے پر سوار ہوئے۔ اور جس وقت حضرت کا چاروں طرف سے دشمن نے احاطہ کرلیا ہے اس وقت حضرت نے اس مرتجز یعنے ذوالجناح کو طلب کیا اور اس پر سوار ہوئے اور یہ وہی مرتجز ہے جس نے حضرت کی لاش خیمۂ اہل حرم میں پہنچائی ہے۔ اسی طرح علم و نشان جو آن علموں کی شبیہ ہیں خود ایک اصلیت رکھتے ہیں اور جب علم نبوی کی طرف منسوب ہوں تو بہت ہی متبرک ہو جاتے ہیں اس لئے انکو مس کرنا اور بوسہ دینا ناروا نہیں ہے +

بہرحال کل کی عزاداری گذشتہ نوروز کا نتیجہ ہے چاہئے کہ کل تمہاری حالت ایسی ہو کہ گویا ابھی میدان کربلا سے آئے ہو۔ اور دیکھنے والے تمہاری حالت سے متذکر ہوں اور عبرت پکڑیں۔ وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا صبر خصائص امامت سے ہے۔ کل وہ دن ہے کہ امام مظلوم نے تمام اوصاف نبوی و جملہ فرائض و احکام کو بجا لاکے اور کرکے دکھلایا ہے تاکہ لوگ جان لیں کہ امامت و خلافت خاندان نبوی ہی سے مخصوص ہے۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ روز عاشورا امام حسین علیہ السلام نے جو اس قدر آدمی قتل کئے یہ امر خلاف صبر ہے اور منافی رضا بقضائے الٰہی ہے۔ مگر معلوم ہے کہ جس وقت حضرت حمزہ شہید ہوگئے ہیں۔ اس وقت حضرت نے فرمایا کہ میں دشمنوں کے ستر آدمی حمزہ کے عوض قتل کرونگا۔ حکم خدا پہنچا تم کو ان پر اتنی ہی زیادتی کرنی چاہئے جتنی کہ انہوں نے کی ہے۔ اور اگر صبر کرو تو بہتر ہے پس معلوم ہوا کہ بطور انتقام دشمنوں کو قتل کرنا خلاف صبر نہ تھا اور قتل دشمنان از روئے انتقام نہ تھا بلکہ یہ محض دفاع اور اتمام حجت کے لئے تھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ میں تم سے مغلوب و عاجز ہوکر شہید نہیں ہوتا ہوں بلکہ حفاظت دین کے لئے شہادت قبول کی ہے ورنہ اگر میں چاہوں تو ایک دم میں تمہیں فنا کردوں لیکن کیونکر یہ اتمام حجت ہوا کیا شجاعت اور لوگوں کو قتل کرنا کوئی حجت ہو سکتا ہے؟ دنیا میں بہت سے شجاع و بہادر گزرے ہیں۔ تو کیا ان کی شجاعت ان کی سچائی اور حقیقت کی دلیل ہے +

ہاں بیشک جب شجاعت اس درجہ پہنچ جائے کہ طاقت بشری سے باہر ہو تو وہ ضرور حجت و علامت کرامت ہے +

اس روز اسلام کامل اور کفر کامل کا مقابلہ تھا مسلم مطلق باسلام نبوتی کفار کے مقابل تھا چنانچہ خدا فرماتا ہے " ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا حملتہ امہ کرہا ووضعتہ کرہا وحملہ وفصالہ ثلثون شہرا حتے اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ قال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین (احقاف ع ۲)

پس وہ اس امت مسلمہ سے ہے جس کا حضرت ابراہیم نے ذکر کیا ہے اس نے اپنی اس قوت روحانی سے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا اور ثابت کر دیا کہ امام ذریت ابراہیم اولاد رسولؐ ہی سے ہیں +

حیرت انگیز حسینی شجاعت

بعد ظہر جب تمام احباب و اصحاب و عزیز و اقربا یار و انصار شہید ہو چکے۔ یہاں تک کہ شش ماہہ شیر خوار بھی گلے پر تیر ستم کھا کر باپ کی گود ہی میں باپ پر قربان ہو گیا۔ اور حسینؑ یکہ و تنہا گھیے میدان جنگ میں تشریف لائے اور لشکر مخالف کے مقابل کھڑے ہو کر عمر سعد لعین سے مخاطب ہوئے اور اس طرح سے اتمام حجت فرمانے لگے اے لشکر جفا کار تین باتوں میں سے میری ایک بات قبول کر دیا تو مجھ کو چھوڑ دو کہ میں اپنے وطن کو چلا جاؤں۔ جواب دیا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ فرمایا اگر یہ نہیں ہو سکتا تو مجھے پانی پلا دو۔ ملاعین نے کہا یہ بھی ممکن نہیں۔ پھر فرمایا اچھا اگر یہ بھی نہیں کرتے۔ تو پہلے مجھ سے ایک ایک شخص لڑنے کو آئے۔ کہا یہ منظور ہے اول یزید ابطحی حضرتؑ کے مقابلہ کے لئے آیا اور سامنے آ کر حضرتؑ کو سخت و سست کہنے لگا۔ حضرتؑ نے بکمال وقار و صبر تبوتی ایک شمشیر اس کے سر پر لگائی۔ جو زین تک کاٹتی ہوئی نکل گئی اور وہ دو ہو کر زمین پر گر پڑا۔ بعد ازاں دو شخص اور آئے۔ اور حضرت نے انکو بھی ایک ہی وار میں قتل کر دیا۔ بعد ازاں تین آئے۔ ان کو بھی حضرت نے اسی طرح فی النار کیا اس کے بعد چار شخص اور آئے انہیں بھی ایک ہی وار میں فی النار کیا۔ یہاں تک کہ دس دس آنے شروع ہو گئے اور حضرت نے اسی مقام پر کھڑے کھڑے علاوہ مجروحین کے نو سو پچاس آدمی قتل کئے۔ یہ حال دیکھکر پھر کسی نے جرأت نہ کی اور کوئی حضرت کے مقابلہ پر نہ آیا۔

شمر ملعون نے دیکھا کہ لوگوں میں شور و غوغا مچ گیا ہے گھبرایا عمر سعد سے کہنے لگا تو نہیں جانتا کہ یہ "انزع البطین" (علی) کا بیٹا ہے۔ کون اس کے مقابلہ میں آسکتا ہے۔ چاہیئے کہ چاروں طرف سے حملہ کیا جائے حضرت کے پیچھے کی طرف خیام تھے اور سامنے لشکر۔ آخر کار چاروں طرف سے آن کر احاطہ کر لیا +

اُس وقت حضرت نے اُن پر حملہ کیا تمام مورخین نے باتفاق لکھا ہے "فشدّ علیھم" (یعنی نہایت سخت حملہ کیا، فکانھم جرادٌ منتشرٌ۔ مثل ٹڈیوں کے منتشر ہوگئے اور پھر بکریوں کی طرح بھاگتے تھے "فکانھم حمر مستنفرہ فرت من قسورۃ" اور اس طرح بھاگتے تھے جس طرح شیر ببر سے وحشی جانور اور گدھے بھاگتے ہیں یعنی پیادوں کا وہ حال تھا اور سواروں کا یہ۔ فوج کے فرار کی یہ کیفیت تھی کہ حضرت اس حملہ میں انکو شکست دیتے ہوئے بنا بر ایک قول کے ذوالکفل تک پہنچ گئے جو اس مقام سے ۱۲ میل کے فاصلے پر ہے جہاں حضرت نے اپنا علم نصب کیا ہوا تھا۔ پھر وہاں سے لوٹ کر حضرت اپنے نیزہ کے پاس آئے اور فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ تاکہ لوگ جان لیں کہ میں خدا نہیں ہوں اور درجہ امامت اپنر ظاہر ہو۔ اس عرصہ میں حضرت نے جتنے لوگ قتل کئے ان کی تعداد مورخین بہت کچھ لکھتے ہیں بعض تو دس ہزار تک لکھتے ہیں مگر کم سے کم شمار مقتولین (۱۹۵۰) ہے اور ان حملوں کو صرف (۳ ۵) منٹ کا عرصہ لگا یعنی ۵۳ منٹ میں ایک ہزار نو سو پچاس آدمی قتل ہوئے۔ یہ شجاعت فوق طاقت بشری دلیل امامت ہے پس حضرت نے یہ حملات اثبات امامت کیلئے کئے تھے۔ نہ از راہ انتقام۔ اور باوجود اس قدر قتل و خون کے اس عرصہ میں حضرت کے جسم اقدس پر ایک زخم بھی نہ لگا تھا جس وقت تک کہ حضرت نے ایک آواز آسمان سے نہ سنی۔ کوئی زخم جسم اقدس پر نہ کھایا +

پس وجود امام میں ایک قوت ہوتی ہے جو تمام قوتوں سے زیادہ ہے گویا ایک قوتِ برقی ہے۔ فوقِ تمام قوائے۔ بلکہ وجود امام مخزن قوت برقی ہے کہ دوسروں کو اس سے تقسیم ہوتی ہے۔ وہ قوت ہے کہ اگر یہ مامور ہوتے۔ تو یہ وجود عنصری بھی عرش پر پہنچ جاتا لیکن چونکہ معراج خصائص نبوت سے ہے۔ لہذا ایسا نہ ہوا۔ ورنہ ان سب کے بدن ایک ہیں۔ حدیث اس کی تصریح کرتی ہے۔ کہ پیغمبر و امام ایک جسم و ایک جان ہیں مشہور ہے حدیث خرمہ ہائے صدقہ۔ کہ ایک مرتبہ پیغمبر کے سامنے صدقہ کے چھوہارے رکھے ہوئے

تھے امام حسن جو نہایت کم سن تھے۔ اُن میں سے ایک چھوہارا اُٹھا کر منہ کے قریب لیجانے
لگے تو حضرت نے فرمایا کخ کخ اما تعلم ان الصدقۃ علینا محرم یعنی فرمایا ہیں کیا کرتے
ہو کیا تم نہیں جانتے کہ صدقہ ہمپر حرام ہے۔ یہاں پر حضرت نے علینا فرمایا ہے یعنی حضرت
حسنؑ کو اپنے ساتھ شریک کیا ہے اور بصیغہ جمع فرمایا کہ ہمپر صدقہ حرام ہے۔ ہم سب ایک ہیں
گویا اتحاد جسمانی وروحانی رکھتے ہیں اور سب کے سب تمام حالات میں یکسان ہیں۔ نیز آیہ مباہلہ
بالصراحت دال ہے کہ یہ سب آپس میں ایک نفس ہیں کہ بصیغہ جمع فرمایا ہے (انفسنا وانفسکم)
ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ کوئی پیغمبر پر یہ اعتراض نہ کرے کہ
پیغمبر نے ایک کمسن بچے سے اس قسم کا استفہام کیوں کیا جو ایک باخبر جاننے والے شخص سے
کیا جاتا ہے یعنی جناب امام حسن سے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ صدقہ ہمپر حرام ہے؟
گویا مقصود یہ ہے کہ تم جانتے ہو تمہیں ایسا نہیں چاہیئے کیونکہ حسن کا حال عوام الناس کا
سا حال نہیں حسنؑ وہ ہیں جو اس وقت لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے تھے اور تمام حلال و حرام سے
واقف تھے اس واسطے پیغمبر نے ایسا فرمایا فان الحسن فی ذالک الوقت یلاحظ اللوح
المحفوظ چھبیس چیزیں خصائص نبوت سے شمار کی گئیں ہیں جن میں سے اکثر خصائص مشترکہ ہیں
نبی اور امام میں اور بعض مخصوص ہیں جناب ختمی مرتبت سے منجملہ اُن کے ایک آپ کے
جسم اقدس کا بے سایہ ہونا ہے اور بحسب روایت امام رضاؑ حضرات ائمہؑ کیلئے بھی ثابت ہے
جس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی لیکن جب یہ نور فعلاً درجۂ کمال پر پہنچیگا (واللہ متم
نورہ ولو کرہ المشرکون) اس وقت یہ تمام صفات وخصائص مع اشیاء زائدہ
ظاہر ہونگی اور اکمال واتمام اس نور کا وقت ظہور امام مہدی آخر الزمان عجل اللہ فرجہ
ہوگا جس کا آئندہ ذکر آئے گا اور یہ صحیح ہے اور آیات اس پر شاہد ہیں (فاستبقوا الخیرات
اینما تکونوا یات بکم اللہ جمیعا) خیرات کی طرف جلدی سبقت کرو۔ جہاں کہیں تم ہوگے
خدا تم کو جمع کر لائیگا۔ اس سے مراد قیامت نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے یہ اعتراض پیدا ہوتا
ہے کہ قیامت میں اشرار کو پیدا نہ کرے گا۔ حالانکہ اس وقت حشر مطلق ہے بلکہ مراد اس سے
زمانہ مہدی عجل اللہ ظہورہ ہے۔ بارہ شخص ایک جگہ جمع ہوکر معراج کو جائینگے علیہم الصلوٰۃ والسلام

نبی کی قوت اور معراج جسمانی

مخالفین اسلام جو اسلام پر اعتراض کرتے ہیں
مدرک۔ ان کا کتب اہل اسلام ہیں جیسا کہ پیغمبر کی

معراج جسمانی کے متعلق حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔ کہ شب معراج جسم پیغمبر بستر پر سے غائب نہیں ہوا تھا۔ بلکہ معراج یہ معراج روحانی ہوئی تھی اور اسی طرح معاویہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ اس نے آیہ مجیدہ وما جعلنا الرویا التی اریناك الا فتنة للناس" (الخ) کی تفسیر میں بیان کیا کہ معراج حضرت محض روحانی خواب تھا۔ لیکن یہ حضرت عائشہ پر محض افترا ہے۔ انہوں نے ہرگز نہیں فرمایا۔ کیونکہ معراج بنا بر ایک قول بعثت کے تیسرے سال مکہ میں واقع ہوئی ہے اور حضرت عائشہ آخر سن ہجرت میں عقد پیغمبر میں آئیں۔ اور بعد ہجرت آٹھ ماہ بعد مدینہ میں حضرت کے گھر آئیں پھر حضرت عائشہ کو بستر پیغمبر کی کیا خبر۔ یہ محض تہمت ہے۔ اگر حضرت عائشہ اس طرح فرماتیں تو اس وقت سب تکذیب کرتے کہ تمہیں کیا خبر۔ تم شب معراج خانہ پیغمبر میں کب تھیں؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے پیغمبر سے سنکر روایت کی ہوگی تو چاہیئے تھا کہ قال رسول اللہ فرماتیں نہ کہ اپنا قول۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ معاویہ نے ایسا کہا۔ لیکن اس کا قول سند نہیں وہ عدو پیغمبر تھا۔ اور وہ اس وقت مسلمان بھی نہ تھا۔ بعد فتح مکہ مؤلفة القلوب لوگوں میں داخل ہوا ہے۔ بعد ازاں مسلمانوں نے جو فلاسفہ کے قول سننے کے عادی ہوگئے تھے کہ کوئی جسم کرۂ ہوائی سے باہر نہیں جاسکتا تو انہوں نے بھی اعتقاد کرلیا۔ کہ معراج حضرت روحانی تھی۔ نہ جسمانی اور ان روایات کی بھی تصدیق کرلی منکرین نبوت ہمیشہ اسی طرح کی حدیثیں سناتے رہتے ہیں اور پیغمبر اسلام پر افترا کرتے ہیں۔ رہے فلاسفہ سو ان کے اقوال خود متضاد ہیں سند نہیں ہوسکتے۔ اولاً مقدمات میں بیان کرتے ہیں۔

کہ ہوا دو قسم کی ہے ایک اندرونی۔ دوسری بیرونی اور ہر ایک جسم ان دونوں ہواؤں کے دباؤ سے قائم ہے۔ اور بیرونی ہوا کا اندرونی ہوا پر دباؤ پڑتا ہے۔ اور اندرونی ہوا اپنی کشش سے بیرونی ہوا کو اندر کھینچتی ہے اور اس طرح سے اندرونی ہوا باہر نکل آتی ہے۔ اگر بیرونی ہوا کا دباؤ اور بیرونی ہوا نہ ہو تو اندرونی ہوا کے زور سے کھال پھٹ جائے اور جسم پاش پاش ہوجائے اور حسی ثبوت بھی دیتے ہیں۔ کہ سینگی لگانے میں سینگی کو ہوا سے خالی کرلیا جاتا ہے اور جہاں سینگی لگانی ہوتی ہے! اس مقام کی ہوا بھی چوس کر خالی کردی جاتی ہے اور سینگی کو چپکا دیا جاتا ہے تو اس مقام سے جسم پھٹ جاتا ہے۔ اور خون نکل آتا ہے۔ جو مشاہد و محسوس ہے غرض جب جسم پر

بیرونی ہوا کا دباؤ نہ رہے۔ یا جسم ایسی جگہ ہو۔ جہاں یہ ہوا نہیں ہے تو اندرونی گیس
جسم کو پاش پاش کر دیتی ہے اور جسم سے خون جاری ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر کہتے ہیں کہ
ایسی حالت میں کب ممکن ہے کہ کوئی جسم اس کرہ ہوا سے باہر چلا جائے یا آسمان پر پہنچ
جائے لیکن اُن کا یہ استدلال خود ہی اُن کے اصول کی رُو سے باطل ہے کیونکہ
ہوا بھی خود جسم ہے اور یہ تثاقل و انجذاب (دباؤ و کشش) اس میں بھی موجود ہے۔ اگر
ایسا نہ ہوتا تو ہرگز بارش نہ برستی۔ اسی طرح اگر ہوا کے اوپر کسی دوسری چیز کا دباؤ نہ ہو۔ اور
مانع اُٹھ جائے تو وہ منتشر ہو جائے اور پھیل جائے اور دباؤ سے خارج ہو جائے۔ اور اپنے
مقام سے باہر ہو جائے اور اسیطرح زمین بھی فنا و متلاشی ہو جائے یعنی وہ قائل ہیں کہ کرہ
ہوائی جو ایک جسم ہے زمین کو چاروں طرف سے محیط ہے اور اپنے گرد کی ہوا کو کشش زمین
اپنے ساتھ لئے ہوئے ہے پس ہم کہتے ہیں کہ جب ہوا بھی ایک جسم ہے اور تثاقل اور
تجاذب اس میں موجود ہے۔ اور فلاسفہ اس کیلئے قائل ہیں کہ مثلاً ۴۵ میل سے اوپر ہوا نہیں
ہے۔ خلاء (اتوسفر) ہے تو اس کرہ ہوائی پر کسی دوسری چیز کا دباؤ نہ رہا ان کے اس قاعدہ
اولیہ کے موافق چاہیئے کہ جسم ہوا بھی منتشر ہو جائے۔ اور اس کا حجم خلاء کی طرف کو پھیلتا جائے
اور اسیطرح جب زمین پر اس ہوا کا دباؤ نہ رہا تو چاہیئے کہ وہ بھی فنا و متلاشی ہو جائے۔ حالانکہ
ایسا نہیں ہوتا اور نہ وہ اس کے قائل ہیں پس یا تو وہ اپنے اقوال میں تناقض صریح کو تسلیم
کریں یا اپنے قاعدے کی غلطی مانیں۔ علاوہ ازیں وہ قائل ہیں کہ آفتاب اول مخلوق ہے۔ جو اجزاء
فردیہ مادیہ کی حرکت و کشش دائمی طبعی سے پیدا ہوا ہے اور باقی تمام کرات و اجسام اسی کی
کشش سے قائم ہیں اور یہی مرکز عالم ہے پس اس بنا پر چاہیئے کہ آفتاب اپنی کشش
دائمی سے زمین کے گرد کے کرہ ہوائی کو اپنی طرف کھینچ لے ورنہ یہ اصول باطل ہے
اور انکو قائل ہونا چاہیئے کہ ان تمام چیزوں کے سلسلہ نظام کو قائم رکھنے والی اور ہی کوئی قوت
خارجی ہے جو اس مادے سے بالا اور اس سے علیحدہ ہے۔ یہ جو قائل ہیں کہ مادے میں
حرکت دائمی ہے۔ بدیہی البطلان ہے۔ کیونکہ حرکت کا مفہوم ہی حدوث پر دلالت کرتا ہے اس
لئے کہ دو حال سے خالی نہیں یا حرکت بعد سکون ہے۔ یا حرکت بعد حرکت۔ اگر بعد سکون ہے تو بھی
قدیم نہ ہوئی۔ کیونکہ اس سے پہلے سکون موجود ہے۔ اور اسیطرح اوپر کو لیتے جاؤ کہ حرکت سے پہلے
حرکت اور اس حرکت سے پہلے حرکت الی غیر النہایت۔ تو ضرور آخر میں منتہی بسکون ہو گی۔

لہذا حرکت کسی طرح قدیم نہیں ہوسکتی۔ حکماء نے دراصل جذب و دفع ہی کو نہیں سمجھا اور آخر کار نہیں سکوت اختیار کرنا پڑا ہے۔ تمام قوائے جاذبہ و دافعہ علۃ العلل و مسبب الاسباب کے دست قدرت میں ہیں اور وہی موثر حقیقی ہے۔ تمام موجودات میں۔ اور خزانہ ان تمام قوائے برقیہ و ایروقیہ کا وجود پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ اول صادر از مصدر ہے ہر شے کو وہاں سے تقسیم ہوتی ہے۔ کوئی شئے اس سے مافوق نہیں الا خداوند عالم۔ پس پیغمبر کا معراج پر تشریف لے جانا اسی قوت کے ذریعہ سے تھا۔ جذب بھی اس کے اختیار میں ہے۔ دفع بھی اس کے ماتحت۔ جب مشیت الٰہی ہو جہاں چاہے وہ جا سکتا ہے۔ کوئی شے اُسے مانع و حاجب نہیں ہو سکتی قرآن اُن تمام امور کو بیان کرتا ہے۔ "سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ" الخ یعنی پاک و پاکیزہ ہے وہ خالق عالم جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد الحرام سے اول مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے اطراف و جوانب بابرکت ہیں پس اصل لے جانے والا خدا ہے جو قادر مطلق و خلاق عالم ہے +

یہی قوت وجود امام میں بھی موجود ہے اور اسی قوت سے ہر شے پر غالب آتا ہے حسینؑ مظلوم نے لشکر مقابل سے تین درخواستیں کی ہیں کہ ایک ان میں سے پانی کی خواہش تھی۔ اور چند مرتبہ ایسا کیا اور متعدد طریق سے اسکو ظاہر کیا اور پھر دریا پر پہنچکر بھی پانی نہ پیا۔ حالانکہ شدت تشنگی کا یہ حال تھا کہ تقریباً ۹ بجے صبح کے حر بن یزید ریاحی لشکر مخالف کے مقابل تشریف لیگئے اور اُن سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے اے لوگو تم نے اس عبد صالح کو بلایا اور اب تم اس کے ساتھ مکر و حیلہ سے پیش آئے۔ وہ جانے کی اجازت مانگتا ہے مگر تم نہیں چھوڑتے اور پانی کو اس پر بند کر دیا ہے جس کو کفار و مشرکین سگ و خوک پیتے ہیں۔ اور تشنگی کی یہ شدت ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے شدتِ تشنگی سے اٹھ نہیں سکتے۔ کھڑے ہوتے ہیں اور گر پڑتے ہیں۔ انتہیٰ پس جب صبح کے وقت پیاس کی یہ شدت تھی۔ تو عصر کے وقت کیا حال ہوگا؟ مگر معلوم نہیں کیا سبب تھا کہ کنارۂ فرات پر پہنچکر بھی پانی نہ پیا؟ سبب اس کا یہ تھا کہ خداوند عالم فرماتا ہے "استعینوا بالصبر والصلوٰۃ" اور یہ روزان تمام باتوں کے عمل کرنے کا ہے حسینؑ نے فرات میں داخل ہو کر دکھایا کہ ہم دریا لے سکتے ہیں۔ لیکن داخل ہو کر بھی نہ پیا تا کہ عمل کی مثال قائم کریں اور دنیا سے پیاسے اور روزہ دار اُٹھیں کہ باوجود قدرت کے اس طرح کا صبر کیا کرتے ہیں جو صبر کے اصل معنی ہیں اور صبر امام یہ ہے۔ جو دلیل امامت ہے۔ اور یہ اثر اسی قوت کا ہے۔ جو نبی اور امام کیلئے مختص ہے +

اور دو مرتبہ اس کلمہ کا اظہار فرمایا۔ سات حملے لشکر پر کئے۔ تیسرے حملہ میں نہایت غضبناک ہوئے نہ معلوم کیا وجہ تھی بعض مورخین کہتے ہیں کہ نہر علقمہ پر لاش برادر دیکھکر غضب میں آئے تھے ابن تمیم نامہ نگار کہتا ہے کہ میں نے کسی دل شکستہ کو مثل حسینؑ جری پر دل نہیں دیکھا کہ جس کے بھائی، بھانجے، بھتیجے، بیٹے سب قتل ہو چکے تھے۔ مگر اس حالت میں اس نے مثل شیر غضبناک حملہ کیا اور نہر علقمہ میں داخل ہو گئے اس وقت ایک آواز سُنی کہ کوئی کہہ رہا ہے۔ (علی قول) یاایہا الذین امنوا اوفوا بالعقود" اے ایمان والو اپنے عہدوں کو پورا کرو یعنی وقت شجاعت ختم ہوا یہہ وقت شہادت ہے "فکف عن القتال و وضع علی یدہ وقال انا للہ وانا الیہ راجعون"۔ لڑائی سے ہاتھ اُٹھالیا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون" یعنے ہر حال میں راضی برضا ہیں۔ جب لشکر مخالفین نے دیکھا کہ حسین نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ چاروں طرف سے گھیر لیا۔ میں یہاں نہیں کہہ سکتا کہ کیا کیا۔ اس وقت امیر المومنین کی تاسی کی یعنی دیکھا گیا کہ عمامہ دو ٹکڑے ہے آپ نے نہ چاہا کہ بہنیں آپ کو اس حال سے دیکھیں دامن قبا پھاڑ کر سر کے زخم پر باندھ لیا۔ قربان بے کسی مظلوم پر کہ کوئی اتنا بھی نہ تھا کہ زخموں پر پٹی باندھے +

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

قال بعض الرواۃ ما رایت مکسوراً قط قد قتل ولدہ واھلبیتہ واصحابہ اربط جاشا منہ وان کانت الرجالۃ تشد علیہ فیشد علیھا بسیفہ فتنکشف انکشاف المعزی اذا اشتد فیھا الذئب ولقد کان یحمل فیھم وقد تکملوا ثلثین الفا فینھزمون بین یدیہ کانھم الجراد المنتشر ثم یرجع الی مرکزہ وھو یقول لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم یعنی راوی کہتا ہے میں نے کسی شکستہ دل کو جسکے اصحاب و اقربا و اہلبیت سامنے قتل ہو چکے ہوں حسینؑ سے زیادہ قوی القلب و مستقل مزاج نہیں دیکھا کہ اگر آپ پیادے حملہ کرتے تھے تو آپ ذوالفقار لیکر جھپٹتے تھے تو انکی بھیڑ اس طرح پھٹ جاتی تھی جیسے کہ بکریوں میں بھیڑیا آن پڑتا ہے اور وہ جناب ان پر حملہ آور ہوتے تھے درآنحالیکہ وہ پورے تیس ہزار تھے بس وہ آپ کے آگے اس طرح بھاگتے تھے جس طرح ٹڈیاں اڑتی ہوں۔ ابن شہر آشوب اور محمد بن ابی طالب نقل کرتے ہیں کہ ان حملوں میں اس تشنہ لب مظلوم نے ایک ہزار نو سو پچاس ناریوں کو فی النار کیا۔ بابی انت وامی یا مظلوم (عاشر بحار)

موعظۂ نہم

۱۰ المحرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یوم ندعوا کل اناس باما مھم

انقلاب و اضطراب عالم امکان

اذا الشمس کورت و اذا النجوم انکدرت و اذا الجبال سیرت و اذا العشار عطلت و اذا الوحوش حشرت و اذا البحار سجرت و اذا النفوس زوجت و اذا الموٗدۃ سئلت بای ذنب قتلت (الخ) آج کے دن دنیا میں ایسا عجیب و ہولناک واقعہ وقوع پذیر ہوا ہے جس سے ماسوائے اللہ عرش سے فرش تک جمیع موجودات خواہ محسوس ہوں یا غیر محسوس متاثر ہوئے ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب چاند زمین و آفتاب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ تو آفتاب کو گہن لگتا ہے لیکن ایسا بھی ہوا ہے کہ بوجہ کمی حرارت سوزش آفتاب کو گہن لگا ہے اور معلوم ہے کہ جب تک اس میں تاثیر نہ ہوا ور کسی حادثہ سے متاثر نہ ہو حرارت کم نہیں ہوتی پس معلوم ہوا کہ اس واقعۂ ہائلہ سے اجرام فلکی بھی مثل آفتاب بے متاثر ہوئے نہ رہ سکے (اس دن آفتاب کو گہن لگنا اس پر دال ہے اذا الشمس کورت) غرض اس روز کے خونی منظر نے تمام موجودات میں اثر کیا۔ مگر ذات واجب الوجود کہ وہ محل عوارض و حوادث نہیں ہے۔ اس کو رنج و الم نہیں پہنچا۔ البتہ آثار ملال اس سے بھی ظاہر ہوئے ہیں جیسا کہ ملا محتشم نے باحسن طرق اس کو ظاہر کیا ہے کہ جس وقت قطرۂ خون حسینی زمین پر گرا عرش ذوالجلال متزلزل ہو گیا

ہست از ملال گرچہ بری ذات ذوالجلال
او در دل است و ہیچ دلے نیست بے ملال

ملا مرحوم نے اول ایک مصرعہ کہا اور چھ ماہ تک متفکر و حیران رہے۔ مگر دوسرا مصرعہ نہ ہوا آخر کار ایک رات خواب میں دیکھا۔ کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ یہ مصرعہ لکھو اور مصرعہ ثانی بتلایا اس شعر میں ملا نے بطور تعمیہ غضب و قہر الہی کو بیان کیا ہے یعنے غضب و قہر ذات الہی پر عارض نہیں ہوتا۔ تالم سے اس کی ذات منزہ ہے لیکن اس کا اثر یعنے انتقام و تعذیب وغیرہ اس سے

ظاہر ہوتا ہے پس اس واقعہ ہائلہ سے خداوندِ قہار اہلِ دنیا پر غضبناک ہوا - اور آثار قہاریت اس سے ظاہر ہوئے ٭

حسینی شہادت کا دردناک منظر

اس روز شروع جنگ سے حضرت پر تین حالتیں گذری ہیں - ایک وہ حالت ہے جبکہ آپ گھوڑے پر سوار ہیں - دوسری وہ حالت ہے کہ جب حضرت پشت زین سے زمین پر تشریف لائے اور بیٹھے ہوئے ہیں - تیسری وہ حالت ہے کہ جب حضرت بیٹھنے سے بھی معذور ہیں - زمین پر لیٹے ہوئے ہیں - حالتِ اوّل میں تمام ذرات عوالم کی توجہ حضرتؑ کی طرف مائل ہے اور اُس کے آخر وقت میں یعنی جب گھوڑے سے گرنے لگے ہیں - عقول قادسہ میدان کربلا میں حاضر ہو گئے - اس وقت ذواتِ علویہ و موجوداتِ سماویہ سے کوئی باقی نہ تھا جو کربلا نہ پہنچ گیا ہو - یہ ملائکہ اس وقت کیوں کربلا میں آئے تھے ؟ وجہ یہ تھی کہ جس وقت امام نے نعرۂ نصرت بلند کیا اور فرمایا: "ھل من ناصر ینصرنا" (کیا ہمارا کوئی ناصر و مددگار ہے جو ہماری نصرت اور یاری کرے) یہ آواز امام و ولیِ زمان آوازِ ابراہیمی تھی - تمام موجودات و ذراتِ عالم امکان میں پہنچی - عالم امکان میں زلزلہ پڑ گیا جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو جب حکم ہوا کہ "اذن فی الناس بالحج" الخ (لوگوں کو حج کے لئے بلاؤ اور ندا دو - حضرت ابراہیم نے آواز دی - تمام موجودات محسوس اور غیر محسوس کو پہنچی جس نے لبیک کہا وہ حج کو جاتا ہے اور مشرف ہوتا ہے جس نے لبیک نہیں کہا وہ حج نہیں کر سکتا - اسیطرح سے یہ آواز امام آواز مطلق تھی - جمیع ذرات عالم کو پہنچی کہ امام زمان فرماتے ہیں "فضجت الملائکة" یعنے ملائکہ میں شور و غوغا برپا ہو گیا اور اُنہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ عترت رسول پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے ؟ کہ عالم امکان مع عرش اعظم متزلزل ہے اور اجازت چاہی کہ نصرت حسینؑ کو میدان کربلا میں پہنچیں حسینؑ مظلوم کے اس استغاثہ میں خداوند عالم بھی شامل ہے - کہ استغاثہ مطلق ہے کہ کون میرا ناصر و مددگار ہے ؟ لہذا اس استغاثہ کا جواب اول باری تعالیٰ سے ملا - وہ ایک کاغذ سفید حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر گرا - اس میں لکھا ہوا تھا اے حسینؑ! ہم نے تمہارے اوپر شہادت کو واجب نہیں کیا ہے - بلکہ مختار ہو چاہے اختیار کرو - چاہے نہ کرو - تمہارے درجات و مراتب میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوگی حضرت

نے شہادت کو اختیار کیا بعد ازاں ملائکہ آئے کہ حضرتؑ کی نصرت کریں۔ حضرت نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ بارالٰہا میں ان کی مدد نہیں چاہتا۔ تیری لقار کا خواستگار ہوں کیوں حضرت نے نصرت نہ چاہی؟ فعل امام حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتا حکمت ظاہر ہے جب حضرت تنہا رہ گئے ہیں۔ نہ بھائی ہیں نہ بیٹے نہ بھانجے۔ نہ بھتیجے نہ احباب نہ اصحاب۔ اس وقت حضرت زندہ رہکر کیا کرتے۔ اس کے بعد منظر ہولناک شروع ہوا حتیٰ کہ وہ حالت ہوئی کہ ملائکہ مقربین مثل حاملان عرش بھی زمین پر آگئے اور یہ حالت یعنی حالت سواری ختم ہوئی اور دوسری حالت یعنی پیادگی کا وقت آیا لیکن یہ امر کہ حالت سواری و پیادگی میں کتنا فاصلہ تھا۔ اور کس طرح سے زمین پر تشریف لائے اور کہاں؟ میں بیان نہیں کر سکتا گرنے کی کیفیت کو مورخین نے نہیں لکھا کہ حضرت کس طرح سے زمین پر گرے۔ مگر بقول امام زمان عجل اللہ فرجہ وہ حالت نہایت دردناک و غم انگیز ہے۔ کیونکہ حضرت کا فقرہ یہ ہے "ھویت الی الارض جریحا" اور ہوی کے معنے سر کے بل گرنے کے ہیں یعنی مقصود امام زمان عجل اللہ ظہورہ کا یہ ہے کہ اے جد بزرگوار جب تیغ وسنان۔ نیزہ و تیر کے زخموں سے آپ کا جسم اقدس گھائل ہو گیا اور پشت زین پر سنبھل نہ سکے تو منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔ دہنے رخسارے کے بل زمین پر گرے۔ اس وقت زمین کانپ اٹھی۔ اور زلزلہ پیدا ہوا ملائکہ موکلین کو حکم ہوا۔ کہ تھام لو۔ جو لوگ زیارت روضۂ اقدس سے مشرف ہوئے ہیں انہوں نے دیکھا ہو گا کہ وہاں نہر حسینیہ کی طرف ایک مقام بنا ہوا ہے۔ جو مقام حضرت عجل اللہ فرجہ کے نام سے موسوم ہے اور مقام حضرت صادق علیہ السلام نہر علقمہ کی جانب ہے کہ جہاں حضرتؑ قیام فرماتے اور رویا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ وہ مقام ہے جہاں سے میرے چچا حضرت عباس داخل فرات ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام حضرت عجل اللہ فرجہ وہ مقام ہے۔ جہاں امام مظلوم گھوڑے سے گرے وہ جگہ اس مقام سے جہاں اب ضریح حضرت ہے بہت فاصلہ پر ہے نہ معلوم کس طرح امام مظلوم یہاں تک پہنچے اور کتنی جگہ قیام فرما کر یہاں آئے۔ حضرت کے یہاں پہنچنے کی حالت نہایت دردانگیز و غم انگیز ہے۔ تواریخ میں لکھا ہے تارۃً ینوء و تارۃً یکبوء او یقوم مرۃ و یکب اخرے کبھی تو آپ کھڑے ہو کر چند قدم چلتے تھے اور کبھی منہ کے بل زمین پر گر پڑتے تھے کیوں حضرات کیا وجہ تھی کہ امام مظلوم گر گر پڑتے تھے؟ آپ سمجھتے ہونگے کہ ضعف کی وجہ سے ضعیف نہ تھا بلکہ جب حضرت اٹھکر چند قدم چلتے کوئی شقی نیزہ مارتا اور کوئی تلوار تو حضرت گر پڑتے تھے

"انا للہ وانا الیہ راجعون" آیا اسوقت حضرت کے ساتھ ہتھیار تھے یا نہیں؟ اسوقت کوئی ہتھیار حضرت کے پاس نہ تھا کیونکہ جب گھوڑے سے گرے ہیں حضرت نے ذوالفقار۔ زرہ۔ ذوالفصول عمامۂ سحاب اور تمام تبرکات گھوڑے سے باندھ دئے کہ لیجائے اور وہ ایک تلوار جو گھوڑے سے بندھی ہوئی تھی وہ کمر سے باندھ لی کیونکہ حضرت عازم الی اللہ تھے تبرکات نبوی کو جدا کر دیا کہ اس کے مستحق کو پہنچا دئے جائیں۔ غرض جس وقت زمین پر نزول ہوئی۔ اہل بیت نبوی سمجھ گئے کہ کیا ماجرا ہے۔ خیموں سے نکل کر تل زینبیہ پر آکر کھڑے ہو گئے اور میدان کی طرف دیکھنے لگے دیکھا کہ فوجوں کے گروہ ایک طرف کو جاتے ہیں اور پھر واپس آجاتے ہیں۔ آخر کار یہ معرکہ آہستہ آہستہ خیمہ گاہ کے مقابل آگیا اس وقت اہل حرم نے معلوم کیا کہ حسین مظلوم اسی جماعت میں گھرے ہوئے ہیں اور یہ لوگ ان پر حملے کر رہے ہیں۔ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس وقت تیس ہزار آدمی حضرت کو گھیرے ہوئے تھے اور اُن کے قتل کو ثواب جانکر بڑی بے رحمی سے قتل کر رہے تھے اسوقت ایک دستۂ فوج جو اہل حرم کے سامنے تھا۔ دوسری طرف ہٹ گیا۔ تب اُنہوں نے دیکھا کہ حسین مظلوم تلوار ٹیکے بیٹھے ہوئے ہیں اسی اثنا میں ایک بچّے کی نظر حضرت پر پڑی۔ عورتوں کی صف سے جدا ہو کر امام مظلومؑ کی طرف دوڑا۔

شہادت عبداللہ بن الحسن المثنّیٰ

اس لٹے ہوئے قافلہ کی قافلہ سالار حضرت زینبؑ خاتون نے دیکھا۔ دوڑ کر پکڑ لیا! اور فرمایا این "قرۃ عینی" اے نور چشم کہاں جاتے ہو؟ عرض کیا پھوپھی اماں میرے چچا جان کو دیکھتی ہو کہ کس حالت میں ہیں۔ اس حالت کو امام مظلوم ملاحظہ فرما رہے تھے۔ آواز دی: اے بہن! اس بچے کو نہ چھوڑنا۔ مگر مظلومیت حسینی کی کشش مقناطیسی کب چھوڑتی تھی۔ بچے کا دامن چھٹ گیا اور وہ میدان کی طرف چلدیا صفوں کو چیرتا ہوا پہنچا۔ اور اپنے آپ کو حضرت پر گرا دیا۔ اور دونوں ہاتھ حضرت کی گردن میں ڈال دئے حضرت نے اس سے فرمایا اے نور دیدہ تو یہاں کیوں آیا؟ عرض کیا کہ حضرت کو اس حال میں دیکھوں اور حاضر نہ ہوں یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ حضرت اسکی طرف متوجہ تھے کہ پیچھے سے ایک ہاتھ اُٹھا۔ چاہتا تھا کہ حضرتؑ پر وار کرے۔ بچے نے حضرت کی گردن سے ہاتھ نکالکر حضرتؑ کے سامنے بلند کر دئے۔ اس ملعون شقی کی تلوار لگی اور ایک ہاتھ اسکا قطع ہو گیا حضرت نے اسکو گود میں لے لیا۔ اس وقت تین شخصوں نے حضرت پر حملہ کیا۔ اور ابن شریک ملعون نے ایک تلوار حضرتؑ کے شانے پر ماری جس سے حضرتؑ کا بازو شکست ہو گیا

اور اُن ملاعین نے اس بچے کو حضرت کی گود سے کھینچ لیا اور حضرت کے سامنے ذبح کر دیا۔ اس کشاکش میں ارکانِ عالم مضطرب ہو گئے۔

اب تیسری حالت شروع ہوئی اور بیٹھنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ حضرت دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر بیٹھے اس وقت تمام ملائکہ و نبی جان انبیاء، و اوصیا راولیا وہاں موجود تھے سابقاً بیان کیا جاچکا ہے کہ حضرت روزہ دار تھے اور دنیا سے روزہ دار ہی اُٹھے۔ جناب رسول خدا بارو زہ نہیں سدھارے اور نہ حضرت امیرالمومنین روزہ دار گئے اور نہ امام حسنؑ۔ یہ امر جناب سید الشہداہی سے مخصوص تھا کہ دنیا سے با روزہ تشریف لے گئے۔ کیونکہ یہ حقیقت دین کے اظہار کا دن تھا اور عمل کر کے دکھلانے کا روز۔ تینتیس ۳۳ زخم شمشیر کے لگے ہوئے تھے اور نیزوں کا تو شمار ہی نہ تھا۔ اور زخمی کو بہت شدت کی پیاس معلوم ہوا کرتی ہے لیکن باوجودیکہ فرات پر پہنچے۔ مگر پیاسے رہے۔ تاکہ حقیقت صوم کو عملاً ثابت کریں۔ صرف سیب بہشتی کو سونگھ لیتے تھے جو حضرت رسول خدا کے وقت سے چلا آرہا تھا۔ اس وقت جب جسم اقدس سے خون بہت ہی نکل گیا اور پیاس کی شدت ہوئی تو حضرت نے وہی سیب نکالا اور اس کو دندان مبارک سے کاٹا تو اس سے خون جاری ہو گیا۔ یہ خون امامؑ تھا۔ جس نے سیب میں اثر کیا ہوا تھا۔ اور اسی خون کا اثر ہے جو آج بھی ماتمیوں کے سینوں اور پیشانیوں سے جاری ہے۔ غرض حضرت نے وہ سیب آسمان کی طرف پھینک دیا۔ حضرت جبرئیل جو حاضر رکاب تھے اُنہوں نے لے کر اس کو بہشت میں ڈال دیا۔ خون حسینؑ کی بو سے تمام بہشت ماتم سرا بن گیا۔

آیا پیغمبر خدا و علی مرتضیٰ و فاطمۂ زہرا و حسن مجتبےٰ بھی میدان کربلا میں موجود تھے۔ یا نہیں؟ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مومنین تصور فرمائیں۔ کہ جب حضرت زہرا کربلا میں موجود تھیں اور اپنے لختِ جگر کی یہ حالت دیکھ رہی تھیں۔ تو ان کی کیا حالت ہوئی ہو گی۔ ایک شخص سفید پوش کو دیکھا گیا کہ حضرت حسین مظلوم کے نیزے کے نیچے پھر رہا ہے اور فریاد کرتا ہے۔ کسی نے دریافت کیا اور کہا اے شخص تو دیوانہ ہو گیا ہے۔ کہا میں دیوانہ نہیں ہوں۔ میں پیغمبر خدا کو دیکھتا ہوں کہ بالباسِ خون آلودہ نوحہ و فریاد کر رہے ہیں۔ الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین۔

موعظۂ دہم

۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

علت غیبتِ امامؑ

یوم ندعوا کل اناس باما مھم۔ والذین یقولون ربنا ھبلنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔

ان دس روز یعنے ایام عشرہ محرم میں عنوانات مختلفہ وعبارات متفاوتہ میں قرآن سے ثابت کیا گیا ہے کہ ہر زمانہ میں ایک وجود ہادی حقیقی یعنی امام موجود ہے۔ امام کے معنی ماٰیؤتم بہ وما یقصد بہ ہیں یعنی وہ شخص یا وجود جس کی طرف جمیع موجودات رجوع کریں اور تمام انسان قلباً وباطناً اس سے وابستہ ہوں۔ جس طرح سے بے تار کی تار برقی ہر ایک ہوا کو جس میں وہ آواز ہوتی ہے اپنی طرف کھینچ لیتی اور جذب کر لیتی ہے۔ اسی طرح سے امام تمام ذراتِ عالم کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور تمام موجودات اُس کی طرف متوجہ اور اُس سے وابستہ ہوتی ہیں لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باوجود اس قوت جاذبہ کے لوگ بظاہر اس سے کیوں اعراض کرتے ہیں؟ اور کیوں وہ اپنی قوت قہریہ جاذبہ سے ان کو اپنی طرف نہیں کھینچ لیتا؟ اور کیوں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے؟ حالانکہ اسکو کسی کا خوف نہیں +

جواب اس کا ظاہر ہے کہ کیوں لوگ اس سے اعراض کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کا وجود وجود خدا سے ظاہر تر نہیں ہے اور نہ اس کی قوت قوت خدا سے زیادہ ہے پس لوگ کیوں خدا سے اعراض کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگ قطعاً وجود خدا ہی سے منکر ہیں۔ علی ہذا القیاس پیغمبر سے کیوں اعراض کرتے ہیں؟ کیوں سب اس کی تصدیق نہیں کرتے؟ کیوں اس کی فرمائش پر پورا پورا عمل نہیں کرتے؟ پس جو جواب یہاں دیا جاتا ہے وہی وہاں بھی ہو سکتا ہے +

علاوہ ازیں اس اعراض کے لئے ایک اصل بھی ہے وہ یہ کہ صفت امام یہ ہے جیسے خدا بیان فرماتا ہے وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیداً یعنی اسی طرح سے تمہیں ایک امتِ وسط بنایا گیا ہے تاکہ

تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور وسط (اعتدال) سے یہ مراد نہیں۔ کہ اُس کے ہاتھ۔ پاؤں۔ ناک کان قد معتدل اور متوسط ہوں اگر ایسا ہو تو چاہیئے۔ کہ ہر مستوی القامت و مستوی الخلقت آدمی امام ہو جائے۔ حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے امام میں درجہ اعتدال ضرور ہے لیکن اعتدال کو سمجھنا چاہیئے کہ کونسا اعتدال مراد ہے۔ اعتدال کے چند درجے ہیں۔ ایک اعتدال وہ ہے جو ذات احدیت ذات واجب الوجود کے لئے ہے کہ وہ عادل ہے بلکہ عین عدل ہے۔ "ان اللہ یأمرکم بالعدل والاحسان" اور اس کا عدل عدل ذاتی ہے پس جو شخص خلیفہ اور جانشین خدا ہو چاہیئے کہ وہ عادل ہو اور عدل ذاتی رکھتا ہو اور وہ ممکن و واجب کے درمیان واسطہ ہو۔ ممکن بالذات و واجب بالغیر ہو یعنی واجب الوجود سے کم اور ممکن (یعنی عام موجودات) سے بالاتر ہو۔ خدا سے لے اور مخلوقات کو پہنچائے۔

مثال آفتاب کیلئے ایک مقام مقرر ہے۔ اس سے شعاعیں نکلتی ہیں۔ جو تمام موجودات کو روشن اور منور کرتی ہیں اور یہ شعاعیں آفتاب سے کبھی جدا نہیں ہوتیں مگر عین آفتاب بھی نہیں۔ آفتاب اور چیز ہے اور اس کی شعاعیں اور اس کی ذات دونوں ایک نہیں یہ آفتاب کی شعاعیں ہیں نہ کہ عین آفتاب اور آفتاب انہیں شعاعوں کے ذریعہ سے روشنی دیتا اور باعث تربیت عالم ہے اور جب تک آفتاب ہے وہ شعاعیں بھی ہیں۔ یہ شعاعیں دلیل آفتاب ہیں پس بلاتشبیہ اسی طرح سے اس امت وسط کا وجود واسطہ فیضان ہے درمیان خدا اور اس کی مخلوق کے اس سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں۔ یہ آفتاب احدیت کی شعاعیں ہیں اور انہیں کے ذریعہ سے خدا تربیت عالم کرتا ہے۔ اور جس طرح آفتاب کی روشنی سے آفتاب کو پہچانتے اور اس کے وجود کا علم ہوتا ہے اسیطرح امت وسط کے ذریعہ سے خدا کو پہچانتے ہیں اور وہ دلیل ہیں وجود حق کی لیکن ذات واجب الوجود (خدا) کے لئے مثل آفتاب فی ذہاب و ایاب، آمد و رفت حرکت و جریان نہیں وہ غروب و افول سے مبرا و منزہ ہے۔ قائم و دائم ہے۔ لہذا اسکی شعاعیں جو باعث تربیت عوالم ہیں یعنی آفتاب امامت کے لئے بھی غروب و افول نہیں ہیں وہ ہمیشہ موجود و درخشاں ہے اور اس کا فیض جاری ہے۔ البتہ کبھی ابر عارضی و حجاب خارجی کے حائل ہونے سے اس کی شعاعیں ہم سے منقطع ہو جاتی ہیں جیسا کہ آفتاب کی شعاعیں بادل سے رُک جاتی ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ابر نہیں ہوتا اور آفتاب موجود و درخشاں ہوتا ہے لیکن ہم خود سایہ میں چھت وغیرہ کے نیچے آ جاتے ہیں اور اس صورت میں شعاع آفتاب ہم سے منقطع

ہو جاتی ہے کہ ہمیں شعاعِ آفتاب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ گو ہمکو روشنی کی ضرورت ہے لیکن بوجہ کسی خواہش و غرض نفسانی کے ہم روشنی سے گریز کرتے ہیں اور سایہ میں مکان وغیرہ کے اندر ہو جاتے ہیں اور اس وجہ سے روشنی ہم تک نہیں پہنچتی پس اس صورت میں آفتاب کی روشنی سے متنفع نہ ہونا ہمارا قصور ہے نہ کہ آفتاب کا پس معلوم ہوا کہ لوگ آفتاب امامت سے بوجہ غلبۂ شہواتِ نفسانیہ استفاضہ نہیں کرتے اور روشنی نہیں لیتے اس کی طرف سے قصور نہیں ہے ہم خود اس سے اعراض کرتے ہیں۔ یہاں سے ایک اور علت بھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ابر (بادل) بخارات کے مجتمع اور متراکم ہونے سے پیدا ہوتا ہے اور وہ ہمارے اور آفتاب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ یہاں وجودِ امام کے لئے کونسا امر حائل ہوا ہے؟ وہ اوہامِ باطلہ اور معاصی کے بخارات ہیں۔ جو آفتاب امامت کیلئے حائل و حاجب ہیں کہ اسکا فیض بظاہر ہمیں نہیں پہنچتا پس ظاہری غیبتِ امام کا سبب ہم خود ہیں اور زیادہ تر یہ بُرے علمار کی جہالت کا اثر ہے یعنی جیساکہ چاہیئے اُنہوں نے امام کی معرفت نہیں کی اور اس کی ان صفات کے ساتھ تعریف نہیں کی جن سے کہ کرنی چاہیئے تھی بلکہ بسا اوقات دوسروں کو صفات میں امام پر ترجیح دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ خود اپنی طرف سے ایک امام مصنوعی بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اسکو امام سے افضل جانتے ہیں اور یہی وہ ابر ہے جو آفتاب امامت پر حائل و حاجب ہوتا ہے۔ اور یہی علتِ غیبت امام ہے کہ امام حقیقی کو چھوڑ کر دوسرے مصنوعی اماموں کے پیچھے ہو لئے ہیں۔ یہ غیبت صرف ہماری نظروں سے ہے کہ وہ موجود ہے اور ہم نہیں دیکھتے اور نہیں پہچانتے ہیں اور بعد ظہور پہچانیں گے اس وقت کہینگے کہ اس شخص کو تو ہم نے بارہا دیکھا ہے پس یہ ابر جہالت مانع ہے بصیرتِ باطنی جاتی رہی ہے۔ جس وقت وہ ٹھہر جائے گا۔ اس وقت پہچان لینگے +

امام کی معرفت

یہ امر خصائص انبیاء و ائمہ سے ہے کہ جب تک وہ خود نہ چاہیں اُنھیں کوئی پہچان نہیں سکتا قصۂ حضرت یوسف کو پڑھئے۔ تو معلوم ہوگا کہ جب ان کے بھائی مصر میں آئے تو حضرت یوسف نے فوراً اُن کو پہچان لیا مگر اُنہوں نے حضرت یوسف کو نہیں پہچانا "فعرفھم وھم لہ منکرون"۔ حالانکہ ساتھ پرورش پائی تھی ساتھ کھیلے تھے۔ ساتھ کھاتے پیتے تھے لیکن جب حضرت یوسف عؑ نے چاہا کہ راز کھلے اور وہ اُنہیں پہچان لیں۔ تو آپ نے فرمایا "ھل علمتم ما فعلتم بیوسف و اخیہ اذ

انتم جٰھلون" یعنے کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جبکہ تم جاہل تھے؟ اس وقت انہوں نے جواب میں کہا ءانت یوسف کیا تم یوسف ہو کیونکہ برادران یوسف نے جو کچھ اُن سے کہا تھا وہ سوائے اُن کے اور کسی کو معلوم نہ تھا پس جب حضرت یوسف نے اپنے قصّے کی طرف اشارہ کرکے یاددہانی کی تو وہ پہچان گئے کہ یہی یوسف ہے +

پس یہی حال ولی زمان اور امام علیہ السلام کا ہے کہ جو شخص حقیقت نبوت و امامت سے واقف نہیں انکی معرفت نہیں رکھتا۔ وہ انہیں دیکھتا بھی ہے مگر نہیں پہچانتا اور جو لوگ معرفت رکھتے ہیں۔ وہ نبی اور امام کو بے دیکھے پہچان لیتے ہیں۔

قصہ اویس قرنی اس کی بین مثال ہے جس کے حق میں حضرت ختمی مرتبت فرماتے ہیں کہ "یمن کی طرف سے بوئے رحمان سونگھتا ہوں" اویس قرنی دور سے ایمان لائے تھے اور حضرت کے دیدار سے مشرف نہ ہوئے تھے مگر معرفت کا یہ حال تھا کہ جب حضرت کے دندان مبارک پر جنگ احد میں ضرب آئی تو اویس قرنی نے "یمن" میں پتھر سے اپنے دانت توڑ لئے اور لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ حبیب کے دندان مبارک شکستہ ہوں اور میں صحیح و سالم بیٹھا رہوں۔ یہ معرفت باطنی و قلبی رکھتے تھے دل کی آنکھ نبی اور امام کو پہچانتی ہے نہ کہ چشم ظاہری۔ جو صرف رنگ و خط و خال دیکھتی ہے۔

پس امت وسط (ائمہ) جب اعتدال حقیقی رکھتے ہیں۔ اور مظہر عدل ذاتی واجب الوجود ہیں۔ تو واجب بالغیر اور ممکن بالذات ہوئے۔ بہ نسبت واجب (خدا) کے ممکن ہیں اور بہ نسبت ممکن (مخلوق) کے واجب۔ لہذا انہیں موت طبعی نہیں +

موت و حیات انبیاء علیہم السلام

حکماء کہتے ہیں کہ موت عدم وجود کا نام ہے مگر غلط ہے بلکہ موت امر وجودی ہے۔ نہ عدمی۔ اور موت مقدم ہے حیات سے کہ خدا فرماتا ہے خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً یعنے خدا نے موت و حیات کو خلق کیا ہے تاکہ آزمائے کہ تم میں سے کون عمل نیک کرتا ہے۔ انسان رحم مادر میں اول مُردہ ہوتا ہے۔ بعد ازاں زندہ ہوتا ہے اور موت امر وجودی ہے اور وجود امام میں موت نہیں کیونکہ مرگ عالم زمانیات و عالم خلق سے ہے یعنے یہ اجسام مادیہ (عناصر جن سے جسم مرکب ہوتا ہے نفس موت ہیں۔ جب ایک عنصر

دوسرے عنصر پر غالب آجاتا ہے۔ موت واقع ہوجاتی ہے اور وجود نبیؐ و امام اس مادہ فانیہ سے جو نفس موت ہے بری ہے یعنے وجودِ امام اور اس کا جسم اطہر دوسرے لوگوں کے جسم کی طرح نہیں ہے تاکہ اخلاط اربعہ میں سے کسی غلط کے غالب ہوجانے سے موت عارض ہوجائے اور جسم فنا۔ اور اجزائے جسم متفرق ہوکر اپنے عناصر سے ملحق ہوجائیں۔ بلکہ جسم اطہر امام ان عوارض سے معرّا اور فنا و تفرق اجزا سے مبرّا ہے اور موت امام کسی سبب عارضی کی وجہ سے ایک عالم اور ایک نشاء سے دوسرے نشاء کی طرف عیناً منتقل ہوتا ہے جو حکم و مصالح مختلفہ پر مبنی ہے۔ مادہ نبیؐ و امام غیر مادہ سائر ناس ہے۔ تمام لوگ عالم خلق سے تعلق رکھتے ہیں اور امام عالم امر سے ہے۔ چنانچہ آیۂ ذیل سے ظاہر ہے۔ "اذ قالت الملئکۃ یا مریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم وجیھًا فی الدنیا والاخرۃ ومن المقربین"۔ (آل عمران) (ترجمہ) جب ملائکہ نے آکر حضرت مریم سے کہا اے مریمؑ اللہ تم کو بشارت دیتا ہے اپنے ایک کلمہ کی جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے۔ وہ دنیا و آخرت میں ذی وجاہت اور مقربین میں سے ہے۔ ایضاً "انما المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ الخ" یعنے سوائے اس کے نہیں ہے کہ عیسیٰ بن مریم خدا کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جو حضرت مریم کو پہنچا اور اس کی روح پس اس سے معلوم ہوا کہ وجود انبیا کلمہ وجودیہ الٰہیہ ہے۔ مادہ فانیہ وہاں موجود نہیں کلمہ الٰہیہ ابتدا ہی سے صاحب حیات ہے۔ اور نیز روحِ الٰہی یعنی روحِ انبیاء مُردہ نہیں نفس حیات ہے۔ بلکہ حیات بخش لہذا موت اس کے وجود میں نہیں پس انبیاء اور ائمہ کیلئے موت طبعی نہیں۔ جب تک صدمہ خارجی انکو نہ پہنچے جو حیات کو مضمحل کردے مثل قتل و زہر کے اور قتل و زہر بھی بلا اس کے ارادے کے اثر نہیں کرسکتے۔ زہر شہد بن جاتا ہے "اذا وحی ربك الی النحل۔ الخ فیہ شفاء للناس"۔ (الخ) شہد کی مکھی زہریلی گھانسیں اور بوٹیاں کھاتی ہے اس کے پیٹ میں شہد بنجاتی ہے اور یہ تمام اثرات تحت حکم ولی الامر ہیں پس جب تک اس کا ارادہ متعلق نہ ہو زہر اثر نہیں کرسکتا۔ حضرت ختمی مرتبتؐ کو بائیس مرتبہ زہر دیا گیا جنگ خیبر میں جب حضرتؐ کو پارچہ گوشت میں زہر دیا گیا۔ تو حضرت نے فرمایا۔ یہ گوشت کا ٹکڑہ

مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اس میں زہر ہے حضرت امیر المومنین اپنے قاتل ابن ملجم ملعون کو فرماتے ہیں" ادید حیاتہ ویرید قتلی" میں تو اس کی حیات چاہتا ہوں اور وہ میرے قتل کا ارادہ کرتا ہے حضرت حسن علیہ السلام کو بارہا زہر کھلایا گیا۔ مگر جب تک ارادہ نہ ہوا۔ زہر نے اثر نہ کیا۔ حضرت امام حسین نے جب تک موت کا ارادہ نہیں کیا۔ ایک تیر حضرت کے جسم اقدس پر نہ لگا۔ تیر آئے تھے اور دریافت کرتے تھے کہ کہاں لگیں فرماتے تھے خاک میں۔ خاک میں جاکر تیر گر جاتے تھے۔ حضرت امام حسین کے زخموں سے گیارہ معجزے ظاہر ہوئے۔ کوئی پیغمبر سوائے پیغمبر خدا ائمہ کے درجہ میں شمار نہیں ہو سکتا۔ ہاں جناب پیغمبر خدا ائمہ سے افضل ہیں۔ ملک الموت کی کیا طاقت ہے جو باختیار خود نبی یا امام کی روح قبض کر سکے۔ کیونکہ اس کی قوت ملک الموت کی قوت سے کہیں زیادہ ہے۔

صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ ملک الموت حضرت موسیٰ کی روح قبض کرنے کے واسطے آیا۔ تو حضرت نے اس کے منہ پر ایک ایسا زور سے طمانچہ مارا کہ اُس کی ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب ملک الموت آئے تو حضرت موسیٰ نے دریافت کیا کہ کیوں آئے ہو؟ کہا قبض روح کے واسطے۔ فرمایا۔ کہاں سے قبض کروگے کہا منہ سے فرمایا جس منہ سے میں نے آیات توریت کی تلاوت کی ہیں۔ اس سے کیونکر میری روح قبض کر سکوگے۔ کہا دماغ سے۔ فرمایا جس پر کوہ طور پر انوار الٰہیہ کی تجلی ہوئی ہے وہاں سے کیونکر قبض کروگے۔ کہا۔ آنکھوں سے۔ فرمایا جن آنکھوں نے نور پروردگار کا جلوہ دیکھا ہے۔ اُن سے کس طرح روح قبض کروگے کہا پیشانی سے۔ فرمایا جو سجدۂ خدا میں رہی ہو۔ اس سے کیسے روح قبض کر سکوگے۔ کہا سینے سے۔ فرمایا جو سینہ آیاتِ الٰہیہ کا خزانہ ہے۔ وہاں سے قبض روح کیونکر ہو سکتی ہے۔ کہا ہاتھوں سے۔ فرمایا جن ہاتھوں سے الواح تورات کو اٹھا کر لایا ہوں ان سے قبض روح کیونکر کر سکوگے۔ کہا پاؤں سے فرمایا جن پاؤں سے چلکر کوہ طور پر گیا اور الواح اُٹھا کر لایا اُن سے میری روح کیونکر قبض کر سکتے ہو؟

(مطلب حضرتؑ کا یہ تھا۔ کہ تم کو کیا اختیار ہے کہ نبی کی روح قبض کر سکو) ملک الموت یہ سُنکر دربار الٰہی میں حاضر ہوئے اور قصّہ بیان کیا۔ حکم دیا کہ باز رہو۔ موسیٰ ابھی موت کی طرف مائل نہیں۔ آخر کار ایک روز حضرت موسیٰ نے دیکھا کہ ایک شخص قبر کھود رہا ہے۔ حضرت نے دریافت کیا کس کے واسطے کھود رہا ہے۔ کہا خدا کے ایک مخلص بندے کے واسطے فرمایا

میں بھی تمہاری مدد کرتا ہوں۔ کیونکہ قبر کھودنے اور مُردے کو خاک میں دفن کرنے کا بہت ثواب ہے +

جب قبر درست ہوگئی۔ تو وہ شخص کھڑا ہوکر دیکھنے لگا حضرت موسیٰ نے دریافت کیا۔ کیا دیکھتے ہو؟ کہا یہ دیکھتا ہوں کہ جس شخص کیلئے یہ کھودی ہے۔ آیا اس کے واسطے ٹھیک ہے۔ یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ اُس کا قد میرے برابر ہوگا۔ کہا ہاں اتنا ہی ہوگا۔ فرمایا اچھا میں اس میں لیٹ کر دیکھتا ہوں کہ آیا ٹھیک ہے یا نہیں جس وقت حضرت موسیٰؑ قبر میں لیٹے۔ خدا نے اُن کے مقامات دکھائے۔ حضرت نے عرض کیا۔ خدایا مجھے اپنے پاس بلالے۔ ملک الموت حاضر تھے۔ عرض کیا حاضر ہوں (قبر کھودنے والے ملک الموت ہی تھے) اور حضرت موسیٰ کو اسی قبر میں دفن کر دیا +

پس معلوم ہوا کہ موت ان کے تابع ہے۔ بلکہ روز قیامت نفخ صور انہی کے حکم سے ہوگا۔ "یوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السمٰوٰت ومن فی الارض" یہی وجہ ہے کہ امیرالمومنین ایک معمولی کرتہ پہنکر لڑائیوں میں شریک ہوتے اور لڑتے تھے۔ ایک مرتبہ اصحاب نے عرض کیا۔ تو فرمایا میں وہ ہوں جو موت کو بھی مارنے والا ہوں۔ مجھے کیا خوف ہے اور قیامت میرے حکم سے برپا ہوگی۔ فقرات خطبۂ امیرالمومنین مقالات طویلہ کے ضمن میں فرماتے ہیں "ان نطقت تقولون حسد وان سکت تقولون جزع ابن ابی طالب من الموت هیهات هیهات یقال لی هذا انا الساعة انا الموت الممیت خواض المنیات جوف لیل خامد حامل السیفین الثقلین والرمحین الطویلین ومکسر الرایات فی غطامط الغمرات ومفرج الکربات عن وجه خیرة البریات" الخ۔

یعنی فرماتے ہیں اگر بولتا ہوں تو کہتے ہو۔ کہ حاسد ہوں اور اگر خاموش رہتا ہوں تو کہتے ہو کہ علی ابن ابی طالب موت سے ڈر گیا۔ ہیہات ہیہات میرے واسطے یہ کہا جاتا ہے۔ حالانکہ میں خود قیامت ہوں اور میں ہلاک کرنے والی موت اور شب تاریک میں موتوں میں گھسنے والا دو بھاری تلواروں سے لڑنے والا اور دو لمبے نیزوں سے نیزہ زنی کرنے والا اور سخت معرکہ ہائے جنگ میں دشمنوں کے نیزوں اور اسلحوں کو توڑنے والا۔ اور حضرت خیرالانام سے کرب و بلا کو دور کرنے والا (کیا میں موت سے ڈرنیوالا ہوں) الخ

حضرت موسیٰؑ کی طرح سے ملک الموت روز عاشورہ بھی آئے اور اسیطرح سے سوال و جواب بھی ہوئے لیکن دربار الٰہی میں ملک الموت کا جواب یہاں کچھ اور تھا یعنی عرض کیا بار الٰہا تیرے اس عاشق زار کا کوئی عضو صحیح نہیں۔ تمام بدن چور چور ہے۔ میں کہاں سے روح قبض کروں۔ خطاب الٰہی پہنچا "یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی"۔

آج شہداء علیہم السلام کے دفن کا دن ہے کیونکہ روز سوم ہے۔ ابھی لاشہائے شہدا بے گور و کفن پڑی ہیں۔ یہ مسلم ہے کہ شہید کیلئے غسل و کفن نہیں ہے۔ بلکہ اس کیلئے حکم ہے اسی لباس میں بلا غسل و کفن دفن کر دیا جائے۔ روز جنگ احد تمام شہدا اسی لباس میں دفن کئے گئے۔ مگر معلوم نہیں کہ یہ مثل کیوں مشہور ہو گئی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو شہید بے غسل و کفن کہا جاتا ہے۔ حالانکہ تمام شہدا بے غسل و کفن ہی دفن ہوا کرتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ حسین مظلوم ایسے شہید ہیں کہ بعد شہادت آپ کے جسم اقدس پر لباس بھی نہ رہا محقق ہے کہ تمام کپڑوں کے نیچے آپ نے ایک پیراہن نہایت بوسیدہ اور پرانا پہنا تھا مگر بعد قتل ملاعین نے وہ بھی تن اطہر پر نہیں چھوڑا۔

امام جواد علیہ السلام زیارت میں فرماتے ہیں "السلام علی الشہید الذی غسلہ من دمہ" یعنی سلام ہو اس شہید پر جسکا غسل اسکے خون سے ہوا اور جسکا کفن ریگ بیابان تھی۔ جو ہوا سے اُڑ کر جمع ہو گئی تھی۔ قربان ہوں ہماری جانیں سید الساجدین پر کہ ایسے جنازہ پر تشریف لائے اور ایسی حالت میں کہ غسل آپ کا خون سے تھا اور کفن ریگ صحرا اور آپ کو دفن کیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

موعظہ یازدہم

۱۶ محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یوم ندعوا کل اناس بامامہم

مزید بیان صبر | بعض مجالس سابقہ میں اجمالاً صبر کو عنوان کیا گیا تھا۔ خدا سورۂ

عصر میں فرماتا ہے: "وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" یعنے قسم ہے عصر کی انسان خسارے اور زیاں کاری میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور اعمال نیک کئے اور حق و صبر کی وصیت کی۔ اہل منطق کے نزدیک "اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ" قضیہ مہملہ ہے اور قضیۂ مہملہ جزئیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ اگر منطقیین کا یہ قول صحیح مانا جائے تو آیت بے معنی ہوئی جاتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں استثنا صحیح نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ اگر قضیۂ مہملہ مانا جائے۔ جو حکم جزئیہ میں ہوتا ہے تو معنے آیت کے یہ ہونگے کہ بعض انسان خسارے میں ہیں اور بعض نہیں تو پھر مومنین صالحین کو مستثنیٰ کرنا لغو ہوگا کیونکہ وہ تو خود ہی مستثنیٰ ہیں اور بعض میں داخل۔

غرض یہ قضیہ مہملہ نہیں ہے بلکہ کلیہ محصورہ ہے اور (ال) سور ہے اور معنی یہی ہیں کہ تمام انسان خسارے میں ہیں سوائے مومنین صالحین کے جو حق اور صبر کی وصیت کرتے ہیں۔ مگر یہاں قابل توجہ یہ امر ہے کہ تمام انسان کس طرح نقصان اور خسارے میں ہیں۔ حالانکہ نوع انسان قابل ترقی ہے۔ بلکہ ترقی میں ملائکہ سے بھی زیادہ ہے اور یہ ترقی تمام افراد انسانی کیلئے ممکن ہے۔ خواہ گنہگار ہی کیوں نہوں وہ بھی مدارج ترقی میں ملائکہ سے افضل ہیں کہ فرشتوں میں ترقی نہیں ہے (اس کا بیان کسی اور موقع پر آئے گا۔ الغرض اہل ایمان صالحین و صابرین خسارے و نقصان میں نہیں اور نبوت و امامت کا مدار صبر ہے۔ "فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَكُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ" اس پر دال ہیں اور صبر در اصل تمام صفات کمالیہ انسانیہ کو شامل ہے۔ ایمان۔ اعمال صالحہ وصیت بحق۔ سب اس کے تحت میں ہیں اور صبر محض ابتلاآت ہی کے مقام میں ظاہر نہیں ہوتا کہ جو ابتلاآت میں ثابت قدم ہے۔ وہ صابر ہے بلکہ اس کی چند قسمیں ہیں (جیسا کہ بیان ہونگی) شجاعت بھی صبر کے تحت میں داخل ہے بلکہ شجاعت عین صبر ہے۔ اگرچہ بظاہر ایک دوسرے میں مغایرت معلوم ہوتی ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَنَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ" ہم ضرور تمہاری آزمائش کرینگے تاکہ معلوم ہو کہ کون تم میں سے جہاد کرتا ہے۔ اور کون جہاد میں ثابت قدم اور صابر رہتا ہے (سورہ قتال) "اَفَحَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا

مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ" یعنی کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے قبل اس کے کہ خدا امتیاز کرے۔ کہ کون تم میں سے جہاد کرتا ہے۔ اور کون اسپر صابر رہتا ہے۔ ان آیات میں بھی جہاد کرنے اور جہاد میں ثابت قدم رہنے کو صبر کہا گیا ہے۔ شجاعت جو کہ اہم اخلاق سے ہے اس کا قرآن میں کہیں ذکر ہی نہیں ہے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ شجاعت عین صبر ہے جس نے جہاد کیا اور اسپر صبر کیا۔ گریز نہ کی تو وہ صابر ہے اور جو شجاع اور ثابت قدم نہ رہا۔ بھاگ گیا۔ وہ جبان و نامرد و بےصبر ہے۔

چنانچہ ایک اور آیت اس کی تصریح کرتی ہے "وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ" یعنی صفت مومنین کی یہ ہے کہ وہ مصائب و ابتلاآت اور لڑائیوں میں ثابت قدم و صابر رہتے ہیں۔ بہرحال شجاعت عین صبر ہے۔ مشقتوں کا برداشت کرنا صبر ہے۔ بارہائے سنگین کا متحمل ہونا صبر ہے کسی امر کے انتظام میں مستقل و ثابت قدم رہنا صبر ہے۔ جرأت و حوصلہ صبر ہے۔ مَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ۔ خدا گنہگاروں کے حق میں فرماتا ہے۔ کہ وہ آتش جہنم پر کس قدر صابر و ثابت قدم ہیں کہ ڈرتے ہی نہیں پس جملہ صفات حمیدہ و اخلاق کریمہ تحت صبر ہیں۔ اور صبر بلاد مصائب ہی سے مخصوص نہیں۔ اور چونکہ مدار امامت صبر ہے۔ اس لئے امام میں وہ صبر و شجاعت ہوگی۔ کہ کوئی شخص اس صفت میں اس سے فضیلت نہ رکھتا ہوگا۔ امام کسی وقت کسی حالت میں لڑائی سے نہ بھاگیگا یہی وجہ ہے کہ بہشت میں جانے کی میزان و معیار روزہ و نماز و زکوٰۃ وغیرہ کو نہیں قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ جہاد و استقامت فی الجہاد کو معیار دخول جنت فرمایا ہے لیکن اس آیت سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ جو لڑائی سے بھاگے ہیں سب دوزخ میں جائینگے اور اگر ایسا ہے تو اصحاب پیغمبر میں سے صرف بارہ شخص بہشتی نکلتے ہیں باقی سب جہنمی۔

جواب شبہ ایک صاحب نے دریافت کیا۔ حدیث شریف اَلْفِرَارُ فِيْ وَقْتِهٖ ظَفَرٌ کا کیا مطلب ہے۔ جس میں بھاگنے کو فتح فرمایا گیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ (فی وقتہ) خود اس کا جواب ہے کہ کس وقت بھاگنا درست ہے۔ آیات ذیل سے حدیث مستنبط ہے کہ خدا فرماتا ہے "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ" (انفال ع۲)

یعنے اے ایمان والو! جب تمہاری لڑائی میں کفار سے مقابلہ ہو تو تم ان سے پشت مت پھیرو۔ جو شخص اسدن کافروں سے پشت پھیر کر بھاگیگا۔ وہ غضب الٰہی میں مبتلا ہوگا اور اُس کی جگہ جہنم ہے اور بہت بُری بازگشت ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو لڑنے کیلئے کسی اچھے مورچے کی طرف بھاگ کر جائیں یا اپنی کسی جماعت سے ملنا چاہیں کہ ایسی صورت میں ظفر یہی ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اگر لوگ ایسا نہ کریں تو دشمن بہتر مورچہ لے لے یا یہ تھوڑے ہوں اور اپنی جماعت کثیر سے نہ ملیں تو دشمن ان پر غالب آجائے۔ لہٰذا ایسی صورت میں ان مقامات کی طرف بھاگنا ہی ظفر ہے اور یہی حدیث کا مطلب ہے۔

غرض سب سے اعلیٰ اور اول دلیل صبر لڑائی میں ثابت قدم و مستقل رہنا ہے کیونکہ یہاں جان کا معاملہ ہے۔ اور جس نے جان سے ہاتھ اُٹھا لیا اور ایسے موقع پر ثابت قدم رہا وہ پھر کسی دوسرے مواقع مصائب و ابتلاآت میں بے دل نہ ہوگا۔ ہر مقام میں ثابت و صابر رہے گا۔

صبر جمیل

اقسام صبر میں سے ایک صبر جمیل ہے۔ اور صبر جمیل محل ابتلاآت میں ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت یعقوب کی نسبت خدا حکایتاً بیان فرماتا ہے۔ "فصبر جمیل"۔ ابتلاآت میں استقامت صبر جمیل ہے اور ابتلاآت کی آٹھ قسمیں ہیں صرف شجاعت صبر جمیل نہیں ہے۔ شجاعت بمقابلہ مخالفین و کفار ظاہر ہوتی ہے جو ایک طرف محمود ہے اور دوسری طرف (کفار کی طرف) مذموم۔ خدا فرماتا ہے "صفاً کانهم بنیان مرصوص" یعنے مومنین کی شجاعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اس طرح صف باندھکر مقابلہ کرتے ہیں جس طرح کہ آہنی دیوار کھڑی ہوتی ہے پس محبوب خدا صرف ایک طرف ہے۔ یعنے صفوف مومنین نہ دوسری طرف۔ صبر جمیل وہاں ہوتا ہے جہاں دونو طرف محبوب خدا ہوں اور دونوں طرف تعلق الٰہی ہو جیسا کہ صبر حضرت یعقوبؑ مقابل فراق حضرت یوسف کہ دونوں برگزیدہ محبوب خدا ہیں پس ایک محبوب خدا کے دوسرے محبوب خدا کے حق میں صبر و استقامت ظاہر ہوئی ہے۔ وہ صبر جمیل ہے۔

صبر حسن

ایک قسم صبر کی صبر حسن ہے۔ جو صبر جمیل سے بھی بالاتر ہے۔ اگرچہ جمیل و حسن دونوں صفت مشبہ ہیں جو قیام ثبوتِ صفت پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن لیکن حسن ذوات سے متعلق ہوتا ہے اور جمال صفات سے اور ذوات فوق صفات ہیں

کیونکہ صفات عوارض ہیں۔ لہذا صبر حسن افضل ہے صبر جمیل سے اور صبر حسن صبر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ جو بائیس آیات قرآنی سے مستنبط ہوتا ہے لیکن بطور اجمال مذکور ہے منجملہ ان کے ایک آیت یہ ہے۔ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ. إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ۔ ایضاً۔ قَالَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" یہ صبر مقام شجاعت خاص ہے یعنے مراد یہ ہے کہ شجاعت پیغمبر میں تمہیں اچھی پیروی کرنی چاہئے اگر صبر پیغمبری کا صبر یعقوبؑ سے مقابلہ کیا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا۔ کہ صبر حضرتؐ صبر حسن ہے حضرت یعقوب کو معلوم تھا کہ یوسفؑ زندہ ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ ملینگے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "انّی اعلم ما لا تعلمون" یعنے اپنے بیٹوں سے فرماتے تھے کہ مجھے منجانب اللہ وہ باتیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے "عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا" عنقریب خدا ان سب کو مجھ سے ملائیگا۔ بخلاف اس کے جناب سرور کائناتؐ کو یقیناً معلوم تھا کہ حسینؑ میدان کربلا میں بھوکا پیاسا مع عزیز و اقارب دوست واحباب ظلم وستم سے قتل کیا جائیگا مگر کمال خوشی سے شہادت قبول فرمائی نہ انکار کیا۔ نہ اعتراض۔ پس یہ صبر صبر حسن ہے بلکہ حضرت ختمی مرتبت منبع صبر حسن ہیں اور مظہر اس صبر کا حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں سید الشہدا، روحی وارواح العالمین لہ الفدا تمام مصائب وابتلاآت تلف جان ومال۔ قتل اصحاب قتل اولاد۔ اسیری ذریت رسول میں مستقل و ثابت قدم رہے۔ جو صبر و استقامت روز عاشورہ امام مظلوم سے ظاہر ہوئی۔ تمام صبروں سے بالاتر ہے۔ جملہ مورخین خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم شجاعت حسینیہ کے معترف و مقر ہیں۔

اور اسیطرح صبر کامل بکمال فعلیت حضرت سید الساجدین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ظاہر ہوا ہے۔ جو لوگ کتب تواریخ پر احاطہ رکھتے ہیں سمجھتے ہیں کہ صبر سجاد کا کیا مرتبہ ہے حضرت یعقوب کا ایک بیٹا گم ہوا تھا مگر یہاں سید الساجدین فخر آل طٰہ ویٰسین کا ایک یوسف گم نہیں ہوا۔ اٹھارہ بنی فاطمہ فخر یوسف تین پہر میں اٹھ گئے اور ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ حضرتؑ کے حزن وملال کی یہ حالت تھی کہ ان ایام میں کسی سے بات نہ کر سکتے تھے۔ مگر جب کوئی سوال کیا جاتا تھا تو اس کا جواب دیدیتے تھے۔ ان ایام میں صرف دو مرتبہ تکلم فرمایا ہے جب آپ کوفہ کے قریب پہنچے ہیں۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ کیوں روتے ہو؟ اس وقت حضرت

نے فرمایا یعقوب کا ایک بیٹا گم ہوا تھا اور میرے سامنے اٹھارہ یوسف جو مثل و نظیر نہ رکھتے تھے قتل ہو گئے میں کس طرح گریہ نہ کروں۔ ہاں! جب حضرتؑ وارد کوفہ پہنچے۔ تو کسی نے سوال نہیں کیا۔ خود بولنے پر مجبور ہوئے یعنی جس وقت حضرت زینب خاتون علیہا الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خطبے کو ختم کیا۔ اور ان فقرات پر پہنچیں کہ اے قوم تم نے وہ کام کیا ہے جس سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں الخ تمام مورخین متفق ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے حضرت زینب کو وصیت کی تھی کہ اے بہن میرے بعد گریبان چاک نہ کرنا۔ بال نہ کھولنا۔ منہ پر طمانچے نہ مارنا۔ نالہ و فریاد نہ کرنا۔ مگر حضرت زینب نے یہ تمام کام کئے خصوصاً جب اس فقرہ بالا پر پہنچی ہیں۔ تو سر محمل سے باہر نکالا اور چوب محمل سے دے مارا کہ خون جاری ہو گیا۔ امام زین العابدین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دیکھا اور علم امامت سے معلوم کیا کہ جناب زینب خاتون کی کیا حالت ہے۔ اس گریہ و بکا آہ و نالہ سے عالم امکان درہم و برہم ہو جائیگا۔ فرمایا اے پھوپھی جان خاموش ہو جاؤ تمہارے نوحہ و بکا سے بھائی واپس نہیں آئیں گے۔ اَنْتِ بِحَمْدِ اللّٰهِ عَالِمَةٌ غَيْرُ مُعَلَّمَةٍ وَفَاهِمَةٌ غَيْرُ مُفَهَّمَةٍ۔ یعنی اے پھوپھی اماں تم خدا کے فضل سے بلا سکھلائے جانتی اور عالم ہو اور بلا سمجھائے سب کچھ سمجھتی ہو۔ تم جانتی ہو کہ تمہارے نالے عالم امکان میں کیا اثر کرینگے۔ فرمایا یہ غم جانکاہ وہ ہے کہ اس سے آسمان پارہ پارہ ہو جائیں۔ زینب کا سر کس طرح سلامت رہے میں دیکھتی ہوں۔ رسول خدا اور علی مرتضےٰ اور میری والدہ ماجدہ فاطمۃ الزہرا سر برہنہ نوحہ و بکا میں مشغول ہیں میں کس طرح فریاد نہ کروں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام حسین کی وصیت کا راز اسی واقعہ سے منکشف ہوتا ہے۔ اور اس وصیت میں یہی مصلحت تھی۔ فافہم وتدبر۔

غرض شہید امام کے اوصاف میں سے ایک وصف یہ ہے کہ وہ صابر ہو اور صبر کے چار مرحلے ہیں اول اُن میں سے وقت نزول بلا ہے اگر اس وقت صاحب بلیہ نے خدا پر اعتراض نہ کیا اور غیر خدا سے شکایت نہ کی۔ تو وہ صابر ہے لیکن بلیات و ابتلاآت سے کوئی شخص خالی نہیں۔ اور بقدر استطاعت سب تحمل کرتے ہیں۔ مورد صبر معلوم کرنا چاہیئے کہ کس درجہ پر پہنچکر انسان صابر کہلا سکتا ہے۔ مورد صبر اس آیت میں خدا نے بیان فرمایا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلّٰهِ

وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ. اُولٰٓئِکَ عَلَیۡھِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّھِمۡ وَرَحۡمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُھۡتَدُوۡنَ" یعنی ہم تمہارا امتحان کرینگے۔ کچھ خوف سے۔ کچھ بھوک سے۔ اور جانوں اور مالوں اور پھلوں کے نقصان سے۔ پس بشارت دو ان صابر مبتلاؤں کو کہ جب ان پر مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کے لئے ہیں جو چاہے سو کرے اور ہم اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں یہی وہ لوگ ہیں۔ جن پر خدا کی صلوات و رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔

پس اول درجہ صبر یہ ہے کہ ان ابتلاآت میں انسان صابر و ثابت قدم رہے اس آیت کے فقرۂ اخیر سے لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ چونکہ سوائے پیغمبر و امام کسی دوسرے کے لئے صلوات شایاں نہیں ہے۔ اس لئے یہ آیت حضرت امام حسین علیہ الصلوٰہ والسلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ "ھُوَ الَّذِیۡ یُصَلِّیۡ عَلَیۡکُمۡ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ لِیُخۡرِجَکُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ الخ" خداوند عالم وہ ذات پاک ہے جو تم پر صلوات بھیجتا ہے۔ اور نیز اس کے ملائکہ۔ تاکہ تم کو ظلمات سے نور کی طرف نکالے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ صلوات خدا و ملائکہ غیر نبی و امام کیلئے بھی ہے اس آیت میں عام مومنین شامل ہیں اور سلام کے متعلق فرماتا ہے "وَقُلۡ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ کَتَبَ رَبُّکُمۡ عَلٰی نَفۡسِہِ الرَّحۡمَۃَ اَنَّہٗ مَنۡ عَمِلَ مِنۡکُمۡ سُوۡٓءًۢ بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَاَصۡلَحَ فَاَنَّہٗ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۔ (انعام ع) یعنی کہدو کہ سلام ہو تم پر۔ اللہ نے تمہارے لئے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے کہ تم میں سے جو بسبب جہالت و نادانی کے برائی کرے اور پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح تو اللہ بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے یہاں سلام گنہگاروں کے واسطے بھی آیا ہے پس معلوم ہوا کہ صلواۃ و رحمت و سلام خدا نبی و امام ہی سے مخصوص نہیں بلکہ عام مومنین کو بھی شامل ہے۔ بلکہ گنہگاروں کو بھی۔ نہیں بلکہ قبل از توبہ بھی۔ اور صلوات جو مخصوص پیغمبر اور امام سے ہے وہ چیز دیگر ہے۔ لہذا یہ آیت "وَلَنَبۡلُوَنَّکُمۡ" تمام امت کو شامل ہے البتہ ضمیر "کُم" سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقین اس میں داخل نہیں ہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے۔ کہ یہ آیت امام حسین علیہ السلام کے واسطے ہے اس کی خود الفاظ آیت سے نفی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں لفظ "بشیئ" مذکور ہے۔ یعنی کچھ تھوڑے سے خوف اور تھوڑی سی بھوک و نقصان جان و مال سے تمہارا امتحان کرینگے۔ اور امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مصائب خفیف و قلیل نہ تھے "شیئ من الخوف" کا اطلاق ان پر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر ایک شے کامل بلکہ اکمل تھی آدم سے لیکے

اس وقت تک کسی نے ان مصائب کو نہیں دیکھا خوف بھی کامل بھوک بھی کامل۔ بلکہ اس کے ساتھ پیاس بھی تھی نقصان اموال کا حال معلوم ہی ہے کہ اہل بیت کے پاس کوئی شے باقی نہ رہی تھی۔ ناظرین تاریخ جانتے ہیں کہ ان ایام میں اسیران اہل بیت کی کیا حالت تھی۔ جانوں کا نقصان معلوم ہی ہے کہ بجز سید الساجدینؑ اور چند لڑکوں کے اور کوئی باقی نہ رہا تھا خود جناب ام کلثوم بروایت جناب سید الساجدین ارشاد فرماتی ہیں کہ جب حضرت قریب مدینہ پہنچی ہیں تو مدینہ کو دیکھکر فرمانے لگیں۔

مَدِیْنَةُ جَدِّنَا لَا تَقْبَلِیْنَا فَبِالْحَسَرَاتِ وَالْاَحْزَانِ جِئْنَا

خَرَجْنَا مِنْكِ بِالْاَهْلِیْنَ طُرًّا رَجَعْنَا بِلَا بَنَاتٍ وَلَا بَنِیْنَا

اے ہمارے جد بزرگوار کے مدینہ ہمیں قبول نہ کر اور ہمیں اپنے اندر جگہ نہ دے۔ کیونکہ جب ہم تجھ سے رخصت ہوئے تھے۔ تو ہمارا سارا گھر بھرا ہوا تھا۔ سارا کنبہ موجود تھا اور اب ہم تجھ میں اس حال سے لوٹ کر آئے ہیں کہ نہ ہماری بیٹیاں باقی ہیں نہ بیٹے۔ حضرت کے اس بیان میں ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے۔ کہ حضرت فرماتی ہیں۔ نہ ہماری بیٹیاں باقی ہیں۔ نہ بیٹے اطفال خورد سال اہل بیت کی شہادت کا حال تو آپ لوگوں نے سُنا ہے۔ مگر دختران اہل بیت کیا ہوئیں؟ جو وہ معظمہ فرماتی ہیں۔ نہ بیٹیاں ہیں نہ بیٹے۔ وقت بعد شہادتِ امام حسین علیہ السلام جب تمام اہل حرم خیمہ سے نکل پڑے تو اطفال خورد سال گریہ وزاری نوحہ فریاد کرتے ہوئے لشکر کے سامنے چاروں طرف پریشان دوڑنے لگے اور ایک حشر برپا ہو گیا۔ عمر سعد لعین نے جو یہ حالت دیکھی گھبرایا اور سنگ اندازوں کو حکم دیا کہ بچوں پر پتھر برسائیں پس اُن ملاعین کے پتھروں سے کئی بچے شہید ہو گئے اور ان میں چار لڑکیاں بھی اس وقت درجہ شہادت پر فائز ہوئیں۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

حصۂ دوم

موعظۂ اوّل

۳ محرم الحرام ۱۳۳۲ ہجری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ

هٰذَانِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ

طُرق تحصیل سعادت و علم حقیقی مسلم ہے کہ طریق سعادت دو چیزوں میں منحصر ہے اور سعادت دارین حاصل کرنے کے دو ہی طریقہ ہیں ایک علم۔ دوسرا تقلید یعنی یا تو خود عالم ہو اس کا یا عالم کا پیرو و مقلد۔ بلا ان دو صورتوں کے حصول سعادت ناممکن ہے لیکن وہ علم کونسا علم ہے جو موجب نجات ہو؟ یہی علم جو ہم رکھتے ہیں یا کوئی اور علم؟ اگر ہمارے علوم اکتسابیہ کو حقائق واقعیہ سے مطابق کیا جائے تو دس حصوں میں سے نو حصے بالکل خلاف واقع اور غلط محض باطل مطلق ثابت ہونگے۔ اور ایک حصہ مشابہ باصل و حقیقت نہ کہ علم حقیقی۔ ہمارے علوم دراصل مثل صنعتوں اور حرفتوں کے ہیں کہ جس طرح بعض لوگ اپنے بچوں کو کوئی صنعت و حرفت مثل نجاری و آہنگری وغیرہ سکھاتے ہیں اور وہ اسکو یاد کر لیتے ہیں۔ اسیطرح طلبہ قواعد و اصول صرف و نحو معانی بیان عروض و قافیہ۔ اعراب و اشتقاق وغیرہ کو سیکھتے اور یاد کر لیتے ہیں پس یہ مثل دیگر صنائع و حرف و اکتسابات ہیں نہ کہ علم واقعی۔ علوم اکتسابیہ ہرگز علوم حقیقیہ

واقعیہ نہیں ہوسکتے البتہ بعض اوقات حصول علم کے ذریعہ و مقدمہ ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے ماہر فن و کاملین علوم کی غلطیاں خود ان کے شاگردوں نے پکڑی ہیں اور اُن پر اعتراض کئے ہیں۔ اگر یہ علوم علوم واقعیہ ہوتے تو کبھی غلط و باطل و زائل نہ ہوتے کیونکہ علم کیفیت نفس و ملکہ نفس ہے اور ملکات نفس نفس کے ساتھ باقی رہتے ہیں۔

تعریفات علوم ناقص ہیں

یہ علوم مثل صرف و نحو معانی و بیان منطق و فلسفہ (وغیرہ) کیونکر علوم واقعیہ ہوسکتے ہیں اور کیونکر مدار تحصیل حقائق و تحصیل سعادت ٹھہر سکتے ہیں جبکہ آج تک ان کی حدود و تعریفات بھی صحیح و مکمل نہیں ہوئیں مثلاً علم نحو کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ "اَلنَّحْوُ عِلْمٌ یُعْرَفُ بِهٖ اَحْوَالُ اَوَاخِرِ الْکَلِمِ الثَّلٰثِ اِعْرَابًا وَّبِنَاءً" یعنے نحو وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے کلمات ثلثہ کے آخر کا حال باعتبار اعراب و بنا معلوم ہوتا ہے کہ کون سا معرب ہے اور کونسا مبنی۔ اور کیا اعراب لیکن محققین پر پوشیدہ نہیں ہے کہ بہت سے الفاظ کلام عرب میں ابھی ایسے ہیں جن کا حال نہیں معلوم کہ وہ معرب ہیں یا مبنی۔ آج تک برابر اختلاف پڑا ہوا ہے۔ اسی طرح علم منطق کی یہ تعریف کی گئی ہے "اَلْمَنْطِقُ اٰلَةٌ قَانُوْنِیَّةٌ تَعْصِمُ مُرَاعَاتُهَا الذِّهْنَ عَنِ الْخَطَاءِ فِی الْفِکْرِ" یعنی منطق ایک آلہ قانونیہ ہے کہ اگر اُس کا لحاظ رکھا جائے تو انسان کا ذہن فکر میں خطا کرنے سے محفوظ رہتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے ماہرین فن منطق نے مقدمات سے نتائج نکالنے میں بے انتہا غلطیاں کی ہیں بلکہ نفس ترتیب مقدمات میں حتّٰی کہ ملا صدرالدین شیرازی جیسے کامل نے بیسیوں جگہ ایسی فاحش غلطیاں کی ہیں پس یہ علوم ہرگز حقیقیہ واقعیہ نہیں کہلا سکتے اور نہ اسی طرح تحصیل سعادت کا ذریعہ نہیں ہوسکتے +

علم حقیقی کی تعریف

پس وہ علم جو طریق سعادت ہے وہ علم ہے جو فطرتاً منجانب اللہ عطا ہوتا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ وہ علم جو طریق سعادت و موجب حصول سعادات اور علم واقعی ہے وہ ہے جو عند اللہ علم ہے اور جس کو خدا علم کہتا ہے۔ خداوند عالم نے دو علموں کا قرآن میں ذکر کیا ہے۔

علم جزئی

ایک علم علم جزئی ہے۔ اور دوسرا علم علم کلی ہے۔ اول کی نسبت فرماتا ہے وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا یعنے نہیں دیا گیا ہے تم کو علم سے

مگر تھوڑا سا حصہ۔ یہ آیت عام ہے۔ اور عام لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس میں مَآ اُوْتِيْتُمْ (جو کچھ تمکو دیا گیا ہے) فرمایا ہے نہ کہ مَا كَسَبْتُمْ یعنی جو کچھ تم تحصیل و کسب کرتے ہو جس سے ثابت ہے کہ اس علم سے وہ علم مراد ہے جو ہر شخص کو فطرتًا دیا گیا ہے۔ اور اُن کے وجود کے ساتھ عطا ہوا ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ امور بدیہیہ ضروریہ کو ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ سچ اچھا ہے جھوٹ بُرا ہے اور دو اور دو ملکر چار ہوتے ہیں اور دس دو سے بڑا ہے وغیرہ الک جنکو مستقلات عقلیہ کہتے ہیں۔ اگر انسان کو فطرتًا کچھ علم عطا نہ ہوتا تو ہرگز قابل تکلیف نہ ہوتا کبھی مکلف نہ کہا جاتا۔ یہ امر شان خداوندی سے بعید ہے کہ انسان کو مکلف بنائے اور اس کو فی الجملہ علم عطا نہ فرمائے۔ علاوہ ازیں اگر انسان میں کچھ علم فطرتًا موجود نہ ہوتا تو خارج سے بھی اثر قبول نہیں کر سکتا۔ پس اسی علم فطری کے ذریعہ سے معلم و اُستاد سے جو باتیں سنتا ہے اُنکو سمجھتا اور قبول کرتا ہے اور اسی علم کے ذریعہ سے علم معلم سے اکتساب کرتا ہے۔ بہرحال اس علم سے مراد علم فطری ہے نہ کہ اکتسابی۔ اور اسیکو علم کہا جاتا ہے۔ جو عند اللہ علم ہے۔ اور نیز اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ علم جزئی ہے چنانچہ (من) سے جو تبعیض اور جزئیت پر دلالت کرتا ہے۔ ثابت ہے۔ اور پھر لفظ قلیل سے اس کی تاکید مزید دلالت کرتی ہے کہ یہ علم علم جزئی ہے اور بہت ہی تھوڑا سا ہے یعنی عام لوگوں کو جو علم فطرۃً عطا کیا گیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے۔

رفع شبہ

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہاں یہ شبہ کرے کہ آیہ مبارکہ مَآ اُوْتِيْتُمْ الخ اس طرح ہے۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (ترجمہ) اے پیغمبر یہ لوگ تجھ سے روح کی نسبت سوال کرتے ہیں اُن سے کہدو کہ روح امر رب سے ہے اور تم کو نہیں علم دیا گیا ہے مگر تھوڑا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مطلق علم کی کمی کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ خاص علم روح کا ذکر ہے کہ وہ تم کو تھوڑا سا دیا گیا ہے۔ اور اس علم جزئی سے حقیقت روح کا ادراک ناممکن ہے مگر اس آیت کے الفاظ ظاہریہ ہی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ جواب یہ دیا گیا ہے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (کہدو کہ روح امر رب سے ہے) یعنی روح خداوند عالم کے عالم امری سے ہے نہ کہ عالم خلقی سے۔ عالم امری میں صرف ارادہ باری تعالیٰ کا تعلق کافی ہے۔ جہاں ارادہ الٰہی کسی شے سے متعلق ہوا۔ فورًا وہ شئے موجود ہو جاتی ہے رفتہ رفتہ

درجہ بدرجہ پیدا نہیں ہوتی۔ اشیائے عالم خلقی حسب اسباب درجہ بدرجہ حاصل ہوتی ہیں۔ اور دونوں عالموں کی طرف کلام مجید حمید میں اشارہ فرمایا ہے۔ اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَہٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ یعنے امرالہی یہ ہے کہ جب اس نے کسی شے کا ارادہ کیا اور (کن) کہا فوراً موجود ہوگئی یہ لفظ (کن) جو فصیح ترین ومختصر ترین الفاظ سے ہے تفہیم وتفہم سمجھانے اور سمجھنے کیلئے بیان فرمایا ہے جس سے بہتر کوئی لفظ ہو نہیں سکتا ورنہ دراصل یہ کوئی آواز نہیں ہوتی ہے جو خدا بولتاہے اور شے موجود ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس کا کلام نفس ایجاد ہے جیساکہ سر اللہ فی العالمین جناب امیر المومنین نے فرمایا ہے " لَا بِصَوْتٍ يَقْرَعُ وَلَا بِنِدَاءٍ يُسْمَعُ بَلْ كَلَامُهٗ سُبْحَانَهٗ اِيْجَادُهٗ۔ یعنی وہ نہ تو کوئی آواز ہی ہے جس کا کھٹکا یا دھمکا ہو اور نہ کوئی ندا ہے۔ جو سنائی دے بلکہ حق سبحانہ تعالیٰ کا کلام نفس ایجاد ہے یعنے جس وقت ارادہ الہی عالم امری کی کسی چیز سے متعلق ہوا۔ فوراً موجود ہوگئی۔ اور عالم خلق کی نسبت فرماتا ہے " وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ" (مومنون ع) البتہ ہم نے انسان کو خلاصہ طین سے پیدا کیا پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ قرار گاہ میں نطفہ رکھا۔ اور پھر نطفے کو علقہ (خون منجمد) بنایا اور علقے کو مضغہ (لوتھڑا) اور پھر اسکو ہڈیاں دیں اور پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا۔ پھر ہم نے اسکو ایک دوسری خلقت عطا کی پس بزرگ وصاحب برکت ہے وہ خدا جو بہترین خالق ہے یہ خلقت خلقت عالم خلقی ہے کہ انسان شکم مادر میں چھ درجے رفتہ رفتہ طے کر کے عالم انسانی میں داخل ہوتا ہے پس آیہ مبارکہ میں سائلین کے جواب میں جو علمائے یہود ونصاریٰ سے تھے اور وہ جانتے تھے کہ انبیاء کے ساتھ ایک روح اعظم ہوتی ہے اور نَفَخْتُ فِيْہِ مِنْ رُّوْحِيْ حضرت آدم کے باب میں سن چکے تھے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ یہ روح جس کی بابت تم دریافت کرتے ہو۔ ہمارے عالم امری سے ایک مخلوق عظیم ہے۔ اور تم عالم مادی جسمانی سے ہو تم عالم امری کی اشیاء کا ادراک کر نہیں سکتے۔ اور تمہارا علم وہاں تک احاطہ نہیں کر سکتا اور تم کو جو علم دیا گیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے۔ لہذا آیہ مبارکہ" وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا " ان کی نافہمی کی علت کو بیان کرتی ہے اور ان کے علم کے محدود وجزئی ہونے پر

دال ہے نہ کہ صرف علم روح کی ناداشتگی پر (فافہم)

بعض جہال اس آیۂ مبارکہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیۂ مبارکہ میں جواب میں مسامحہ کیا گیا ہے۔ اور سائلین کو روح کی حقیقت کی بابت کچھ جواب نہیں دیا گیا۔ اکتشافات جدیدہ سے اس اعتراض کی رکاکت و بطلان ثابت ہے۔ کیونکہ سائلین یہود جزیرۂ عرب کے جہال تھے اور ورائے علوم نہ تھے۔ اور تحقیقات جدیدہ میں ثابت ہے کہ علوم مرتب بہ ترتیب خاص ہیں۔ اور جب تک علم متقدم حاصل نہ ہو تحصیل علم متاخر ممکن نہیں۔ اور ترتیب علوم مثلاً اس طرح سے ہے۔ اول۔ علوم ریاضی۔ دوم علوم فلکیہ۔ سوم علوم طبعیہ۔ چہارم علم کیمیا۔ پنجم علم وظائف اعضا و تشریح۔ ششم علم نفس منطق۔ ہفتم علم اقتصاد سیاسی۔ ہشتم علم تکوین۔ شعوب۔ نہم علم تمیز جمال۔ دہم علم ماورا طبیعت۔ اور اسی میں علم روح داخل۔ نیز علم عقائد و معارف الٰہیہ۔ یازدہم علم اخلاق۔ دوازدہم علم حقوق۔ سیزدہم علوم سیاسیہ۔ اس ترتیب سے ظاہر ہے کہ علم معرفت روح مرتبہ دہم میں ہے۔ پس کس طرح سے جہال یہودیوں کیلئے معرفت حقیقت روح ممکن ہے تاکہ حقیقت روح سے جواب دیا جائے (فافہم)۔

علم کلی دوسرے علم یعنے علم کلی کی نسبت ارشاد فرمایا ہے۔ یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ یعنی اللہ تم میں سے اہل ایمان اور ان لوگوں کے درجات کو بلند کرتا ہے جن کو علم دیا گیا ہے۔ یہاں "من العلم" یا قلیل نہیں فرمایا جس سے جزوی علم مراد ہوتا بلکہ العلم فرمایا ہے جس سے مراد وہ گروہ خاص ہے جو مطلق علم اپنے وجود میں رکھتا ہے اور یہ علم علم اکتسابی نہیں ہے۔ بلکہ وہی علم ہے جو اس کا مرتبہ علم باریتعالیٰ سے متفرع و متنزل ہوا ہے غرض ان آیات میں دو علموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک علم محدود و جزئی ہے اور وہ اعم ہے اور سب کو شامل ہے اور دوسرا علم مطلق کلی۔ اور وہ مخصوص ہے ایک جماعت خاص سے۔ اور طریق سعادت یہی علم ہے۔ اور سعید و نیک بخت دو ہی قسم کے لوگ ہیں۔ یا وہ لوگ جو وارائے علم مطلق ہیں۔ یا وہ لوگ جو ان سے لیتے ہیں اور ان کے مقلد ہیں۔

بیان علم ذاتی و رفع اشتباہ کوئی شبہ نہ کرے کہ "اوتوا العلم" میں لفظ "اوتو" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علم ان کا ذاتی نہیں ہے۔ بلکہ بعد خلقت ذات ان کو عطا کیا گیا ہے۔ کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ انسان علاوہ اجزائے

مادیہ جسمانیہ ایک روح یا قوت ملکوتی رکھتا ہے جو مجرد اور فوق اجزائے مادیہ ہے اور کسی دوسری چیز کی محتاج نہیں اور تجرد دلیل علم ہے۔ بلکہ وہ قوت ملکوتیہ نفس قوت علمیہ ہے۔ جو انسان کو دی گئی ہے اور انسان اسی قوت سے انسان کہلاتا ہے۔ نہ کہ اجزائے مادیہ پس وہ علم ذاتی رکھتا ہے۔ اور علم کا مادہ اس کی فطرت میں داخل ہے اور اسی کی وجہ سے مکلف قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ ہرگز قابل تکلیف نہ ہوتا۔ البتہ علم اس کا بہت کم ہے اور محدود و ناقص اسی کی طرف اشارہ ہے۔ آیۂ مجیدہ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (روم) (یعنی اپنی توجہ کو خالصاً لوجہ اللہ اقامہ دین کیلئے منعطف کر۔ یہ دین فطرت الٰہی ہے۔ جس پر خدا نے لوگوں کو مخلوق و مفطور کیا ہے۔ اور خلق الٰہی کیلئے تبدیلی ممکن نہیں۔ یہی دین قائم و ثابت ہے لیکن اکثر لوگ اسکو نہیں جانتے) اگر دین فطرت انسانی میں داخل نہ ہوتا۔ اور بالفطرت لوگ عالم نہ ہوتے۔ تو ہرگز مکلف نہ ہوتے۔ اسی دین فطری کی تکمیل کے واسطے انبیا علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں اور اسی عالم فطری کی تتمیم کیلئے آئے ہیں پس یہ علم علم فطری ذاتی ہے لیکن بالذات نہیں ہے۔ علت موجدہ اور ہے اور علم ذاتی اور ہے اور علم ذاتی اور علم بالذات میں فرق ہے۔ خداوند عالم کا علم ذاتی بالذات ہے اور یہ صرف اسی ذات پاک سے مخصوص ہے (فافہم)

فرق عالم و علیم

ایک عالم ہے اور ایک علیم۔ اول خداوند عالم نے اپنی ذات کو لفظ علیم سے متصف فرمایا ہے۔ "إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ" اور علم اس کا علم ذاتی ہے اور بالذات۔ بعد ازاں اپنے پیغمبروں کو علیم فرمایا ہے چنانچہ حضرت یوسف عزیز مصر سے فرماتے ہیں "وَاجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ" اور حضرت اسحٰق کے باب میں فرمایا ہے "وَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ" پس بعد خدا اس کے انبیا علیہم السلام علیم ہیں اور علم ذاتی رکھتے ہیں لیکن نہ بالذات۔ بلکہ باعطائے الٰہی اور ان کے تحت میں عالم ہیں جو ان سے علم لیتے ہیں چنانچہ سورہ یوسف میں خدا فرماتا ہے۔ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ "یعنی ہر ایک ذی علم (عالم) کے اوپر علیم ہے" پس ذی علم عالم ہیں اور ان کے اوپر علیم پیغمبر ہے اور فوق پیغمبر خداوند عالم کہ علیم ازلی و ابدی ہے اور علم اس کا بالذات و عین ذات ہے۔

علتِ خلقتِ انبیاء

خدا نے جو انبیاء کو خلق فرمایا ہے۔ ان کی خلقت کی اصلی غرض کیا ہے؟ آیا خاص ہمارے واسطے اور ہماری ہی ہدایت کے لئے خلق کیا ہے۔ یا کسی اور غرض سے؟ اگر انبیاء کو خاص ہمارے ہی واسطے اور ہماری ہدایت ہی کیلئے خلق فرمایا ہے اور اُن کے وجود اور خلقت کی غرض و غایت ہم ہی تو ہیں۔ تو لازم آتا ہے کہ ہم انبیاء سے افضل ہوں اور ہماری خلقت مقصود بالذات ہو اور اُن کی مقصود بالعرض۔ کیونکہ مسلّم ہے کہ غایت ذی الغایت سے افضل ہوتی ہے جو چیز جس کی غرض سے اور جس کے واسطے بنائی جاتی ہے وہ افضل ہے۔ اس چیز سے جو اُس کیلئے بنائی گئی ہے۔ لہذا اگر انبیاء خاص ہمارے ہی لئے بنائے گئے ہیں۔ تو ہم یقیناً اُن سے افضل ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی غرض و غایت ہم ہیں اور یہ باطل ہے کہ ہم انبیاء سے افضل ہیں اور نہ کسی کا یہ عقیدہ ہے۔ بلکہ حدیث قدسی " لولاک الخ" اس کے خلاف پر دال ہے یعنی اس سے صاف ثابت ہے کہ خلقت پیغمبر خاتم النبیین مقصود بالذات ہے اور ہماری خلقت بالعرض۔ یہ کلیہ کہ کل انبیاء ہماری خاطر اور ہمارے لئے خلق کئے گئے ہیں۔ غلط اور باطل ٹھہرا۔ اور یہی مقصود ہے۔ فافہم وتدبر۔

پس معلوم ہوا کہ غرض و غایت خلقت ہم اور ہماری ہدایت نہیں۔ بلکہ خداوند عالم نے ان نفوس مقدسہ کو بغرض اظہار کمال و قدرت کاملہ و محبت شاملہ خلق کیا ہے کہ ان کے وجود کو دوست و محبوب رکھتا ہے کیونکہ وہ اس کے کمالات کا نمونہ اور اُس کی صفات کمالیہ۔ جلالیہ و جمالیہ کا مظہر ہیں اور ہر صاحب کمال اپنے کمال سے مبتہج و محظوظ ہوتا ہے اور اسکو محبوب رکھتا ہے۔ اسیواسطے حضرت موسے سے خطاب کر کے فرماتا ہے " وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي" یعنی اے موسیٰ میں نے تجھے خاص اپنے واسطے پیدا کیا اور بنایا ہے پس اصل غرض خلقت انبیاء سے اظہار قدرت و محبت الٰہی ہے البتہ ہماری ہدایت اس کی فرع ہے۔ اور غرض عرضی و ثانوی۔ کیونکہ نفس وجود ان کا مظہر کمالات الٰہیہ ہے اور وہ ہمیشہ سالک صراط مستقیم الٰہی ہیں۔ اس لئے ہم ان سے معرفت حاصل کرتے اور ان کی پیروی کر کے منزل مقصود پر پہنچتے ہیں پس ہماری ہدایت ان کے آثار وجودیہ سے ہے۔ نہ انکی خلقت کی غرض و غایت اصلی خدا وند عالم علیم بالذات ہے اور علیم بالذات و علم بالذات جاہل بالذات کو محبوب و دوست نہیں رکھتا۔ کامل کمال کو دوست رکھتا ہے۔ لہذا اُس نے انبیاء کو جاہل

پیدا نہیں کیا۔ بلکہ عالم بلکہ علیم پیدا کیا اور علم ان کی سرشت میں ودیعت کیا۔ بلکہ اول چیز جو مقام احدیت سے متنزل ہوئی ہے۔ وہ علم ہی ہے جیسا کہ سورۂ رحمٰن کی آیات اولیہ سے ظاہر ہے۔ "الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" (رحمٰن نے قرآن تعلیم دیا انسان کو خلق کیا۔ اور اُس کو بیان سکھایا) ظاہر ہے کہ آیۂ مذکورہ میں تعلیم مقدم ہے خلقت پر خلقت بعد ہے اور تعلیم اول۔ کیونکہ علم ہی مقدم ہے۔ تمام چیزوں سے۔ اول علم ہے۔ دوم مشیت سوم ارادہ۔ چہارم قدر۔ پنجم قضا۔ یا چہارم قضا و پنجم قدر ششم اجل ہفتم کتاب۔ لہذا اول اس آیت میں علم ہی کو ذکر کیا گیا ہے کہ اول ما نزل من اللہ علم ہی ہے +

نکتہ۔ یہاں خداوند عالم نے "الرَّحْمٰنُ" فرمایا ہے "اللہ" نہیں فرمایا۔ اور خلقت انسان سے پہلے تعلیم قرآن کا ذکر کیا ہے۔ پس وہ متعلم کون ہے جس کو قبل خلقت قرآن تعلیم دیا گیا اور وہ تعلیم کس قسم کی تھی۔ اللہ اسم خداوند عالم ہے باعتبار جامع ہونے جمیع صفات کمالیہ کے۔ اللہ یعنی جامع جمیع صفات کمالیہ۔ اور رحمٰن اسم ہے باعتبار ظہور جمیع صفات کمالیہ کیونکہ رحمت ہی سے ظہور ہوتا ہے۔ "ورحمتی وسعت کل شیئ" اور تعلیم مقام ظہور ہے اس لئے "الرَّحْمٰنُ" فرمایا ہے۔ اللہ نہیں فرمایا ہے اور چونکہ رحمان اسم ہی باعتبار ظہور صفات۔ اسیواسطے جہاں کہیں عرش یعنی علم خدا کا ذکر آیا ہے۔ وہاں رحمان ہی استعمال ہوا ہے۔ "الرحمن عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" یہ جو کہتے ہیں۔ کہ اللہ خداوند عالم کا اسم ذاتی ہے نہ صفاتی۔ غلط محض ہے۔ خدا کیلئے کوئی اسم ذات نہیں۔ اس کی ذات اسم و رسم حد و تحدید سے بری اور مقدس ہے کیونکہ مسلم ہے کہ اسم ذات مسمی کو مشخص و محدود کردیتا ہی اور ذات مسمّی پر دلالت کرتا ہے۔ پس اگر اللہ اسم ذات خداوند عالم ہو۔ تو ذات خدا مشخص و محدود ہو جائے۔ اور نیز ہر شخص متصور احاطہ کرلے اور پہچان لے۔ غرض اللہ بھی اسماء حسنیٰ صفاتیہ ہی میں داخل ہے "اُدْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى" سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اللہ اور رحمٰن دونوں ایک ہی جیسے اسماء صفاتیہ ہیں۔ اللہ ہرگز اسم ذات و علم نہیں پس خدا کیلئے کوئی اسم ذاتی قرار دینا درست نہیں۔ اور یہ متعلم جسکو قبل خلقتِ انسان تعلیم دی گئی ہے۔ وہ حقیقت نورانیہ محمدیہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کیونکہ وہ اول موجودات ہے۔ اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ اول جو چیز مقام احدیت سے متنزل ہوئی ہی۔ وہ علم ہے پس حقیقت نورانیہ محمدیہ نفس حقیقت علمیہ ہے۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ یہ

تعلیم تعلیم عالم عنصری نہیں ہے۔ بلکہ تعلیم ایجادی ہے۔ یعنے مبدء فیاض نے اول قوت علمیہ ایجاد کی ہے۔ جو حقیقت نورانیہ محمدیہ ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت کہ انبیاء کی تعلیم تعلیم ایجادی ہے اور ایجاد و تعلیم ایک ہی آن واحد میں ہیں اور یہ تعلیم تعلیم تدریجی نہیں قصہ حضرت آدمؑ وغیرہ ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ "فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ" یعنے جب میں اسکو درست اور معتدل بنالوں اور اپنی روح خاص اس میں پھونک دوں۔ تو تم فوراً سجدہ تعظیمی میں جھک جاؤ اور پھر فرمایا ہے۔ "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا" اللہ نے آدم کو تمام اسماء تعلیم کر دیئے پس یہ تعلیم حضرت آدمؑ محض نفخ روح ہی سے ہے نہ یہ کہ اول انکو خلق کیا گیا۔ پھر روح پھونکی گئی۔ بعد ازاں انکو درجہ بدرجہ تعلیم دی گئی۔ بلکہ ایجاد و نفخ روح اور تعلیم ایک آن میں ہے یعنی اُن کو عالم پیدا کیا گیا۔ اور وہ روح روحِ علمی ہے جو انکو دی گئی۔ اُس کے داخل ہوتے ہی عالم ہو گئے۔ اور وجود میں آئے اور عارف و عالم اسیطرح قصہ حضرت عیسیٰ صریح اس پر دال ہے۔ غرض انبیاء علیہم السلام کو خدا نے مقام محبت سے خلق کیا ہے اور انکو اپنی صفات کاملہ قدرت بالغہ کا نمونہ و مظہر قرار دیا ہے۔ "وَلِلّٰهِ الْاَمْثَالُ الْعُلْیَا" تمام انبیاء و حجج اللہ نمونہ قدرت پروردگار ہیں اور مظہر صفات کما ینبغی۔ چنانچہ حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے۔ "اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ" بتحقیق کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر خلق کیا ہے ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کی کوئی صورت مشخصہ نہیں ہے پس مراد صورت سے صورتِ صفاتی ہے۔ یعنی اپنی صفات پر خلق کیا ہے اور اپنے اوصاف کا نمونہ و مظہر بنایا ہے۔

مثال۔ انبیاء علیہم السلام اور مبدء فیاض تبارک و تعالےٰ کی مثل آفتاب و شعاع آفتاب کے ہے۔ یعنے انبیاء کو مبدء فیاض و صانع مطلق سے وہ نسبت ہی جو بلا تشبیہ شعاع آفتاب کو آفتاب سے ہے کہ شعاع کا مبداء آفتاب ہے اور شعاع آفتاب ہی سے ہی۔ مگر غیر آفتاب ہے عین آفتاب نہیں ہے۔ اس سے متصل بھی ہے۔ اور جدا بھی۔ اسیکا مظہر اور اسیکا اثر ہے۔ مگر عین ذات نہیں (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے) اسیطرح انبیاء و حجج اللہ نور الٰہی کی شعاعیں اور اس کی صفات کا نمونہ و مظہر مگر عین ذات باری تعالیٰ نہیں جس طرح آثار آفتاب و کمالات شعاع آفتاب ہی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جو کچھ فیض عالم کو پہنچتا ہی شعاعوں کے ہی ذریعہ سے پہنچتا ہے اور اگر شعاع نہ ہوتی تو آثار آفتاب ہم پر منکشف نہ ہوتے شعاع کو دیکھکر آفتاب کو پہچانتے ہیں اسیطرح وجود انبیاء و حجج اللہ جو نور سرمدی الٰہی کی شعاعیں

ہیں۔ انہیں کے ذریعہ سے ہم اپنے خالق و صانع کو پہچانتے ہیں اور انہیں کے ذریعہ سے فیض نور سرمدی ہم تک پہنچتا ہے ہم اُنکو دیکھکر اس کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ اور یہی مطلب ہے وَاصْطَفَیْتُکَ لِنَفْسِیْ کا کہ اے موسیٰ میں نے تجھے ان لئے بنایا ہے۔ کہ میرے کمالات و آثار تجھ سے ظاہر ہوں اور تجھے دیکھکر لوگ مجھے پہچانیں ورنہ میرا ادراک اور میری معرفت محال ہے ان کی بصارت میں اتنی قوت کہاں کہ نور سرمدی کا احساس کر سکیں۔

پس سب سے پہلے جو چیز مصدر علم سے صادر و ظاہر ہوئی ہے۔ وہ حقیقت نورانیہ محمدیہ ہے جو شعاع و ضو نور سرمدی ہے۔ اسی واسطے حدیث میں آیا ہے (رسایع بحار) اشتق نوره من نور اللہ یعنے نور محمدی نور الہی سے متنزع و مشتق ہے اور جناب امام محمد باقر باقر علوم الاولین و الآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے جابر اللہ تھا اور اس کے ساتھ معلوم و مجہول کوئی شے نہ تھی پس اول اول جو خلقت عالم کی ابتدا کی تو محمد مصطفےٰ اور ہم اہل بیت کو اپنے نور عظمت و جلال سے خلق فرمایا پس ہمکو سایہ سبز کی صورت میں کھڑا کیا جبکہ نہ آسمان تھا اور نہ زمین تھی نہ آفتاب تھا۔ نہ ماہتاب۔ نہ رات نہ دن۔ ہمارا نور خدا کے نور سے اس طرح منفصل و جدا ہوتا تھا جس طرح شعاع آفتاب سے یُفْصَلُ نُوْرُنَا مِنْ نُوْرِ رَبِّنَا کَشُعَاعِ الشَّمْسِ مِنَ الشَّمْسِ۔ اور چونکہ ظہور و انعکاس نورانیت کیلئے ضروری ہے کہ ایک وجود کثیف درمیان میں حائل ہو مثلاً آئینہ اگر دونوں طرف سے یکساں شفاف ہو تو شعاع بصر منعکس نہیں ہو سکتی اور کوئی صورت دکھلائی نہیں دیتی۔ اس لئے ایک طرف سے روشن اور دوسری طرف کثیف ہوا کرتی ہے۔ پس انبیاء و حجج اللہ جو مظہر نور سرمدی ہیں ایک جنبہ جسمانی بھی رکھتے ہیں تاکہ شعاع نور سرمدی منعکس ہو کر مخلوقات تک پہنچے اور یہ صفت ملائکہ میں نہیں ہے۔ اور وہ اس خلافت الٰہیہ کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ اسی کی طرف اشارہ کیا ہے حافظ شیرازی نے اور بہت اچھا کہا ہے ؎

جلوہ کرد رخش دید ملک عشق نداشت
برق غیرت شدہ زیں آتش و بر آدم زد

دراصل یہ شعر ترجمہ ہے اُس حدیث کا کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت صفاتیہ پر پیدا کیا ہے۔ اور اپنے انوار جلالیہ و جمالیہ کا مظہر قرار دیا ہے اور جامع صفات متضادہ انسان ہی ہے نہ ملک (فافہم)

نورانیت اجسام انبیاء

بہرحال وجود اول جو مصدر و مبدء فیاض سے صادر ہوا ہے۔ وہ حقیقت علمیہ ہے۔ کیونکہ علیم بالذات سے صادر ہوا ہے اور روح قدس نبوی حقیقت نوریہ وجودیہ ہے اور یہ ضروری ہے کہ محل مناسب حال ہو اور ظرف مناسب مظروف۔ اگر ظرف مناسب مظروف اور محل مناسب حال نہ ہوگا تو وہ اس حال و مظروف کا متحمل نہ ہوسکیگا اور اس کو برداشت نہ کرسکیگا۔ لہذا لازمی ہوا کہ اس حقیقت نورانیہ کے واسطے محل و ظرف بھی نورانی ہی ہو تاکہ معرفت نور سرمدی صرف انکے بیان ہی پر موقوف نہ رہے۔ بلکہ انکے دیکھنے سے بھی آثار نوریہ ظاہر ہوں۔ چنانچہ آیۂ نور میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔" اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ"۔ جب حقیقت روحانیہ بھی حقیقت نورانیہ ہے اور جسم بھی نورانی تو پھر نور علی نور ہی ہے پس نوع انبیا نوع خاص ہے اور انکا وجود مادی بھی مادہ کثیفہ سے نہیں ہے۔ بلکہ نورانی ہے۔ اور اجسام عنصریہ سے خارج اور اُن سے بالاتر ہے اور انپر حاکم ہے۔ نہ ان کے ماتحت اور نہ انکا محکوم پس وہ عالم اجسام میں داخل بھی ہے اور خارج بھی یہی وجہ ہے کہ اجسام عنصریہ اُن پر خود اثر نہیں کرسکتے۔ پڑھئے قصہ حضرت یونس کہ بروایت بعض چالیس روز تک اور ایک روایت کے موافق کم سے کم تین روز شکم ماہی میں زندہ رہے جس پر تمام کتب عہد عتیق و جدید توریت وغیرہ شاہد ہیں۔ کونسا انسان ہے جو تین روز یا چالیس روز مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہسکے علی ہذا القیاس جسوقت حضرت موسیٰ متولد ہوئے ہیں اور فرعون کو خبر ملی تو اُسنے مفتش کو تلاش و دریافت حال کیلئے بھیجا جب مفتش داخل خانۂ مادر موسیٰ ہوا۔ تو اُنہوں نے حضرت موسیٰ کو ایک تنور میں رکھدیا۔ اور اوپر لکڑیاں ڈالدیں تاکہ دکھائی نہ دیں ایک لونڈی نے بیخبری میں آکر تنور میں لکڑیاں ڈالدیں۔ اور آگ روشن کردی جب مفتش تلاش کرکے چلا گیا۔ تو والدہ حضرت موسیٰ ڈریں اور چلائیں کہ تنور میں آگ کس نے روشن کردی لونڈی نے عرض کیا کہ مینے ایسا کیا ہے۔ فرمایا اسمیں تو میرا بچہ میں نے مفتش کے خوف سے رکھدیا تھا۔ اس نے کہا کہ مجھکو خبر نہ تھی مادر موسیٰ گھبرائیں اور جب تنور میں دیکھا۔ تو حضرت موسیٰ صحیح و سالم موجود ہیں اور آگ سے کھیل رہے ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آگ

تنور میں خود بخود روشن ہو گئی تھی۔ سبحان اللہ چونکہ وجود اقدس موسیٰ اجسام عنصریہ پر غالب و حاکم تھا۔ آگ اس پر اثر نہ کر سکی۔

اسی طرح قصۂ ابراہیم خلیل اللہ مشہور و معروف ہے کہ آتش حضرت کیلئے گلزار ہو گئی تھی۔ بعدازاں بحکم خدا مادر موسیٰ نے ان کو ایک صندوق میں بند کر کے دریا میں پھینکدیا اور حضرت ایک روایت تین روز تک دریا میں رہے اور زندہ نکلے۔ حالانکہ دوسرا بچہ اس طرح زندہ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اگر صندوق میں سوراخ رکھے جائیں تو پانی بھر جائے اور بچہ دم گھٹکر مر جائے اور اگر بالکل بند کر دیا جائے تو ہوا داخل نہ ہو اور سانس بند ہو کر بچہ ہلاک ہو جائے۔ مگر مادر حضرت موسیٰ نے صندوق کو ہر ایک طرف سے بالکل بند کر کے دریا میں ڈالا تھا اور حضرت موسیٰ زندہ رہے جس کی خدا خبر دیتا ہے۔ "فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ" اس صندوق کو دریا میں ڈالدے۔

بالجملہ محل مناسب حال ہے اور حقیقت نورانیہ نبویہ کا ظرف بھی نورانی و فوق اجسام عنصریہ ہوتا ہے اور جب اس کی نورانیت درجہ کمال پر پہنچتی ہے تو پھر اس جسم کا سایہ بھی نہیں ہوتا۔ نور محض ہو جاتا ہے چنانچہ خصائص وجود اقدس احمدیؐ سے ہے کہ حضرت کے جسم اقدس کا سایہ نہ ہوتا تھا۔ پس انبیاء علیہم السلام کو جو اجزاے مادیہ عطا کئے گئے ہیں وہ بھی ہماری روح سے لطیف تر اور نورانی ہیں۔

بیان خلقت انبیاء علیہم السلام

حضرت آدمؑ سے لیکر تا حضرت خاتمؐ اکثر انبیاء علیہم السلام کا حال ولادت دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ خلقت انبیاء علیہم السلام اسباب ظاہریہ مادیہ پر موقوف نہیں ہے۔ حضرت آدمؑ کے باب میں "إِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي" فرمایا ہے۔ اسباب ظاہری کا کہیں ذکر نہیں۔ بعدازاں حضرت اسحاقؑ کی ولادت کے قصے کو پڑھئے۔ سورۂ ذاریات میں خدا خبر دیتا ہے "وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ" ملائکہ نے حضرت ابراہیم کو ایک علیم لڑکے کی بشارت دی۔ "فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ" پس حضرت ابراہیم کی بیوی (سارہ) اپنی لونڈیوں کی جماعت کے ساتھ خوشخبری سُننے کو آئیں اور ملائکہ کو دیکھکر شرم سے منہ ڈھانپ لیا۔ یا منہ پیٹ لیا اور کہا میں بڑھیا ہوں۔ اور میرا شوہر بھی قابل اولاد نہیں ہے پھر اولاد کیسے ہو گی۔ "قَالُوا كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ

الْعَلِیْمُ۔ ملائکہ نے کہا بیشک ایسا ہی ہے کہ نہ تمہارا سن قابلِ اولاد ہے۔ اور نہ تمہارے
شوہر ابراہیم قابلِ توالد لیکن یہ تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے۔ اور وہی صاحب حکمت اور
ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے۔ اُس کے نزدیک کوئی دشوار نہیں کہ اس سن میں تمہیں فرزند
عطا فرمائے۔ دوسرے مقام پر سورۂ ہود میں اس قصے کا ذکر ہے۔ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ
فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ قَالَتْ یٰوَیْلَتٰٓی ءَاَلِدُ
وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ۔ جب ملائکہ حضرت ابراہیمؑ
کے پاس آئے تو اُن کی بیوی کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ ہنسیں پس ہم نے انکو اسحٰقؑ اور بعد اسحاقؑ
یعقوبؑ کی بشارت دی۔ اس نے کہا۔ کیا میں جنونگی۔ حالانکہ میں بڑھیا ہوں۔ اور یہ میرا شوہر
بھی ضعیف ہے؟ بتحقیق یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس سن میں اولاد ہو۔ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ
اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔
(ھود ع) ملائکہ نے جواب میں کہا کیا تم امرالٰہی سے تعجب کرتی ہو؟ تم اہل بیت نبوت پر
خدا کی خاص رحمت و برکات ہیں۔ اور وہی صاحب حمد و صاحب بزرگی ہے۔

اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ خلقت انبیا، عالم امری سے ہے۔ وہاں
صرف ارادہ الٰہی متعلق ہونے کی ضرورت ہے۔ ان کی خلقت اسباب ظاہریہ ماد یہ پر موقوف
نہیں ہے اگر تم اور تمہارے شوہر دونوں قابل توالد و تناسل نہیں ہیں۔ تو تم سے فرزند پیدا
ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ اور خلقت کا اسباب ظاہر یہ پر موقوف
نہ ہونا صرف تم اہل بیت نبوت ہی کے واسطے ہے۔ اور یہ رحمت و برکت انبیاء ہی کے لئے
ہے۔ عام لوگ اس میں شرکت نہیں رکھتے ہیں۔ حضرت سارہؑ کی عمر اس وقت ۹۰ سال کی تھی
اور حضرت ابراہیمؑ کی ایک سو بیس سال کی۔ بلکہ اس سے کچھ زیادہ۔ پس ایسے وقت میں ان سے
اولاد کا ہونا جبکہ بتصدیق خدا و ندعالم و ملائکہ وہ قابل توالد و تناسل نہ تھے۔ یہ خاص رحمت خدا
نہیں تو اور کیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہے کہ خلقت انبیاء کی صورت کچھ اور ہی ہے
نہ کہ عام لوگوں کی طرح۔ اور ان کی خلقت عالم امری سے ہے نہ کہ عالم خلقی سے جو موقوف
باسباب ظاہریہ ہو۔

اس سے زیادہ صریح قصہ حضرت عیسٰی ہے۔ حضرت مریم نے بھی اس بشارت سے تعجب
ظاہر فرمایا ہے۔ وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مَرْیَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِیًّا

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا قَالَتْ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۔ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا قَالَتْ اَنّٰی يَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۔ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَیَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا (سورۂ مریم ع ۲) یاد کر کتاب میں ذکر مریمؑ کو جبکہ وہ اپنے کنبے سے الگ ہو کر جانب مشرق چلی گئی۔ اور اُن کی طرف پردہ حائل کر لیا پس ہم نے اس کی طرف اپنے فرشتے کو بھیجا جو بصورت بشری اُن کے سامنے آیا۔ تو مریم نے کہا میں خدا سے پناہ مانگتی ہوں اگر تو متقی و پرہیز گار ہے کہ تو میرے پاس کیوں آیا ہے اُس نے کہا سوائے اس کے نہیں ہے کہ تمہارے پروردگار کا قاصد ہوں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا عنایت کردوں۔ مریم نے کہا میرے کیونکر لڑکا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ مجھے کسی بشر نے مس نہیں کیا ہے۔ اور نہ میں (معاذ اللہ) بدکار رہوں (اس مقام پر تخصیص بعد تعمیم ہے مطلب حضرت مریم کا یہ ہے کہ میرے شرعی شوہر تو ہے ہی نہیں جو مجھ سے ہمبستر ہوتا اور میں زانیہ و بدکار بھی نہیں ہوں۔ جو غیر شرعی طور پر کوئی بشر مجھ سے مس کرے۔ غرض حضرتؑ اپنی عصمت کو ظاہر فرماتی ہیں اور ملائکہ حضرتؑ کی تصدیق کرتے ہیں) اس فرشتے نے کہا ایسا ہی ہے (نہ تم کو شوہر نے مس کیا ہے اور نہ کسی اور شخص نے (مگر) تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ یہ امر میرے لئے آسان ہے (کہ بلا اجتماع مرد و زن و تہیہ اسباب ظاہریہ بچہ پیدا کر دوں) اس لئے کہ ہم اس کو لوگوں کیلئے اپنی آیت و رحمت خاص قرار دینگے اور یہ امر طے شدہ ہے قضا اس پر جاری ہو چکی ہے۔ اس آیت کے آخر میں خدا فرماتا ہے:" ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ"۔ یہ ہی عیسیٰ ابن مریم ہے جس کی ولادت اس طریق مذکور پر ہوئی۔ یہ سچی بات ہے جس میں لوگ شک و شبہ کرتے ہیں:" مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ"۔ خدا کی شان کے یہ شایان نہیں ہے کہ وہ اپنے لئے کسی کو بیٹا بنائے یا کسی قسم کی جزئیت ولدی اختیار کرے وہ ان امور سے پاک و پاکیزہ ہے وہ وہ ذات پاک ہے کہ جب وہ کسی امر کا حکم کرتا ہے اور اس کی قضا اس پر جاری ہوتی ہے پس وہ کن کہتا ہے اور وہ امر ہو جاتا ہے یعنی اس کا ارادہ متعلق ہوتے ہی وہ شے ہو جاتی ہے پس وہ خلق کرنے میں کسی سبب ظاہری کا محتاج نہیں ہے۔ یہ آیت

بالصراحت دال ہے کہ خلقت انبیا علیہم السلام عالم امری سے ہے نہ عالم خلقی سے۔ اسباب بظاہریہ کو یہاں دخل نہیں۔ چنانچہ دوسرے مقام پر حضرت عیسیٰ ہی کے باب میں فرمایا ہے۔ "وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ" یعنی عیسیٰ خدا کا کلمہ وجودیہ ہے اور اس کی ایک روح خاص ہے۔ اسباب مادیہ ارضیہ کو اس کے وجود میں کوئی دخل نہیں۔

درجات سہ گانۂ انسانی

یہاں سے معلوم ہوا کہ عالم میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک علیم اور وہ حجج اللہ انبیاء و آئمہ ہیں۔ دوسرے ذی علم یعنی عالم جو اس علیم سے علم لیتے ہیں اور انکی پیروی کرتے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ جو نہ تو خود علیم ہیں اور نہ علیم سے لیتے ہیں۔ پہلے دو قسم کے لوگ طریق نجات پر ہیں۔ اور تیسری قسم کے لوگوں کے لئے نجات نہیں۔ جناب امیر الموحدین سر اللہ فی العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ اَلنَّاسُ ثَلٰثَةٌ عَالِمٌ رَبَّانِیٌّ وَمُتَعَلِّمٌ عَلٰی سَبِیْلِ النَّجَاةِ وَالْبَاقِیْ کَالْهَمَجِ اَتْبَاعُ کُلِّ نَاعِقٍ۔ یعنے آدمی تین قسم کے ہیں۔ ایک عالم ربانی۔ دوسرے متعلم بر سبیل النجاۃ جو عالم ربانی سے علم سیکھتے ہیں اور باقی مثل رخرمگس گندگی کی مکھیوں اور کیڑوں کی طرح کے ہیں۔ جو ہر ایک آواز کے پیچھے ہو لیتے ہیں جس طرح وہ مکھیاں ہیں کہ جہاں کہیں بوئے بدبلند ہوئی وہیں پہنچ گئیں جیسا کہ آجکل یہاں کے لوگوں کا حال ہے کہ ہر ایک جاہل و ملحد بیدین کے پیچھے ہو لیتے ہیں خواہ وہ حرامزادہ ہی کیوں نہ ہو اور خواہ کیسا ہی کریہ المنظر مشتوہ الخلقت اور مجموعۂ عیوب کیوں نہ ہو۔

جناب امیر المومنینؑ کا یہ کلام مستنبط ہے۔ آیۂ ذیل سے جس میں لوگوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ "فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ"۔ ایک اصحاب یمین۔ دوسرے اصحاب شمال تیسرے سابقین مقربین پس سابقین مقربین حجج اللہ انبیاً و اوصیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور اصحاب یمین اُن کا اتباع کرنیوالے مومنین ہیں اور اصحاب شمال وہی تیسرے فرقے کے لوگ ہیں جو نہ سابقین میں داخل ہیں نہ اُن کے قدم بقدم چلنے والے۔ اور ایسوں کیلئے نجات نہیں پس بکمال وضاحت ثابت ہے کہ طریق سعادت منحصر ہے دو چیزوں میں یعنے یا تو دارائے علم موہبتی انبیا و اوصیا سے ہو یا اُن سے علم لینے والا اور اُن کے قدم بقدم چلنے والا۔ اوروں کے لئے نجات و سعادت نہیں۔

بہرکیف چونکہ عوام کی تعلیم اور اُن کے علوم ناقصہ کی تکمیل کے لئے اول معلم ضروری ہے اس لئے اول شئے جو مبدء فیاض و مصدر علم سے ظاہر و صادر و منزل ہوئی ہے وہ حقیقت نوریۂ محمدیہ ہے۔ جو معلم تعلیم الٰہی دارائے جنس علم بلکہ اصل علم اور عالم کے لئے معلم روحانی ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ بعدازاں عالم جسمانی میں بھی اول معلم ہی بھیجا گیا ہے یعنی حضرت آدمؑ اس وقت بھیجے گئے جبکہ آپ کی اولاد میں سے کوئی انسان موجود نہ تھا تاکہ جس وقت سلسلہ توالد و تناسل جاری ہو۔ تو معلم اُنکا پہلے سے موجود ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ وجود حجت (نبی یا امام) ہر وقت اور ہر زمانے میں ضروری ہے۔ مخلوق سے پہلے بھی حجت خدا موجود تھا اور مخلوقات کے ساتھ بھی اور بعد میں بھی اسی واسطے خدا فرماتا ہے۔ "یَوْمَ نَدْعُوا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ" یعنے روز قیامت ہر ایک شخص کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے بلا وجود امام قیامت قائم ہی نہیں ہوسکتی چنانچہ یہی مضمون حدیث میں بھی وارد ہوا ہے۔ اَلْحُجَّةُ قَبْلَ الْخَلْقِ وَبَعْدَ الْخَلْقِ وَمَعَ الْخَلْقِ یعنے حجت خدا قبل خلق بھی موجود ہوتا ہے اور مخلوق کے ساتھ بھی اور بعد فنا مخلوقات بھی تاکہ اس کے ذریعہ سے اُنکا حشر ہو۔

پس حجج اللہ نمونہ صفات الٰہی معلم تعلیم الٰہی ہوتے ہیں۔ خالق سے لیتے ہیں اور خلق کو پہنچاتے ہیں اور حجیت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ظاہری اور باطنی اور پھر ان میں سے بھی ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ رہا یہ امر کہ اس حجت اللہ اور معلم الٰہی کو مخلوقات عالم سے پانچ قسم کے تعلقوں میں سے کس قسم کا تعلق ہوتا ہے اس کو کسی اور موقع پر بیان کیا جائے گا قصۂ حضرت ہابیل کو خیال کیجئے تاکہ تمہیں حجۃ اللہ کے تعلق کا کچھ حال معلوم ہو کہ جس وقت قابیل نے حضرت ہابیل کو قتل کر دیا ہے تو لکھا ہے اور صحیح ہے کہ تمام موجودات عالم میں انقلاب اور اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ وصی حضرت آدم تھے اور اُن کے بعد حجت خدا تھے۔ اسی تعلق کی وجہ ہے کہ ان ایام (محرم میں) عالم مضطرب و منقلب نظر آتا ہے کیونکہ حجت موجود (امام زمان) وہی حجت خدا ہے اور اس حجت موجود کو اس حجت خدا سے جس سے یہ ایام مخصوص ہیں نسبت تساوی و تعلق اتصالی و باطنی حاصل ہے۔ اگرچہ یہ امام بظاہر آخر زمانہ میں آیا ہے لیکن جو حالت اضطراب کربلا میں اس حجت خدا و امام ہدیٰ سید الشہداء پر طاری ہوتی ہے وہی اس حجت موجود زمان پر طاری ہوتی ہے اور جو انقلاب و تزلزل اس وقت اجسام عالم میں پیدا ہوا تھا۔ وہی اس وقت اس کے اضطراب کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور ہلال محرم کے دکھائی دیتے

ہی عالم مضطرب و منقلب نظر آتا ہے۔

کیونکہ جو اعمال و افعال عالم جسمانی میں واقع ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ باقی نہیں رہتے لیکن تحقیق یہ ہے کہ ان سب کی ایک حقیقت متاصلہ ہے جو باقی رہتی ہی حتّٰی کہ ہمارے اعمال مثل تکبیرۃ الاحرام و قراٰت و رکوع و سجود جو بظاہر ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ اُن کا کوئی وجود باقی نہیں۔

اور جو آواز و لفظ مثلاً منہ سے نکلا جا رہا ہے، در حقیقت ان میں سے ہر ایک وجود واقعی اور ایک حقیقت متاصلہ ہے اور ہر ایک شے عالم دہری میں ثبت رہتی ہے چنانچہ آیہ مجیدہ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا "اور جو کچھ اُنھوں نے کیا اس کو حاضر و موجود پایا" اس پر بالصراحت دال ہے اور دوسری جگہ فرماتا ہے۔ اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ "جو کچھ تم کرتے ہو ہم لکھتے جاتے ہیں" اور ہمارے یہاں ثبت و ضبط رہتا ہے۔ پس جب اہل مجلس ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور مقررین و واعظین کی تقریریں سُنتے ہیں۔ دوسری تقریر سے پہلی تقریر بظاہر معدوم ہو جاتی ہے اور روز عاشورا کے واقعات شہادت میں ایک واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ بظاہر معدوم معلوم ہوتا ہے۔ لیکن در حقیقت عالم دہری میں ان سب کی ہیئت مجموعی اور حقیقت کلیہ موجود رہتی ہے اور امام چونکہ موجود ہے اور شہید ہے جو ہر شئے پر حاضر و ناظر ہے اس لئے اس کے سامنے صورت شہادت بحیثیت مجموعی اور جملہ واقعات کربلا کی ہیئت کذائی و اجتماعی اسکے پیش نظر ہوا در سامنے موجود ہی پس جب امام زمان شہادت کی صورت مجموعی کو دیکھتا ہی اسکا کیا حال ہوتا ہوگا جبکہ ہم لوگوں کی حالت یہ ہی کہ واقعات شہادت کو صرف تھوڑی دیر سُنکر مضطرب و منقلب ہو جاتے ہیں خود امام زمان عجل اللہ ظہورہ فرماتے ہیں فَلَئِنْ اَخَّرَتْنِی الدُّھُوْرُ وَ عَاقَنِیْ عَنْ نَصْرِکَ الْمَقْدُوْرُ وَ لَمْ اَکُنْ لِمَنْ حَارَبَکَ مُحَارِبًا وَ لِمَنْ نَصَبَ لَکَ الْعَدَاوَۃَ مُنَاصِبًا فَلَاَنْدُبَنَّکَ صَبَاحًا وَ مَسَاءً وَ لَاَبْکِیَنَّ لَکَ بَدَلَ الدُّمُوْعِ دَمًا الخ۔ اے جد بزرگوار اگرچہ زمانے نے مجھے تاخیر میں ڈالدیا۔ اور مقدرات نے آپکی نصرت سے مجھے باز رکھا اور میں اُن لوگوں سے نہ لڑسکا جنہوں نے آپ سے جنگ کی اور آپکے دشمنوں سے دشمنی ظاہر نہ کرسکا لیکن بالتحقیق کہ میں ہر روز صبح و شام آپ کے لئے با آواز بلند نوحہ و فریاد کرتا ہوں۔ اور آنسوؤں کی عوض خون روتا ہوں۔ کیوں حضرات! جب ہماری یہ حالت ہے کہ ایک روز تھوڑے سے حالات سُنکر نوحہ و فریاد کرتے اور مضطرب ہو جاتے ہیں تو روز عاشورا اس امام عالیمقام کا کیا حال ہوتا ہوگا جو جملہ واقعات کو بچشم خود دیکھتا ہی اور ہمیشہ ہر صبح و شام خون کے آنسو روتا ہی۔ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ۔

موعظۂ دوم

۴ محرم الحرام ۱۳۳۳ ہجری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ

هٰذَانِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ

طریق تعلیم اور اُس کی کیفیت

ذکر کیا جا چکا ہے کہ علم یا تو ذاتی ہے یا غیر ذاتی۔ اور تعلیم یا باطنی ہے یا ظاہری یعنی بذریعۂ آلاتِ ظاہریہ چشم و گوش۔ اور جس کا علم ذاتی نہیں ہے چاہئے کہ وہ اس سے حاصل علم کرے جس کا علم ذاتی ہے اور آلاتِ ظاہریہ پر موقوف نہیں ہے۔ خداوند عالم قصۂ آدم اور ابتدائے خلقت انسان کے بارے میں فرماتا ہے: اَلَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ مَّهِيْنٍ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (سجدہ)

یعنے پروردگارِ عالمیان وہ ہی جس نے اپنی ہر مخلوق کو احسن اور نہایت عمدہ پیدا کیا ہی۔ اور خلقت انسان کی ابتدا مٹی سے کی پھر اس کی نسل ایک ذلیل قطرہ آب سے قرار دی اور اس انسان اول (آدم) کو درست و معتدل بنا کر اس میں اپنی ایک ذری سی روح پھونک دی اور (اے بنی آدم) تمہارے لئے اللہ نے کان آنکھ اور دل پیدا کئے (مگر) تم بہت ہی کم شکر گذار ہو پس انسان اول یعنی حضرت آدمؑ ابو البشر کے لئے ایک روح خاص عطا ہوئی اور اُنکی اولاد و نسل کیلئے آنکھ کان اور دل دئے گئے اور آیۂ مبارکہ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ " (نکالا تم کو شکم امہات سے درآنحالیکہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور تمہارے لئے کان آنکھ اور دل دئے) کے ملانے سے نتیجہ ظاہر ہے کہ بنی آدم کے لئے آلات

تحصیل علوم یہی کان۔ آنکھ اور دل بنائے گئے ہیں۔ اور آدم کو تحصیل علوم میں اُن آلات کا محتاج قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ ذریعہ تعلیم علوم وہی روح ہے پس یہ روح خاص نبی اللہ سے مخصوص ہے اور تعلیم کا آلات ظاہریہ پر موقوف ہونا بنی آدم سے مختص ان دونوں آیات مبارکہ میں سمع کو بصر پر مقدم رکھا ہے جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اول آلہ تعلیم کان ہے اور ظاہر و مشاہد ہے کہ مادر زاد اندھا تعلیم پا سکتا ہے لیکن مادر زاد بہرہ تعلیم نہیں پا سکتا مگر بہت ہی خفیف اور کم۔ غرض پیغمبر کی ذات کے ساتھ علم ہوتا ہے اور غیر پیغمبر کا علم غیر ذاتی ہے۔ اُنکو چاہیئے کہ پیغمبر سے علم حاصل کریں۔

علم ذاتی اور علم بالذات

علم ذاتی دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جہاں علم عین ذات ہے۔ اور زائد بر ذات نہیں۔ علم عین ذات ہے۔ اور ذات عین علم۔ اور اسی کو علم ذاتی بالذات کہتے ہیں۔ اور یہ مخصوص ہے ذات واجب الوجود خداوند عالم سے کہ اس کی تمام صفات عین ذات ہیں۔ نہ زائد بر ذات پس اس کا علم بھی عین ذات ہے۔ اور علم و ذات دو چیزیں نہیں ہیں اس کی ذات علم ہی علم ہے۔ اور ایک علم ذاتی وہ ہے جہاں علم اور ذات دو چیزیں ہیں اور علم ذات شے سے علیحدہ اور زائد بر ذات ہے اور گویا وہاں علاوہ علم اور شے بھی ہے صرف علم ہی علم نہیں ہے اور ایسا علم جو عین ذات نہیں ہے۔ بلکہ خارج از ذات و زائد بر ذات ہے محتاج معطی و معلم ہے اور یہ معلم و معطی وہ ہی خالق و ذات واجب الوجود علیم مطلق ہے۔ یہ علم ذاتی انبیاء اوصیاء ائمہ علیہم السلام کا ہے۔ کہ اگرچہ زائد بر ذات ہی لیکن خدا نے ذات کے ساتھ عطا کیا ہے اور اسی نبی کی ذات عین علم اور اس کا علم عین ذات نہیں ہے کبھی اس سے علم کی نفی کیجاتی ہے اور یہ نفی علم گویا ان کے مرتبہ جسمانی عنصری سے تعلق ہے اور کبھی اس کو مبدء علم و خزانۂ علم کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ صاحب روح قدس ہے جو روح نورانی علمی ہے اور وجود جسمانی اس کا کلمۃ اللہ چنانچہ حضرت عیسیٰ کے باب میں فرمایا ہے:۔ "وکلمتہ القاھا الی مریم و روح منہ" اور پیغمبر خاتم النبیین رکلمہ علیا) "وکلمۃ اللہ ھی العلیا" و "کلمہ تامہ وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا" نہذا آیۂ مجیدہ "وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ"۔ اے پیغمبر تو نہیں موجود تھا جانب غربی میں جبکہ ہم نے موسیٰ کو

اس امر خاص کا حکم دیا اور تو وہاں شاہدین میں سے نہ تھا۔ "وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَٰكِن رَّحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ" ۔ (قصص ع ۵) اور تو نہیں تھا طور کی جانب جبکہ ہم نے موسیٰ کو ندا دی لیکن یہ سب کچھ تیرے پروردگار کی رحمت سے تاکہ تو ڈرائے اُس قوم کو جس کے پاس ہم نے تجھ سے پہلے کوئی نذیر (پیغمبر) نہیں بھیجا۔ تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور اسی مضمون کی دیگر آیات جن میں خدا پیغمبر کے موجود ہونے کی نفی کرتا ہے اور آیہ مجیدہ "وَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا" (کیونکر ہوگا جبکہ ہم ہر ایک امت کا شہید بلائیں گے اور تجھکو اے پیغمبر تمام شہیدوں پر شہید قرار دینگے) اور اس جیسی آیات میں جن میں پیغمبر کے شہید مطلق اور تمام اور تمام عوالم پر حاضر ہونے کی خبر دیتا ہے کہ پیغمبر باوجودیکہ سب سے آخر میں آیا ہے لیکن تمام انبیاء پر تا حضرت آدم شہید اور اُنپر حاضر و ناظر ہے اور اُن کے افعال و اعمال کو دیکھتا ہے۔ فی الحقیقت کوئی منافات نہیں ہے۔ کیونکہ جہاں پیغمبر سے نفی علم کی گئی ہے وہ نفی علم بالذات ہے۔ کیونکہ علم پیغمبر موقوف بر تعلیم الٰہی ہے جیسا کہ "مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ" میں اور جہاں حضور و شہود کی نفی ہے۔ وہاں حضور و شہود جسمانی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر تو اس صورت میں یعنی بصورت جسمانی کوہ طور اور جانب غربی میں موجود نہ تھا مگر اپنی رحمت سے خدا نے ان امور کا علم تجھے بذریعہ تعلیم روحانی دیدیا تھا اور اسی روح کی وجہ سے شہید تھا اور جہاں خدا شہید مطلق فرماتا ہے اور حضرت آدم تک بلکہ تمام عوالم پر شہید و حاضر و ناظر قرار دیتا ہے وہ بلحاظ اسی روح اعظم نبوتی ہے۔ جو اول مخلوق و حقیقت علمیہ ہے۔ اور نبوت اسی پر موقوف ہے نہ صورت جسمانی پر پس کوئی تنافی و تضاد ان آیات میں نہیں ہے۔ کیونکہ نبی میں دو جنبے ہوتے ہیں۔ ایک جنبہ جسمانی۔ دوسرا جنبہ روحانی "وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي" ۔ اور بلحاظ اس روح کے وہ عالم ہوتا ہے اس لئے کہ یہ روح روح نورانی علمی ہے اور تمام انسان ایسے نہیں ہوتے اور سب میں یہ روح علمی نہیں ہے۔ لہذا ان کا علم غیر ذاتی ہے۔ اور اُن کو چاہیے کہ وہ اُن سے تعلیم پائیں جنکا علم ذاتی ہے! اور صاحب روح نورانی علمی ہیں اور یہی مطلب ہے "وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ" کا (ہر صاحب علم کے اوپر ایک علیم ہے) ذی علم و صاحب علم وہ عالم ہے جس نے علم پیغمبر سے حاصل کیا ہے اور علیم

پیغمبر ہے کہ جس کا علم ذاتی ہوتا ہے اور شکم مادر سے علم لیکر پیدا ہوتا ہے اور علیم کہلاتا ہے پس علم ہر عالم کا منتہی ہوتا ہے علیم یعنے پیغمبر کی طرف اور علم پیغمبر منتہی ہوتا ہے علیم مطلق خداوند عالم کی طرف۔ اور وہ علیم فوق علیم ہے۔ اور علم وہی ہے جو علیم سے حاصل ہوا ہو دوسرا علم علم نہیں بلکہ مشابہ بعلم بھی نہیں ہے۔ مگر بہت تھوڑا سا +

وجود علیم ہر زمانے میں ضروری ہے

اور اسی وجہ سے خدا نے اول علیم یعنی نبی کو پیدا کیا۔ تاکہ معلم پہلے سے موجود ہو اور اس سے ثابت ہوا کہ وجود علیم ہر زمانہ میں ضروری ہے۔ اس وقت بھی چاہیئے کہ ایک علیم اور ایک ایسا شخص جس کا علم ذاتی ہے۔ موجود ہو۔ عجل اللہ فرجہ۔

درجات انبیاء و علوم انبیاء

علم ذاتی اور وہ علوم جو علیم مطلق سے بذریعہ تعلیم روحانی پہنچے ہیں وہ بھی مختلف درجہ رکھتے ہیں اور علم ہر پیغمبر کا حسب ضرورت و مصلحت مکلین و زمان دوسرے سے جدا و مختلف ہوتا ہے اور ابتدائے خلقت انسانی سے درجہ بدرجہ ترقی کرتا آیا ہے اور ان علوم انبیاء کی مثال کالج یا سکول کی جماعتوں کے مختلف کورسوں کی ہے کہ ہر ایک جماعت اور طبقے کیلئے ایک علیحدہ کورس اس کی استعداد و قابلیت کے موافق بنایا جاتا ہے۔ جو کورس دوسری جماعت کے لئے مقرر کیا جائیگا وہ پہلی کیلئے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ابھی اس کے سمجھنے اور یاد کرنے کی استعداد و قابلیت پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اور ان کورسوں میں سے اگرچہ ہر ہر کورس اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے کامل غیر ناقص ہوتا ہے لیکن بلحاظ جماعت ما فوق کم اور ادنےٰ۔ اور درجۂ ما فوق میں وہ تمام باتیں ہوتی ہیں۔ جو جماعت ماتحت میں ہوتی ہیں۔ بلکہ بہت کچھ زائد اور ہر درجے اور طبقے کے واسطے معلم بھی ویسے ہی مقرر ہوتے ہیں جس معلم کی صرف پہلی جماعت کیلئے ضرورت ہے وہ آٹھویں جماعت کو تعلیم نہیں دے سکتا اور وہ معلم و استاد جو آٹھویں کو پڑھاتا ہے وہ پہلی دوسری کو ضرور پڑھا سکتا ہے۔ جو ایم۔ اے کلاس کو تعلیم دے سکتا ہے۔ وہ ایف۔ اے کو بھی پڑھا سکتا ہے پس جب تعلیم منتہی درجہ تک پہنچتی ہے تو اسکا معلم بھی ایسا ہی ہوتا ہے جو تمام علوم اولیہ کو مع شے زائد حاوی و جامع ہو سلسلۂ تعلیم رسمی میں ابتدائے درجہ کو اول حروف مفردہ اور الفاظ مفردہ بلا معانی و مطالب لکھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اسی طریق پر خداوند عالم نے اول معلم نوع انسانی یعنی حضرت آدمؑ کو تعلیم اسماوی اور تمام چیزوں کے

نام بتلائے بمفاہیم و مصادیق تو ان اسمار میں داخل تھے اور ان کی تعلیم ہوئی تھی لیکن حقائق و بواطن اس میں داخل نہیں تھے کیونکہ اول افراد انسانی جو متعلمین حضرت آدمؑ تھے ان میں حقائق اشیاء کے سیکھنے کی قابلیت نہ تھی چنانچہ فرمایا "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا"۔ تمام اسمار حضرت آدمؑ کو تعلیم دے دے +

نکتہ جس وقت بمقابل حضرت آدمؑ ملائکہ کا امتحان مقابلہ لیا گیا تو خدا نے فرمایا۔ "اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ" اگر تم اپنے دعوائے خلافت میں سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتلاؤ۔ اور ظاہر ہے کہ لفظ ہٰؤلاءِ اسم اشارہ ہے اور اشارہ شے موجود کی طرف کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ظاہر ہوا کہ وقت تعلیم اسمار اور اس استفسار پر مسمیات اسمار بطور حقائق یا بطور اشباح موجود تھیں جب ہی تو خدا نے فرمایا کہ ان چیزوں کے نام بتلاؤ اور اسمار شامل ہے تمام اسمار ارضی و سماوی۔ مادی و غیر مادی و جواہر و اعراض کو پس چاہئے کہ اعراض بھی بطور وجود اصلی موجود ہوں۔ تاکہ اشارہ صحیح و درست ہو۔ لہٰذا حکمار کا یہ قول باطل ہے کہ اعراض وجود اصلی نہیں رکھتے۔ بلکہ تمام اعراض مثل سرخی و سبزی سفیدی و سیاہی و تلخی و شیرینی وغیرہ وغیرہ سب کے سب حقائق متاصلہ رکھتے ہیں اور انکا بھی ایک وجود اصلی ہے۔

الغرض دو قرن بعد زمانہ نوحؑ میں سلسلہ تعلیم میں ترقی شروع ہوئی حضرت آدمؑ کے زمانہ میں قانون شریعت مرتب نہ تھا محض مستقلات عقلیہ فطریہ تھیں۔ چنانچہ احادیث متعددہ و آیات کثیرہ شاہد ہیں اور خداوند عالم فرماتا ہے "شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا"۔ شریعت و دین قرار دیا۔ تمہارے لئے وہی جو ہم نے نوحؑ کو وصیت کیا تھا اور جو تجھکو وحی کی اور جو ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو وصیت کیا تھا۔ کہ دین کو قائم کرو اور متفرق نہ ہو۔

اس سے ظاہر ہے کہ شریعتیں پانچ ہیں۔ شریعت نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ اور محمد مصطفےٰ۔ اور شریعت محمدی جامع ہے جمیع شرائع سابقہ کو مع شئے زائد جو ان میں نہ تھی اور خاص آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو وحی ہوئی۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی شریعت شریعت ناسخہ مطلقہ ہے اور ان شرائع میں حضرت آدمؑ کا ذکر نہیں ہے۔ اس وقت قانون شریعت نہ تھا وہ درجہ ابتدائی تھا اور زمانہ نوحؑ اس سے ترقی یافتہ اس لئے وہاں قوانین

تشریعی کی ضرورت پڑی اور وہ بنایا گیا اور اسی سے یہ بھی ثابت ہے کہ شریعت خاتم النبیین پر ختم ہے۔ کیونکہ بطور حصر خدا نے فرمایا ہے کہ نوح سے تا حضرت خاتم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم شریعت ہے۔ اول نوحؑ ہیں آخر خاتم النبیین محمد مصطفےٰ اور اگرچہ زمانہ نوحؑ میں سلسلہ ایک درجہ ترقی کر گیا تھا۔ اور قانون شریعت مرتب ہو گیا تھا لیکن تعلیم حقائق اس وقت بھی نہ تھی جس وقت حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ آیا۔ تو انکو تعلیم حقائق بھی دیگئی۔ اور بواطن زمین وآسمان دکھلائے گئے۔ کَمَا قَالَ عَزَّ وَجَلَّ وَکَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرَاھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ"۔ یہی وجہ تھی کہ آپ خلعت ونبوت ورسالت کے ساتھ خلعت امامت سے مشرف ومخلع ہوئے "وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" کیونکہ امامت آخر درجات حقائق ہے اور موقوف ہے احاطۂ حقائق پر چنانچہ جس وقت حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا "وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ" (حج ع ۲) پکار لوگوں کو حج کیلئے وہ تیرے پاس پیادہ اور لاغر اونٹنیوں پر سوار ہوکر دور دراز مقامات سے آئیں گے۔ آپنے آواز دی۔ کہاں آواز دی۔ جہاں کوئی موجود وآباد نہ تھا "بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ" لکھا ہے۔ آواز ابراہیمی کو ان نطفوں تک نے سنا جو ابھی صلب پدر یا شکم مادر میں تھے۔ بلکہ ابھی عالم دہری برزخی ہی میں تھے۔ کیونکہ امام تھے اور احاطہ بر حقائق رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت حاجی حج کا احرام باندھتا ہے تو اول "لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ"۔ یعنے اس دعوت ابراہیمی کا جواب دیتا ہے کہ ہم حاضر ہیں +

درجات ششگانۂ نبوت

مکونات عالم من حیث المواد چھ درجے رکھتے ہیں اول صورت سدیمیہ۔ دوم صورت اثیریہ۔ سوم جماد۔ چہارم نبات۔ پنجم حیوان۔ ششم انسان۔ مقسم فرائض سہام بھی چھ ہیں $\frac{1}{8}+\frac{1}{6}+\frac{1}{4}+\frac{1}{3}+\frac{1}{2}+\frac{2}{3}$ کیونکہ فطرت چھ قسم پر منقسم ہے۔ انسان شکم مادر میں چھ درجے طے کرتا ہے۔ اول نطفہ ہوتا ہے۔ پھر علقہ پھر مضغہ۔ پھر ہڈیاں پھر گوشت پوست بعد ازاں خلعت انسانی عقلانی۔ سلسلۂ نبوت بھی چھ قسم پر منقسم ہے۔ حضرت آدمؑ سے ابتدا ہے اور جناب خاتمؐ پر انتہا۔

اول نبوت حضرت آدمؑ ہے۔ دوم نوحؑ۔ سوم ابراہیمؑ۔ چہارم موسیٰؑ۔ پنجم عیسیٰؑ۔ ششم

محمد مصطفیٰ خاتم النبیین ؐ۔ گویا بلا تشبیہہ۔ مقام نبوت حضرت آدمؑ مقام لطفیت ہے اور مقام نوحؑ ۔ مقام علقیت و مقام حضرت ابراہیمؑ۔ مقام مضغیت و مقام موسیٰ مقام عظمیت ۔ اور مقام عیسیٰؑ مقام لحمیت اور مرتبہ ختم نبوت مقام "اَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ" اور باقی نبوات انہی کے تحت درمیان میں ہیں پس مرتبہ ختم نبوت فوق جمیع نبوات و منتہائے نبوات ہی اور حضرت ابراہیمؑ متوسط ہیں اور شجرۃ الانبیاء کہلاتے ہیں ۔ اور امامت ان ہی کو عطا ہوئی ۔ ان تمام انبیاء علیہم السلام کے درجات و معجزات میں تدبر و تفکر کرنے سے پوری تصدیق و تطبیق اس سلسلے کی ہو سکتی ہے ۔

سلسلہ بنی اسرائیل و بنی اسمٰعیل

حضرت ابراہیمؑ سے یہ تعلیم روحانی و علم ذاتی دو سلسلوں میں منقسم ہوتی ہے ۔ ایک سلسلہ بنی اسحاقؑ جو بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہے ۔ دوسرا سلسلہ بنی اسمٰعیلؑ ۔ سلسلہ حضرت اسحاقؑ جناب عیسیٰؑ پر ختم و منقطع ہو جاتا ہے ۔

تعلیم کلی

اور تعلیم کلی ذریت حضرت اسمٰعیلؑ سے متعلق ہوتی ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے "وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ"۔ (بقر ۱۵۶) یاد کر اسوقت کو جبکہ ابراہیم و اسمٰعیل خانہ کعبہ بنا رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہماری اس خدمت کو قبول فرما کیونکہ تو سننے والا اور دیکھنے والا ہے ۔ اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان اور مطیع و منقاد بنا اور ہماری ذریت میں سے ایک جماعت کو مسلمان خاص اور مثل ہمارے مطیع و منقاد مطلق بنا اور ہمارے مناسک ہمیں دکھاوے ! اور ہماری رجوع و انابت کو قبول فرمایا کیونکہ تو رجوع بندگان کو قبول کرنے والا ہے ۔ اے پروردگار اس جماعت میں اسی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر ۔ جو تیری آیات کی اُن پر تلاوت کرے اور انکو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور اُن کا تزکیہ کرے ۔ تحقیق کہ تو صاحب عزت و حکمت ہے ۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ یہ اسلام مطلق اور یہ دعا اور یہ رسالت حضرت اسمٰعیل کی ذریت میں سے ایک جماعت خاصہ سے مخصوص ہے اور حضرت اسحاق کا یہاں ذکر نہیں ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علم احاطی رکھتے تھے اور احاطہ بر حقائق۔ اور امامت آخر درجات حقائق ہے اور جو انبیا بنی اسرائیل سے مبعوث برسالت ہوئے اُن کے حالات سے ثابت ہے کہ ان کا علم علم کلی اور علم احاطی نہ تھا اور وہ کل حقائق پر احاطہ نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ جس وقت حضرت موسےٰ نے جو بنی اسرائیل کے پیغمبر اولوالعزم ہیں حضرت خضر سے یہ درخواست کی" هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا"۔ کیا اس شرط پر میں آپکے ساتھ ہو جاؤں۔ کہ آپ مجھے وہ علوم و حکمت سکھا دیں جو آپکو تعلیم دیا گیا ہے۔ تو حضرت خضر نے یہی جواب دیا" إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا"۔ تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھتے" وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا" اور کیونکر تم اسپر صبر کر سکتے ہو جس پر تم احاطہ علمی نہیں رکھتے۔ صبر بلا احاطہ علمی ممکن نہیں۔ کامل صبر وہی کر سکتا ہے جو جملہ حقائق پر احاطہ علمی رکھتا ہو صبر فرع علم احاطی ہے +

رفع شبہ جملہ وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ (ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان بنا) سے شبہ ہو سکتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نبی تھے رسول تھے خلیل اللہ تھے۔ اور امام تھے تو پھر مسلمان ہونے کی دعا کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا معاذ اللہ باوجود ان مراتب کے طے کر لینے کے بھی حضرت مسلمان نہ تھے +

جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ضرور مسلمان تھے بلکہ مسلم مطلق کیونکہ اسلام دو قسم پر ہے ایک اسلام بالواسطہ دوسرا اسلام بلا واسطہ اور مسلم دو ہیں مطلق مسلم اور مسلم مطلق اور دونوں معانی قرآن میں موجود ہیں۔ عام لوگونکا اسلام اسلام بالواسطہ ہے کسی دوسرے کے واسطے سے خدا پر ایمان لاتے ہیں مثلاً کسی نبی یا امام یا عالم کے ہاتھ پر مسلمان ہوتے ہیں اور مطلق مسلم کا یہ درجہ ہے۔ إِذْ قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ"۔ جبکہ اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ اے پیغمبر اُن سے کہدو کہ تم ابھی ایمان نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ یہ مطلق اسلام کا درجہ ہے۔ صرف زبان سے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ

رَسُوْلُ اللّٰہِ کہدینا خواہ دل میں اعتقاد ہو یا نہ ہو مطلق اسلام ہے اور اسلام بلا واسطہ وہ ہے
جہاں خدا اور اس مسلم کے درمیان اور کوئی واسطہ نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اِذْ قَالَ
لَہٗ رَبُّہٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ جب اس کے پروردگار نے کہا کہ اسلام
لاؤ کہا میں پروردگار عالمیان پر اسلام لایا اور اس کا مطیع مطلق بنگیا۔ یہ مسلم مطلق ہوا اور انبیاء
علیہم السلام کا اسلام یہی اسلام بلا واسطہ ہوتا ہے کوئی فرشتہ وغیرہ درمیان میں نہیں ہوتا۔ نہ
جبرئیل نہ اور کوئی۔ نبی خود منقاد مخلص و مطیع مطلق ہوتا ہے۔ جبرئیل و دیگر ملائکہ اس سے تعلیم لیتے ہیں
چنانچہ قصہ حضرت آدم و ملائکہ سے ظاہر ہے" یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ" حضرت آدمؑ
علیہ السلام معلم جمیع ملائکہ ہیں جن میں جبرئیل بھی داخل ہیں۔ اور ان تمام پر حجت ہیں پس ضرور
حضرت ابراہیمؑ مسلمان بلکہ مسلم مطلق با سلام بلا واسطہ تھے۔ لہذا یہ دعا اسلام لانیکی نہ تھی۔
بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس اسلام کے بھی درجے اور مرتبے ہیں ایک مرتبہ قبولیت ہے دوسرا
مرتبہ فعلیت اور حضرت ابراہیمؑ نے جو دعا کی تھی وہ فعلیت کے متعلق تھی۔ قبولیت پہلے سے رکھتے
تھے۔ ہر ایک حکم الہی کو مطلقاً قبول کر چکے تھے۔ دعا یہ کرتے تھے کہ جس طرح میں نے ہر ایک امر کو
قبول کرلیا ہے اسی طرح سے اسکی فعلیت میں آنے کی توفیق عطا فرما تاکہ اسی طرح کر دکھاؤں
مجھے اور اسمٰعیل دونوں کو ایسا بنادے پس کوئی جائے شبہ نہیں ہے۔ کیونکہ جملہ وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ
لَکَ مقام عمل ہے نہ مقام تسلیم و قبولیت۔ اور توفیق فعلیت بھی منجانب اللہ ہی ہوتی ہے چنانچہ
قصہ حضرت شعیب سے صاف ظاہر ہے فرماتے ہیں" وَمَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ
اُنِیْبُ" یعنے نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ ہی سے اسی پر توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع
ہوتا ہوں۔ اس مقام پر ایک امر اور بھی قابل غور ہے وہ یہ کہ آیا حقیقۃ ملکوتیہ روح قدس نبوتی اعلیٰ ہے
یا حقیقت ملائکہ" یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا" سے ظاہر ہے کہ روح غیر ملائکہ ہے۔
اور وہی اقدم و اشرف و اعلیٰ ہے وہ ملائکہ سے پہلے موجود ہے اور یہ روح روح کلی ہے تمام
ملائکہ اس سے تعلیم لیتے ہیں جس کی تفصیل مقام ختم میں آئیگی۔

امام کی شناخت اور کتاب وجودی

کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَ
اَنْزَلَ مَعَہُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ وَمَا اخْتَلَفَ
فِیْہِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْہُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْہُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَہُمْ (بقرہ ع ۲۶)

تمام لوگ ایک امت تھے پس اللہ نے انبیاء کو بھیجا۔ جو بشارت دیتے اور ڈراتے تھے اور اُن کے ساتھ کتاب حق نازل کی تھی۔ تاکہ وہ حکم کریں۔ لوگوں میں ان امور کے متعلق جن میں وہ اختلاف رکھتے تھے اور نہیں مختلف ہوئے اس میں مگر وہی لوگ جن کو کتاب دی گئی۔ اور اُن پر رسول بھیجے گئے بعد اس کے کہ ان کے پاس دلائل و شہادات بینۃ آچکی تھیں اور یہ اختلاف محض سرکشی و بغاوت سے تھا۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نبی کو اس کے وجود کے ساتھ کتاب دی گئی ہے۔ کیونکہ کتاب دو قسم پر ہے ایک کتاب تنزیلی مثلاً "اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ۔ وَاَنْزَلْنَا الْقُرْاٰنَ" اور ایک کتاب وجودی ہے مثل "اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا" الخ پس یہ کتاب جس کا حضرت عیسیٰ وقت ولادت ذکر فرماتے ہیں کہ مجھکو کتاب دیگئی ہے۔ کتاب تنزیلی نہیں ہے۔ کیونکہ انجیل حضرت پر سات سال یا تیئیس۲۳ سال یا تیس۳۰ سال بعد میں نازل ہوئی تھی۔ بلکہ یہ کتاب وجودی ہے جو وجود کے ساتھ عطا ہوئی ہے اور یہ وہی کتاب ہے جس کا آیہ سابقہ میں ذکر آچکا ہے کہ ہر نبی کے ساتھ اس کو کتاب دی گئی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر کتاب سے وہاں کتاب تنزیلی تشریعی مراد لی جائے تو مطلب آیت کا درست نہ ہوگا کیونکہ ہر ایک نبی کو کتاب تنزیلی تشریعی عطا نہیں ہوئی اور مشہور کتب سماوی چار ہیں۔ توریت۔ زبور۔ انجیل اور فرقان پس ضرور اس کتاب سے کتاب وجودی ہی مراد ہے۔ یعنی علم وجودی جو وجود نبی کے ساتھ عطا ہوتا ہے۔ اور اس آیت میں بھی اسی کا ذکر ہے۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ اور لفظ مع خود معیت وجودیہ پر دال ہے کہ یہ کتاب وجود نبی کے ساتھ معیت تامہ رکھتی ہے اور کتاب تنزیلی کو معیت وجود لازم نہیں۔ نیز اسی معیت کتاب سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا اسلام فطری بلاواسطہ ہوتا ہے۔ کیونکہ انکے وجود کے ساتھ علم عطا ہوتا ہے۔ اور اول علوم علم معارف الٰہیہ ہے پس وہ سب سے پہلے وجود نبی کے ساتھ عطا ہوتا ہے۔ اور نبی اسلام پر ہی مفطور و مخلوق ہوتا ہے یعنی اسلام بلاواسطہ و اسلام مطلق پر کیونکہ کوئی واسطہ اس کے اور خدا کے درمیان نہیں ہوتا۔ ورنہ مطلق اسلام پر تو ہر ایک بچہ پیدا ہوتا ہے۔ كُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ یہی کتاب وجودی امام کیلئے بھی ضروری ہے اور وہ بھی وجود کے ساتھ علم لیکر آتا ہے پس ہر نبی اور امام کتاب وجودی رکھتا ہے اور یہی نبی و امام کی شناخت ہے۔ فالکتاب

الْوُجُودِیُّ هُوَ الْعِلْمُ الَّذِیْ اُعْطِیَ لَهُمْ مَعَ وُجُوْدِهِمْ وَکُتِبَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ وَ یُجْمَعُ فِیْ صُدُوْرِهِمْ بَلْ هُوَ اٰیَاتٌ بَیِّنَاتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ فَتَاَمَّلْ فِیْهِ۔ (مؤلف)

امامتِ کلیہ

سلسلہ امامت کلیہ نسل اسمٰعیلؑ میں جاری ہوا ہے۔ نہ نسل حضرت اسحاق میں۔ کیونکہ دعائے مذکور میں حضرت اسحاق شامل و داخل نہیں ہیں کتب سابقہ سے بھی صاف ثابت ہے کہ یہ دعا ذریت حضرت اسمٰعیل سے مخصوص ہے چنانچہ توریت کتاب پیدائش باب ۱۷۔ آیت ۲۰ میں ہے اے ابراہیم ہم نے تیری دعا اسمٰعیل کے حق میں سنی دیکھ ہم نے اسکو برکت دی اور بارآور کیا اور اپنے حبیب کے طفیل اسکو بڑی فضیلت دی جس کے بارہ سردار و نائب ہونگے اور میں ان بارہ سرداروں سے ایک بڑی قوم بناؤنگا۔ اور زبور باب ۴۵ آیت ۱۰ بھی اسی پر دال ہے اور اس اسلام خاص یعنی اپنے درجے کی خواہش اور دعا حضرت ابراہیم نے ذریت اسمٰیل کی ایک امت خاص کیلئے کی ہے اور (ک) خطاب اور (ل) اختصاص کی وحدت دلالت کرتی ہے کہ جو کچھ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اور اسمٰعیل کیلئے مانگا ہے وہی نسل اسمٰعیلؑ سے اپنی ذریت کی ایک امت کیلئے۔ کیونکہ کاف خطاب اور لام اختصاص دونوں جگہ یکساں ہے اور "واجعلنا" بھی مکرر نہیں بلکہ جعل ایک ہی ہے اگر جعل مکرر ہوتا تو معنی بدل سکتے تھے اور نسل اسمٰعیل کی اسی امت کیلئے یہ دعا کی ہے کہ اس میں اسی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر اور ظاہر ہے کہ اولاد حضرت اسمٰعیل میں سوائے پیغمبر خاتم النبیینؐ اور کوئی پیغمبر مبعوث برسالت نہیں ہوا پس ضروری ہے کہ وہ امت مسلمہ جس میں سے پیغمبرؐ مبعوث ہوا ہے قبل بعثت پیغمبر موجود ہو اور رسول خدا بنی ہاشم سے مبعوث ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ امت مسلمہ بھی بنی ہاشم ہی میں سے ہوئی "وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ" (اپنے سب سے قریبی قبیلہ والوں کو ڈرا) اسی کی طرف اشارہ ہے "وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْکِتَابَ" (ہم نے ابراہیم کی ذریت میں نبوت و کتاب قرار دی ہے) شاہد ہے کہ کتاب وجودی بجعل الٰہی ہمیشہ ذریت ابراہیم میں موجود ہے اور یہی کتاب مَابِهِ النُّبُوَّةُ وَالْاِمَامَةُ ہے۔ نبوت خاتم خاتم النبیینؐ پر بنص قرآنی ختم ہوگئی پس کتاب باقی ہے اور بعد آنحضرتؐ ذریت ابراہیمی نسل اسمٰعیلؑ میں وہ لوگ دارائے امامت

مطلقہ ابراہیمی ہیں جو یہ کتاب وجودی بحبل الٰہی رکھتے ہیں۔ اور کتاب اُنکے وجود کے ساتھ ہے اور ان کی حقیقت سے متحد اور یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کو رسول خدا نے مقارن کتاب اللہ اور ثانی ثقلین و تالی قرآن فرمایا ہے ملاحظہ ہو اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَلَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ" عترت رسول اللہ اور کتاب اللہ میں جدائی اور افتراق نہیں۔ کتاب اللہ ان کے ساتھ ہے اور وہ کتاب اللہ کے۔ بلکہ اُن کے ہر ہر جزو کے ساتھ ہے۔

مرتبہ و مقامِ امامتِ مطلقہ

مقامات و نشاناتِ امامت مطلقہ کا اس سے اندازہ کیجئے کہ حضرت نوح فرماتے ہیں "اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" میں مسلمانوں میں سے ہوں اور اس سلسلہ امامتِ ابراہیمی و نسل اسمٰعیل کا پہلا امام فرماتا ہے "اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ" میں سب سے اول مسلمان ہوں "اَنَا اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ" میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں " و امرت ان اکون اول من اسلم" اولیت اسلام میری فطرت اور خلقت میں از روز تکوین داخل ہے۔ مفسرین کا جو یہ خیال ہے کہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ حضرت خاتم النبیین اپنی امت میں سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ غلط ہے۔ اور خلاف ظاہر آیہ۔ کیونکہ اپنی امت میں ہر ایک نبی اول مسلم ہوتا ہے۔ کونسا پیغمبر ہے جو اپنی امت کے بعد خدا پر اسلام لایا ہو۔ پھر خاتم النبیین کے لئے کیا خصوصیت ہوئی۔ خصوصیت اور افتخار اس وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ جب مطلب یہ ہو کہ میں اس وقت مسلمان ہوں جبکہ کوئی مخلوق اسلام نہ لایا تھا۔ سب سے پہلے میں ہی اسلام لایا ہوں۔ اور یہ مرتبہ اول مخلوق ہی کو نصیب ہو سکتا ہے۔ اور یہی "امرت ان اکون اول من اسلم" سے ثابت ہے اور یہ مقام مقام امامت کلیہ مطلقہ ہے "واللہ یختص برحمتہ من یشاء وذالک فضل عظیم" غرض من المسلمین ومن الصابرین ومن الصلحین سے ثابت ہے کہ ایک جماعت صابرین و صالحین و مسلمین مطلق پہلے سے موجود تھی جس میں سے انبیاء علیہم السلام اپنے کو شمار کرتے ہیں اور یہ جماعت وہی اول من اسلم ہیں جو اس وقت سے مسلم ہیں جبکہ کوئی اسلام نہ لایا تھا۔

صبر انبیاء

بہر حال صبر فرع براحاطہ علمیہ ہے۔ بمبدأ و معاد۔ جو شخص مبدء و معاد۔ ابتدا

وانتہا اور آغاز و انجام پر نظر نہیں رکھتا ہے۔ وہ کبھی صبر نہیں کر سکتا۔ حضرت ابراہیم کو دیکھئے کہ وہ اپنے فرزند دلبند کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہیں اور ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل اس پر راضی ہو جاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں "یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین"۔ اے پدر بزرگوار جو کچھ خدا کا حکم ہے اس کو بجا لایئے مجھ کو انشاء اللہ آپ صابرین میں سے پائینگے یہ صبر اسی وجہ سے تھا کہ آپ نبی تھے اور انجام و آغاز امور پر احاطہ علمی رکھتے تھے۔

صبر امام

اب صبر مظلوم کربلا کا ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ کس درجہ پر پہنچا ہوا ہے۔ کمال الدین بن طلحہ شافعی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ مجھے روز عاشورا کے واقعات سے تعجب نہیں ہے کیونکہ جو قلب حقائق اشیاء پر احاطہ رکھتا ہے وہ صبر رکھتا ہے۔ حضرت ایوب ع کو "نعم العبد" اسی صبر کی وجہ سے کہا گیا ہے لیکن جس وقت ناموس تک نوبت پہنچی وہ بھی صبر نہیں کر سکے اور حضرت ایوب نے بارگاہ الٰہی میں شکایت کی اور رفع تکلیف کی دعا فرمائی۔ رَبِّ اِنِّی مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ لیکن میں نے تمام کتب مقاتل کا مطالعہ و تفحص کیا کسی مقام پر میں نے امام کی شکایت یا رفع مصائب کی دعا نہیں دیکھی حتٰی کہ جس وقت آپ زخموں سے چور چور ہو کر گھوڑے سے گر پڑے ہیں اور اہلبیت عصمت و طہارت خیموں سے سر برہنہ نکل پڑے ہیں۔ اور آپ کے قریب آئے ہیں اس وقت بھی آپ نے شکایت نہیں کی۔ حالانکہ یہ مقام ناموس تھا اور حضرت ایوب ع کے قصہ سے کہیں زیادہ۔ قربان ہماری جانیں اس صابر مظلوم پر روحی و ارواح العالمین لہ الفداء لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

موعظۂ سوم

۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ

لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ

تقسیمِ وجود وجود بلحاظ غرض و غایت دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وجود فی نفسہ لنفسہ دوسرا وجود فی نفسہ لغیرہ یعنی ایک ایسا وجود ہے جس کے ایجاد و خلق کرنے سے موجد و خالق کی غرض و مقصود خود وہ موجود ہے۔ دوسرا وہ وجود ہے جس کی خلقت کی غرض و غایت خود وہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ کسی دوسرے کے لئے خلق و ایجاد کیا گیا ہے۔

پہلی قسم کے وجود حجج اللہ علیہم السلام یعنے انبیاء و ائمہ ہیں کہ اللہ نے اُنکو اپنی صفات کمالیہ جلالیہ و جمالیہ کا مظہر بنایا ہے اور مقصود ان کی خلقت سے وہ خود ہیں۔ کیونکہ ہر صاحب کمال خصوصاً کامل مطلق اپنے کمال کو محبوب و دوست رکھتا ہے اور اپنے کمال سے مسرور و مبتہج ہوتا ہے۔ خدا کامل مطلق ہے پس جو موجود کامل مطلق سے اول صادر ہوئے ہیں وہ بھی کامل ہیں نہ ناقص۔ کیونکہ نقص کو کامل مطلق کبھی محبوب نہیں رکھتا اور وہ اولین وہ حجج اللہ ہیں جن کے حق میں فرماتا ہے "السابقون السابقون اولئك المقربون"۔ خصوصاً وہ نبی جو جملہ مخلوقات سے اول خلق کیا گیا ہے اور مصنوع اول ہے سب سے کامل تر ہے اور اس کا وجود کسی دوسرے کے لئے مخلوق نہیں ہوا بلکہ وہی مقصود و مراد ہے۔ دیگر وجودات اس کے وجود سے منتفع ہوتے ہیں اور اس کے طفیل سے مستفید و مستفیض +

توضیح غرض و غایت خلقت انبیاء اگر پیغمبر کا وجود دوسری مخلوق کیلئے ہوا در اصل غرض و غایتِ خلقتِ

انبیاء سے بنی نوع انسان ہوں تو وہ بنی سے افضل و اشرف ہونگے کیونکہ غایت ذی الغایت سے افضل و اشرف ہے مثلاً خداوندعالم فرماتا ہے "خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا" جو کچھ کہ زمین میں ہے سب تم انسانوں کے واسطے پیدا کیا گیا ہے یعنی ارض و ما فی الارض انسان کے لئے خلق کیا گیا ہے اور ان کی خلقت سے مقصود خود انکا وجود نہیں ہے بلکہ انکا وجود از قسم "فی نفسہ لغیرہ" ہے اور غرض و غایت ان کی خلقت کی انسان ہے اور وہ ذی الغایت پس انسان تمام موجودات ارضی سے افضل و اشرف ہے۔ اور تمام چیزیں اُس کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ اگر اسی طرح سے غرض و غایت خلقت انبیاء انسان ہو اور وہ اُس کیلئے خلق کئے گئے ہوں اور انکا وجود بھی مثل موجودات ارضی از قسم فی نفسہ لغیرہ" ہو اور مطلب یہ ہو کہ "خَلَقَ اللّٰهُ الْأَنْبِيَاءَ كُلَّهُمْ لِلْإِنْسَانِ" تو یقیناً عامۃ الناس انبیاء علیہم السلام سے افضل و اشرف ہونگے اور یہ بالبداہت باطل ہے اور صحیح یہی ہے کہ ان کا وجود "فی نفسہ لنفسہ" ہے اور خلقت سے وہ خود مقصود بالذات ہیں۔ ہاں لوگ اُن سے مستفیض ہوتے ہیں اور ان کے اقوال و افعال سے ہدایت پاتے ہیں کیونکہ وہ مظاہر صفات الٰہیہ ہیں ہمیشہ سالک طریق الٰہی و صراط مستقیم ہیں کبھی اس سے تخطی نہیں کرتے پس جو ان نفوس قادسہ مقدسہ کے قول و فعل میں پیروی کریگا لابد نجات پائیگا پس ہدایت طفیلی ہے۔ اور جو انبیاء مبعوث برسالت و تبلیغ ہیں ہیں ان کے وجود کی غرض ثانوی۔ اسی واسطے خداوندعالم حضرت موسیٰ کے حق میں فرماتا ہے "وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي"۔ اے موسیٰ میں نے تجھ کو اپنے واسطے بنایا ہے یعنی خَلَقْتُكَ لِتُوَحِّدَنِي وَتَعْبُدَنِي وَتَحْمَدَنِي وَتُقَدِّسَنِي وَتُؤْمِنَ بِي وَلَا تَكْفُرَ بِي وَلَا تُشْرِكَ بِي شَيْئًا"۔ چنانچہ امام علیہ السلام ابتدائے خلقت حضرت آدم کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں جب روح حضرت آدم دماغ تک پہنچی تو آپ نے چھینکا۔ خداوندعالم نے فرمایا ہے اے آدمؑ کہو "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" حضرت آدمؑ نے کہا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ"۔ خداوندعالم کی طرف سے آواز آئی يَرْحَمُكَ اللّٰهُ لِهٰذَا خَلَقْتُكَ لِتُوَحِّدَنِي وَتَعْبُدَنِي وَتَحْمَدَنِي وَتُؤْمِنَ بِي وَلَا تَكْفُرَ بِي وَلَا تُشْرِكَ بِي شَيْئًا"۔ اے آدمؑ تجھ پر خدا کی رحمت ہو میں نے تجھے اسیواسطے خلق کیا ہے۔ تاکہ تو مجھے واحد جانے اور میری توحید کو ظاہر کرے اور

میری عبادت کرے۔ اور حمد و ثنا بجا لائے اور مجھ پر ایمان لائے اور میری ناشکر گذاری نہ کرے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانے یہی غرض و غایت خلقتِ انبیا رہی خصوصاً وجود خاتم النبیین کہ اصل و مقصود و مراد خلقت عالم ایجاد ہے۔ کما قال عز وجل فی القدسی "یا عبدی انت المرید وانت المراد وانت خیرتی من خلقی وعزتی وجلالی لولاک لما خلقت الافلاک" یعنے اے میرے بندے اور میرے محبوب تو ہی مرید ہے اور تو ہی مراد ہے اور تو ہی میری برگزیدہ مخلوق اور مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم ہے اگر تو مقصود نہ ہوتا اور تجھے خلق نہ کرتا تو آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ ایک اور حدیث میں جناب امیر المومنین سے کیفیت خلقت نور محمدی میں مروی ہے "قال اللہ للقلم فلولاہ ما خلقتک وما خلقت خلقی الا لاجلہ فھو بشیر و نذیر و سراج منیر و حبیب شفیع" اللہ تعالےٰ نے قلم سے کہا اگر محمدؐ نہ ہوتا تو تجھے خلق نہ کرتا اور نہیں خلق کیا ہے میں نے اپنی مخلوق کو مگر اُس کے ہی واسطے پس وہ بشیر و نذیر ہے اور سراج منیر و شفیع و حبیب ہے۔ الخ۔ غرض انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نمونہ صفات الٰہیہ اور آیت کمالات خدائی ہیں ان سے خدا ملتا ہے۔ خدا کا رستہ ملتا ہے انہیں سے خدا پہچانا جاتا ہے انکو دیکھا گویا خدا کو دیکھا خلائق اُن کے وجود کے طفیل سے ہدایت پاتے ہیں نہ کہ اُنکا وجود محض ہدایت خلق کیلئے مخلوق ہوا ہے۔ جو شخص چراغ روشن کرتا ہے اپنے لئے کرتا ہے۔ دوسرے بالتبع روشنی کا فائدہ اُٹھاتے ہیں لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ انبیا علیہم السلام جس قدر آئے ہیں ایک دوسرے آنے والے کی بشارت دیتے آئے ہیں۔ پس اگر مقصود بالذات انکا وجود ہوتا تو دوسرے کی خبر دینے نہ آتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی ایک غرض و غایت کے تحت ہیں یعنے وہ بھی کسی دوسرے کی خبر دینے اور معرفی کرنے کے واسطے آئے ہیں اور وہ سب ایک غایت کے تحت میں ہیں۔

اس بیان کی مزید توضیح

حضرت ابراہیمؑ افضل انبیا سابقین و شجرۃ الانبیا رہیں اُنکو خدا حکم دیتا ہے۔ "طھر بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود" یعنے میرے گھر کو طواف کرنیوالوں اور راکعین و ساجدین کیواسطے پاک کرو۔ یہ راکعین ساجدین طائفین اور عاکفین کون ہیں جنکے واسطے تطہیر خانہ کعبہ کا حکم ابوالانبیا و شجرۃ الانبیا حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو دیا گیا ہے۔ اور خانہ کعبہ کے حق میں فرمایا ہے۔ "ان اول بیت وضع للناس الذی

بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ۔" گویا صفتِ خانہ کعبہ بیان ہوتی ہے کہ وہ تمام عالم
بلکہ جملہ عالمین یعنی کل ماسوا اللہ کے لئے ہدایت کرنے والا ہے۔ "ھُدًى لِّلنَّاسِ" بھی
نہیں "ھُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ" حالانکہ یہی خانہ کعبہ مدت تک بت خانہ بنا رہا ہے اور اہل مکہ مشرکین
پس یہ کیونکر ہادی ہوا؟ اگر ہادی ہوتا تو اول اپنے اندر سے بت نکالتا اور تمام اہل مکہ کو موحد
بنا لیتا۔ ظاہر و بدیہی ہے کہ کوئی مکان کسی کو ہدایت نہیں کر سکتا۔ پس یہ کونسا بیت ہے
جو تمام عالمین جملہ مخلوقات کی ہدایت کرنے والا ہے۔ لفظ وضع دال ہے کہ یہ گھر نہیں ہے
جو اینٹ پتھر سے بنایا جاتا ہے کیونکہ وضع کے معنے گذاشتہ شدہ کے ہیں یعنی ایک چیز
پہلے سے موجود تھی جس کو اٹھا کر رکھدیا گیا ہے پس اگر اس مکان سے یہ مکان ظاہری مراد
ہوتا تو بُنِیَ آتا یعنی یہ پہلا گھر ہے جو بنایا گیا ہے یا بنا کیا گیا ہے بعض تفاسیر میں لکھا ہے۔
اور روایات سے بھی مستفاد ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ جب طاق تک پہنچگیا تو اس وقت حضرت
جبرئیلؑ ایک سفید پارچہ لائے اور بطور قبہ رکھا گیا۔ پس اگر یہ صحیح ہو۔ تو وہ سقف کہلائیگی نہ
مکان۔ پس یہ آیت اگرچہ بظاہر آسان ہے لیکن مشکل ترین آیات سے ہے۔ راکعین و
ساجدین وغیرہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ اُن سے مراد مصلین یعنی عام نمازگذار نہیں کیونکہ
"وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ" "وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ
ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ (جب کافرین و مشرکین سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع
نہیں کرتے) ہرگز رکوع سے مراد نماز نہیں۔ کیونکہ کافرین و مشرکین سے نماز کی توقع قبل ایمان
بے معنی ہے اسیطرح آیہ مجیبہ "يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ"
اے مریم اپنے پروردگار سے دعا کر اور سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ دال ہے۔
کہ اس رکوع سے مراد رکوع نماز نہیں۔ کیونکہ یہاں سجدہ پہلے ہے اور رکوع بعد میں۔ اور
پھر وہ بھی راکعین کے ساتھ اگر یہ کہا جائے کہ نصاریٰ کی نماز میں سجدہ پہلے ہے اور رکوع
بعد میں تو غلط ہے۔ کیونکہ ان کی نماز میں رکوع ہی نہیں ہے اور سجدے کے قبل رکوع ہونا
خلاف فطرت و خلاف عادت ہے۔ لہذا یہ رکوع اور ہی ہے اور یہ راکعین ایک جماعت
خاص اور اس کے معنی کچھ اور ہی ہیں۔ یہ راکعین وہ راکعین ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔
"اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ
الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔" یعنے سوائے اس کے نہیں ہے کہ تمہارا ولی خدا ہے اور اس کا

رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں درآنحالیکہ وہ راکعین ہیں پس یہ راکعین آئمہ طاہرین علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں جن کا فرد اول علی ابن ابی طالب سر اللہ فی العالمین امیر المومنین ہیں جنہوں نے حالت رکوع میں انگشتری سائل کو دی۔ اور بالاتفاق مفسرین یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی اور یہ راکعین بایں معنی ہیں کہ رکوع حالت وسطی کا نام ہے۔ درمیان قیام وسجود۔ گویا یہ راکعین واسطہ ہیں درمیان خالق ومخلوق۔ اور اسی کی طرف اشارہ ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ يعنی اسی واسطے ہم نے تم کو امت وسط قرار دیا ہے تاکہ تم تمام لوگوں پر شہید و حاضر و ناظر رہو اور رسول تم پر شہید ہو۔ اور اس صورت میں فَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ کے یہ معنی ہوں گے کہ اُن کی پیروی کرو اور اُن کے ساتھ ساتھ رہو جو خدا اور اُس کی مخلوق کے درمیان واسطہ اور شہید علی الناس ہیں عین اللہ الباصرہ ہیں۔ لہذا تطہیر خانہ کعبہ انہیں راکعین اور ساجدین کے واسطے ہے اور اصل و غرض و غایت عالم و مقصود خلائق یہی ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام اور بعثت انبیا رسابقین مقصود بالذات نہیں بلکہ سب پیغمبر خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفی کرنے اور اُن کی بشارت دینے آئے ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اصل سنگ و خشت و گل کو کوئی شرافت اور فضیلت نہیں ہے بلکہ فضیلت مکان مکین سے اور شرافتِ خانہ اہل خانہ سے ہے۔ اور عظمتِ محل بوجود حال چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ یعنی ایسا نہیں ہے جیسا تم کہتے ہو میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی درآنحالیکہ اے پیغمبر تو اس میں مقیم ہے یعنی یہ شرافت و عظمت و کرامت کعبہ و مکہ معظمہ تیری وجہ اور تیرے وجود سے ہے پس اصل خانہ کعبہ و بیت باطنی یہی ہے اور اول بیت جو تمام عوالم کیلئے ہادی ہے۔ بیت نبوت مطلقہ ہے جس کی صفت تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ہے۔ تمام عالمین کے لئے ہادی وہی ہے جو تمام عالمین کے لئے نذیر قرار دیا گیا ہے اور وہی اول بیت ہے کہ مخلوق و مصنوع اول خالق عالم و رب العالمین ہے اور شرافتِ خانہ کعبہ اسی صاحب خانہ کی وجہ سے ہے اور وہ اور اس کے اہل بیتؑ کہ جو وارثان بیت نبوت و رسالت ہیں مقصودِ کائنات و غایتِ مخلوقات ہیں۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ!

نکتہ - یہ تطہیر تام خانہ کعبہ حاصل نہیں ہوئی مگر اسی نفس رسول و یداللہ کے ہاتھوں سے جو عام طور پر بت شکن مشہور و معروف ہے اور جس نے مہر نبوت پر قدم رکھکر خانہ کعبہ کو نجاست اصنام سے پاک کیا اور کمالات حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی سے اور اسکی زبان سے ظاہر ہوئے۔ اور حضرت ابراہیم نے جو یہ دعا کی تھی۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ۔ امت آخرین (میری ذریت سے) ایک زبان صدق و صداقت نشان قرار دے خدا نے اس کو قبول فرمایا۔ فَقَالَ عَزَّوَجَلَّ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا۔ یعنے اُمّت آخرین میں ہم نے لسان صدق و صداقت نشان علیؑ کو قرار دیا۔ یہاں علیؑ اسم صفت نہیں ہے۔ اگر اسم صفت لیا جائے تو معنی مقصود مہمل ہوجائیں گے اور مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اُن کیلئے ایک لمبی اور دراز زبان قرار دی اور یہ صفت قبیح ہے نہ حسن۔ پس علی اسم ذات اور علم ہے اور وہ علی نہیں ہے مگر علی ابن ابی طالب۔ اور مطلب یہ ہے کہ اے ابراہیمؑ امت آخرین میں ہم نے علیؑ کو لسان صدق قرار دیا ہے۔ اور وہی صدیق اکبر ہے پس کمالات ابراہیمی اس سے ظاہر ہوئے اور اسی نے خانہ کعبہ کو نجاست شرک و اصنام سے پاک کیا۔

پس جملہ مخلوقات ایک غایت کے تحت میں داخل ہیں اور وہ مقصود بالخلق نہیں ہیں بلکہ مقصود بالذات خلقت سے محمد و آل محمد ہیں اور وہی مقصود کائنات و غایت مخلوقات ہیں اور غایت الغایات حضرت عزوجل وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ۔ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ وَ إِلَيْهِ الْمَصِيْرُ اَلَا إِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْأُمُوْرُ وَإِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى۔

فرقِ دین و شریعت و بیانِ نسخ شرائع

تعلیم حضرت آدمؑ علیہ السلام محض اسماء تک محدود تھی حضرت نوحؑ کے زمانے سے تدوین شرائع شروع ہوئی ہے۔ قَالَ عَزَّوَجَلَّ. شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖ مُوْسٰى وَعِيْسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا شریعت دین قرار دی۔ ہم نے تمہارے لئے وہ جو وصیت کی تھی نوحؑ کو اور جو اے پیغمبر تجھکو وحی کی اور جو کچھ ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو وصیت کی تھی۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نوحؑ تک چالیس نبی گذرے ہیں اور اُن میں سے ایک بھی صاحب شریعت نہ تھا

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ دین نہ رکھتے تھے؟ اور لوگ کافر تھے؟ مگر وجود پیغمبران خود اس کی نفی کرتا ہے کیونکہ جب پیغمبر تھے تو دین نہ ہونا کیا معنی۔ علاوہ ازین دین فطرت میں داخل ہے اور انبیار تو اصل دین ہی پر مخلوق و مفطور ہوتے ہیں اور دین خدا ایک ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ پس معلوم ہوا کہ شریعت و دین دو چیزیں ہیں۔ دین ہمیشہ سے تھا اور ہے اور رہیگا۔ مگر یہ دین قانون شریعت حضرت نوح سے شروع ہوا۔ نہ یہ کہ دین حضرت نوح سے شروع ہوا۔ بلکہ الفاظ آیہ خود دال ہیں کہ شریعت و دین دو چیزیں ہیں کیونکہ شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ یہ شریعت قرار دی دین سے وہ جو وصیت کی تھی نوح کو الخ۔ پس شریعت عین دین نہیں ہے۔ بلکہ جزو دین ہے ہاں اگر شَرَعَ لکم الدین ہوتا تو یہ اعتراض و شبہ درست ہوسکتا۔ لہذا اس وقت دین تھا۔ مگر قانون شریعت مرتب نہیں تھا۔ شرع بمعنے راہ ہے پس شریعت دین پر چلنے کا راستہ ہے اور دین قابل تغیر و تبدل و نسخ نہیں ہے۔ بلکہ نسخ شریعت سے متعلق ہوتا ہے اور اسیواسطے شریعت ہر صاحب شریعت کی علیحدہ ہوتی ہے اور لاحقہ سابقہ کی ناسخ وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔ شریعت راہ و محل عبور بطرف دین ہے جس کو پیغمبر ظاہر فرماتا ہے اور یہ ایک مجموعۂ قوانین و اصول ہے اور یہ حضرتِ نوحؑ سے شروع ہوا اور دین ماہیت کلیہ باطنیہ ہے اور وہ قابل تبدیل نہیں ہے اور نسخ شریعت میں واقع ہوتا ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ حسب اختلاف مادہ و زمان و مکان لوگوں کی صورتیں اور حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ہر ایک ایک صورت اور ایک حالت رکھتا ہے اور ہر ایک صورت و حالت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے مثلاً ایک شخص ہاتھ رکھتا ہے اور ایک شخص نہیں رکھتا۔ تو وضو میں ہاتھ دھونے کا حکم اُس کو دیا جائے گا جس کے ہاتھ ہیں نہ اُس کو جو ہاتھ نہیں رکھتا۔ پیر پر مسح کرنے کا حکم انہیں کو دیا جائیگا جو پاؤں رکھتے ہیں۔ اسیطرح حسب اختلاف مکان و زمان و فصل و موسم و سفر و حضر و صحت و علالت حکم بدلتا اور منسوخ ہوتا رہتا ہے مثلاً سخت شدتِ سردی ہو اور پانی سے وضو کرنے میں خوف ہو تو اس سے وضو ساقط ہے۔ اور سفر میں چار رکعتی نماز دو رکعتی رہجاتی ہے۔ حالانکہ اس کے اعضاء و جوارح میں سے بھی کچھ کم نہیں ہوا ہے۔ وقس علیٰ ذالک۔ بلحاظِ اختلاف حالتِ انسان و

مکان و زمان و فصل و موسم حکم بدلتا رہتا ہے اور پہلا حکم منسوخ ہو جاتا ہے۔ اسیطرح بموجب اختلاف حالتِ نوع انسان و اختلاف اوضاع خارجیہ و اطوار و ادوار و حالاتِ فطریۂ انسانیہ تکالیفِ شرعیہ بدلتی رہتی ہیں اور اسی کو نسخ کہتے ہیں اور یہ نسخ بھی احکام میں واقع ہوتا ہے۔ نہ اصل موضوعات میں۔ الغرض قانونِ شریعتی تکلیفی حضرت نوحؑ سے شروع ہوا۔ اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ پر پہنچا تو ختم ہوگیا۔ لہٰذا اُن کے واسطے حکم ہوا۔ ثُمَّ جَعَلْنَاکَ عَلٰی شَرِیْعَۃٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْہَا۔ اس لئے یہ شریعت تامۂ کاملہ بلا واسطہ غیر عالم امری سے ہے۔ اور مقام ختم۔ لہٰذا حکم دینا صحیح ہوا کہ اسی کی پیروی کرو۔ اب اس میں تغیر و تبدل نہ ہوگا اور انبیا سابقین رفتہ رفتہ لوگوں کو اس شریعت کاملہ تامہ کیلئے عادی کرنے آئے تھے تاکہ ترقی کرتے کرتے تعلیم اعلیٰ کیلئے تیار ہو جائیں پس حضرت آدمؑ سے تعلیم اسمار شروع ہوئی اور حضرت ادریسؑ نے درس علوم شروع کیا تاکہ لوگ قابل تکمل معارف دین و شرائع ہو جائیں اور اسی تعلیم علوم کی وجہ سے حضرت ادریسؑ کو یہ درجہ عالیہ ملا کہ خداوند عالم فرماتا ہے وَرَفَعْنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا ہم نے اس کو مکان عالی میں اٹھالیا اور درجہ رفیعہ عالیہ عطا کیا کہ زندہ آسمان پر چلے گئے اور حضرت آدمؑ سے تا حضرت نوحؑ دین میں مستقلات عقلیۂ فطریہ پر عمل تھا۔ علامۂ طبرسی روایت کرتے ہیں کہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام آیۂ مجیدہ کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کَانَ النَّاسُ قَبْلَ نُوْحٍ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً عَلٰی فِطْرَۃِ اللّٰہِ (الخ) یعنی حضرتِ نوح سے پہلے تمام لوگ ایک امت تھے اور سب کے سب فطرت الٰہی پر جس سے صاف ظاہر ہے کہ قبل حضرت نوحؑ قانون تشریعی (شریعت) نہ تھا محض فطریات اولیہ و مستقلات عقلیہ تھے وغیر ذالک من الاحادیث والاخبار فادجع الیہا کہ خیرات تمام لوگوں کے نزدیک خیر ہیں اور شرورات سب کے نزدیک بد۔ خواہ وہ کوئی مذہب رکھتے ہوں چنانچہ ہر ایک کے نزدیک سچ اچھا ہے۔ جھوٹ برا ہے ظلم قبیح ہے۔ عدل حسن ہے رحم اچھا ہے۔ بیرحمی بری ہے وغیر ذالک۔ لہٰذا اس وقت دار و مدار معاشرت انہی مستقلات عقلیہ پر تھا۔ عہد حضرت نوحؑ میں حسب اختلاف اوضاع زمان و بنی نوع انسان احکام شریعت مدوّن ہوئے۔ غرض مقام ختم نبوت مقام منتہائے تعلیمی اسی واسطے فرمایا۔ ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعہا۔

نکات فرق درمیان دین و شریعت و ملت

شَرَعَ لَکُمْ مِنَ الدِّیْنِ الخ اس آیہ مبارکہ میں قابل غور یہ امر ہے کہ مخاطب لکم کون ہے؟ (شریعت قرار دی تمہارے لئے) جن کیلئے شرع دین مقرر کی گئی ہے۔ خود حضرت پیغمبر بظاہر ان میں داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ ان سے خود علیحدہ خطاب ہے یعنی وما اوحینا الیك۔ اگر یہ کہا جائے کہ مخاطب ہم مومنین ہیں تو غلط ہے کیونکہ ہم پیرو دین و متبع شریعت ہیں نہ صاحب شریعت۔ حضرت ابراہیم اپنی ذریت و اولاد سے فرماتے ہیں۔ یَا بُنَیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ اے بیٹو اللہ نے تمہارے واسطے دین کو برگزیدہ کیا اور چنا ہے پس تم نہ مرنا مگر مسلمان۔ پس یہاں سے معلوم ہوا کہ دین ذریت ابراہیم کے واسطے ہے اور صاحبان دین وہ ہیں۔ لہذا صاحبان دین انبیا ہوئے نہ عوام۔ اس لئے صاحبان شرع دین اور وہ لوگ جن کے لئے شریعت دین قرار دی گئی ہے۔ انبیاء ہوتے ہیں۔ اس واسطے اس آیہ مبارکہ میں مخاطب اس کے عوام نہیں ہو سکتے۔ بلکہ وہ لوگ جن کے واسطے تمام شرائع سابقہ ولاحقہ جمع کی گئی ہیں جس میں شریعت خاتم النبیینؐ بھی داخل ہے۔ خداوند عالم جواب دعائے حضرتِ ابراہیم علیہ السلام میں فرماتا ہے"۔ وجعلنا فی ذریته النبوة والکتاب" ہم نے ذریت ابراہیم میں نبوت و کتاب قرار دی ہے۔ اور یہ دعائے حضرت ابراہیمؑ مخصوص تھی حضرت اسمعیلؑ و ذریت اسمعیلؑ کیلئے" اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمعیل (کما بیناہ سابقا) پس یہ ملت (کیش) حضرت ابراہیم ہے کہ انہوں نے اس سلسلہ دین کو اپنی ذریت میں قرار دیا۔ اسی واسطے بعد آیہ" وجعلنا مسلمین لك" فرمایا ہے" ومن یرغب عن ملة ابراھیم الا من سفه نفسه" سوائے سفیہ کے کوئی شخص ملت ابراہیمی سے اعراض نہیں کر سکتا۔ اور ہمارے پیغمبر کو حکم ہوا ہے کہ" فاتبع ملة ابراھیم حنیفا" ملت ابراہیمی کا تم بھی اتباع کرو۔ اور اس سلسلہ کو اپنی اولاد اور ذریت میں قرار دو جو ذریت ابراہیم و اولاد اسمعیل سے ہیں اور پیغمبر نے حسب حکم خداوند عالم کتاب کو اپنی ذریت میں قرار دیا اور اُن کو تالی کتاب و ثانی ثقلین فرمایا ملاحظہ ہو" انی تارك فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ولن یفترقا حتی یردا علی الحوض"۔ پس کتاب و نبوت بعد نبی آخر الزمان ذریت نبی میں آئی۔

مگر بنص آیہ نبوت آنحضرتؐ پر ختم ہو چکی۔ لہذا کتاب بجعل الہی بحال خود باقی رہی۔ بنا برین بعد پیغمبرؐ صاحبان شریعت کلیہ مطلقہ تامہ اہل بیت نبوت و رسالت و وارثان کتاب الہی ہیں اور یہی مخاطب ہیں اس آیہ مجیدہ کے "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا"۔ لفظ رَضِیْتُ ناظرین کو ملحوظ رہے اور پھر خدا ہم کو فرماتا ہے "فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا" تم بھی ملت ابراہیمی کا اتباع کرو اور بطور تہدید فرماتا ہے۔ "وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ" کون ہے جو ملت ابراہیمی سے اعراض کرے سوائے اس کے جو اپنے نفس کو سفیہ و احمق بنائے۔ پس چاہیے کہ ہم بھی اسی ملتِ ابراہیمی کا اتباع کریں اور بعد پیغمبر صاحبان شریعت عترتِ رسول ذریت ابراہیمی کو قرار دیں اور ان سے جدا نہ کریں اور سفیہ و احمق نہ بنیں۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ملت اور چیز ہے اور شریعت اور دین اور۔ دین ماہیت کلیہ ہے اور شریعت راہ عبور اور ملت کیش کو کہتے ہیں اور اسی سے یہ شبہ رفع ہو گیا کہ پیغمبر خاتم النبیینؐ کو کیوں اتباعِ ملتِ ابراہیمی کا حکم دیا گیا اس لئے کہ اتباع ملت کا حکم دیا گیا ہے نہ اتباع دین و شریعت کا۔ دین دین محمدی ہے اور ملت ملت ابراہیمی اور جب ملت و اتباع ملت کے معنی معلوم ہو چکے تو اب کوئی محل شبہ نہیں۔ فافہم۔

توضیح اس امر کی توضیح کہ شریعت ذریت رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے ہے اور وہی بعد پیغمبرؐ وارث نبوت و صاحب شریعت ہیں آیہ استخلاف بھی ہے۔

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا" اللہ نے وعدہ کیا ہے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور جملہ اعمال صالحہ بجا لائے ہیں کہ اللہ انکو زمین میں خلیفہ بنائیگا اور انکو ان کے اس دین پر قدرت و تمکن و اقتدار عطا کریگا۔ جو اُن کے لئے پسند فرمایا ہے اور اس کی نسبت خوشنودی ظاہر فرمادی ہے۔ اور بعد خوف اُن کے لئے امن عطا کریگا کہ وہ بلا خوف و خطر خالصاً لوجہ اللہ بکمال اطمینان اس کی عبادت کریں گے اور کسی شئے کو اس کا شریک نہ گردانیں گے نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں نہ عبادت میں نہ ظاہراً نہ باطناً اور نہ خوف و تقیہ سے کیونکہ یہ وعدہ مومن و صالح کے لئے فرمایا ہے پس دو حال سے خالی نہیں ہے کہ یا تو

بالاستحقاق۔ یا بلا استحقاق محض تفضلاً۔ اگر یہ وعدہ بالاستحقاق ہے تو مستحق اس کا فرد کامل مومن صالح ہے اور بالاتفاق بلحاظ ایمان وعمل صالح اول فرد کامل واکمل ذات حضرت خاتم النبیین واول المسلمین ہے اور وہی اول خلیفہ مطلق خدا ہے اور یہ وعدہ اس کی امت میں سے ان ان افراد کے لئے ہے جو کامل مومنین وصالحین ہوں اور نفس قدسی باب شہر علوم نفس نبی و سابق الاسلام ہے۔ بلکہ خود امت مسلمہ ہے۔ پس بعد پیغمبر مستحق خلافت الٰہیہ وخلیفۃ اللہ وہی نفس نبی ہے اور اگر یہ وعدہ بطور تفضل ہے تو بھی بحکم آیہ شریفہ "وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ" ہر صاحب فضیلت کو اس کی فضیلت عطا کرتا ہے۔ مستحق خلافت الٰہی وہی افضل الناس و خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے اور بعد ازاں وہ جو نفس رسول ہیں اور بعد رسول افضل الناس ہیں۔ اور یہی خلفاء اللہ ہیں جن کیلئے خدا نے دین کو پسند فرمایا ہے "وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا" اور ایک روز اس کی اشاعت کلیہ پر قدرت تامہ عطا کی جائیگی "وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ" لفظ ارتضیٰ قابل غور ہے تین لفظ قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔ اصطفا۔ اجتبا۔ ارتضا جن کی تحقیق سے ایک بڑا باب علوم کا کھلتا ہے اصطفا صفا سے مشتق ہے جس کے معنی پاکیزگی اور صفائی ہیں۔ اور اجتبا جبا سے جس کے معنی جمع کرنا اور چن لینا ہیں۔ ارتضا رضا سے ہے جس کے معنے خوشنودی و پسندیدگی ہیں اور ہر ایک علیحدہ معنی رکھتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کسی مجرد کو مزید فیہ میں لیجاتے ہیں تو زیادتی خاصیت باب کے ساتھ جس میں وہ منتقل ہوا ہے معنی مصدر ثلاثی باقی رہتے ہیں یعنی جب صفا کو باب افتعال میں لے جاکر اصطفا کیا ہے تو اصطفا میں معنی صفا کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے مگر اہل لغت نے ان لفظوں کو باب افتعال میں لیجاکر خلاف قاعدہ سب کو ایک کر دیا اور سب کے معنے (برگزیدہ) کر دئے ہیں اور ایسا کرنے سے انہوں نے ایک باب علوم مسدود کر دیا ہے۔ کلام حمید مجید میں تینوں لفظ علیحدہ معانی میں استعمال ہوئے ہیں مثلاً لفظ اصطفا نبی وغیر نبی دونوں کے واسطے استعمال ہوا ہے "يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ" آدمیوں اور ملائکہ میں سے اپنے لئے رسل مصطفےٰ قرار دیتا ہے "إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ" اور حضرت طالوت جو بادشاہ تھے اُن کے حق میں فرماتا ہے "إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ" "الطَّالُوتَ مَلِكًا" اور لفظ اجتبا تمام رسولوں کے واسطے بھی نہیں ہے

بلکہ خواص کے واسطے ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ اللہ ایسا نہیں ہے کہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع کرے لیکن وہ رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اجتبا میں تمام رسول بھی داخل نہیں ہیں۔ لہذا یہاں سے فرق اصطفا و اجتبا معلوم ہوگیا اور لفظ ارتضا ان دونوں سے فوقیت رکھتا ہے اور خاص سلسلہ نبویہ خاتم النبیین سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ خداوند عزوجل فرماتا ہے۔ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ لَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ خدا عالم غیب اور عالم شہود سب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب خاص وغیب ہویت پر کسیکو مطلع نہیں کرتا مگر اس کو جو مرتضیٰ من الرسول ہو اور اس مقام پر مِنْ مِنْ بیانیہ نہیں ہے جس کے معنی یہ ہوں کہ اپنے رسول مرتضیٰ کو غیب پر مطلع کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد ہی فرمایا ہے۔ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا۔ کیونکہ اللہ نے اس کے آگے اور پیچھے دونوں طرف رصد قرار دیدی ہے اور دونوں طرف نگہبان ہیں پس اگر اس سے رسول مراد لیا جائے تو معنی آیت کے درست نہیں رہتے۔ کیونکہ پیغمبر رصد وشاہد اپنے اوپر نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ شہید ہے۔ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ بلکہ مراد اس مرتضیٰ من الرسول سے علی مرتضیٰ ہیں کیونکہ نہیں ہیں مرتضیٰ از جانب رسول مگر مرتضیٰ۔ اور وہی دونوں طرف رصد رکھتے ہیں۔ ایک طرف رسول اللہ ہیں جو کہ شہید ہیں۔ یہ ان سے لیتے ہیں اور اپنے مابعد کو دیتے ہیں اور اس پر خود شہید ہوتے ہیں۔ اسیطرح یکے بعد دیگرے، آخر اوصیاء عجل اللہ ظہورہ اور لفظ "یسلک" خود اسپر دلالت کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے بالکل وابستہ اور ایک ہی سلسلہ میں منسلک ہیں۔ کیونکہ سلک زنجیر کی کڑیوں کو ایک دوسرے میں ڈالنے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ۔ پس نبوت یہاں سے جدا ہے کہ مقام نبوت ختم ہو جائے۔ بلکہ یہ مقام امامت ہے اور دوازدہ امام اسی ایک سلسلہ میں منسلک ہیں۔ اسی بیان سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ بارھواں امام اس وقت موجود ہے۔ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت موجود نہیں ہے بلکہ ایک مدت بعد پیدا ہوگا تو سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور آیت غلط پس ضرور موجود ہے اور اس میں متصل

بالاستحقاق۔ یا بلا استحقاق محض تفضلاً۔ اگر یہ وعدہ بالاستحقاق ہے تو مستحق اس کا فرد کامل مومن صالح ہے اور بالاتفاق بلحاظ ایمان و عمل صالح اول فرد کامل و اکمل ذات حضرت خاتم النبیین و اول المسلمین ہے اور وہی اول خلیفہ مطلق خدا ہے اور یہ وعدہ اس کی امت میں سے ان ان افراد کے لئے ہے جو کامل مومنین و صالحین ہوں اور نفس قدسی باب شہر علوم نفس نبی و سابق الاسلام ہے۔ بلکہ خود امت مسلمہ ہے۔ پس بعد پیغمبر مستحق خلافت الٰہیہ و خلیفۃ اللہ وہی نفس نبی ہے اور اگر یہ وعدہ بطور تفضل ہے تو بھی بحکم آیہ شریفہ "وَ یُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ" ہر صاحب فضیلت کو اس کی فضیلت عطا کرتا ہے۔ مستحق خلافت الٰہی وہی افضل الناس و خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے اور بعد ازاں وہ جو نفس رسول ہیں اور بعد رسول افضل الناس ہیں۔ اور یہی خلفاء اللہ ہیں جن کیلئے خدا نے دین کو پسند فرمایا ہے "وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" اور ایک روز اس کی اشاعت کلیہ پر قدرت تامہ عطا کی جائیگی "وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ" لفظ ارتضیٰ قابل غور ہے تین لفظ قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔ اصطفا۔ اجتبا۔ ارتضا جن کی تحقیق سے ایک بڑا باب علوم کا کھلتا ہے اصطفا صفا سے مشتق ہے جس کے معنی پاکیزگی اور صفائی ہیں۔ اور اجتبا جبا سے جس کے معنی جمع کرنا اور چن لینا ہیں۔ ارتضا رضا سے ہے جس کے معنے خوشنودی و پسندیدگی ہیں اور ہر ایک علیحدہ معنی رکھتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کسی مجرد کو مزید فیہ میں لیجاتے ہیں تو زیادتی خاصیت باب کے ساتھ جس میں وہ منتقل ہوا ہے معنی مصدر ثلاثی باقی رہتے ہیں یعنی جب صفا کو باب افتعال میں لے جاکر اصطفا کیا ہے تو اصطفا میں معنی صفا کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے مگر اہل لغت نے ان لفظوں کو باب افتعال میں لیجاکر خلاف قاعدہ سب کو ایک کر دیا اور سب کے معنے (برگزیدہ) کر دئیے ہیں اور ایسا کرنے سے انہوں نے ایک باب علوم مسدود کر دیا ہے۔ کلام حمید مجید میں تینوں لفظ علیحدہ معانی میں استعمال ہوئے ہیں مثلاً لفظ اصطفا نبی و غیر نبی دونوں کے واسطے استعمال ہوا ہے "یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ" آدمیوں اور ملائکہ میں سے اپنے لئے رسل مصطفیٰ قرار دیتا ہے "اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ" اور حضرت طالوت جو بادشاہ تھے اُن کے حق میں فرماتا ہے "اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَیْکُمْ" "الطَّالُوْتَ مَلِکًا" اور لفظ اجتبا تمام رسولوں کے واسطے بھی نہیں ہے

بلکہ خواص کے واسطے ہے۔ "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ" اللہ ایسا نہیں ہے کہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع کرے لیکن وہ رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اجتبا ہیں تمام رسول بھی اہل نہیں ہیں۔ لہذا یہاں سے فرق اصطفا و اجتبا معلوم ہوگیا اور لفظ ارتضا ان دونوں سے فوقیت رکھتا ہے اور خاص سلسلہ نبویہ خاتم النبیین سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ خداوند عزوجل فرماتا ہے "عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ لَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ" خدا عالم غیب اور عالم شہود سب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب خاص و غیب ہویت پر کسیکو مطلع نہیں کرتا مگر اس کو جو مرتضیٰ من الرسول ہو اور اس مقام پر مِنْ۔ مِنْ بیانیہ نہیں ہے جس کے معنی یہ ہوں کہ اپنے رسول مرتضیٰ کو غیب پر مطلع کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد ہی فرمایا ہے "فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا" کیونکہ اللہ نے اُس کے آگے اور پیچھے دونوں طرف رصد قرار دیدی ہے اور دونوں طرف نگہبان ہیں پس اگر اس سے رسول مراد لیا جائے تو معنی آیت کے درست نہیں رہتے۔ کیونکہ پیغمبر رصد و شاہد اپنے اوپر نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ شہید ہے "لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" بلکہ مراد اس مرتضیٰ من الرسول سے علی مرتضیٰ ہیں کیونکہ نہیں ہیں مرتضیٰ از جانب رسول مگر مرتضیٰ۔ اور وہی دونوں طرف رصد رکھتے ہیں۔ ایک طرف رسول اللہ ہیں جو کہ شہید ہیں۔ یہ ان سے لیتے ہیں اور اپنے مابعد کو دیتے ہیں اور اس پر خود شہید ہوتے ہیں۔ اسیطرح یکے بعد دیگرے آخر اوصیاء عجل اللہ ظہورہ اور لفظ "یسلک" خود اسپر دلالت کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے بالکل وابستہ اور ایک ہی سلسلہ میں منسلک ہیں۔ کیونکہ سلک زنجیر کی کڑیوں کو ایک دوسرے میں ڈالنے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے "خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ" پس نبوت یہاں سے جدا ہے کہ مقام نبوت ختم ہو جائے۔ بلکہ یہ مقام امامت ہے اور دوازدہ امام اسی ایک سلسلہ میں منسلک ہیں۔ اسی بیان سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ بارھواں امام اس وقت موجود ہے۔ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت موجود نہیں ہے بلکہ ایک مدت بعد پیدا ہوگا تو سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور آیت غلط۔ پس ضرور موجود ہے اور اس میں متصل

و منسلک ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں اس لئے کہ بحکم آیہ انکا سلسلہ وارہونا ضروری
ہے لہذا واجب ہوا۔ کہ گیارھویں کے بعد بارھواں موجود ہو پس وجود مہدی آخرالزمان
ثابت ہے عجل اللہ ظہورہ۔

(آمدم بر سر مطلب) چاہیئے کہ امام ہر زمانہ میں موجود ہو اور یہ سلسلہ کبھی منقطع نہ ہو۔
لیکن ممکنات عالم سے اس حجت اللہ کا تعلق کیا اور کونسا ہے؟ ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور
دیکھتے ہیں کہ حرکت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک حرکت طبعی ذاتی۔ دوسری حرکت غیرذاتی خارجی
قسری مثلاً انجن کو جو چیز حرکت دیتی ہے وہ اسکی ذات میں داخل نہیں ہے بلکہ خارج از ذات
ہے اور وہ اس کی محرک ہے اور انجن محرک ریل ہے اور جس قدر اس محرک میں قوت ہوگی
اتنا ہی ریل یا جہاز کام کرینگے اور حرکت کرینگے۔

اس بدن انسانی کو دیکھئے کہ یہ ایک مدبر خارجی رکھتا ہے جو روح انسانی ہے
وہ اسپر تصرف رکھتی ہے اور اس کو حرکت دیتی ہے چلاتی پھراتی ہے اور اس کے واسطے
سے وہ جسم انسانی موجود و باقی ہے۔ جہاں اس کا تعلق بدن سے منقطع ہوا وہ خراب ہو جاتا
ہے اور سڑ جاتا ہے اور انسان کی انسانیت اسی روح پر موقوف ہے۔ مرنے پہ بدن
مع تمام اعضاء جوارح موجود ہوتا ہے مگر انسان نہیں ایک جسم انسانی ہے اور بدیہی و
ضروری ہے کہ اگر ایک شخص کسی کو قتل کرے اور پھر خود مرجائے یا مارا جائے تو اس مقتول
کے قصاص میں اس مُردہ قاتل کا سر جدا نہ کیا جائیگا۔ کیونکہ اس وقت وہ انسان نہیں ہے
انسان کی انسانیت اسی روح پر موقوف ہے۔ اور روح اپنے بدن اور تمام اعضاء و جوارح پر
ایسا تصرف اور اس سے ایسا تعلق رکھتی ہے کہ کہیں ہو اور کسی حال میں اس کو اپنی تمام
مملکت بدن کے ذرہ ذرہ کی خبر رہتی ہے اور اسپر تصرف حاصل ہوتا ہے چنانچہ خواب
میں دیکھا جاتا ہے کہ وہ ہزاروں میل پر ہوتی ہے اور یہاں بدن کے کسی حصہ میں ایک
مچھر یا کھٹمل کاٹتا ہے تو اس کو فوراً اطلاع ہو جاتی ہے اور فوراً ہی اس کا دفعیہ کرتی ہے
کیونکہ اس پر حکومت رکھتی ہے اور اس کے تصرف کیلئے اس کا قُرب و بُعد مساوی ہے۔

اسی طرح یہ تمام عالم امکان بمنزلہ ایک جسم ایک بدن کے ہے۔ قال عزوجل
"ان کُلُّ من فِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ اِلَّا آتِی الرَّحمٰنِ عَبداً" اس آیت
میں خدا جملہ موجودات ارضی و سماوی کو ایک عبد کہتا ہے اور اسیطرح سے تمام عالم امکان

ایک کتاب وجودی ہے۔ "قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ" کہا اہل علم و ایمان نے کہ تم روز حشر و نشر و بعث تک کتاب خدا میں رہے ہو پس اس جسم عالم امکان میں حجت اللہ روح اور قلب عالم امکان ہے اور وہ موجود ہے اور متصرف۔ اور اس کے ظاہر ہونے اور سامنے حکم کرنے کی ضرورت نہیں وہ جہاں کہیں بھی ہے اور جس حال میں بھی ہے اس عالم کی خبر اور اس سے تعلق رکھتا ہے اور اُس پر متصرف ہے اور اُس کے لئے حضور و غیاب مساوی۔ لہذا غیبت امام قابل اعتراض نہیں۔ وہ روح عالم و قلب عالم ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جب قلب پر صدمہ ہو۔ تو اور اعضا اپنی تکالیف محسوس نہیں کرتے اور اگر انسان کے عضو عضو جدا کر دئے جائیں نہیں خبر نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ تمام قلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور جب قلب عالم امکان مضطرب و متزلزل ہوتا ہے۔ تمام اعضا و جوارح متزلزل ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں اپنی خبر نہیں رہتی۔ اور جو عضو قلب سے جس قدر قرب رکھتا ہے۔ اسی قدر اس کو صدمہ زیادہ محسوس ہوتا ہے اور اس کے صدمہ سے اسکو اپنی خبر نہیں رہتی۔ اگر اُسے پارہ پارہ کر ڈالو۔ تو محسوس نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں آنحضرت سے مروی ہے کہ آپ نے ایک موقع پر فرمایا "یَا بُنَیَّ اِنَّکَ سَتُسَاقُ اِلَی الْعِرَاقِ وَمَعَکَ جَمَاعَۃٌ لَا یَجِدُوْنَ اَلَمَ مَسِّ الْحَدِیْدِ"۔ اے فرزند تجھکو دشمن زبردستی عراق کی طرف کھینچ لے جائیں گے اور تیرے ساتھ کچھ لوگ ہونگے جو زخم آہن کو محسوس تک نہ کرینگے۔ وہ تیرے صدمے میں ایسے مصروف ہونگے کہ ان کے تلواریں لگتی ہونگی۔ تیر آتے ہونگے۔ نیزے چبھتے ہوں گے مگر وہ متاثر نہ ہونگے چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ اصحاب حسین علیہ السلام کا یہی حال تھا کہ جب وہ حضرات امام مظلوم کو متاذی دیکھتے تھے اپنے وجود سے غافل ہو جاتے تھے کیونکہ امام قلب عالم امکان ہے۔ جب قلب مضطرب ہو تو دوسرے اعضا کو اپنی کیا خبر رہے۔ بعد ازاں حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی "یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا"۔ اے آتش ان پر سرد و سلامتی بنجا۔ گویا حضرتؑ نے تمام اصحاب امام مظلومؑ کو درجہ ابراہیمؑ میں داخل فرمایا ہے۔ دیکھئے کہ چھوٹے بڑے مرد و زن نے روز عاشور کیا کیا کارنمایاں کئے اور ان اصحاب نے کیا کیا اپنے جوہر ذاتی دکھلائے۔

مورخین لکھتے ہیں۔ عابس ابن ابی شبیب شاکری جس وقت میدان میں گئے تو لشکر

میں تہلکہ پڑ گیا۔ آپ بار بار "الا رجل الا رجل" پکارتے تھے مگر کوئی لشکر سے مقابلہ کے لئے باہر نہ نکلتا تھا۔ کیونکہ عابس کی شجاعت اور بہادری سے لوگ واقف تھے۔ ربیع ابن تمیم نے لشکر سے مخاطب ہوکر کہا اس کو جانتے ہو یہ کون ہے؟ میں نے اسکو جنگ آذربائیجان میں دیکھا ہے کہ اس شخص نے تنہا حملہ کرکے ساٹھ آدمیوں کو قتل کیا۔ یہ سنکر تمام لوگ ایک دوسرے کے پیچھے چھپنے لگے۔ عمر سعد نے جب یہ حال دیکھا تو سنگ اندازوں کو حکم دیا کہ سنگ باری شروع کردیں۔ یہ سنکر عابس نے خود سر سے اتار پھینکا اور کرتک بدنکو برہنہ کرلیا اور فرمانے لگے مجھکو پتھروں کی دھمکی دیتے ہو اور حملہ شروع کیا ادھر چار ہزار سنگ اندازوں نے سنگباری شروع کی نہ معلوم ان چار ہزار سنگ اندازوں کے پتھروں سے انکا کیا حال ہوا ہوگا۔ مگر وہ بکمال قوت قلب لڑتے رہے اور آخرکار شہید ہو گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ

هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِنْ نَارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ

علوم نبوت جزئیہ وکلیہ

پیشتر بیان ہوچکا ہے کہ طریق سعادت پر یا عالم ہے یا متعلم اور ان دونوں کے سوا جو کوئی بھی ہے اہل شقاوت و ضلالت سے ہے اور علم عام نوع بشر وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ہے اور علم خواص اوتوا العلم۔ پس اہل علم گویا دو جماعتیں ہیں پھر صاحبان اوتوا العلم بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک صاحبان علم جزئی۔ دوم دارائے علم کلی۔ چنانچہ حضرت آدم سے لیکر تا حضرت خاتم جس قدر انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں سب کا علم بہ نسبت آنحضرت

جزئی تھا اور وہ بطور مقدمہ آئے تھے حتیٰ کہ حضرت ابراہیمؑ میں بھی جو شجرۃ الانبیاء اور افضل انبیائے سابقین ہیں علم بطور کلیت و اطلاق نہیں ہے۔ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام باواز بلند فرماتے ہیں۔ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا" اے میرے باپ مجھے علم میں سے وہ حصہ ملا ہے جو تجھے نہیں ملا ہے پس میرا اتباع کریں تجھے ٹھیک راستہ دکھلاؤں گا۔ یعنے حضرت نے من العلم فرمایا جو جزئیت کی دلیل ہے "جاء نی العلم" نہیں فرمایا۔ جو کلیت اور اطلاق پر دال ہوتا پس معلوم ہوا کہ آپ کا علم بھی بطور کلیت و اطلاق نہ تھا۔ اور خداوند عالم جملہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں فرماتا ہے " ولقد اخترنا ھم علی العالمین" یعنی ہم نے ان کو ایک علم میں تمام عالمین سے برگزیدہ بنایا ہے اور اس علم کیلئے انہیں پسند کیا ہے۔ نہایت درجہ ان کے علم کا یہ ہے کہ بعضے علم حقائق میں بطور جزئیت شریک ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم کو خدا خود فرماتا ہے " وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اسی طرح سے ہم ابراہیمؑ کو بواطن زمین و آسمان دکھاتے ہیں کیونکہ نبوت جملہ انبیاء سابقین کی محدود و جزئی تھی۔ ایک قوم خاص اور ایک ملک مخصوص پر مبعوث ہوئے تھے۔ نہ تمام عالمین پر۔ مثلاً جناب آدم کی شان میں آیا ہے " انی جاعل فی الارض خلیفۃ تحقیق کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ لہذا خلافت آدم زمین ہی سے مخصوص تھی اسی طرح دیگر انبیاء " یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ۔ اسی وجہ سے ایک وقت میں چند نبی بھی ہوئے ہیں بعض ایک قریہ میں اور بعض دوسرے قریہ میں چنانچہ حضرت لوط زمانہ حضرت ابراہیم میں ایک قریہ میں اپنی قوم پر مبعوث تھے لیکن جب سلسلۂ نبوات بمقام ختم پہنچا اور حضرت خاتم النبیین مبعوث برسالت ہوئے۔ تو ان کیلئے خصوصیت کسی قوم یا ملک کی نہ رہی۔ بلکہ اختصاص ارضی بھی مرتفع ہوگیا۔ اور تمام عوالم یعنی جملہ ماسوای اللہ عالم مواد۔ عالم ارواح۔ عالم نفوس ۔ عالم عقول۔ عالم ملکوت۔ عوالم ارضی و عوالم سماوی۔ جن و انس۔ چرند و پرند۔ قریب و بعید۔ مرئی و غیر مرئی سب پر مبعوث ہوئے ۔ کما قال عزوجل " تبارك الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نذیرا" بزرگ اور برتر ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے تمام عوالم پر رسول نذیر و بشیر ہوا اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسوقت

سے تمام عوالم کے نذیر قرار پائے۔ بلکہ خود لفظ عالمین دال ہے کہ آپ ہمیشہ سے اس صفت سے متصف ہیں ورنہ تو بہت سے عوالم نذارت سے خارج ہوجائیں گے پس جس طرح آپ کی رسالت باعتبار مکان غیر محدود و کلی ہے۔ اسی طرح بلحاظ زمان بھی غیر محدود و کلی ہے کسی ایک زمانہ سے مخصوص نہیں ولذا قال صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ اَوْ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ" حتّٰی کہ تمام انبیاء بھی آپ کی نبوت مطلقہ کلیہ کے تحت میں داخل ہیں اور امت مرحومہ محمدی میں شامل پس علم آپکا بہ نسبت جمیع مخلوقات جن و انس ملائکہ و عقول قادسہ و انبیاء و رسل کے کلی ہوگا۔

نکتہ قرآن شریف میں بعض الفاظ و بعض محاورات ایسے ہیں کہ اگر انسان ان میں غور کرے اور اُن کے سر سے آگاہ ہو تو ابواب علوم منکشف ہوتے ہیں منجملہ اُنکے ایک لفظ (اٰتٰی) ہے کہ علم اور کتاب دو چیزوں کی طرف علی العکس منسوب ہوا ہے یعنی جب لفظ (اٰتٰی) بصیغہ ماضی معروف علم کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ تو وہاں علم سے مراد علم جزئی ہوتا ہوتا ہے مثلاً وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا (نحل) البتہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو ایک علم عطا کیا۔ وَاٰتَیْنٰهُ حُکْمًا وَّعِلْمًا (سورہ یوسف) اور ہم نے اس کو حکم اور کچھ علم عطا کیا وَلُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُکْمًا وَّعِلْمًا (سورہ انبیا) پھر جملہ انبیاء کے حق میں فرماتا ہے وَکُلًّا اٰتَیْنٰهُ حُکْمًا وَّعِلْمًا (انبیا) اور ہر ایک کو ہم نے حکم اور کچھ علم عطا کیا۔ اور جہاں کتاب کی طرف منسوب ہے وہاں کتاب سے حقیقت کتاب مراد ہے اور اسی واسطے انبیاء کی طرف منسوب ہوتا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ کے باب میں آیا ہے۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ (بقر) اور دیگر انبیاء کی شان میں فرمایا ہے وَاٰتَیْنٰهُمَا الْکِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ (والصافات) اور ہم نے انکو کتاب روشن عطا کی اور حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں۔ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا مجھے اللہ نے کتاب عطا کی ہے اور نبی بنایا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں کتاب سے مراد علم کتاب و حقیقت کتاب ہے۔ جو صفت انبیاء ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ: البتہ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب و میزان نازل کی۔ پس اس کتاب سے مراد علم کتاب ہی ہے۔ جو ہر نبی کے وجود کے ساتھ عطا ہوتا ہے اسی طرح ایک اور جماعت کی صفت میں آیا ہے۔ کَذٰلِكَ اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الْکِتٰبَ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمِنْ هٰؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ وَمَنْ

وَمَا یَجۡحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الۡکٰفِرُوۡنَ (عنکبوت) اسی طرح ہم نے تجھ پر کتاب کو نازل کیا ہے پس وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دیدی ہے وہ سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان میں سے بھی بعض اس پر ایمان رکھتے ہیں اور نہیں انکار کرتے ہماری آیات کا مگر کافرین اور جہاں کہیں لفظ (اوتی) بصیغہ مجہول یعنی (اوتی) کتاب کی طرف منسوب ہوا ہے وہاں کتاب سے مراد علم کتاب وحقیقت کتاب نہیں ہے۔ بلکہ کتاب آسمانی لیکر کسی پیغمبر کا اُن کی طرف آنا مراد ہوتا ہے۔ اعم اس سے کہ وہ لوگ عالم کتاب پیغمبر ہوں یا نہوں۔ اس پر عمل کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں۔ چنانچہ قرآن شریف میں اُوتُوا الۡکِتٰبَ سے مراد یہود ونصاریٰ اہل کتاب ہیں جو مقابل مشرکین ہیں جن پر کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوا تھا اور اُن میں کوئی کتاب نہ آئی تھی مثلاً وَلَا یَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ (حدید) اور چاہیے کہ تم ان لوگوں کی مانند نہ ہو جن کی طرف کتاب بھیجی جا چکی ہے۔ وَلَا یَدِیۡنُوۡنَ دِیۡنَ الۡحَقِّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ (توبہ) وغیرہا اور جس جگہ علم کی طرف مضاف ہے وہاں علم سے علم کلی مراد ہے۔ وَیَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ اللہ بلند کرتا ہے اُن کے درجات کو جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کر دیا گیا ہے بَلۡ ھُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیۡ صُدُوۡرِ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَمَا یَجۡحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوۡنَ (عنکبوت) بلکہ قرآن شریف آیات بینات ہے سینوں میں ان لوگوں کے جن کو علم دیا گیا ہے اور نہیں انکار کرتے ہیں۔ ہماری آیات کا مگر ظالمین اور یہ صاحبان اُوتُوا العلم وعلم مطلق حضرت خاتم الانبیاء اور اُن کے اوصیاء ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علم پیغمبر خاتم النبیین بہ نسبت جمیع انبیاء سابقین کلی ہے +

انقسام سلسلۂ نبوت اور حضرت شجرۃ الانبیاء

کتب آسمانی جو بطور تنزیل نازل ہوئی ہیں اور جن پر کتاب کا اطلاق ہوتا ہے اور لفظ کتاب بولا جاتا ہے وہ صرف چار ہیں۔ توریت وزبور وانجیل اور فرقان حتیٰ کہ حضرت ابراہیم بھی اس معنی میں صاحب کتاب نہیں کہلاتے۔ بلکہ صاحب صحف کہلاتے ہیں اور صحف ابراہیمی مشہور ہیں اور اسیطرح حضرت اسمٰعیل بھی صاحب کتاب نہیں ہیں لیکن کتاب وجودی جس سے کہ مراد علم کتاب و حقیقت علمیہ ہے وہ عام ہے تمام انبیاء میں جیسا کہ سابقاً اشارہ کیا گیا کہ خدا تمام انبیاء کے حق میں فرماتا ہے۔ فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ

مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْکِتَابَ اللہ نے انبیاء کو مبعوث کیا درآنحالیکہ وہ بشارت دینے والے اور ڈرانے والے تھے اور اُن کے ساتھ کتاب نازل کی۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتَابَ وَالْمِیْزَانَ اور یہ سلسلۂ کتاب ذریت انبیاء میں ہمیشہ جاری رہا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح و حضرت ابراہیم کے حق میں فرماتا ہے۔ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرَاهِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْکِتَابَ ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو بھیجا اور اُن کی ذریت میں نبوت وکتاب قرار دی۔ اور پھر حضرت ابراہیمؑ کی شان میں فرمایا ہے۔ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْکِتٰبَ ہم نے ذریت ابراہیمؑ میں نبوت وکتاب قرار دی ہے۔ اور حضرت ابراہیم سے نبوت و کتاب منقسم ہوئی۔ ایک سلسلۂ بنی اسرائیل میں جو بنی اسحاقؑ ہیں۔ دوم سلسلۂ اسمٰعیل لیکن یہ معلوم ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ جو صاحب نبوت وکتاب ہوا۔ و جعل الٰہی مقتضی ہے کہ ہمیشہ ذریت ابراہیمؑ میں نبوت اور کتاب موجود ہو پس حضرت اسمٰعیلؑ سے حضرت خاتم النبیینؐ تک نبوت اور کتاب جو مابہ النبوۃ ہے کس کے پاس رہی۔ کیا وہ مشرکین مکہ حامل کتاب تھے جو اولاد حضرت اسمٰعیل سے ہیں؟ جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا بھی ہے۔ اگر ایسا ہے تو مشرکین نبی یا وصی نبی ہوئے۔ کیونکہ نبوت اور کتاب ساتھ ساتھ ہیں اور مابہ النبوۃ کتاب ہی ہے۔ حالانکہ نبی مشرک غیر معقول و غیر متصور ہے اور یہ خیال غلط محض۔ بلکہ دعائے حضرت ابراہیمؑ (رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ) دلالت کرتی ہے کہ ایک امت مُسلمہ باسلام نبوتی ہمیشہ ذریت ابراہیمؑ میں موجود رہی ہے۔ کیونکہ یہ بھی جعل الٰہی ہے۔ جس کو کبھی انقطاع نہیں پس حامل کتاب بھی امت مسلمہ ہوگی۔ نہ مشرکین۔ اور یہیں سے ثابت ہے کہ آباؤ اجداد جناب ختمی مرتبت کل کے کل مسلم و موحد تھے۔ اور نطفۂ حضرت ختمی مرتبتؐ انہیں اصلاب طاہرہ میں رہا ہے اور منتقل ہوتا آیا ہے۔ جو حامل کتاب نبوتی و مسلم تھے۔

یہ بھی کتاب اللہ ہی سے ثابت ہے کہ یہ دعائے حضرت ابراہیمؑ مخصوص مختص ہے اولاد حضرت اسمٰعیلؑ سے نہ حضرت اسحاقؑ سے۔ اس لئے کہ صدر آیہ یہ ہے۔ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (بقرۃ ع ۱۵)

اور یاد کر اس وقت کو جبکہ ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے۔ (تو انہوں نے عرض کیا) اے ہمارے پروردگار ہماری اس خدمت کو قبول فرما۔ کیونکہ تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ پروردگارا ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان مطیع و منقاد مطلق بنا۔ اور ہماری ذریت میں سے ایک جماعت ایسی ہی پیدا کر جو مثل ہمارے تیری مطیع و منقاد مطلق ہو۔ اور ہمارے مناسک ہمیں دکھلا دے اور ہمارے رجوع و انابت کو قبول فرما۔ کیونکہ تو ہی رجوع کا قبول کرنے والا مہربان ہے۔

پروردگارا ان میں انہیں میں سے ایک کو رسول بنا جو ان پر تیری آیات کو تلاوت کرے اور انکو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انکا تزکیہ کرے۔ بہ تحقیق کہ تو صاحب عزت حکمت ہے۔ اور پھر فرمایا ہے۔ رَبَّنَا اِنِّيْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ (ابراھیم ع ۵) اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی بعض ذریت کو تیرے خانہ محترم کے پاس وادی بے زراعت میں سکونت پذیر کیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار اس لئے کہ وہ نماز کو قائم کریں پس اے خدا کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر اور ان کو ثمرات عطا فرما کہ وہ تیرا شکر بجا لائیں اور مسلم و محقق ہے کہ مکہ معظمہ میں جناب ابراہیم نے اپنی ذریت میں سے صرف حضرت اسمعیل کو مقیم کیا تھا۔ لہٰذا یہ دعا بھی ذریت ابراہیم میں سے اولاد اسمعیلؑ ہی سے مخصوص ہے۔

اور اسی آیت کے بعد فرمایا ہے۔ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ۔ میرے پروردگار مجھکو اور میرے بعض ذریت کو نماز کا قائم کرنے والا قرار دے اور ہماری دعا کو قبول فرما۔ لہٰذا ثابت ہے کہ یہ امت مسلمہ اور یہ ذریت مقیمین الصلوٰۃ اور ساکنین مکۃ اللہ الحرام اولاد حضرت اسمعیل ہی سے ہے اور یہ وہی امت ہے جس میں سے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث برسالت ہوئے اور وہ اسی امت مسلمہ کے

ایک فرد ہیں پس لابُد وہ اُمّت مسلمہ باسلا نبوّتی اس وقت موجود تھی جس وقت پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث برسالت ہوئے اور وہ انہیں میں سے تھے۔ لہذا یہی اُمّت جو ذرّیت ابراہیمؑ ہے حامل کتاب ہے۔ نبوت خاتم النبیینؐ پر ختم ہوگئی۔ مگر کتاب بحال خود باقی ہے۔ اگر بنص آیہ نبوت خاتم النبیین پر ختم نہ ہوتی تو یہ تمام افراد امت مسلمہ انبیا ہوتے۔ کیونکہ مابہ النبوۃ کتاب ہی ہے اور کتاب ان میں موجود ہے (اٰتَانِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا) دال ہے کہ اول کتاب دیجاتی ہے اور بعد میں نبی بنایا جاتا ہے۔ جاہل نبی نہیں ہوتا۔ نبی جاہل غیر معقول ہے اور نبوت ایک درجۂ رفیعۂ عالیہ ہے۔ جو بلا علم حاصل نہیں ہوسکتا۔ رفعت درجات علم پر موقوف ہے۔ وَیَرْفَعُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ اس لئے کہ نبی دراصل نبوۃ سے مشتق ہے جس کے معنے بلندی اور رفعت کے ہیں اور اسیطرف اشارہ ہے اس آیہ مجیدہ میں جس میں حقیقت نبوت کو بیان کیا گیا ہے۔ وَھِیَ ھٰذِہٖ رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ۔ خداوند عالم درجات کا بلند کرنیوالا صاحب عرش علم ہے وہ اپنے عالم امر سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے رُوح عطا کرتا ہے تاکہ وہ روز قیامت سے ڈرائے۔ پس نبی صاحب درجۂ رفیعہ ہے اور اور مقام نبوت مقام عرش ہے اور جو کچھ اس کو پہنچتا ہے۔ عرش الٰہی سے پہنچتا ہے اور انباء یعنے خبر دینا اثرات نبوّت میں سے ہے کہ جو نبی مبعوث برسالت ہوتے ہیں پیغام خدا پہنچاتے ہیں۔

مزید توضیح و تشخیص صاحبان کتاب در اُمّت محمدی

یہ تو معلوم ہوچکا کہ جہاں "اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ" آیا ہے اس سے کتاب وجودی یعنی علم کتاب و حقیقت کتاب مراد ہے۔ لہذا فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَمِنْ ھٰٓؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِہٖ الخ میں بھی کتاب سے مراد حقیقت کتاب ہی ہے۔

اب معلوم کرنا یہ ہے کہ اُمّت محمدی میں یہ کون لوگ ہیں؟ اس واسطے کہ پیغمبر تو ان میں داخل نہیں کیونکہ پیغمبرؐ خود مخاطب ہے پس ضرور یہ صاحبان کتاب غیر از پیغمبر خدا ہیں۔ اکثر مفسرین کی تو یہ رائے ہے کہ اُن سے مراد یہود و نصاریٰ اہل الکتاب

ہیں۔ لہذا بنا برین مطلب آیت یہ ہوا کہ اے پیغمبرؐ یہود و نصارے تو تمام کے تمام اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور ان مسلمانوں میں سے بھی بعض بعض اس پر ایمان لائے ہیں۔ لہذا اہل ایمان یہود و نصارے ہوئے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ ؛

واقعی جب علم کلبی زجاج قتادہ وغیرہم پر منتہی ہوگا۔ تو یہی گندہ کاری پیدا ہوگی۔ اگر انسان ذرا نور ایمان دل میں رکھتا ہو اور قرآن پر اعتماد۔ تو یقین کریگا کہ ہرگز اٰتَیْنَا هُمُ الْکِتَابَ کا مصداق عام یہود و نصارے تو کیا خاص علما بھی نہیں۔ کیونکہ جو صفات اُن صاحبانِ کتاب کی کتاب اللہ میں مذکور ہیں وہ کبھی اور کسی صورت سے اُن پر صادق نہیں آسکتی ہیں۔ قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ۔ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ۔ اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ (قصص ع) یعنی جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دیدی ہے۔ وہ سب اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جب اُن پر اس کی تلاوت کیجاتی ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہوئے ہیں۔ بہ تحقیق کہ یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے۔ بتحقیق کہ ہم اس سے پہلے ہی سے اسلام لائے ہوئے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو دو مرتبہ اجر دیا جائیگا کہ اُنہوں نے صبر کیا اور بدی کا بدلہ نیکی سے دیتے رہے اور جو کچھ ہم نے انکو قوت و رزق دیا تھا اُس کو وہ راہِ خدا میں خرچ کردیتے تھے۔ اور جب وہ لغوبات سُنتے تھے تو اس سے اعراض کرتے اور کہتے کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے۔ سلام ہو تم پر ہم جاہلین کو نہیں چاہتے۔ اِس آیت کی تفسیر نہیں صرف اگر لفظی ہی ترجمے میں ادنیٰ تامل کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ سے یہود و نصارے ہرگز مراد نہیں ہوسکتے۔ یہود کب قرآن پر پہلے سے ایمان رکھتے تھے اور اس کی تصدیق کرتے تھے اور کب وہ قبل نزول قرآن مسلمان تھے۔ کب اُنہوں نے صبر کیا ہے جس کی وجہ سے اُنکو دو مرتبہ اجر دیا جائیگا۔ کون سے یہود ہیں جو بدی کا بدلہ نیکی سے دیتے ہیں۔ اور لغو سے اعراض کرتے ہیں اور

جاہلوں کی صحبت سے بچتے ہیں اگر ایسے ہیں تو پھر ان سے بہتر مومن و مسلمان دنیا میں متصور نہیں۔
اور اگر یہ صحیح ہے تو وہ آیات غلط ثابت ہوتی ہیں جو مذمت یہود سے پُر ہیں علاوہ
ازیں ثابت ہو چکا ہے کہ اٰتَیْنٰا ھُمُ الْکِتٰبَ سے مراد حقیقت کتاب ہے جیسا کہ حضرت
عیسٰی اسی کا مصداق ہیں کہ اٰتَانِیَ الْکِتَابَ فرماتے ہیں تو کیا معاذ اللہ حضرت عیسٰی بھی یہود تھے؟
اور یہ بھی ثابت ہے کہ یہ کتاب اُن کے وجود کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ بعد میں تعلیم دیجاتی ہے
پس کون سے یہود ہیں۔ جو قبل وجودِ ظاہری جسمانی عالم کتاب و حامل حقیقت کتاب تھے
اِنْ ھٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ۔

پس اٰتَیْنٰا ھُمُ الْکِتٰبَ کا مصداق وہ ہیں جو صلاحیت نبوت رکھتے ہیں۔
کیونکہ یہ کتاب ہی ما بہ النبوت ہے۔ اور وہ وارثان کتاب اہل بیت نبوت و رسالتؐ ہیں۔

معانی کتاب

کتاب کے چند معنی ہیں۔ اول کتاب مکتوب یعنی خطوط و نقوش۔ کَمَا
قَالَ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی۔ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ کِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ
فَلَمَسُوْہُ بِاَیْدِیْھِمْ فَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (انعام
ع) اور اگر ہم اے پیغمبرؐ تجھ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے۔ اور یہ لوگ اس کو اپنے
ہاتھوں سے چھو کر دیکھ لیتے۔ تب بھی کافر یہی کہتے کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔

دوم۔ کتاب ملفوظ اور صورت لفظی کَمَا قَالَ عَزَّ وَجَلَّ۔ وَاتْلُ عَلَیْھِمْ مَآ اُوْحِیَ
اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ (کہف) اے پیغمبرؐ پڑھ ان پر وہ کتاب جو تجھ پر وحی کی گئی ہے۔
سوم۔ کتاب ذہنی یعنی معانی متخیلہ متصورہ فی الذہن المدلولۃ بالالفاظ۔ قَالَ عَزَّ اسمہ وَمِنْھُمْ
اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ (بقرۃ ع ۱۱) اور بعض اُن میں سے اُمی ہیں۔
جو نہیں جانتے ہیں کتاب کو مگر آرزوئیں۔ جو خواہشِ طبع ہوتی ہے وہی معنی کر لیتے ہیں۔
چہارم۔ کتاب حقیقی جو قلوب انبیاء پر نازل ہوتی ہے۔ نہیں بلکہ وجود کے ساتھ عطا ہوتی ہے۔
کَمَا فِیْ اٰتَانِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَاٰتَیْنٰا ھُمُ الْکِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ پس
وہ ایک حقیقت نورانیہ علمیہ ہے جو وجود نبی میں ہے بلکہ نفس روح نبی ہی کتاب ہے۔ کیونکہ
وہ ایک حقیقت نوریہ علمیہ ہے اور وہی ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ہے اور قرآن
اسی کی صورت مقروٴ ہے قَالَ عَزَّ وَجَلَّ اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ۔
لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ۔ تحقیق کہ یہ قرآن کریم ہے۔ کتاب مکنون میں جس کو سوائے مطہرین

اور کوئی مس نہیں کر سکتا۔ پس بعد پیغمبرؐ غیر از پیغمبرؐ وہ نفوس صاحبان کتاب ہیں جو نفس رسولؐ ہیں اور اس کے ساتھ اتحاد نوری روحانی رکھتے ہیں اور قرآن اُن کے وجود میں ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جنکی حقیقت یہ ہے۔ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (عنکبوت) اے پیغمبرؐ تو اس سے پہلے کوئی کتاب توریت وغیرہ پڑھتا تھا۔ اور نہ تو اس کو ہاتھ سے لکھتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو مبطلین اسلام کو شک و ریب کا پورا موقع ملجاتا لیکن قرآن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ وہ آیات بینہ ہیں اُن کے سینوں میں جنکو علم عطا کیا گیا ہے۔ چونکہ پہلے علمؐ انکو عطا کردیا گیا ہے اسی واسطے وہ اسکو جانتے ہیں اور حقیقت کتاب سے واقف ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور یہی اہل قرآن ہیں۔ چونکہ لوگوں نے قرآن کو اہل قرآن سے نہ لیا اور زجاج و کلبی و قتادہ زمخشری سے قرآن لیا۔ یہ گندہ کاریاں پیدا ہوئیں اور اندھی تقلید کی وجہ سے قرآن میں تدبر نہیں کرتے اور نصوص آیات کو مفسرین کے اقوال کے مقابلہ میں قبول نہیں کرتے اور ملا نقطی[1] بنے ہوئے ہیں۔ ورنہ اگر کلام اللہ میں تدبر کریں۔ تو یہ بھی صاف معلوم ہو جائے کہ وہ صاحبان اوتوا العلم کون ہیں جن کی صفت یہ ہے۔ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا۔ اے پیغمبر کہدو کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ تحقیق کہ وہ لوگ جن کو علم عطا کیا گیا ہے جب اُن پر آیات پروردگار تلاوت کیجاتی ہیں تو وہ منہ کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ اور یہ لوگ زمانہ پیغمبرؐ میں موجود تھے كَمَا اَخْبَرَ بِهٖ سُبْحَانَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ

---

[1] نوٹ:۔ یہ ایک ملا خوشنویس تھا۔ اُس نے ایک کتاب لکھی اور اس پر نقطے ایک ترتیب خاص سے لگائے لکھتے ہوئے جب اس نے ایک سطر تمام کی اور نقطوں پر غور کیا تو اس ترتیب میں کسی ایک حرف کا نقطہ باقی رہگیا تھا غور وفکر کے بعد اس نقطے کے عوض ایک نقطہ حاشیہ پر لگا دیا پھر خود ہی سوچا کہ مطالعہ کرنیوالا کیونکر سمجھیگا کہ یہ نقطہ فلاں حرف کا ہے پس اس کے سمجھانے کیلئے اس نے اس حرف سے شروع کر کے اس حاشیہ کے نقطہ تک برابر نقطے لگائے۔ مگر پھر خیال آیا کہ دیکھنے والا کیونکر سمجھیگا کہ مراد اس نقطہ سے کون سا نقطہ ہے۔ کیونکہ یہاں تو بہت سے نقطے ہو گئے [illegible] سوچا اور رائے قرار پائی کہ اس اصل نقطہ کو بڑا کر دیا جائے پس اسکو بڑا کر دیا مگر پھر بھی [illegible] اور یہ شک باقی رہ گیا کہ پڑھنے والے کو کیسے معلوم ہوگا کہ نقطہ متروکہ سے یہ بڑا نقطہ مراد ہے آخر مجبور ہو کر اس نقطہ پر لکھدیا المراد من النقطۃ ھذا النقطۃ الکبیرۃ (مولف)

قَالُوا لِلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا اور اے پیغمبر بعض تیرے اصحاب ایسے ہیں جو خوب غور سے قرآن سنتے ہیں اور جب تیرے پاس سے باہر جاتے ہیں تو وہ اُن لوگوں سے جن کو علم دیا گیا ہے کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے ابھی کیا فرمایا ہے ہم نہیں سمجھے پس صاحبان اوتو العلم موجود تھے اور لوگ اُنکو پہچانتے تھے اور یہی وہ ہیں جن کے سینوں میں قرآن ہے اور اُن کے وجود کے ساتھ حقیقت کتاب عطا ہوئی یعنی حقیقت نوریہ علمیہ۔

اور سورۂ قصص کا یہ جملہ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ان کی صاف تصریح و تشخیص کر دیتا ہے کہ یہ پہلے سے مسلمان وہی امت مسلمہ ذریت ابراہیمؑ ہے پس کتاب بجعل الٰہی ذریت وسلسلہ اسمٰعیلؑ میں باقی ہے۔ وَجَعَلَ فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ اور یہ غیر از نبی ہیں۔ نبی اصل اصیل ہے اور یہ فروع یعنی اس شجر نبوت کی شاخیں ہیں۔

تصریح پیغمبر اور صاحبانِ کتاب

پیغمبر خدا نے اس کی تصریح و تشریح فرما دی ہے کہ میرے بعد صاحبان کتاب وہ ہیں جو میری اصل سے ہیں۔ اور کتاب اُن کے ساتھ اور وہ کتاب کے ساتھ۔ اور دونوں میں ہرگز افتراق نہیں۔ فقال النبی صلے اللہ علیہ والہ وسلم اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَ اِنَّهُمَا لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ تحقیق کہ میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ اول کتاب خدا اور دوسرے میری عترتؑ جو اہل بیت نبوت و رسالت ہیں جب تک تم ان دونوں سے متمسک رہو گے۔ ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہوگے اور وہ دونو ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے۔ تا اینکہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں اور لوگ حساب وکتاب سے فارغ ہوں۔

یہ حدیث ستر سے زائد طرق سے کتب اسلامیہ میں مذکور ہے۔ تقریباً پندرہ طرق کو صاحب صواعق محرقہ نے بھی ذکر کیا ہے پس یہی وہ سینے ہیں جن میں قرآن بطور آیات بینات موجود ہے نہ وہ قرآن سے جدا ہیں اور نہ قرآن اُن سے علیحدہ۔ لہذا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مراد اُن سے حفاظ ہیں۔ کہاں اُن سینوں میں علم قرآن ہے اور کہاں اُن میں قرآن بطور آیات بینات موجود ہے۔

وجہ تقدیم کتاب بر عترت

حدیث میں کتاب کو عترت پر اس لئے مقدم کیا گیا ہے

کہ کتاب حقیقت نوریہ الٰہیہ ہے جس کی بابت خود پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔
حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ وہ ایک رسی ہے جو زمین و آسمان کے
درمیان ہے۔ یہاں کتاب کی صفت پیغمبر نے کاغذ یا آواز نہیں فرمائی۔ بلکہ اس کو حبل ممدود
سے تعبیر کیا اور یہ حبل ممدود وہی حقیقت نوریہ ہے جس کو بلا واسطہ خدا سے تعلق ہے اور ادھر
وجود نبی و امام سے۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ
مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ
عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یہ کتاب اول رسولؐ کو پہنچی اور
رسول سے عترت رسول و ذریت رسول اور یہ دونوں ایک ہی نور سے ہیں عترت اصل شے کو
کہتے ہیں اور اصل رسولؐ بنی ہاشم ہے اور ذریت رسول بھی اسی اصل سے ہیں اور وہ اہلبیت
رسالت و وارثان نبوت ہیں۔

معانیٔ اہل بیت

بیت کی تین قسمیں ہیں۔ بیت سکنی۔ بیت نسب۔ بیت شرف۔
بیت سکنی میں تمام وہ افراد داخل ہیں۔ جو اس میں سکونت
رکھتے ہیں۔ نوکر۔ چاکر۔ لونڈی۔ غلام۔ حتیٰ کہ گھوڑا گدھا اور کتا غرضکہ جو کوئی بھی اس
میں رہتا ہے۔ سب سکنہ بیت میں داخل ہیں۔

بیتِ نسب میں تمام اہل خاندان ہیں داخل ہیں۔ خواہ مومن ہوں۔ خواہ
کافر۔ نیک ہوں یا بد۔

بیتِ شرف میں صرف وہ نفوس شریک ہوتے ہیں جو اس شرافت سے متصف
اور صاحب شرف کے شریک ہیں اور یہ معلوم ہے کہ اہل بیت نبی سے نہ اہل بیت سکنی مراد
ہو سکتے ہیں۔ جن میں نوکر چاکر سب شامل ہیں۔ اور نہ اہل بیت نسب مراد ہو سکتے ہیں۔
جن میں کفار و مشرکین بھی داخل ہیں۔ بلکہ مراد اہل بیت سے اہل بیت شرف ہیں۔ اور
شرف نبی نبوت ہے پس اہل بیتِ نبی اہل بیت نبوت و رسالت ہیں یعنی حامل کتاب ہیں
جو مابہ النبوۃ ہے۔ گویا یہ حدیث ترجمہ آیہ مجیدہ ہے۔ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ
کا کہ ہم نے ذریت ابراہیم میں نبوت وکتاب قرار دیدی ہے) پس غیر از عترت رسول جو شریک
شرف نبوت ہیں اور ذریت ابراہیم و نسل اسمٰعیل ہیں اور کوئی اہل بیت میں داخل نہیں ہو سکتا
یہی وجہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کے استفسار پر آنحضرت نے اَنْتِ مِنْ اَھْلِیْ وَاَنْتِ عَلٰی

الخَیرُ (تو میرے اہل سے ہے اور تو خیر پر ہے) فرمایا مگر اہل بیت میں داخل نہ فرمایا۔ حالانکہ حضرت ام سلمہؓ آپ کے اہل بیت سکنی اور اہل بیت نسب میں بھی داخل تھیں مگر چونکہ مراد اہل بیت سے اہل بیت شرف ہیں اور وہ وہی ہیں جو شریک شرف نبوت اور اس صفت سے متصف ہیں۔ لہٰذا ام سلمہؓ کو ان میں داخل نہ فرمایا اور "اَنْتِ عَلَی الخَیرُ" فرما کر اُن کی تسلی کردی۔ اگر لفظ اہل بیت و بیت کے موارد استعمال کو قرآن میں دیکھا جائے اور اس میں غور و تامل کیا جائے تو مطلب صاف ہوجاتا ہے مثلاً خدا حضرت ابراہیم کے حق میں فرماتا ہے "رَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ" اے اہل بیت نبوت تم پر خدا کی خاص رحمت و برکت ہے اور حضرت لوط کے حق میں فرماتا ہے "فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ" پس نہ پایا ہم نے اس میں کوئی مومن سوائے ایک خانہ نبوت و بیت المسلمین کے۔

سوال جواب ایک شخص نے سوال کیا کہ صفت کتاب اللہ کی یہ مذکور ہوئی ہے "حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ مِّنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ" پس اس سے تمسک کس طرح کرسکتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ دونوں کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیا ہے کتاب منشا احکام و تکالیف ہے۔ اور مدلول نبوت یعنی جو کچھ نبی لائے ہیں وہ کتاب ہیں ہے اور یہی دلیل نبوت بھی ہے۔ کیونکہ اپنی صداقت کی دلیل اور بینۂ نبوت بھی یہی کتاب ہے "فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ" اس کی تحدی ہے بخلاف دیگر انبیاء کے۔ کہ ان کی کتب بینۂ نبوت نہ تھیں یعنی نفس کتب دلیل صداقت نہ تھیں۔ بلکہ بینات و معجزات انبیاء غیر از کتب تھے اور قرآن خود ہی دلیل نبوت ہے اور خود ہی مدلول نبوت۔ اور ایک بینۂ بزرگ اسکی حقیقت پر یہ ہے کہ جو کچھ سوال کرو اس میں موجود ہے اور علاوہ اس کے "وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا" اگر کوئی قرآن ہے کہ اگر اسکو پہاڑ پر پڑھا جائے تو وہ چل نکلیں یا زمین پارہ پارہ ہوجائے یا طی الارض ہوجائے اور مردے باتیں کرنے لگیں۔ بلکہ ہر ایک امر الٰہی اس سے سرانجام پا جائے تو یہی قرآن ہے۔ پس جن کے سینوں میں یہ بینۂ نبوت ہے۔ اور وہ حامل قرآن ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو مشرق عالم کو مغرب کردیں اور مغرب کو مشرق۔ اور صفت اُنکی یہ ہے کہ جس امر کا اُن سے سوال کیا جائے قرآن سے جواب دیں اور اپنی آراء کو دخل نہ دیں

چنانچہ اسی سلسلہ اہل بیت میں گیارہ حامل قرآن گذرے۔ کبھی کسی نے کسی مسئلہ کے جواب میں یہ نہیں کہا کہ میری رائے یہ ہے کیونکہ وہ حامل قرآن ہیں جس میں ہر خشک و تر کا بیان موجود ہے۔ "وَالْحُجَّةُ مَنْ لَا يَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ" (رفتہ تر فیہ) حجت خدا وہ ہے جو کسی سوال کے جواب میں یہ نہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔ لہذا تمسک بالقرآن کے یہ معنے ہیں کہ قرآن کو صاحبان قرآن سے پوچھو وہ ہر ایک مسئلہ کے جواب میں ایک آیت پڑھ دینگے اور ہر حکم کا مدرک قرآن سے بتلائیں گے۔ پس تمسک بالقرآن اور تمسک باہل بیت ایک ہی ہوگا۔ جو متمسک باہل بیت نبوت ہے وہی متمسک بالقرآن ہے جس نے اہل بیت کو چھوڑا اور ان سے قرآن نہ لیا اس نے قرآن کو چھوڑا اور وہ گمراہ ہے۔

لہذا جنہوں نے اہل بیت نبوت کو چھوڑ دیا ہے انہوں نے قرآن کو بھی چھوڑ دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ پیغمبر خدا روز جزا بارگاہ ذوالجلال میں عرض کرینگے اور اپنی قوم کی شکایت کرینگے۔ "رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا"۔ اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے قرآن کو ترک نہیں کیا اور متبع قرآن و متمسک بالقرآن ہیں تو معاذ اللہ پیغمبر جھوٹ بولینگے اور غلط شکایت کرینگے۔ مگر کوئی مسلمان تکذیب پیغمبر پر راضی نہ ہوگا۔ اور تسلیم کریگا کہ ضرور انہوں نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے اور شکایت پیغمبر بجا ہے پس متمسک بالقرآن وہی ہیں۔ جو متمسک باہل بیت نبوت و رسالت ہیں غرض ایک شناخت اہل قرآن کی یہ ہے کہ جو بات پوچھی جائے اس کا جواب دے اور کسی سوال کے جواب میں یہ نہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔ "اَلْحُجَّةُ مَنْ لَا يَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ"۔ اور ہر سوال کا جواب قرآن سے دے اور آیت تلاوت فرمائے۔

مثال ایک شخص نے جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب سے سوال کیا کہ ایک شخص مر گیا اور وصیت کر گیا کہ اس کا ایک جزو مال فقرا کو تقسیم کر دیا جائے پس کتنا مال فقرا کو دینا چاہیے۔ فرمایا دسواں حصہ۔ اس کو شک ہوا اور دل میں سوچکر کہنے لگا۔ آپ قرآن سے ایسا فرماتے ہیں؟ فرمایا قصہ حضرت ابراہیم پڑھ "قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا" کہا کہ چار پرندے لے اور انکو مخلوط کر کے انکا ایک جزو ہر پہاڑ پر رکھدے۔ پھر انکو بلا تو وہ تیرے پاس دوڑ کر آئیں گے اور پہاڑ دس تھے۔ ان پر ایک ایک جزو رکھا تھا۔ لہذا جزو سے مراد

جبکہ کوئی قید خصوصیت نہ ہو۔ دسواں حصہ ہے۔

ایضاً ایک شخص نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے وصیت کی کہ اس کا ہر ایک غلام قدیم آزاد کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ جو غلام ششماہہ ہے یعنے اس کے پاس اس کو چھ ماہ ہو گئے ہیں آزاد ہے۔ دریافت کئے جانے پر جواب قرآن سے فرمایا "وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ" یعنے خدا فرماتا ہے کہ ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کی ہیں۔ یہاں تک کہ پھر لوٹ کر مثل پرانی شاخ نخل کے ہو جاتا ہے۔

اور یہ شاخ نخل چھ ماہ تک مثل ہلال ہو جاتی ہے اور اس کو عرجون قدیم کہتے ہیں لہٰذا قدیم سے مراد ششماہہ ہو گا۔

ایضاً ایک شخص نے امام علیہ السلام سے سوال کیا کہ فرائض سہام ارث چھ کیوں ہیں؟ فرمایا خلقت انسانی کے چھ درجے ہیں اور ہر ایک درجہ کے لئے ایک بیت مقرر ہے قال عزّ و جل "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ"۔ اسی واسطے سہام ارث چھ مقرر ہوئے۔

ایضاً حضرت رضا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کہ خداوند عالم اس آیہ مبارکہ "اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ" (اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اور اتنی ہی زمینیں پیدا کی ہیں) فرماتا ہے کہ زمین بھی مثل آسمانوں کے سات ہیں حالانکہ زمین ایک ہے۔ اس کا جواب کیا ہے؟ فرمایا "هٰذِهٖ اَرْضُ الدُّنْيَا وَسَمَاءُ الدُّنْيَا فَوْقَهَا قُبَّةٌ وَالْاَرْضُ الثَّانِيَةُ فَوْقَ السَّمَاءِ الدُّنْيَا وَالسَّمَاءُ الثَّانِيَةُ فَوْقَهَا قُبَّةٌ" الخ یعنی یہ ہماری زمین ہے اور پہلا آسمان ہمارا گنبد ہے اور دوسری زمین پہلے آسمان کے اوپر ہے اور دوسرا آسمان اس کا گنبد ہے۔ اسی طرح ساتوں زمینوں کا ذکر کیا اور آخر میں فرمایا "وَفَوْقَهَا عَرْشُ الرَّحْمٰنِ" سب سے فوق عرش الٰہی ہے۔

اس زمانہ میں چونکہ علوم کی اتنی ترقی نہ تھی۔ اصولیین نے تو اس حدیث کا انکار ہی کر دیا اور محدثین کے نزدیک سند صحیح تھی کہا کہ معضلات اخبار سے ہے ہم نہیں سمجھ سکتے۔ مگر انکار بھی درست نہیں۔ اب ترقی علوم و تحقیقات جدیدہ سے سات زمینیں ثابت ہو گئیں۔ بلکہ اُن کی

آبادی کا حال بھی منکشف ہو گیا پس جن کے سینہ میں قرآن ہے اور قرآن اُن کے وجود کے ساتھ متحد ہے وہی فرما سکتا ہے کہ میں قرآنِ ناطق ہوں اور یہ سوائے ایک شخص یعنی علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور کسی نے نہیں فرمایا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ جنگ صفین کے موقع پر جب قرآن نیزوں پر بلند کر کے امان مانگی تو آپ نے اپنے اصحاب کو فرمایا "اِضْرِبُوْهُمْ وَلَوْ عَلٰی مَصَاحِفِهِمْ اَنَا کَلَامُ اللّٰهِ النَّاطِقُ"۔ مارو اگرچہ اُن کے قرآنوں پر لگے۔ کیونکہ قرآن ناطق میں ہوں یہ مصاحف خدائی نہیں ہیں۔ ان مصاحف کی نسبت اُن سے اس واسطے دی کہ اُن کے عقائد اور ان کی تفسیر و تاویل مطابق مقصود الٰہی نہ تھی۔ اپنی خواہش طبع کے موافق تاویل کرتے تھے۔ اور در اصل سب قرآن ہی نہ تھے بلکہ اکثروں نے اینٹیں لپیٹ کر نیزوں پر بلند کی ہوئی تھیں۔

پس مطلب آپ کا یہ تھا کہ یہ کلام اللہ نہیں اور خدا نے یہ نہیں فرمایا۔ یہ گویا اُن کے خود ساختہ قرآن ہیں جیسا کہ مثلاً یہی عقیدہ کہ "اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ" سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور "اُوْتُوا الْعِلْمَ" کا مصداق اُبی بن کعب ہے۔ یہ صحیفہ الٰہی نہیں ہے۔ خدا کا مقصد یہ ہے یہ خود ساختہ مضمون ہے۔ لہٰذا قرآن نہیں۔

پس یہی حال ہے اس قرآن کا جو قرآن کو اہل قرآن سے نہ لے جن کے سینوں میں قبل نزول ظاہری موجود ہے اور جس نے اُن سے تمسک کیا۔ وہی متمسک بالقرآن ہے اہل بیت سے تمسک کرنا ہی دونوں سے تمسک کرنا ہے بعبارت دیگر کتاب حبل ممدود ہے جس کی ایک طرف حضرت حق عزوجل سے متعلق ہے۔ اور دوسری طرف وجود امام سے۔ اسی واسطے اُن حضرات نے فرمایا ہے "بَیْنَنَا وَبَیْنَ اللّٰهِ عَمُوْدٌ مِّنْ نُّوْرٍ نَرٰی فِیْهَا اَعْمَالَ الْعِبَادِ" یعنی ہمارے اور خدا کے درمیان ایک عمود نور ہے جس میں ہم اعمال بندگان خدا کو دیکھتے ہیں۔ لہٰذا امام سے تمسک کئے بغیر کتاب سے تمسک کرنا ممکن نہیں۔ اور کتاب عترتِ رسول اہلبیت نبوت و رسالت پر اس لئے مقدم ہے کہ حقیقتِ امام اہل بیت وہی حقیقت کتاب نورانی ہے جس کو روح سے تعبیر کیا گیا ہے "وَیُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ" الخ دوسری دلیل تقدم و تمسک کتاب کی یہ ہے کہ کتاب ہی امام کی طرف رہنمائی کرتی ہے اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ تحقیق کہ یہ قرآن ایک ایسے طریقہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو محکم تر و مستقیم تر ہے۔ اور وہ صاحبان قرآن و قرآن ناطق ہیں جیسا کہ آیات دعوات جناب ابراہیم

خلیل اللہ مثل آیۂ امامت و آیۂ امت مسلمہ و آیۂ شہادت وغیرہا سے واضح ہے۔ چاہیے کہ اس کتاب اور ان آیات سے تمسک کر کے امامت و کتاب کو ذریت حضرت ابراہیم اولاد رسول ہی میں جانیں اور اُسے خارج نہ کریں۔ اور بعد ازاں اہل بیت سے تمسک کیا جائے اور جو کچھ وہ فرمائیں اسکو لیا جائے اور احکام قرآن اُن سے اخذ کئے جائیں اور یہی معنی ہیں تقدم کتاب و تمسک بکتاب و عترت کے۔ فافہم و تدبر۔

ضرورت امام یہیں سے یہ بھی مثل روز روشن آشکارا ہو گیا کہ ہر زمانے میں ایک اہل القرآن و صاحب قرآن کا وجود ضروری ہے کیونکہ یہ آیت "وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْکِتَابَ" مطلق ہے کسی وقت خاص سے مقید نہیں ہے۔ لہذا ہمیشہ ہمیشہ تا قیام قیامت ذریت رسول میں جو کہ ذریت ابراہیمؑ ہیں صاحب قرآن کا وجود ضروری ہے اگر وہ چاہے تو پہاڑوں کو حرکت دیدے۔ زمین کو پارہ پارہ کر دے۔ مردوں کو زندہ کر دے اور جو تصرف ارکان زمین و آسمان میں کرنا چاہئے کر سکے۔ کیونکہ قرآن اس کے سینے میں ہے جس کی صفت "لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ کُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰی بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا" ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک فلاسفر جناب صادق صادق آل محمدؐ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک شخص نے سوال کیا آپ نے فرمایا اگر قیامت تک سوال کئے جاؤ اور جو تمہارا دل چاہے۔ سوال کرو ہر ایک کا جواب قرآن سے دونگا کیونکہ وہ "تبیان لکل شیئ" ہے اور "حبل ممدود من السماء الی الارض" ہی ایک سرا اس کا متصل بجناب باری ہے اور دوسرا سرا متصل با امام وقت اور اس میں کبھی انقطاع نہیں "وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ"۔ ہم نے اپنا کلام بلا انقطاع متصل بھیجا ہے کہ لوگ نصیحت پکڑیں اور اس سلسلے میں کبھی انقطاع نہیں ہو سکتا اور ایسا شخص ہر زمانہ میں موجود ہے اور یہی امام حق کا وجود حبل اللہ ہے اور یہی ارکان زمین اور ستون آسمان ہیں۔ فقال عزوجل "رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا"۔ اللہ نے آسمانوں کو بلا ایسے ستونوں کے بلند کیا ہے جن کو تم دیکھو پس ضروری ہے کہ یہ ستون ہمیشہ موجود ہوں۔ ورنہ آسمان قائم نہیں رہ سکتا۔

امت وسط یہی وہ امت وسط ہیں۔ جو خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ مطلقہ ہیں "وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا " اسی طرح سے ہم نے تم کو اُمّتِ وسط قرار دیا ہے
تاکہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور رسول تم پر شہید ہے۔ شاہد اور شہید دونوں ایک مادے
شہد سے ہیں۔ مگر شاہد داخل شہید ہے اور شہید داخل شاہد نہیں یعنی جو شہید ہے
وہ شاہد بھی ضرور ہے مگر جو شاہد ہے وہ ضرور نہیں کہ شہید بھی ہو۔ کیونکہ شہید حاضر علی الشی کو
کہتے ہیں اور شاہد وہ ہے جو از روئے علم و قرینہ شہادت دے خواہ اس کا علم بالمشاہدہ
ہو یا بالاخبار۔

چنانچہ شہادتِ برادران یوسف درباب بن یامین از روئے علم تھی اسیواسطے
اُنہوں نے کہا کہ وَمَا شَهِدْنَا اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا " یعنے نہیں شہادت دی ہم نے مگر وہی جو ہمیں
علم تھا۔ و قصۂ زلیخا میں شہادت شاہد از روئے قرینہ تھی وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا
اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ
قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ یعنے اور اس کے کنبے میں سے ایک
شخص نے شہادت دی کہ اگر اُس کا کُرتہ آگے سے پھٹا ہو تو وہ سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے اور
اگر اُس کا کُرتہ پیچھے سے پھٹا ہو تو یہ جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ شہادت محض
از روئے قرینہ تھی۔ اور وہ واقع پر موجود نہ تھا اور نہ اسکو واقع کا اصلی علم تھا اور شہید کیلئے
واقع پر حاضر ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ثبوت زنا میں چار شہدا کی ضرورت ہے نہ شہود کی
لَوْلَا جَآءُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ (اگر وہ اس پر چار شہید پیش کریں۔ تو زنا ثابت ہوگا)
وَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ اگر چار شہید پیش نہ کئے جائیں تو زنا ثابت نہیں ہوسکتا
یعنی وہ لوگ شہادت دیں جنہوں نے بچشم خود آلۂ مرد کو فرج زن میں آمد و رفت کرتے دیکھا ہو
اور شاہد اگر وقوع واقع پر موجود ہو۔ تو وہ اس واقعہ کی شہادت دے سکتا ہے اور ایک
وقت میں چند مواقع پر موجود نہیں ہوسکتا۔ بخلاف شہید کے کہ ایک وقت میں تمام واقعات
کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور شہید کیلئے وقوع و قبل وقوع مساوی ہے۔ وہ قبل وقوع بھی واقع کو
اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح کہ وقت وقوع۔ بخلاف شاہد۔

پس یہ امت وسط شہداء علی الناس ہے اور رسول انپر شہید ہے اور ایسے
شہید کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے۔

وجود شہید و واقعہ کربلا کیا حال ہے۔ ان ایام میں اس بزرگوار کا۔ جو امام عصر و

شہید زمان ہے۔ جو تمام واقعات کو بچشم خود مشاہدہ کرتا ہے مصائب حسینی ہیں مثل اسماء حسنیٰ الٰہی چھوٹائی بڑائی نہیں ہے ہر ایک مصیبت اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ کوچک ترین مصیبت امام مظلوم بزرگترین مصائبِ انبیاء ہے امام مظلوم ایک ایسی بلا میں مبتلا ہوئے ہیں۔ کہ کوئی پیغمبر اس بلا میں مبتلا نہیں ہوا وہ بلا شدت تشنگی ہے کیسا تعجب کا مقام ہے کہ سیراب کنندۂ عالم باعث نجات عالم۔ فرزند ساقی کوثر قطرۂ آب کو محتاج رہے۔ اور دنیا سے پیاسا ہی جائے۔ ششم محرم الحرام یا ہفتم کو جب نہر سے پانی کی قطعاً بندش ہو گئی تو حضرت نے خیمہ گاہ سے چند قدم کے فاصلے پر حکم دیا کہ یہاں زمین کھودی جائے۔ وہاں سے ایک چشمۂ آب جاری ہوا۔ تقریباً پچاس مشکِ آب پُر کیں لیکن معلوم نہیں ...... کہ نویں اور دسویں کو وہ چشمۂ آب کہاں گیا۔ جو بچے ایک ایک بوند کو ترستے تھے اور پانی نہ ملتا تھا اس دن وہ چشمہ کیوں ظاہر نہ ہوا۔

مادرِ ذبیح اللہ حضرت ہاجرہ اپنے بیٹے کی پیاس سے بیتاب ہو کر جب ادھر اُدھر دوڑنے لگیں۔ تو اُن کے پاؤں کے نشان سے زمین سے پانی نکل آیا تھا نہیں معلوم ذبیح کربلا کے لئے پانی کہاں گم ہو گیا تھا کہ حضرت اپنے بچے کو ہاتھوں پر لے کر دشمنوں سے پانی کا سوال کرنے گئے۔ روحی وروح المومنین لہ الفداء۔

اس وقت شدت تشنگی سے تقریباً چھبیس بچوں نے آکر حضرت کے گرد حلقہ کر لیا اور حضرت کا دامن پکڑ لیا۔ حضرت نے اپنے بھائی عباس کو حکم دیا۔ کہ بھائی پانی کی کوئی تدبیر کرو۔ حضرت تلاش آب میں تشریف لے گئے۔ مگر مقام افسوس ہے کہ دوسرے سقے لوگوں کو سیراب کرتے ہیں لیکن سقائے اہل بیت کو تا دم مرگ ایک قطرۂ آب نصیب نہ ہوا۔ بچوں کی بہت کچھ آس و امید حضرت عباس ہی سے وابستہ تھی۔ صبح روز عاشورا جس وقت یہ دونوں لشکر آراستہ و آمادۂ پیکار ہوئے اور امام مظلوم نے اپنی چھوٹی سی جماعت کو مرتب کیا۔ علم لشکر حضرت ابی الفضل العباس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا اور زہیر بن قین کو ایک علم دیکر میمنۂ لشکر پر مقرر کیا۔ اور حبیب ابن مظاہر کو میسرہ پر۔

پہلے حملے میں حضرت کے لشکر سے پچاس جاں نثار شہید ہو گئے اور یہ حال دیکھ کر اطفال اہل بیت نہایت ہراساں ہوئے۔ اس کے بعد زہیر نے دیکھا کہ لشکر میں حضرت عباس نہیں ہیں۔ حضرت عباس کے خیمہ میں آئے دیکھا کہ خیمہ میں موجود نہیں ہیں۔ ایک لونڈی کھڑی

ہوئی تھی۔ دریافت کیا۔ کس کو دیکھتے ہو۔ فرمایا حضرت عباس کو۔ وہ کہاں ہیں؟ لونڈی نے عرض کیا۔ فلاں خیمہ میں ہیں اور سوائے اطفال خوردسال اور معصوم عورات کے اُن کے پاس اور کوئی نہیں ہے۔ قریب درِ خیمہ گئے آواز دی۔ حضرت عباس چاہتے تھے کہ باہر آئیں مگر جس وقت وہ آنے کا ارادہ کرتے تھے۔ بچے آپ کا دامن پکڑ لیتے تھے اور اُن سے لپٹ جاتے تھے۔ اس لئے کہ تمام کے تمام دہشت زدہ ہو رہے تھے۔ پہلے پہل میدان جنگ دیکھنے کا موقع تھا کسی نے باپ کو اور کسی نے بھائی کو اور کسی نے چچا کو شہید ہوا دیکھا اور ان سب کی ڈھارس حضرت عباس سے بندھی ہوئی تھی۔ نہ معلوم اس وقت اُن بچوں کی کیا حالت ہوئی ہوگی جبکہ حضرت امام حسین علیہ السلام بے بھائی کے رہ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ

تمہید اس زمانہ میں کوئی دن ایسا باقی نہیں رہا۔ جو اقامہ دین و تبلیغ احکام اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیلئے مخصوص ہو۔ کیونکہ اعیاد متوالیہ متواترہ اسلام یعنی جمعہ تبدیل بہ یکشنبہ ہو گئے ہیں۔ اور باقی ایام سال میں اہل اسلام کے یہاں کوئی دن ایسا نہیں جس میں اقامہ دین کر سکیں اور احکام اسلام بیان کر سکیں۔ مجالس مواعظ بالکل مفقود ہیں۔ تعلیمات حالیہ طریق دیانتی پر نہیں بلکہ مبنی بر غیر طریق دیانتی ہیں۔ اس لئے اُن تعلیمات کے ذریعے سے اقامۂ دین قطعاً ناممکن ہے بلکہ جو ان تعلیمات میں کامل تر ہوتا ہے وہی زیادہ بیدین ہوتا ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ میں آرہا ہے پس کونسا طریق اور کونسا دن ہو جس میں اقامۂ دین کیا جائے۔ اور احکام اسلام بیان ہوں اور اس کام کیلئے مخصوص ہو۔ سوائے

اُن چند ایام عشرۂ محرم الحرام کے کہ اس میں جو لوگ اس امر کے سزاوار ہیں وہ اپنے لئے ایک وقت فرصت کسی نہ کسی طرح پیدا کرتے ہیں اور جمع ہوتے ہیں۔ ان ہی ایام میں انسان سے اگر ہو سکے تو تبلیغ اسلام کر سکتا ہے اور احکام و تعلیمات اسلامی سے لوگوں کو مطلع کر سکتا ہے۔

عِلّتِ شہادتِ سیّد الشہدا

یہ فرصت بھی بالطبع و باقتضائے ایام ہے کہ یہ ایام خود مومنین کی توجہ اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں اور وہ لوگ فی الجملہ دین و احکام دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں بلکہ بعض ایام غیر مومنین جملہ مذاہب و ملل والوں کی توجہ کو اس طرف کھینچ لیتے ہیں کیونکہ حضرت سید الشہدا محض اسی ایک غرض اور اسی ایک مطلب مخصوص یعنی اقامہ دین کے واسطے شہید ہوئے ہیں۔ اور غایتِ شہادت اعلاء کلمۃ اللہ ہے بجز اس کے اور کوئی مطلب مدنظر نہ تھا۔ اگر امام علیہ السلام ایسا نہ کرتے تو دنیا سے دین مفقود و معدوم ہو جاتا اور کوئی متدین باقی نہ رہتا۔ اگر امام حسینؑ یزید کے مقابلہ میں نہ آتے۔ جو کوئی دین نہ رکھتا تھا اور کسی مذہب کا قائل نہ تھا اور اپنے کو شہید نہ کراتے تو دنیا میں کوئی اسلام کا نام بھی نہ لیتا۔ اسی غرض سے یہ صورتِ شہادت اختیار کی۔ کیونکہ اگر قوتِ امامت و قوتِ الٰہیہ سے یزید کو قتل کر دیتے تو حق لوگوں پر ثابت نہ ہوتا اور کوئی بھی حق و باطل میں تمیز نہ کر سکتا۔ اس واسطے کہ عام لوگوں نے اس کو امام وقت و خلیفۂ رسول تسلیم کر لیا تھا اور اُن کے نزدیک محقق و مسلم تھا کہ خلافت وجوہات اربعہ میں سے کسی ایک وجہ سے ثابت ہو سکتی ہے یعنی اجماع۔ نص۔ شوریٰ اور سلطنت و غلبہ۔ چنانچہ خلیفہ اول اجماع سے خلیفہ مانے گئے تھے اور دوم نص خلیفہ اول کہ وہ تصریح کر گئے تھے کہ میرے بعد عمر خلیفہ ہیں سوم شوریٰ سے خلیفہ ہوئے۔ چہارم اجماع سے لیکن یزید میں یہ چاروں صورتیں جمع تھیں سوائے تین شخصوں حضرت سید الشہدا، عبداللہ ابن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے باقی سب نے اس کی خلافت پر اجماع کر لیا تھا اور معاویہ نے چند سال پہلے اسکی خلافت کیلئے شوریٰ بھی کر لیا تھا۔ اور لوگوں سے رائے لی تھی اور اُس نے اپنی طرف سے یزید پر نص بھی کر دی تھی کہ اس کے بعد وہ خلیفہ ہے اور سلطنت اور غلبہ بھی یزید کو حاصل ہو گیا۔ پس اگر حسینؑ یزید پلید کو فی النار کر دیتے تو جہال کہتے کہ معاذ اللہ ایک خارجی باغی نے امام وقت پر بغاوت کی اور اسکو قتل کر دیا۔ پس حق و باطل لوگوں پر پوشیدہ رہجاتا۔ اگر حسینؑ صلح کر لیتے تو وہی نتیجہ ہوتا جو صلح امام حسن کا ہوا۔ کہ محض صلح کرنے سے لوگوں نے معاویہ کو خلیفہ و امام مان لیا۔ پس اس صورت

میں حق ثابت نہ ہوتا۔ امام حسن نے صلح کر کے مخالفین پر حجت تمام کی اور امام حسین علیہ السلام کیلئے یہ صورت بھی ناممکن العمل ہو گئی۔ لہٰذا سوائے اس کے حسینؑ کیلئے کوئی چارہ نہ تھا کہ اپنے آپ کو شہید کرادیں۔ یہ بھی اس طرح نہیں کہ خود تنہا جائیں اور شہید ہو جائیں۔ کیونکہ اگر ایسا کرتے تو لوگ کہتے کہ حسین سلطنت دنیا کیلئے لڑنے آئے تھے۔ وہ شاہزادے لڑے ایک مارا گیا۔ بلکہ اس کام کے لئے ایک ہیئت درست کی کہ اہل اسلام تو کیا غیر مسلین یہود و نصاریٰ نے بھی اس کو دیکھکر تصدیق کی کہ حسین حق پر ہیں اور یزید باطل پرست حسین اگر جنگ کرنے اور سلطنت کی خواہش میں عراق آئے تھے تو ان بچوں کو کس غرض سے ہمراہ لائے تھے جن میں زیادہ تر خورد سال تھے اور چھ آٹھ اور نو سال کا سن رکھتے تھے۔ کیا انکو لڑانے کے واسطے اور ملک فتح کرنے کے لئے لائے تھے؟ پھر ان مخدرات عصمت و طہارت ذریت رسولؐ دختران علی و بتول کو کس واسطے اس میدان میں ہمراہ لائے تھے؟ کیا ان سے ملک گیری کا خیال تھا۔ نہیں۔ نہیں۔ یہ مدعا نہ تھا۔ غرض اور ہی تھی۔ چنانچہ جس وقت مکہ معظمہ سے کوچ کیا ہے۔ اسی وقت لوگوں نے اعتراض کیا۔ کہ اگر آپ تشریف ہی لئے جاتے ہیں تو ان عورتوں کو اور بچوں کو کہاں لئے جاتے ہیں۔ جواب میں فرمایا۔ شاء الله ان یرا هن سبایا" مشیت خدا یہی ہے کہ انکو قیدی دیکھے اور مطلب یہی تھا کہ یہ بھی اقامہ دین میں شریک ہیں بغیر ان کی اسیری کے شہادت کی غرض پوری نہیں۔ کیونکہ اگر عورتیں اور بچے جو فرزندان رسولؐ ذریت بتول تھے۔ اسیر نہ ہوتے اور اس طرح قید ہو کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک نہ جاتے تو کفر یزید ہرگز ہرگز ثابت نہ ہوتا۔ اور کم فہم اور جہال پر حق پوشیدہ رہ جاتا۔ مگر ان کے اسیر ہونے اور ذلیل کئے جانے پر سب کفر و الحاد یزید ثابت ہو گیا کہ اگر یہ خلیفۂ رسولؐ و امام ہوتا تو اس طرح سے ذریت رسول کو در بدر نہ پھراتا۔ جس کی خلافت و جانشینی کا مدعی ہے۔

اوصاف امام اور اسکی شناخت

لوگوں نے اصل باب امامت کو مسدود کر دیا ہے اور ہر فرقے نے اپنی طرف سے امام بنا لیا ہے۔ حالانکہ کلام حمید مجید میں اوصاف امام اس طرح بیان ہوئے ہیں۔ کہ اگرچہ من حیث الکیفیات انکا احاطہ ممکن نہیں۔ لیکن اوصاف مخصوصہ خاصہ ایسے ہیں۔ کہ اگر انسان ادنیٰ تدبر سے کام لے تو بخوبی سمجھ سکتا ہے اور حق اس پر ظاہر ہو سکتا ہے اور کسی کتاب کے دیکھنے کی ضرورت باقی رہتی۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے

کہ ہر زمانہ میں ایک معلم کی ضرورت ہے اور خداوند عالم نے بندوں سے پہلے معلم کو پیدا کیا ہے یعنی حضرت آدم ابو البشر۔ اسی طرح وجود معلم ہر زمانے میں ضروری ہے اور ایک صفت اس معلم کی شہید ہوتا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ تم کو اس لئے امت وسط قرار دیا ہے تاکہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو۔ اور رسول تم پر شہید ہو۔ فرق شاہد و شہید بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ شہید اگر متعدی بنفسہ ہو تو بمعنی حضر آتا ہے ورنہ بمعنی عِلم قَالَ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا۔ خدا ہر شے پر شہید ہے پس وہ از روئے قرآن و اخبار شہید نہیں بلکہ وہ ہر شے پر حاضر و ناظر اور کل اشیاء پر محیط ہے اور اپنے پیغمبر کے حق میں فرماتا ہے۔ وَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ کیا حال ہوگا اس دن جبکہ ہم ہر امت میں سے ایک شہید کو لائیں گے۔ اور اے پیغمبر تجھکو تمام شہیدوں پر شہید قرار دینگے۔ خاتم النبیین اول بشر و ابو البشر و اول النبیین پر شہید ہے یہ بیٹا باپ پر شہید ہے جو باپ سے چھ ہزار سال بعد پیدا ہوا ہے۔ وَقِيْلَ مِنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔

اِنِّيْ وَاِنْ كُنْتُ ابْنَ اٰدَمَ صُوْرَةً
فَلِيْ فِيْهِ مَعْنًى شَاهِدٌ بِاُبُوَّتِيْ

میں اگرچہ بصورت ظاہر فرزند آدم ہوں مگر اس کے وجود میں ایک شاہد بیّن موجود ہے کہ میں پدر آدمؑ ہوں۔ وَقَالَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عليه الصلوٰة والسلام۔ اِنِّيْ خَمَّرْتُ طِيْنَةَ اٰدَمَ بِيَدَيَّ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا۔ ملائکہ حضرت آدمؑ کے پیچھے صف بستہ کھڑے ہو کر تعظیم بجا لائے تھے۔ حضرت آدم نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ تم میرے پیچھے کھڑے ہوتے ہو۔ آگے کیوں نہیں کھڑے ہوتے۔ عرض کیا ہم اس نور کی زیارت کے لئے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں جو آپ کی پشت میں ہے پس در اصل یہ تعظیم و تکریم نور محمدی کے واسطے تھی۔ نہ صورت بشری آدمی کیلئے۔ اور باطن و حقیقت آدم اسی نور کی ایک شعاع تھی ؎

سجدے بنی آدم کے نہ آدم کے لئے تھے
سر ان کی سلامی کو فرشتوں کے جھکے تھے

ملاحظہ ہو فضیلت محمدؐ و نور محمد کہ خدا حضرت آدم کے حق میں فرماتا ہے۔ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ یعنی اللہ نے اس کو تراب سے پیدا کیا ہے۔ یعنی فرزند تراب ہے اور نفس نبی و جزو نور محمدی کی کنیت ابو تراب ہے۔ اسی وجہ سے اس کنیت کو حضرت سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ آدم فرزند تراب ہیں اور علی پدر تراب وابو تراب۔

پھر خداوند عالم نے غیر پیغمبر کے حق میں اسی شہیدیت کی نسبت فرمایا ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ پس یہ نفوس بھی مثل پیغمبر شہید بر خلق ہیں اور پیغمبر ان پر شہید ہے جس طرح کہ وہ جناب اور تمام انبیاء پر شہید ہیں۔ جو کہ اپنی اپنی امت پر شہید ہوتے ہیں مفسرین کہتے ہیں کہ آیہ مبارکہ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا سے مراد تمام امتِ محمدی ہے اور امت وسط بھی امتِ محمدی ہے۔ جو تمام امم سابقہ پر شہید ہے اور ان کی بابت شہادت دیگی اور پیغمبر اپنی امت پر شہید ہے۔ مگر یہ بالکل غلط اور باطل محض ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں اور قرآن میں معنون ہے کہ امت محمدی کی شہادت خود اپنے معاملات میں قبول نہیں۔ بلکہ اسکی تصدیق کیلئے شہود کی ضرورت پڑتی ہے۔ خود اپنے اوپر اس کی شہادت شرع میں مقبول نہیں اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو دو شاہد عادل موجود ہوں جب وہ تصدیق کر دیں اور شہادت دیدیں اس وقت طلاق صحیح ہوگا وغیر ذالک من المعاملات پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ دوسروں کے حق میں اس کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔ درآنحالیکہ اس امت میں فساق و فجار بھی موجود ہیں۔ اور فاسق کی شہادت کی بابت خداوند عالم فرماتا ہے۔ اِذَا جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْهُ جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم اسکی اس سے تصدیق کراؤ اور گواہ و بینہ اس پر طلب کرو جب تک وہ اس خبر کی صداقت پر گواہ پیش نہ کرے۔ ہرگز اسکی خبر پر اعتماد نہ کرو۔ علاوہ ازیں کونسا مسلمان ہے۔ جو تمام امم سابقہ اور کل یہود و نصاریٰ کے جملہ اعمال و افعال و اقوال کی پوری اطلاع رکھتا ہے۔ جو ان کی بابت وہ شہادت دیگا اور خدا اس کی شہادت کو قبول کریگا۔

اگر یہ کہا جائے کہ پیغمبر کے بتلانے اور تعلیم سے یہ لوگ ان کے افعال و اعمال و اقوال کی شہادت دیں گے تو پھر یہ ان کی شہادت کب ہوئی۔ یہ تو پیغمبرؐ کی شہادت ہوگی اور وہ کافی ہے شہادت کے لئے۔ پھر ان کی کیا ضرورت ہے۔

نیز یہ جو کچھ بھی ہے شاہد کے متعلق ہے کہ اس کی شہادت عند الشرع مقبول نہیں اور
فاسق کی خبر قابل اعتماد نہیں جبتک کہ وہ تصدیق نہ کرلے پس شہید کا کیا حال ہوگا یعنی جبکہ
تمام امت محمدی شاہد بھی نہیں ہوسکتی۔ تو شہید کیونکر ثابت ہوگی جس کی صفت احاطہ باشیاء و
حاضر علی الشیٔ ہونا ہے۔ کیونکہ جہاں کہیں خدا نے شہید کا ذکر کیا ہے۔ وہاں شہادت از روے
قرائن مراد نہیں ہے۔ بلکہ شہادت حضوری مراد ہے۔ چنانچہ درباب شہداء زنا مذکور ہے
یعنی زنا اس وقت ثابت ہوسکتا ہے جبکہ چار ایسے شخص گواہی دیں جو واقع پر حاضر رہے ہوں
اور انہوں نے خود آلہ مرد کو فرج زن میں آمد و رفت کرتے دیکھا ہو (کما ذکرناہ) اگر از روئے
قرائن یا سماعی شہادت دیں تو قبول نہیں اور زنا ثابت نہ ہوگا۔ لہذا تمام امت محمدی ہرگز ہرگز
شہید علی الناس نہیں ہوسکتی۔ بلکہ یہ شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ خاص خاص نفوس قدسیہ عترت
رسول و ذریت خلیل ہیں۔ چنانچہ بتصریح فرماتا ہے " وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ
اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ
مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ
جہاد کرو راہ خدا میں جو حق جہاد کرنے کا ہے۔ اللہ نے تمہیں اس کیلئے پسند فرمایا ہے (اور باوجود
اس کے کہ تمہیں حق جہاد ادا کرنے کی تکلیف دی ہے) تم پر دین میں تنگی نہیں رکھی کیونکہ
تم بآسانی حق جہاد فی سبیل اللہ ادا کرسکتے ہو) یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت (کیش) ہے
اسی نے تم کو مسلم قرار دیا ہے۔ پہلے بھی اور اس میں بھی تمہارے اس نام کا ذکر ہے۔ کیوں؟
اس لئے کہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور پیغمبر تم پر شہید۔

پس یہ وہ ذریت ابراہیم ہے جو مثل حضرت ابراہیم مسلم باسلام نبوتی ہے اور جس کو حضرت
خلیل نے امت مسلمہ کا خطاب عطا کیا ہے۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا
أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ۔ اے ہمارے پروردگار ہم دونوں (مجھکو اور اسمٰعیل) کو اپنا خاص مطیع و
منقاد مطلق بنا۔ اور ہماری ذریت میں سے بھی ایک امت خاص کو ایسا ہی مسلمان بنا۔ یہ امت مسلمہ وہ
ہے جس میں نبوت و کتاب ہمیشہ محل الٰہی رہی ہے اور رہیگی کہ خدا فرماتا ہے وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ
النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ ہم نے ذریت ابراہیم میں نبوت و کتاب کو قرار دیدیا ہے نبوت بنص آیہ
خاتم النبیین پر ختم ہوگئی۔ مگر مایہ النبوۃ یعنی کتاب عترت رسول میں ہمیشہ ہمیشہ باقی ہے جو ذریت
ابراہیم و امت مسلمہ ہیں۔ اور امام امت محمدی و وارث رسالت و اہل بیت نبوت ہیں پس

یہ شہداء اوصیاء رسول خدا یعنی ائمہ ہدیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں نہ اور کوئی اکثر تمام امت محمدؐ ہرگز ہرگز شہید علی الناس نہیں ہوسکتی۔

طریق شہادت

جب یہ معلوم ہوگیا کہ شہید تین ہیں۔ خدا پیغمبر اور ائمہ ہدیٰ اور ہر پیغمبر اپنی اپنی امت میں شہید ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیہ شریفہ وَکَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍۭ بِشَہِیۡدٍ (الخ) سے ظاہر ہے اور حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں کُنۡتُ عَلَیۡہِمۡ شَہِیۡدًا مَّا دُمۡتُ فِیۡہِمۡ جب تک میں بنی اسرائیل میں رہا ان پر شہید تھا۔ مگر ہر ایک پیغمبر صرف اپنی ایک امت پر اس زمانہ خاص کیلئے شہید ہوتا ہے۔ اور ہمارے پیغمبر چونکہ نبی مطلق ہیں سا ور کوئی زمانہ اور کوئی عالم اور کوئی مخلوق انکی نبوت سے خارج نہیں ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔ تَبَارَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا بزرگ و برتر ہے وہ ذات پاک جس نے اپنے بندہ برگزیدہ پر فرقان نازل فرمایا ہے تاکہ تمام عوالم پر نذیر ہو پس چونکہ پیغمبر تمام عوالم یعنے جملہ ماسوائے اللہ پر نذیر ہے اس لئے تمام عوالم پر شہید ہوا وخلاصہ یہ کہ پیغمبر عربی چونکہ نبی مطلق ہیں اور کوئی زمانہ اور کوئی عالم اور کوئی مخلوق اُن کی نبوت سے خارج نہیں ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔ تَبَارَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا۔ بزرگ و برتر ہے وہ ذات پاک جس نے اپنے بندہ برگزیدہ پر فرقان نازل فرمایا ہی تاکہ تمام عوالم پر نذیر ہو پس جب پیغمبر تمام عوالم یعنی جملہ ما سوائے اللہ پر نذیر ہے۔ اس لئے تمام عوالم پر شہید ہے۔ اور اسی طرح قائم مقام پیغمبر حضرت ائمہ علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی جملہ ما سوائے اللہ پر شہید ہیں۔ لہذا اب دیکھنا یہ ہی کہ پیغمبر یا امام کس طرح تمام چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اور کس طرح ان پر حاضر و ناظر رہتا ہے۔ آیا ہر ایک چیز اس کے سامنے حاضر ہوتی ہے یا وہ تمام چیزوں پر حاضر و ناظر صورت اول مشکل بلکہ ناممکن اور خلاف مشاہدہ ہے کیونکہ نہ تو ہر ایک شخص ہر وقت و ہر حال میں پیغمبر و امام کے سامنے جاتا ہے اور اس کے سامنے ہر ایک عمل کرتا ہے اور نہ اور دوسری چیزیں اُس کے پاس جاتی ہیں۔ اسلئے صورت دوم ہی صحیح اور درست ہے یعنی پیغمبر و امام ہر شے پر حاضر ہوتا ہے اور تمام چیزیں اس کے پیش نظر رہتی ہیں لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ جسم پیغمبر ایک ہی جگہ ہوتا ہے پھر کس طرح سے وہ تمام اشیاء پر حاضر ہوتا ہے؟ اور وہ کونسی قوت ہے جس کے ذریعہ سے تمام چیزوں پر احاطہ رکھتا ہے۔

شہید داخلی و شہید خارجی

انسان دو شہید رکھتا ہے۔ ایک شہید داخلی اور اسی کی طرف اس آیۂ مبارکہ میں اشارہ فرماتا ہے

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَاءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُوْنَ حَتّٰى اِذَا مَا جَاءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔

اور جس دن دشمنان خدا آتش جہنم کی طرف اکھٹے کیے جائیں گے پس وہ محبوس ہونگے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو ان پر انکے کان آنکھیں اور اُن کی شرمگاہیں اس پر شہادت دینگی جو کچھ کہ وہ کرتے تھے اور وہ اپنی شرمگاہوں سے کہینگے کہ تم نے کیوں ہمارے خلاف شہادت دی۔ تو وہ کہینگی کہ ہم کو اس خدا نے گویائی عطا کی جس نے ہر شے کو نطق عنایت فرمایا ہے اور اُسی نے پہلے تم کو خلق کیا ہے اور اسی کی طرف تم رجوع کرتے ہو اور تم اس بات کو چھپا نہیں سکتے تھے کہ تمہارے کان آنکھ اور شرمگاہیں تمہارے اوپر گواہی دیں لیکن تم یہ گمان کرتے تھے کہ خدا تمہارے بہت سے عملوں کو نہیں جانتا ہے۔ پس اس گمان نے تمکو ہلاک کیا ہے۔ اور تم نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوئے پس اعضائے انسانی اعمال انسان پر شہید ہیں۔ اور کوئی انسان اس پر قادر نہیں ہے۔ کہ اپنے کان۔ آنکھ اور شرمگاہوں سے اپنے اعمال کو پوشیدہ رکھ سکے۔ یہ کان آنکھ کس طرح شہید ہیں؟ یہ خود شاہد نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں ایک قوت ہے اس کے ذریعہ سے یہ شاہد ہیں۔ وہ قوت انسانیہ ہے۔ تمام اعضا وجوارح اس کے تابع ہیں۔ گویا شہید باطنی انسانی خود نفس انسانی ہے۔ جو کچھ عمل انسان کرتا ہے اس میں ثبت وضبط ہوتا رہتا ہے۔ اور کوئی شے نفس سے پوشیدہ نہیں رہتی اعضا جوارح جواس کے آلات ہیں روز قیامت اُن سے یہ باتیں ظاہر ہونگی اور صاف صاف بیان کردینگے لیکن جب انسان مرجاتا ہے تو یہ قوت انسانی اس سے جاتی رہتی ہے۔ لہذا اس وقت اس کے اعضاء وجوارح قابل شہادت رہتے کیونکہ وہ اسی قوت کے ذریعہ سے شہید تھے نہ خود۔ وجاءت کل نفس معہا سائق وشہید۔

دوسرا شہید خارجی ہے اور وہ نبی و امام ہے پس دیکھنا یہ ہے کہ شہید خارجی کسطرح سے تمام اعمال کو دیکھتا ہے یعنی اپنی قوت روحانی باطنی کے ذریعہ سے تمام عوالم پر شہید ہے جسطرح انسان بقوت انسانی اپنی مملکت پر شہید ہے اور اسی قوت کے ذریعہ سے اسکے تمام اعضاء و جوارح پس اس انسان میں جو تمام عوالم پر شہید ہے ایک ایسی قوت (قوت روح نبوتی و امامتی) ہوتی ہے کہ اس سے کوئی شئی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ وہ سب سے فوق اور سب پر غالب ہے جس طرح روح انسانی جسم انسان پر غالب ہے اور اس پر احاطہ رکھتی ہے۔ اسیطرح روح اعظم نبوتی جمیع عوالم پر احاطہ رکھتی ہے۔ پس نبی و امام اسی روح کے ذریعہ سے شہید ہیں نہ از روئے جسم۔ مثال اس کی آفتاب عالمتاب ہے کہ اسکا محل و مقام ایک جگہ ہوتا ہے۔ مگر اس کی نورانی شعاعیں تمام عالم میں پھیل جاتی ہیں۔ الا وہ چیز جو اس سے پردے میں ہو۔ روح انسانی عالم خواب میں بھی اپنی مملکتِ جسمانی پر شہید ہے چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جب وہ سو جاتا ہے تو روح اس کی مثلاً ایک دور و دراز مقام پر سیر کرتی ہے۔ لیکن اس عالم سیر و سیاحت میں اپنے جسم سے بے خبر نہیں رہتی۔ البتہ ایک معمولی اعراض ہوتا ہے کیونکہ اس حالت میں اگر ایک مچھر انسان کے کسی عضو میں سے خون جذب کرے تو روح مطلع ہوتی ہے۔ اور فوراً اس کا دفعیہ کرتی ہے پس اگر وہ اس عالم خواب میں اپنے تمام جسم پر احاطہ نہ رکھتی ہوتی تو ہرگز اس سے مطلع نہ ہوتی اور اسکا دفعیہ نہ کرسکتی پس معلوم ہوا کہ روح کے لئے خواب و بیداری مساوی ہے وہ ہر حال میں اپنے تمام جسم پر حاضر و ناظر ہے۔ خواب میں معمولی غفلت طاری ہوتی ہے کہ حواس آرام کرتے ہیں۔

اسی طرح سے شہید کل بقوت روحانی نبوتی و امامتی تمام عالم امکان پر احاطہ رکھتا ہے۔ اور کوئی شئے اس سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ اس کی نورانی شعاعیں جملہ عوالم امکانیہ پر محیط ہیں اگرچہ وہ خود ایک مقام و مکان میں ہو اور اس کیلئے خواب و بیداری مساوی ہے۔ اور ایسی نیند بھی اس پر طاری نہیں ہوتی جو روح کو غافل کردے۔ اسی لئے ارشاد ہے۔ تنام عینی ولا تنام قلبی۔ آنکھ ہماری سوتی ہے دل ہمارا بیدار رہتا ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ پیغمبر خواب سے بیدار ہو کر بلا تجدید وضو فوراً نماز میں مشغول ہو جاتے تھے پس شہید کیلئے خواب و بیداری مساوی ہے اور کیوں نہ ہو۔ خداوند عالم خواب سے بری ہے۔ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ نہ اس کو اونگھ آتی ہے۔ اور نہ نیند۔

پیغمبر مظہر صفات واجب الوجود ہے۔ اس پر خواب واقعی کب طاری ہو سکتا ہے وہ بھی شہید اور یہ بھی شہید۔ اور انکی مثال آفتاب و شعاع آفتاب ہے۔ کہ شعاع آفتاب غیر آفتاب ہے۔ مگر آفتاب سے جدا نہیں اور ظہور کمال آفتاب اور اُسکے آثار کا اس شعاع کے ذریعہ سے ہوتا ہے پس وجود پیغمبری شعاع آفتاب سرمدی ہے اور مظہر کمالات خداوندی۔ اور چونکہ خداوند عالم سے جو خلاق زمین و آسمان ہے۔ کوئی شی پوشیدہ نہیں اسواسطے اس نور خدا سے بھی کوئی شی پوشیدہ نہیں۔ جو شعاع نور خدا ہے اور مظہر کمالات الٰہی اور قائم مقام پیغمبر امام۔ لہذا امام سے بھی کوئی شی پوشیدہ نہیں۔ ہر چیز کو دیکھتا اور ہر آواز کو سنتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ اس کان کی تعریف میں فرماتا ہے "وَتَعِيَهَا اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ" اور ضبط رکھتا ہے تمام آوازوں کو وہ کان جس میں اتنی ظرفیت ہے کہ سب آوازیں سما جاتی ہیں اور اس میں ثبت ہو جاتی ہیں۔ اس کان کی صفت "اذن واعیۃ" ہے نہ اذن سامعۃ" یہ کون سا کان ہے؟ جو تمام آوازوں کو ایک دفعہ سنتا اور سب کو ضبط کرتا ہے اور محفوظ رکھتا ہے۔ کیا عام کانوں میں یہ قوت ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص آہنگروں کے بازار میں گذرے۔ جہاں ہزاروں ہتھوڑوں کی آوازیں بلند ہوں تو وہ ان تمام آوازوں کو ہرگز ضبط نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں اتنی قوت اور استعداد اور ایسی ظرفیت نہیں ہے پس اس کان کی ظرفیت کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جو جمیع موجودات کی آوازوں کو سنتا ہے اور سب کو ایک دفعہ ضبط کر لیتا ہے۔ یہ اس شخص کا کان ہو سکتا ہے۔ جو اس واجب الوجود کا مظہر ہو جس کی صفت یہ ہے "لَا تَشْتَبِهُ عَلَيْهِ الْاَصْوَاتُ" آوازیں اُسپر مشتبہ نہیں ہوتیں۔ ہر ایک آواز کو علیحدہ علیحدہ سنتا ہے۔ "وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ"۔ اس کان کی تشخیص کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر امام فخر الدین رازی کہ یہ گوش گوش جناب امیر ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

چنانچہ وہ اپنی تفسیر میں تحت آیہ مجیدہ "وَتَعِيَهَا اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ" تحریر فرماتے ہیں کہ اس کان سے مراد گوش امیر المومنین علی ابن ابی طالب ہے اور یہ کوئی استبعاد و استعجاب کا مقام نہیں ہے۔ کہ امام تمام آوازوں کو سن لیتے اور ضبط رکھتے ہیں۔ جبکہ ہم مادہ کثیفہ سے بنائی ہوئی انسانی مصنوعات کو دیکھتے ہیں کہ ان میں آوازیں فوراً ضبط و ثبت ہو جاتی ہیں جیسے کہ فونوگراف و ریڈیو۔ اور قوت امامت فوق جمیع قوا ہے۔ ضرور اس کی قوت و ظرفیت ایسی ہی ہے کہ اس میں تمام آوازیں ضبط و ثبت ہو جائیں۔

رویت اعمال امام ہر ایک کی آواز کو سنتے اور ہر ایک کے عمل کو دیکھتے ہیں۔

قال اللہ تبارک وتعالےٰ۔ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْن
الخ۔ کہدو اے پیغمبر کہ عمل کرو خدا تمہارے عمل کو دیکھتا ہے۔ اور اس کا رسولؐ اور مومنینؑ
اول اعمال کو دیکھنے والا خدا ہے اور اس کی رویت۔ رویت بالذات ہے۔ دوم اسکا
پیغمبر اور اُس کی رویت رویت بالتبع ہے۔ سوم اعمال کے دیکھنے والے وہ مومنین
خاص ہیں جو نُواب پیغمبر و اوصیا پیغمبرؐ اور اس کے قائم مقام مثل اس کے شہید ہیں۔
(کما سبقنا الیہ) آیۂ مجیدہ میں لفظ "یری" ایک بار آیا ہے اور رویت میں تینوں
شریک ہیں جس سے ظاہر ہے کہ اصل رویت بقوت نورانیہ الٰہیہ ہے اور پیغمبر و امام مظہر
صفات الٰہیہ اور وہ قوت تمام عالم پر محیط ہے۔ اور کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں۔ نبی و
امام مرکز قوت برقی ہے۔ اور ہر شے میں قوت برقی موجود ہے اور یہ قوت حضرت محمد
مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوتی ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ
كُلِّ شَيْءٍ" ہر ایک شے کی قوت باطنی وملکوت اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور دست خدا
اول محمد مصطفےٰؐ ہے۔ کما قال" اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ
اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔

اے پیغمبر جو تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اور
خدا کا ہاتھ اُن کے ہاتھ پر ہوتا ہے یعنے دست محمدی دست الٰہی ہے "وَمَا رَمَيْتَ
اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى"۔ اے پیغمبر تو نے خاک نہیں پھینکی جبکہ پھینکی۔ لاکن اللہ
نے پھینکی ہے یعنی تیرا ہاتھ دستِ خدا ہے۔ اور تیرے ہاتھ کا فعل فعل خدائی ہے پس
تمام ملکوت اشیاء دست الٰہی یعنی دستِ محمدی میں ہیں۔ وہ مرکز قوائے عالم ہے پس
اسکی قوت فوق تمام اشیاء ہے۔ اور وہ سب پر حاکم وقابض ہے۔ اور کوئی شئے اُس سے
مخفی نہیں رہ سکتی۔ اور اسی طرح امام جو مظہر ثانی ہے اس قوت نورانیہ سے تمام کام کرتا
ہے اور تمام اعمال دیکھتا ہے اور خداوند عالم رب العالمین ہے۔ اور یہ رب الارض
قال عزوجل" واشرقت الارضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا" زمین اپنے مربی (امام) کے نور
سے روشن ہوجائیگی۔ ملاحظہ ہو قوت نورانی امامؑ کہ آفتاب باوجود اس قدر عظمت و
وسعت کے کہ زمین سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔ ایک مرغی کے انڈے کو بھی چاروں طرف
سے ایک وقت میں روشن نہیں کرسکتا۔ چنانچہ دھوپ میں انڈا رکھا جائے تو ضرور اسکا

سایہ پڑیگا اور ایک طرف تاریکی رہ جائے گی۔ مگر نورانیت امام ایسی ہے کہ تمام زمین ہر طرف سے روشن ہو جائیگی اور چمک اُٹھیگی یہی وہ قوت نورانی ہے جس کے ذریعہ سے خدا اپنے بندوں کو ظلمات کفر و شرک سے نور ہدایت و عالم انوار کی طرف نکالتا ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔

قوتِ ملکوتی

مسلّم اور محقق ہے کہ ہر ایک شے میں ایک حرارت موجود ہے اور اُس حرارت سے وہ حرکت کرتی ہے اور ہر شئے اجزائے بسیطہ پر منتہی ہوتی ہے اور اجزائے بسیطہ میں بھی حرارت موجود ہے۔ یہ شے فنا ہو جاتی ہے اور حرارت باقی رہتی ہے یہی باطن شئے اور ملکوت اشیا رہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قوت برقی کیلئے ایک خزانہ کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہاں سے حسب ضرورت اہل شہر شہر میں پہنچائی جاتی اسی طرح وجود محمدی اس حرارت عالم امکان کا مرکز ہے اور وہاں سے یہ قوت عوالم امکانیہ میں متفرق ہوتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شے یا جو مقام اس خزانہ برقی سے قریب تر ہوتا ہے۔ اسی قدر اس میں حرارت زیادہ ہوتی ہے پس جو وجود اس مرکز عالم امکان سے جس قدر قرب رکھتے ہیں۔ اسی قدر ان میں حرارت زیادہ ہوتی ہے اور اس حرارت والے رستم و سہراب کو بھی شمار میں نہیں لاتے۔

شجاعتِ اقربِ اجزائے محمدی

بقول ظاہر یہ نو دس سال کا بچہ ایک مرد جنگ آزمیدہ و تجربہ کار کو ہرگز ہرگز قتل نہیں کر سکتا بلکہ معمولی انسان کو بھی قتل نہیں کر سکتا خصوصاً جبکہ یہ شخص بھی اس بچہ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور آمادۂ پیکار ہو پس اگر یہ بچہ اس مرد میدان کو قتل کر دے اور مار ڈالے تو یہ اس کی قوت برقیہ اور قوت ملکوتی کی زیادتی اور مبدا سے قریب ہونیکا اثر اور نتیجہ ہے یہی وجہ تھی جو انصار ان حسین میں سے نو نو دس دس سال کے بچے وہ داد شجاعت دیتے تھے کہ دیکھنے والے انگشت بدندان رہجاتے تھے۔ کیونکہ وہ بچے مرکز قوت برقی (محمد مصطفٰی) سے قریب تر تھے اور یہ امر کچھ بنی ہاشم ہی سے مخصوص نہ تھا بلکہ عرب بیابانی و بدوی کے بچے سے بھی یہی آثار ظاہر ہوئے تھے۔

اطفال خورد سال کربلا نے روز عاشورا ایک سو نو مردوں کو قتل کیا ہے یعنی ہاشمی و غیر ہاشمی نے منجملہ اُن کے ایک بچہ شاید سوید بن عمر بن ابی مطاع کا ہے سوید کی عمر

اس وقت ۴۰ سال کی تھی۔ قائم اللیل وصائم النہار تھے جس وقت میدان میں تلوار لیکر بڑھے ہیں کسی کو مقابلہ کی تاب نہ تھی اور کوئی سامنے نہ آتا تھا مگر ملاعین نے دور سے تیر برسانے شروع کر دئے اور یہ آخر کار زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ابھی کچھ جان باقی تھی کہ انکا ایک بچہ جسکا سن نو دس سال کے درمیان تھا خیمہ سے نکلا۔ امام مظلوم اس وقت تل زینبیہ پر شفکر کھڑے تھے کیونکہ اس وقت حضرت کے جان نثاروں میں سے صرف بتیس یا کچھ زیادہ اشخاص باقی رہ گئے تھے۔ وہ بھی اکثر زخمی۔ آپ نے دیکھا کہ ایک بچہ تلوار کو لاٹھی کی طرح ہاتھ میں لئے ہوئے خیمہ گاہ سے نکلا جو اس کے قد سے بلند تھی اس بچے کو معلوم نہ تھا کہ کہاں جا رہا ہے حضرت کے پاس آیا اور عرض کیا۔ "وعلیک السلام یا ابا عبد اللہ" حضرت نے داہنی طرف جو نظر کی تو دیکھا کہ ایک بچہ ہے فرمایا اس کو واپس کر دو۔ اسکی ماں کو گوارا نہ ہوگا کہ یہ لڑنے جائے بچہ نے عرض کی کہ میری ماں ہی نے فرمایا ہے کہ میں میدان کو جاؤں۔ اس معصوم کا یہ کلام سنکر امام مظلوم پر رقت طاری ہوگئی اور وہ بچہ میدان کی طرف روانہ ہوگیا صاحب عوالم لکھتے ہیں کہ اس نے سات اشقیا فی النار کئے۔ لیکن باقی محدثین و مورخین لکھتے ہیں کہ صرف دو شخصوں کو قتل کیا اس معصوم صغیر السن پر آٹھ کافروں نے حملہ کیا اور اس کو شہید کر ڈالا اور اس کا سر کاٹ کر اس کی ماں کے آگے پھینکدیا۔ ماں کھڑی دیکھ رہی تھی۔ سر کو اٹھا کر بوسہ دیا۔ اور پھر ایک ملعون کے پھینک مارا کہ وہ فی النار ہوگیا۔ یہ ہے اثر تقرب مرکز نبوت۔ مگر جو شخص اس شجرۂ طیبہ سے ہوگا اور اس سے صوری و معنوی (ظاہری و باطنی تعلق رکھتا ہوگا اس کا کیا حال ہوگا۔ اس کی طاقت کس درجہ پہنچی ہوگی۔ تمام اصحاب و اقربائے امام مظلوم میں سے اس میدان میں سب سے قریب تر اور سب سے عزیز و محبوب تر آپ کے فرزند ارجمند جناب علی اکبر ہم شبیہہ پیغمبر تھے۔ اس باب میں محدثین کو اختلاف ہے کہ آیا حضرت علی اکبر افضل تھے یا حضرت عباس لیکن جناب علی اکبر کی جلالت قدر و منزلت سے فضیلت حضرت کی ثابت ہے اور فقرات زیارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ قریب بدرجہ معصومیت پہنچے ہوئے ہیں اور ایسا ہی ہے بھی۔ اور فقرات زیارت ناحیہ مقدسہ سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ بنی ہاشم میں آپ سب سے پہلے شہید ہیں۔ جب آپ کی نوبت آئی تو آپ نے فرمایا۔ "تقدم یا بنی" "میرے پیارے بیٹے آگے بڑھ اور راہ خدا میں جہاد کر" حضرت علی اکبر یہ کلام سنکر فوراً روانہ ہوگئے۔ جب چلدئے تو امام مظلوم نے واپس بلایا۔ اور تبرکات نبوت اہل حرم سے

طلب کئے۔ تبرکات نبوی میں چھ عمامے تھے جن میں عمامہ سحاب بھی تھا۔ اور دو زرہیں تھیں جن میں سے ایک زرہ ذوالفضول تھی۔ اور ایک زرہ حضرت امیر حمزہؑ کی تھی۔ چار گھوڑے اور دو تلواریں۔ دو اونٹنیاں اور دیگر ملبوسات نبویؐ۔

لشکر ابن زیاد اور خیمہ گاہ کے درمیان ایک ٹیلہ تھا اور ٹیلہ کے اس طرف خیمۂ اہل حرم تھا صندوق اسباب منگایا اپنا عمامہ حضرت علی اکبر کے سر پر رکھا اور ایک دوسرا عمامہ نکالکر اپنے سر مبارک پر رکھا۔ اپنی قبا انکو پہنائی۔ اور قبائے حضرت رسول خود پہنی اپنی تلوار انکی کمر میں باندھی اور ذوالفقار خود زیب تن کی اور زرہ ذوالفضول کو خود پہنا اور اپنی انکو پہنائی پیشانی پر بوسہ دیا اور وقت روانگی یہ آیت تلاوت فرمائی "اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی اکبرؑ داخل معصومین ہیں۔ پھر فرمایا "اللّٰھم اشھد علیٰ ھٰؤلآء القوم فانہ فقد برز الیھم فتی اشبہ الناس خلقاً و خُلقاً و منطقاً برسولک وکنا اذا اشتقنا بلقاء رسول اللّٰہ نظرنا الیہ"۔ جناب امام حسینؑ کا نصف بدن حضرت رسول خدا سے مشابہ تھا مگر جناب علی اکبرؑ کا کل جسم جناب رسول مقبول سے مشابہت رکھتا تھا اور آپ شبیہہ المصطفےٰ یعنے ہم شکل پیغمبر کہلاتے تھے جب اس طرح سے جناب علی اکبرؑ روانہ میدان قتال ہوئے تو امام مظلوم سواری کے پیچھے اس طرح جاتے تھے جس طرح کہ حاجی قربانگاہ کو قربانی لے جاتے ہیں اور آپ کے سر اور پیشانی پر بوسے دیتے تھے۔ "ویمشی علی والحسینؑ علیٰ القفا تسیل دموع العین منہ بوجنۃ کاضحیۃ فی یوم اضحی الی منی یقبلہ فی کل اٰنٍ ولحظۃ"۔ اسپ عقاب کو بھی طلب جو آجکل عقاب کے نام سے مشہور ہے اور غلط ہے۔ اس پر آپ کو سوار کیا۔ ساتھ جاتے ہوئے آپ کو خیال آیا کہ اگر اس طرح آپ بھی حضرت علی اکبر کے ہمراہ میدان کو چلے جائیں گے تو تمام مخدرات عصمت و طہارت خیمہ گاہ سے نکل پڑیں گی وہیں ٹھہر گئے۔ جس وقت یہ نور محمدی اور امام حسین کے دل کا ٹکڑا میدان میں پہنچا اور شعشعہ نور محمدی لشکر پر پڑا۔ ہر ایک فرقہ لشکر نے ایک دوسرے کو ملامت کرنا شروع کیا کہ ہم نے کیا کیا ہے۔ اور کس سے لڑ رہے ہیں۔ خود رسول خدا میدان میں تشریف لائے ہیں۔ جب شور و غوغا بند ہوا تو کہا یہ رسول خدا نہیں بلکہ علی اکبر شبیہہ پیغمبر جگر گوشہ فرزند رسول ہے۔ آپنے لشکر پر حملہ کیا پہلے حملے میں (۱۲۰) اشقیا

کو واصل جہنم کیا۔ درانحالیکہ آپ کے جسم مبارک پر ایک زخم بھی نہ لگا تھا۔ مگر تشنگی نے سخت غلبہ کیا اپنے پدر بزرگوار سے عرض کیا "یا ابتاہ العطش قد قتلنی"۔ اے پدر بزرگوار پیاس نے مجھے مار ڈالا ہے۔ امامؑ نے جواب میں صرف یہی فرمایا۔ اے بیٹا اب تم کو تمہارے جد بزرگوار آب کوثر سے سیراب کرینگے۔ اور پھر کبھی تشنہ نہ ہو گے۔ پھر حضرتؑ میدان میں تشریف لے گئے اور اسی نامردوں کو فی النار کیا اور یہ تمام حملات حضرت علی اکبرؑ برق شرطۃ الخمیس پر تھے۔ جہاں تمام بہادر جمع تھے اور اتنے عرصہ میں ایک زخم بھی نہ کھایا تھا حصین ابن نمیر لعین نے جب یہ دیکھا لشکر کو پکار کر کہا کہ علم بلند کرو۔ اور لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دونوں طرف سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت دیکھا گیا کہ آپ خیمہ گاہ کے بائیں جانب چلے اور گھوڑے کی گردن میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے اور گھوڑا آپ کو لئے جاتا تھا۔ ربیع ابن تمیم ملعون نے کہا کہ یہ بہانا کرتا ہے۔ ایک شخص نے دیکھکر کہا کہ بہانہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ جان سے گزر چکا ہے اور سر تا پیشانی شگافتہ ہے "فاحاطوہ من کل جانب" یہ سنکر ان ملاعینوں نے چاروں طرف سے اس مظلوم کو گھیر لیا ہے "وقطعوہ باسیافھم اربا اربا"۔ اور اس برگزیدہ خدا اور ہمشکل مصطفےٰ کو پارہ پارہ کر ڈالا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

موعظۂ ششم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِہِمْ

ھٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّہِمْ فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَہُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِہِمُ الْحَمِیْمُ

مقدمات سابقہ میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہر ایک شخص کا عمل کسی نہ کسی کے زیر تبعیت صادر ہوتا ہے اور اسی سے ماخوذ ہوتا ہے اور اس شخص کو امام (پیشوا) کہتے ہیں۔ تمام احکام عملیہ اسی کی طرف منتہی ہوتے ہیں۔ اور روز قیامت اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔ یَوْمَ

"يَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ" روز قیامت ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ محشور کیا جائیگا اگر یہ شخص (امام) از جانب خدا ہے تو اس کی پیروی اور اقتدا کرنے والا نعیم جنت سے منتفع ہوگا اور اگر از جانب خدا نہیں ہے بلکہ از طرف شیطان اور خود ساختہ امام ہے تو اس کو آتش جہنم کی طرف لے جائینگے کما قال عزّ وجلّ: "وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ" اور انکو ایسا امام بنایا ہے کہ وہ لوگوں کو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

تقرر امام

پس آیا ممکن ہے کہ انسان خود اپنے لئے امام مقرر کرے؟ آیہ مبارکہ "اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" دلالت کرتی ہے کہ تقرر امام از جانب خدا ہے کیونکہ وہی خالق ہے۔ اور وہی صاحب دین ہے اور دیانت اُسی کی طرف سے ہے پس وہی انسان کی حوائج ضروریہ پر حاوی ہے۔ اس لئے کہ اُسی نے اُس کے اجزار کو ترکیب دی ہے پس وہی امام کو مقرر کرسکتا ہے اور ضرور ہے کہ اُس شخص کو امام بنائے جو عالم فطریات وضروریات انسانیہ ہو۔ یہ تو مسلّم ہے کہ نبی کو خدا مقرر کرتا ہے۔ آیا امام کو غیر از خدا کوئی مقرر کرسکتا ہے اور آیا امامت ونبوت دو رشتے جداگانہ ہیں۔ یا ایک؟ البتہ اگر امامت غیر نبوت ہے۔ تو شاید لوگ خود امام مقرر کرسکتے ہوں۔ لاکن آیہ شریفہ "وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عَابِدِيْنَ"۔ اور ہم نے اُن کو امام بنایا ہے۔ جو ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں اور ہم نے اُنکو فعل خیرات واقامۃ الصلوٰۃ وادائے زکوٰۃ کی وحی کی ہے اور وہ ہمارے ہی عبادت گزار تھے۔ انبیار کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور انبیار کو امام کہا گیا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ نبوت وامامت ایک ہی رشتہ ہے اور ایک ہی سلسلہ ہے اور تقرر نبی از جانب خدا مسلّم ہے۔ لہذا تقرر امام بھی از طرف خدا ہی ہوگا اور چونکہ امامت میں بحکم آیہ مذکورہ وحی شرط ہے۔ لہذا تقرر امام از غیر خدا قطعًا محال ہے۔ کیونکہ وحی از جانب خدا ہے۔ لہذا تقرر امام بھی از جانب خدا ہی ہوگا۔ مگر یہ کہ وحی۔ وحی شیطانی ہو تو البتہ تقرر اسکا از جانب شیطان ہوگا "وَاِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَائِهِمْ" شیاطین بھی اپنے اولیار کو وحی کرتے ہیں۔

توضیح

اس کی یہ ہے کہ رسالت ونبوت خاص ہے ایک قوم اور ایک زمانہ سے اور امامت عام ہے تمام لوگوں کو شامل ہے: "الامامة رياسة عامة" پس امامت

فوق نبوت وافضل از نبوت ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کو یہ عہدۂ امامت بعد نبوت و رسالت و خلت عطا ہوا ہے۔ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ اب میں تجھے تمام لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ آپ نے خوش ہو کر عرض کیا۔ میری ذریت کو بھی یہ عہدہ عنایت ہوگا؟ حکم ہوا کہ یہ عہدہ امامت ظالمین کو نہ پہنچیگا۔ البتہ صالحین خلعت امامت سے ممتاز ہوں گے ظلم دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک ظلم جلی اور وہ شرک ہے۔ کَمَا قَالَ عَزَّ وَجَلَّ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ تحقیق کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے اور ظلم خفی تمام معاصی ہیں پس عہدۂ امامت دونوں قسم کے ظالموں یعنی مشرکوں اور گنہگاروں کو نہیں پہنچ سکتا۔ جو ان دونوں قسم کے گناہوں سے معصوم ہے وہ امام ہے پس امامت خاص معصومین سے مختص ہے۔ غیر معصوم کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ شاہد ہے کہ امامت خاص ذریت حضرت ابراہیم ہی میں ہے اور یہ سلسلہ امامت آخر کار بجناب خاتم الانبیاءؐ منتہی ہوتا ہے۔ اور خدا نے انکو امام بنایا لیکن جناب خلیلؑ و حبیبؐ تک تو یقیناً یہ سلسلہ و تقرر امام خداوند عالم کے ہاتھ میں رہا بعد خاتم النبیینؐ کہاں گیا؟ کیا لوگوں کے اختیار میں چلا گیا۔ کہ اب لوگ امام بنالیا کریں آیۂ مجیدہ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ الخ شاہد ہے کہ اُمّتِ مسلمہ تا بعثت رسول و وقت بعثت رسول موجود رہی ہے اور چونکہ جعل جعل الہی ہے۔ قیامت تک اُمّتِ مسلمہ ذریت ابراہیم میں موجود رہیگی اور عہد امامت اسی ذریت کے واسطے ہے اور اسی امت مسلمہ سے مخصوص ہے جن میں سے پیغمبر مبعوث ہوا ہے پس کیونکر ممکن ہے کہ بعد حضرت ختمی مرتبت یہ عہدہ دوسرے عوام الناس کے ہاتھوں میں چلا جائے اور انکو تقرر امام کا اختیار دیا جائے۔ حالانکہ خدائے تعالے صاف فرماتا ہے۔ وَرَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَیَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ تیرا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور جس کو جس کام کے واسطے چاہتا ہے پسند کرتا ہے اور اختیار فرماتا ہے۔ اگر مسئلہ خلافت لوگوں کے اختیار و اجماع پر موقوف ہوتا۔ اور لوگوں کی رائے کو وہاں مدخلیت ہوتی۔ تو معصومین ضرور اس کے سزاوار تھے کہ ان کی رائے قبول ہو۔ اور اس صورت میں ملائکہ کا اعتراض اور انکا اجماع برخلاف خلافت حضرت آدم مقبول و مسموع ہوتا لیکن ایسا نہ ہوا پس جب ملائکہ معصومین و مقربین کی رائے کو مسئلہ خلافت میں مدخلیت

نہیں۔ تو غیر معصومین کی رائے کیونکر حجت ہو سکتی ہے " فاعتبروا یا اولی الابصار"
بعد رسول امت مسلمہ باقی ہے اور امامت اسی کے واسطے ہے پھر کیونکر دوسرے
سلسلے میں جا سکتی ہے اور اوصاف امامت تمام اوصاف الٰہی ہیں۔ جن میں سے
ایک شہید ہونا ہے۔ جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ کیونکر باختیار خود حاصل ہو سکتا ہے۔

تفسیر عہد

حضرت ابراہیم نے امامت کا اپنی ذریت کے لئے سوال کیا۔
"وَمِن ذُرِّيَّتِي" جواب میں فرمایا۔ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ
یعنی میرا عہد مشرکوں۔ کافروں اور گنہگاروں کو نہ پہنچیگا۔ یہ نہیں فرمایا کہ امامت گنہگاروں
کو نہیں پہنچیگی۔ بلکہ اس کو عہد سے تعبیر و تفسیر کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اگر لفظ امامت فرمایا جاتا
تب بھی مطلب حاصل تھا اور کوئی نقص لازم نہ آتا تھا پس کیوں لفظ عہد کو مخصوص
کیا گیا؟ ضرور اس میں کوئی نکتہ ہے پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امامت ایک عہد
بزرگ ہے اور وہ عہد عصمت مطلقہ ہے " كَمَا قَالَ عَزَّ وَجَلَّ. لَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ
آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا" ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا
پس اُس نے ترک کیا اور ہم نے اُس میں عزم بالجزم نہ پایا۔ وَقَالَ " أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ
يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ"۔ اے بنی آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں
لے لیا ہے۔ کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو پس معلوم ہوا کہ جس نے کسی امر میں بھی شیطان
کی اطاعت و پیروی کر لی۔ وہ عہد الٰہی سے خارج ہے اور جو تمام امور میں اطاعت و عبادت
شیطانی سے محفوظ و مصئون و معصوم رہا۔ اس نے معاہدہ الٰہی کو لے لیا اور جس نے اس
معاہدہ الٰہی کو لے لیا وہ امام ہے۔ اور وہی روز قیامت مالک شفاعت ہے چنانچہ
آیہ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا (نہیں مالک
ہونگے شفاعت کے مگر وہی جنہوں نے عہد الٰہی کو لے لیا) اس پر صاف دلالت
کرتی ہے۔

شفاعت جزئیہ شفاعت کلیہ

شفاعت دو قسم پر ہے کہ ایک شفاعت بالاذن۔ دوم شفاعت
بالملکیت۔ اور شفیع دو قسم کے ہیں ایک وہ جو باذن شفاعت
کرینگے۔ دوم وہ جو بالعہد مالک شفاعت ہیں اور اس وقت
اُن کو اذن کی ضرورت نہیں ہے۔ صاحب اذن کے حق میں خدا فرماتا ہے مَن ذَا الَّذِي

يَشْفَعُ عِنْدَهُ اِلَّا بِاِذْنِهٖ خدا کے اذن بغیر کون اُس کے پاس شفاعت کر سکتا ہے اور دوسروں یعنی مالکان شفاعت کے حق میں فرمایا ہے۔
لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۔ پس یہ لوگ بعہدِ الٰہی مالک شفاعت و متصرف بالملکیت ہیں۔

معنی شفاعت شفاعت اور حق شفع ایک ہی مادے سے ہیں اور شفع کے یہ معنی ہیں کہ دو شخص جو ایک ملکیت میں شرکت رکھتے ہیں اور وہ ملکیت غیر منقسم ہے۔ اگر اُن میں سے ایک شخص اپنے حصے کو کسی دوسرے غیر شریک کے ہاتھ فروخت کرے تو یہ شریک ملک اس کو اپنے حق شفع میں لے سکتا ہے اور کہ سکتا ہے کہ میں اسمیں شراکت رکھتا ہوں۔ میں نے اس کو اپنے حق شفع میں خرید لیا پس بلا ملکیت و شراکت حق شفع ثابت نہیں ہو سکتا اور شفیع بلا مالک ہوئے شفیع نہیں بن سکتا۔ اور متصرف نہیں ہو سکتا۔ اور تصرف ملکیت سے ثابت ہوتا ہے۔ اور ملکیت و مالکیت دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کہ کوئی شخص کسی چیز کا بالذات مالک ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ مالک بالذات حق ملکیت کسی کو عطا کر دے۔ اور حق ملکیت قبضہ سے ہوتا ہے۔ اور معنی قبض ولایت مطلقہ و تصرف مطلق ہے اور آیہ مجیدہ النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم اسی پر دال ہے نبی مومنین کا خود اُن کے نفسوں سے زیادہ مالک و متصرف مطلق ہے۔ ایسا تصرف رکھتا ہے اور اتنا اختیار ہے کہ نماز جو رکن دین ہے اور انسان خدا کے لئے پڑھتا ہے اگر نبی اسکو اسی وقت میں آواز دے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اور اُس کو اختیار نہیں ہے چنانچہ حدیث صحیح بخاری اس پر دلالت کرتی ہے۔ کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ آنحضرتؐ نے اسکو بلایا اور آواز دی وہ نہ آیا۔ جب نماز سے فارغ ہوا۔ تو حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے دریافت کیا۔ کیوں نہیں آیا۔ اور کیوں جواب نہ دیا۔ عرض کیا میں نماز پڑھ رہا تھا۔ فرمایا کیا تو نے نہیں سنا کہ خدا فرماتا ہے۔ اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ جواب دو خدا اور اُس کے رسول کو جس وقت بھی وہ پکاریں۔ پس معلوم ہوا کہ پیغمبر عبادت کا بھی مالک ہے۔ کیونکہ حق ملکیت و تصرف من اللہ رکھتا ہے اور ولی مطلق ہے۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ سوائے اس کے نہیں ہے کہ تمہارا مالک اور تم پر متصرف خدا اور اس کا رسول ہیں اور کیونکر اسکو ایسا حق حاصل نہو۔ حالانکہ وہ نماز میں شریک ہے جو حد توحید اور بلا اسپر درود بھیجے

نماز باطل ہے۔ اور بلا اسکے عفو کیئے خدا لوگوں کے گناہوں سے درگزر نہیں کرتا۔
وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ اور جبکہ لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ اگر وہ تیرے پاس آتے اور خدا سے طلب مغفرت کرتے اور رسول بھی خدا سے ان کی مغفرت چاہتا۔ تو ضرور وہ خدا کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔ لہذا معلوم ہوا کہ بلا عفو و استغفار رسول مغفرت ممکن نہیں اگر رسول لوگوں کے گناہوں سے درگزر کرے خدا بھی معاف کر دیگا۔ ورنہ اگر رسول عفو نہ کرے۔ خدا نہ بخشیگا۔ پس جبکہ پیغمبر مالک و متصرف ہے اور حق شرکت و ملکیت رکھتا ہے تو وہی مالک شفاعت بھی ہے اور پل صراط کے پاس کھڑا ہوگا اور فرمائے گا۔ هٰذَا لِيْ وَهٰذَا لَكَ یہ میرا ہے اور یہ تیرا یعنی جو تحت ولایت پیغمبر داخل ہوگا۔ اسکو حق شفع میں لیگا کیونکہ حق تصرف حاصل ہے۔ بالفاظ دیگر بلکیت شفاعت حاصل نہیں ہوسکتی مگر ان لوگوں کو جنکا وجود دلیل خدا ہے اور وہ حجج اللہ و ادلہ علی اللہ و آیات بینات الٰہی و علت موجودات ہیں۔ حق شفاعت معلم و استاد سے شروع ہوتا ہے اور اُس کو حق شفاعت حاصل ہے اور ضرور اذن دیا جائے گا کہ اپنے شاگردوں کی شفاعت کرے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس نے بچے کو تعلیم دی ہے اور راہ خدا کی طرف ہدایت کی ہے اور اسکو توحید سکھائی ہے۔ پس اسکا وجود بھی دلیل بر خدا ہے۔ یہاں بھی یہ امر شاہد و محسوس ہے کہ جب بچہ باپ کا کوئی قصور کرتا ہے تو اگر معلم و استاد باپ کے پاس اُس کے بچے کی شفاعت و سفارش کرے تو باپ اس کی خطا معاف کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی بچہ پر حق رکھتا ہے اور شریک پدر ہے۔ کیونکہ وہ مربی جسم ہے اور معلم و استاد مربی روح پس اسیطرح روز قیامت بھی اسکی شفاعت مقبول ہو گی۔ کیونکہ اس کا وجود دلیل بر خدا ہے۔ اور اُس نے بچے کو توحید کی طرف دلالت کی ہے لیکن اس کے وجود کی دلالت منحصر و محدود ہے اس لئے اس کے اثرات بھی محدود اور اُس کی شفاعت بھی محدود۔ مگر نبی چونکہ مربی مطلق ہے معلم کل ہے اور تمام شریعت و دیانت اثر و دلالت وجود نبی ہے کہ اس نے سارے احکام اپنی زبان صداقت ترجمان سے بیان فرمائے اور تعلیم دئے ہیں اور تمام اعمال امت اُس سے پیدا ہوئے ہیں اور اس سے ماخوذ ہیں۔ اور اس تعلیم کے اثرات تمام نبی کی طرف لوٹیں گے۔ اور رجوع کرینگے۔ اور اُنکو بھی جزائے عمل ملیگی پس وجود نبی حقیقت شفاعت ہے۔ اور اس لئے وہ فرمائیگا۔ یہ تمام تعلیمات میری ہیں

شیطان کو کیا حقِ شرکت حاصل ہے پس اس شخص کو اپنے حقِ شفع میں لیتا ہوں۔ اور یہی
معنی شفاعت ہیں شفاعت دراصل حقیقت دلالات وجودیہ ادلہ علی اللہ ہے کہ آخرت میں
صورت شفاعت پیدا کریگی۔ حضرت رحمۃ للعالمین و نذیر للعالمین بدلالت تامہ وجودیہ مالک
عہد شفاعت ہوئے۔ اور آنحضرت کے خلفاء و اوصیا بھی جو آنحضرت سے اتحاد نفسانی و
روحانی رکھتے ہیں اور حاوی اوصاف نبوی ہیں اپنے آثار وجودی و دلالات وجودیہ ہی کی
وجہ سے مالک عہدِ شفاعت ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اعمال انسان میں شیطان بھی شریک ہے کہ وہ اغوا
کرتا ہے اور اس کے اغوا سے انسان سے معصیت صادر ہوتی ہے اور نبی شریک ہے کہ
معلّم و ہادی اور مربی ہے۔ اور تمام اعمال حسنہ اس کے وجود اور اس کی تعلیم اس کی ہدایت
کا اثر ہیں پس روز قیامت ہر شخص کے ساتھ ایک سائق ہوگا اور دوسرا شہید وَجَاءَتْ
كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ سائق گویا شیطان اور عمل شیطانی ہے جو اسکو جہنم کی طرف
کھینچیگا۔ اور شہیدِ خارجی امام ہے۔ جو صراط پر کھڑا ہوگا۔ پس اگر اسمیں اثرات تعلیم نبی و امام
اثرات شیطان سے زیادہ ہیں اور تحت تعلیم نبی داخل ہے۔ نبی اس کو لے لیگا۔ کیونکہ بوجہ
ایمان اسکی ولایت میں داخل ہے اور نبی بوجہ تعلیم و تربیت حق ملکیت و تصرف رکھتا ہے
ورنہ اگر وہ شخص تعلیمات نبوی سے خارج ہے اور اثرات تعلیم نبی اس میں ظاہر نہیں ہیں۔ دولت
ایمان نہیں رکھتا۔ بلا حساب داخل جہنم ہوگا اور اس میں پیغمبر کو حق شفاعت حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ
اذا القسمت الحدود فلا شفعۃ جب حدود مشترکہ تقسیم ہو جائیں۔ حق شفع باطل ہو جاتا ہی
پس جب ایک شخص بالکل تعلیم نبی سے خارج ہے تو وہ شفاعت نبی سے بھی خارج ہے۔

مسئلہ غدیر خم

اعلان غدیر خم کو تمام سنی شیعوں نے نقل کیا ہے شیعہ اس سے خلافت
جناب امیر پر استدلال لاتے ہیں۔ مگر یہ مسامحہ ہے۔ کیونکہ واقعۂ غدیر
میں ذکر ولایت ہے نہ خلافت۔ ولایت اخص ہے خلافت سے اور خلافت اس کے
تحت میں داخل اور خدا چاہتا ہے کہ مرتبہ ولایت جناب امیر علیہ السلام کو ثابت کرے چنانچہ
حضرت ختمی مرتبت نے ابتدا خطبہ میں اول اپنی ولایت و اولویت بالتصرف کا اقرار لیا۔
اور تین مرتبہ فرمایا اَلَسْتُ اَولیٰ بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ کیا میں تمہاری جانوں کا تم سے زیادہ
مالک اور اُنپر متصرف نہیں ہوں؟ سب نے اقرار کیا اور کہا کیوں نہیں۔ آپ ہمارے مالک و
ولی و مولیٰ ہیں پھر تین مرتبہ فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ۔ خداوندا تو گواہ رہیو۔ بعد ازاں فرمایا۔ مَنْ

كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ الخ "جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علی بھی مولیٰ ہے۔ یہ وہ مرتبہ ولایت وادلویت وملکیتِ شفاعت ہے۔ جو جناب امیر علیہ السلام کے لئے ثابت کیا ہے کہ پیغمبرؐ ولی مطلق ومالکِ شفاعت علیؑ ہے۔ اور اسی پر آیۂ ولایت شاہد ہے۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ۔ سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا ولی خدا ہے اور اس کا رسول اور وہ مومنین جو نماز کو قائم کرتے اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں اور یہ مومنون وہی اوصیا پیغمبر علیؑ و اولادِ علیؑ ہیں۔ کہ مثل پیغمبر ولی و مالکِ شفاعت ہیں اور حق شرکت وملکیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ شفاعت اُن کے واسطے ہے جو ادلہ علی اللہ و حجج اللہ ہیں اور معلم توحید الٰہی۔ اور ظاہر ہے کہ بعد پیغمبر معلم علی ابن ابی طالب ہے کہ بابِ علمِ نبی ہے۔ جو کچھ صادر ہوا ہے اس سے صادر ہوا ہے اگر کوئی حکم تعلیم سے خارج ہو جائے تحت نبوت سے خارج ہو جاتا ہے پسر نوح نے ایک کلمہ تمرد کہا نہ صرف تعلیم نبوت وتحت نبوت سے خارج ہو گیا۔ بلکہ اہل بیت سے بھی خارج ہو گیا اور لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ خطاب پایا پس جو تحت تعلیم امامت داخل ہیں۔ امام اُن کی شفاعت کریگا اور ان کو حق شفع میں شیطان سے لیگا کیونکہ شیطان کا انسان میں صرف ایک حصہ یعنی حصہ ناری ہے جس کی بابت وہ کہتا ہے وَلَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا میں تیرے بندوں میں سے اپنا حصہ مقرر لیلونگا وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (شریک ہو ان کے اموال واولاد میں) قول خداوند عالم ہے۔ باقی تین حصے رہتے ہیں پس اگر تحت تعلیم نبوت وامامت داخل ہے امام چھڑا لیگا اور شیطان اپنے ایک حصہ میں اسکو نہ لے سکیگا لیکن جو شخص تعلیم نبوت وامامت سے خارج ہے اور آثار نبوت اُس میں موجود نہیں ہیں۔ اس کو شیطان جہنم کی طرف کھینچ لے جائیگا۔ کیونکہ شرکت نبی اس میں نہیں اور آثار شیطانی ظاہر وغالب ہیں۔

انسان دو معبود رکھتا ہے معبود رق و معبود طاعت۔ معبود رق خداوند عالم ہے۔ جو خالق کل ومالک مطلق ہے معبود اطاعت پیغمبر ہے کہ خدا نے بعد خلق انسان کو بغرض تربیت و تعلیم پیغمبر کے سپرد کیا ہے۔ کیونکہ تمام فیوض و تعلیمات بندہ کو اس کے ذریعہ سے پہنچی ہیں۔ "قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ اطاعت کرو اللہ کی ...... اور اطاعت کرو اس کے رسول کی اور اپنے اولی الامر

کی۔ اول اطاعت خدا ہے اور اس کی اطاعت غیر اطاعت پیغمبرؐ ہے۔ کیونکہ وہ مالک الرق و معبود الرق ہے۔ اور دوم اطاعت پیغمبرؐ ہے۔ وہ غیر اطاعت خدا ہے اسیواسطے لفظ اطیعوا مکرر آیا ہے۔ اگر لفظ اطیعوا مکرر نہ آتا تو اطاعت پیغمبرؐ مثل خدا اطاعت رقی ہوتی اور آیہ مجیدہ وَمَنْ یُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی) سے ثابت ہے کہ مطیع رسولؐ مطیع خدا ہے۔ اور جو کچھ اس نے کیا۔ گویا خدا نے کیا بس اس کو خداوند عالم نے حق شرکت دیا ہے تربیت عباد میں۔ اور اس لئے وہ ہی حق الشفیع رکھتا ہے اور مالک شفاعت ہے مطلقاً اور چونکہ اطاعت اولی الامر مثل اطاعت پیغمبرؐ ہے۔ کیونکہ وہاں لفظ اطیعوا مکرر نہیں لایا گیا بس اسکی اطاعت بھی اطاعت خدا ہے اور اس لئے بعد پیغمبرؐ ولی الامر (امام) بھی انسان پر حق ملکیت و ولایت رکھتا ہے اور اس لئے وہ مالک شفاعت ہے۔ فتدبر فیہ فانہ دقیق +

شفاعت اور حضرات نصاریٰ

نصاریٰ تمام فرق عالم پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک کسی میں جنبہ خدائی نہ ہو وہ شفاعت نہیں کر سکتا اور شفیع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ پاپائے اسکندریہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ کوئی انسان معصیت سے پاک نہیں ہے حتیٰ کہ انبیاء بھی۔ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ اس میں جنبہ خدائی ہے اور خدا عادل ہے بس چاہیئے کہ جزائے اعمال دے پس گنہگار شفیع نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کسی نبی کو حق شفاعت حاصل نہیں لیکن یہ باطل محض ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ شفاعت خدا ہی کر سکتا ہے اور وہی شفیع ہوتا ہے بس جب شفیع خدا ہے تو شفاعت کس کے پاس کریگا کیا کسی دوسرے خدا کے پاس شفاعت لیجائیگا اگر ایسا ہے تو یہ شرک صریح ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ خدا نے اپنے بندوں کو خلق کر کے کس کے سپرد کیا ہے شیطان کے سپرد کیا ہے یا کسی اور کے۔ اور مربی معلم کس کو قرار دیا ہے؟ اگر خدا نے بندوں کو شیطان کے سپرد کیا ہے تو خدا اس سے مذاکرہ کر سکتا ہے۔ مگر ایسا ہرگز نہیں ہے۔ خدا نے ہرگز شیطان کو مربی و معلم انسان نہیں بنایا ہے۔ اس لئے وہ شریک تربیت انسان نہیں ہے بلکہ خدا نے انسانکو خلق فرماکر اسکی تربیت انبیاء کے سپرد کی ہے۔ وہ شرکت رکھتے ہیں شیطان اغوا کرنے والا اور بہکانے والا ہے۔ اور وہ مربی و معلم ہیں پس وہ اپنے حق تعلیم و تربیت میں انسان کو لینگے اور بارگاہ خدا میں عرض کرینگے کہ ہم حق رکھتے ہیں کہ یہ ہماری تحت تعلیم و تربیت داخل ہے

ہمیں عنایت کر شیطان صرف یعنی اغوا کرنے والا ہے۔ اس کو حق نہیں کہ اس کو جہنم میں لیجائے
ہاں جو تحت تعلیم نبوی نہیں ہے اور ترتیب نبوی سے خارج ہے۔ اس پر وہ حق نہیں رکھتے انکو
شیطان جہنم میں لیجائیگا۔ بعض اناجیل ثابت ہے کہ حضرت یحییٰؑ نے حضرت عیسیٰؑ کو غسل تعمید دیا۔
اور غسل تعمید گناہوں سے پاک کرنے کیلئے دیا جاتا ہے پس گویا ایک خسے گنہگار کو ایک
بندۂ پاک نے غسل دیا پس یہ محض غلط ہے کہ عیسیٰؑ میں جنبۂ خدائی ہے اور وہ شفیع ہو سکتے ہیں
پھر یہ بھی لکھا ہے کہ روز قیامت عیسیٰ علیہ السلام خدا کی دائیں جانب بیٹھے ہونگے اور گنہگاروں کی
شفاعت کرینگے پس اگر یہ صحیح ہے تو خدائی حضرت عیسیٰؑ باطل۔ کیونکہ خدا دوسرا ہے جس سے
حضرت عیسیٰ شفاعت کرینگے اور خدائی حضرت عیسیٰ باطل ہوئی تو شفاعت بھی باطل۔ کیونکہ
اُن کے نزدیک شفیع تو خدا ہی ہو سکتا ہے۔

باز آمدم بر سر مطلب

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا عہد امامت

ظالمین کیلئے نہیں۔ اور عہد الٰہی اول یہ ہو کہ شیطان کی عبادت نہ کی جائے۔ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ
يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔
حضرت آدم سے عہد لیا گیا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اس کے کہنے میں نہ آنا حضرت آدم علیہ السلام
نے خداوند عالم کے نام کی قسم پر اعتبار کر لیا۔ کیونکہ آپ عالم برزخ میں تھے اور وہاں جو کوئی جھوٹی قسم
کھاوے۔ فوراً اثر بد ظاہر ہو جاتا ہے۔ مگر شیطان سے جب کوئی اثر ظاہر نہ ہوا حضرت آدم نے سمجھ
لیا کہ قسم سچی ہے اور اس کی جھوٹی قسم پر اس وجہ سے اثر مرتب نہیں ہوا تھا کہ اس نے مردود رجیم ہونے
کے بعد وقت معلوم تک کیلئے مہلت لے لی تھی۔

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ عزم بالجزم ان میں نہ پایا گیا۔ درخت کے پاس چلے گئے
اور کھا لیا۔ لباس انکا اتار لیا گیا پس باوجودیکہ حضرت آدمؑ نے عمداً اس درخت منہی عنہ سے
نہیں کھایا اور وہ گنہگار نہیں۔ کیونکہ قسم پر اعتبار کرکے ایسا کیا۔ مگر چونکہ بصورت ظاہری خلاف
عہد ہے مالک شفاعت نہ رہے، باذن شفاعت کر سکتے ہیں پس صاحب عہد مطلق و مالک شفاعت
وہ ہے جو صالح مطلق ہے اور ظاہراً و باطناً کسی طرح اُس نے خلاف عہد الٰہی نہیں کیا۔ عَسٰٓى
اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ ضرور خدا تجھکو مقام محمود پر پہنچائیگا۔ اور یہ مقام محمود
مقام شفاعت تامہ ہے۔ وقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ شفاعتی لاهل الکبائر من امتی

ہیں اپنی امت کے گنہگاروں کی شفاعت کرونگا میری شفاعت اُنکو پہنچیگی لیکن شفاعت کی تفصیل کہ کن لوگوں کے حق میں ہوگی اور کس قسم کے گناہ قابل شفاعت ہیں اور کون سے گناہ ایسے ہیں جن کیلئے توبہ کی بھی ضرورت نہیں ہے اور کون سے گناہ ایسے ہیں جنکے لئے دنیا میں صرف کفارہ لازم ہے۔ اور کون سے گناہ ایسے ہیں جنکے لئے کفارہ بھی ضروری نہیں شاید کسی دوسرے موقع پر بیان ہو لفظ صالحین تمام انبیا کیلئے بولا گیا ہے جیساکہ سورۂ انبیا میں تمام انبیاء کے حق میں فرماتا ہے وَکُلاً جَعَلْنَا صَالِحِیْنَ۔ اور حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں۔ رَبِّ هَبْ لِیْ حُکْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں۔ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ اور حضرت نوحؑ و حضرت لوطؑ کے باب میں خدا فرماتا ہے۔ وَکَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحِیْنَ۔ وہ دونوں بیویاں ہمارے دو صالح بندوں کے پاس تھیں۔ اور فرمایا ہے۔ ان الارض یرثها عبادی الصالحین۔ غرض لفظ صالح انبیاؑ پر بولا جاتا ہے اور تمام انبیاء صالحین ہیں۔ مگر حسب اختلاف مراتب نبوت۔ اور آنحضرت چونکہ افضل المرسلین و خاتم النبیین ہیں۔ اسلئے وہی جناب افضل الصالحین بھی ہیں اور وہی صالح مطلق لہذا مالک عہد شفاعت وہی ہوئے لیکن مومنین ایک صالح مطلق اور بھی رکھتے ہیں ایمان خود ایک عمل صالح ہے اور وہ مومن کامل صالح مطلق و صالح کامل ہے۔ قال عزوجل ان تظاھرا علیه فان الله هو مولاه وجبریل وصالح المومنین (سورۂ تحریم) اے عائشہ و حفصہ اگر تم دونوں پشت بہ پشت اور ایکدوسری کیساتھ ملکر پیغمبر کے خلاف کوشش کروگی۔ تو بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ کیونکہ خدا اسکا مولےٰ ہے اور جبرئیل اور صالح مومنین یعنی وہ شخص جس کا نام صالح المومنین ہے اور صالح مطلق ہے +

نکتہ محقق و معلوم ہے کہ ایمان کے مختلف درجے ہیں چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ یا ایها الذین آمنوا آمنوا (الخ) اے ایمان لانے والو۔ ایمان لاؤ۔ پھر خدا فرماتا ہے وزادتهم ایمانا یعنے جب ان پر آیات خدا تلاوت کی جاتی ہیں تو اُنکا ایمان زیادہ ہوجاتا ہے پس معلوم ہوا کہ ایمان زیادتی و نقصان کو قبول کرتا ہے۔ اور آیات الٰہی سے ادنیٰ سے اوسط اور اوسط سے اعلیٰ درجے پر پہنچتا ہے اور ادنیٰ سے اعلیٰ تک بہت سے درجات ہیں اور تقویٰ فوق ایمان ہے کما قال عزّوجلّ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ (الخ) اے ایمان والو تقوے اختیار کرو اور آیۂ کریمہ وصالح المومنین الخ میں لفظ مومنین محلے بالام ہے اور الف لام استغراق اسپر

داخل ہے۔ اور یہ مفید عموم ہے۔ اور تمام افراد اہل ایمان کو شامل۔ خواہ کسی درجہ کا ایمان رکھتے ہوں اور تفاوت درجات ایمان حسب تفاوت ایمان بخدا و رسول و کتاب خدا ہے۔

قال عزوجل امنوا باللہ ورسولہ والکتاب الذی انزل علی رسولہ یعنی ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس کے رسول پر نازل کی گئی ہے اور کتاب پر ایمان لانا اس کے معارف و مقاصد پر ایمان لانا ہے اور مقاصد کتاب پر ایمان موقوف ہے علم حقیقت کتاب پر جب تک حقیقت کتاب کا علم نہ ہوگا۔ ایمان بمعارف و مقاصد کتاب حاصل نہیں ہو سکتا اور حقیقت کتاب کا علم موہبت الٰہی پر موقوف ہے۔ کیونکہ یہ حاوی جمیع علوم و تبیان کل شے ہے۔ اور یہ مرحلہ علم کسب و تحصیل سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہذا تفاوت مراحل و مدارج ایمان حسب تفاوت علم حقیقت کتاب ہے۔ اور جب تک کسی کو تمام حقیقت کتاب کا علم حاصل نہ ہو مومن مطلق نہیں ہو سکتا اور جب تک تمام احکام و معارف پر عامل نہ ہو صالح المومنین کا خطاب نہیں پا سکتا۔ "قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ" سے ثابت ہے کہ تمام کتاب کا علم سوائے علی ابن ابی طالب کے اور کسی کو حاصل نہیں اور وہ صالح المومنین و صالح مطلق اور خیر البریہ ہے۔ "ان الذین امنوا وعملوا الصلحت اولئک ھم خیر البریۃ"۔ اور عمل صالح کی ابتدا توحید ہے تا تمام صالحات جو فی الواقع اور عند اللہ صالحات ہیں۔ یہ شبہ نہ ہو کہ صالح المومنین سے وہ شخص مراد ہے۔ جو پیغمبر پر ایمان لانے کے بعد علی الظاہر مشرک نہ ہوا ہو کیونکہ اگر صالح من المومنین ہوتا تو یہ شبہ ہو سکتا تھا یہاں صالح المومنین ہے۔ حالانکہ اس صورت میں بھی سوائے ایک شخص کے اور کوئی اس کا مصداق نہیں ہو سکتا اور جو شخص نوع مومنین میں صالح ہو وہ صالح مطلق ہے اور صالح نہیں ہے مگر نبی "وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ"۔ "وَكُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ" سے ظاہر ہے اور صالح مطلق وہ ہیں جو فرماتا ہیں۔ "مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ" ہم کسی امر میں شرک نہیں کرتے اور بعد پیغمبر ایسا شخص نفس پیغمبر ہی ہو سکتا ہے۔ فافہم۔

پس یہ صالح المومنین کون ہے؟ یہ وہی نفس رسولؐ و زوج بتولؑ ہے۔ جو فرماتا ہے لم اشرک باللہ طرفۃ عین ابدًا ایک چشم زدن کے واسطے میں نے خدا کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کیا پس بعد حضرت ختمی مرتبت جنکی تعلیمات فوق تعلیمات جمیع انبیاء مرسلین ہیں اور مقام محمود تک پہنچے ہوئے ہیں عسی ان یبعثک ربک مقامًا محمودًا حضرت علی ابن ابیطالب صالح المومنین مالک شفاعت و مالک عہد الٰہی ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام لیکن شفاعت میں شرط یہی ہے کہ بندہ تحت

تعلیم نبی و امام ہو ورنہ شفاعت محال +

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے تعلیمات پیغمبری کو ایسا خراب کر دیا تھا کہ قریب تھا کہ اسلام کا نام بھی دنیا سے مفقود و معدوم ہو جائے پس جس شخص نے اس حال میں اسلام کے نام کو باقی رکھا اور اقامۂ دین کیا۔ بعد اپنے اجداد کے وہی اولی بالشفاعت ہے اور وہ حسینؑ بن علیؑ ابن ابیطالب ہے۔ جو خصوصیت کے ساتھ شفیع امت محمدی مشہور و معروف ہی کیونکہ یہ مسلم ہے کہ زمانۂ یزید عنید میں دین کو حسینؑ نے قائم و باقی رکھا ہے۔ کیونکہ اس وقت جو اپنے کو خلیفۂ رسولؐ اور پیشوائے دین اور امام وقت کہتا تھا۔ برسر منبر و علی رؤس الاشہاد کہتا تھا ؎

لیت اشیاخی ببدر شہدوا

جزع الخزرج من وقع الاسل الخ

کاش آج اس ملعون کے وہ اسلاف و اشیاخ جنہوں نے جنگ بدر میں نیزوں کی آمد و رفت سے۔ بنی خزرج کی آہ و زاری سنی تھی اس وقت موجود ہوتے تو خوشی کے نعرے بلند کرتے اور کہتے اے یزید تیرے ہاتھ شل نہوں تو نے کیا اچھا کام کیا ہے۔ وہ بنی خندف سے نہیں اگر وہ اولاد رسول سے اسکا انتقام نہ لیلے۔ جو رسول نے اس کے اسلاف کافرین کے ساتھ جنگ بدر و احد میں کیا تھا اور کہتا تھا۔

لعبت بنو ہاشم بالملک فلا

خبر جاء ولا وحی نزل

بنی ہاشم نے ملک گیری اور بادشاہت کا ایک کھیل بنایا ہوا تھا۔ نہ کوئی خبر آئی تھی اور نہ وحی نازل ہوئی تھی۔ جس خلیفہ رسول و امام وقت کا یہ اعتقاد باطل ہو کہ بالصراحت منکر نبوت و رسالت ہو۔ اس کے وقت میں کیوں دین اسلام کا نام باقی رہ سکتا تھا۔ اس کے نقطۂ مقابل حضرت امام حسینؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت اقامہ دین کیا۔ وہ اسلام کا نام مٹانا چاہتا تھا۔ امامؑ نے اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سنبھالا اور ہمیشہ کیلئے بحر ضلالت میں ڈوبنے سے بچالیا۔ انہی دو گروہوں اور دو جماعتوں کا خدا اس آیۂ مبارکہ میں ذکر کرتا ہے۔

"ھٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّھِمْ فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَھُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِھِمُ الْحَمِیْمُ"۔ یہ دو خصم دو مقابل جماعتیں ہیں۔ جو دربارۂ ربوبیت جنگ کرتی ہیں (ایک کہتا ہے خدا سچا ہے اور اس نے سچ کہا ہے اور دوسرا کہتا ہے نہیں خدا جھوٹا ہے اور اسکا پیغمبر جھوٹا مدعی نبوت ہے پس ان میں سے کافرین کیلئے آتش جہنم کا لباس قطع

کیا جاچکا ہے اور اُن کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائیگا۔

شان نزول آیہ جنگ بدر ہے کہ ایک طرف ابوسفیان یزید عنید کا دادا اور ابوجہل وغیرہ تھے۔ دوسری طرف محمد مصطفےٰؐ علی مرتضیٰؑ اور ان کے یار و انصار یہ چاہتے تھے دین خدا کو قائم کریں اور اس کی خدائی کو ثابت۔ وہ فرقہ ضالہ و مضلہ چاہتا تھا کہ دین خدا کو برباد کریں اور اس کی خدائی سے انکار مگر حقیقی اور کامل مصداق اس آیہ کا روز عاشورہ ظاہر ہوا۔ اس دن کفر مطلق اور ایمان مطلق کا مقابلہ تھا۔

دعوتِ پیغمبرؐ و دعوتِ حسینؑ

بدو اسلام میں اول محض دعوت اسلام تھی "قُولُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْنَ"۔ جو شخص محض زبان سے کلمہ توحید کا اقرار کرلیتا تھا۔ اس کا جان و مال محفوظ ہوجاتا تھا اور مثل دیگر مسلمانوں کے شمار ہوتا تھا اگرچہ دلمیں قطعاً عقیدہ نہ رکھتا ہو۔ اور اصحاب پیغمبرؐ میں مومن و منافق مشترک تھے۔ چنانچہ ۴۸ آیتیں منافقین کے باب میں وارد ہیں جس میں سے ۴۲ سورہ برأت میں موجود ہیں اور جنگ احد کے موقع پر اصحاب رسول کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی تھی "مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ" بعض لوگ تم میں سے دنیادار اور طالب دنیا ہیں اور بعض دیندار و طالب آخرت۔ مگر روز عاشورہ ایمان و اسلام۔ کفر و نفاق جدا جدا ہوگئے تھے اور نفاق بالکل برطرف ہوگیا تھا۔ اس طرف کفر مطلق تھا اور اس طرف ایمان خالص۔ اور اصحاب امام حسین علیہ السلام میں کوئی منافق نہ تھا۔ جس میں دنیا کا شائبہ پایا جاتا ہو۔

اصحاب حسینیؑ و اصحاب نبوی

پیغمبرؐ جب لوگوں کو جہاد پر بھیجتے تھے تو تدابیر سے لوگوں کو جہاد پر مائل کرتے تھے۔ چنانچہ جب جنگ بدر کی تیاری کی ہے تو کہا تھا۔ کہ قریش کا قافلہ بہت سامال لئے ہوئے آرہا ہے اور ضرور آرہا تھا پس تم دونوں میں سے ایک پر ضرور غالب آؤ گے۔ یا لشکر ابوسفیان پر یا قافلہ قریش پر۔ مگر قافلہ تو نکل گیا اور ابوسفیان لشکر لیکر مقابلہ کو آگیا۔ گویا بعض اصحاب رسول تا قافلہ قریش کی لالچ سے گئے تھے مگر اصحاب حسینیؑ ایسے نہ تھے۔ اُن کے اس عمل خالص میں دُنیا کا بالکل شائبہ نہ تھا۔ جس وقت امام مظلومؑ مکہ سے نکلے ہیں فرمایا جو شخص مال دنیا چاہتا ہے اور دنیا کے ارادے سے چلتا ہے وہ میرے ساتھ نہ آئے یعنی آج خالص ایمان کی دعوت ہے نہ مطلق اسلام کی اور مومنین خالص چنے جاتے تھے۔ چنانچہ جس وقت حضرت مکہ سے تشریف لے چلے ہیں۔ آٹھ ہزار

آدمی ساتھ تھے۔ ہر ایک منزل پر جب حضرتؑ پہنچتے تھے تو قصہ حضرت یحییٰؑ کو ذکر فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہم دنیائے کوفہ کے واسطے نہیں جاتے ہیں یعنی کوفہ کی بادشاہت حاصل کرنے نہیں جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ کم ہوتے گئے یہاں تک کہ جب کربلا پہنچے ہیں تو صرف گیارہ سو رہ گئے۔ وہ بھی روز و شب کم ہوتے جاتے تھے تا اینکہ شب عاشورہ چند نفر رہ گئے۔ قریب نصف شب تیس آدمی اور آکر ملے ہیں۔ تب یہ بہتر اصحاب روز عاشورہ نظر آتے تھے۔ جیساکہ تاریخ مسعودی سے ثابت ہے مگر یہ چنے ہوئے خالص مومن تھے۔

شب عاشورہ امام مظلومؑ نے بنی ہاشم سے بھی فرمایا۔ کہ تم بھی چلے جاؤ۔ انکو تم سے کوئی غرض نہیں ہے۔ یہ صرف میرے خون کے پیاسے ہیں۔ چنانچہ دس بارہ بچے دہ سالہ یازدہ سالہ تھے جنکو فتیان بنی ہاشم کہتے تھے۔ حضرت نے ان سب کو جمع کیا اور فرمایا تم بھی چلے جاؤ۔ یہ عورتیں موجود ہیں۔ ہر ایک اپنی اپنی ماں بہن کا ہاتھ پکڑلے اور رات رات میں نکل جائے۔ ان سب میں سے قاسم بن حسنؑ سب سے آگے بڑھے اور کہنے لگے "سَیِّدَنَا کَیۡفَ نُخَلِّیۡكَ" اے ہمارے آقا کس طرح ہم آج آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں۔ حضرت نے بطور کنایہ فرمایا "اَمَا تَخَافُ الۡمَوۡتَ" کیا تم موت سے نہیں ڈرتے ہو؟ عرض کیا "اَلۡقَتۡلُ بَیۡنَ یَدَیۡكَ لِیۡ اَحۡلٰی مِنَ الۡعَسَلِ"۔ اے عم بزرگوار مجھے آپ کے قدموں میں شہید ہونا شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ یہ کلام معرفت و محبت التیام امام مظلوم کیلئے زہر تلخ تھا۔ دل میں بیٹھ گیا۔ اور حضرتؑ بیتاب ہو گئے اور اس کا جواب روز عاشورا دیا۔

جس وقت شہزادہ قاسم علیہ السلام آمادۂ میدان ہوئے ہیں۔ حاضر خدمت امام مظلومؑ ہوئے امام علیہ السلام نے جناب قاسم کی گردن میں ہاتھ ڈال دئے اور رونے لگے۔ یہاں تک روئے کہ دونوں زمین پر بیٹھ گئے۔ امام مظلوم علیہ السلام کی مصیبت سخت کرنے کیلئے حضرت قاسم علیہ السلام کیلئے ایک ایسے حادثے کا اتفاق ہوا ہے جو کسی اور شہید کیلئے نہیں ہوا (بابی انت و امی) حضرت قاسم بہت صبیح و ملیح تھے جس وقت روانۂ رزمگاہ ہوئے ہیں اس تن نازک پر صرف ایک قبائے عربی پہنے ہوئے اور ایک جوتی کا تسمہ بھی کٹا ہوا تھا۔ جب لشکر عمر سعد لعین کے سامنے پہنچے ہیں لَمۡ یَظُنُّ بِهٖ اَحَدٌ بوجہ صغرسنی کسی کو یہ گمان نہ تھا کہ یہ بچہ جنگ کریگا چونکہ آپ مرکز امامت سے قریب تر تھے۔ جوں ہی ایک خبیث نے آپ پر حملہ کیا ہے۔ فوراً آپ نے اسے فی النار کیا۔ تا اینکہ کوئی مقابلہ کو نہ نکلا۔ خود لشکر پر حملہ کیا اور چار صفونکو درہم برہم کر دیا۔

ربیع ابن تمیم نامہ نگار مختارؒ سے نقل کرتا ہے کہ چار جگہ میرا دل کڑھا او مخزون ہوا منجملہ

اُن کے ایک واقعہ قتلِ شاہزادہ قاسم بن الحسنؑ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ خیمہ حسینی سے ایک نوجوان مثل ماہ شب چہاردہ باہر نکلا اور کسیکو گمان نہ تھا کہ یہ بچہ لڑے گا اور بہادرونکو قتل کرے گا آخر میدان میں آیا لشکر پر حملہ کیا۔ اور بہادرونکو قتل کیا۔ میرے پاس سے گذرا میری زد پر تھا۔ اگر میں چاہتا تو اسکو قتل کر دیتا مگر ایسا حسین و صبیح المنظر تھا کہ مجھے رحم آگیا اور میں نے اپنے دل میں کہا۔ ای ہیج اگر تو اس بچے کو قتل کرے تو تیرے ہاتھ کٹ جائیں۔ وہ صفونکو چیرتا ہوا نکل گیا۔ اور چار صفونکو درہم و برہم کر دیا۔ ایک جوان ازدی میرے پیچھے کھڑا ہوا تھا اس نے کہا۔ اگر اس بچے نے ہماری صف کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا تو میں اس کی ماں کو اس کے سوگ میں بٹھاؤنگا حضرت قاسمؑ اس کی صف تک پہنچے وہ ملعون پیچھے سے آیا اور وہ کام کیا کہ شہزادے نے باآواز بلند پکارا۔ یا عماہ ادرکنی۔

تمام مورخین متفق ہیں کہ حضرت امام حسینؑ یہ آواز دردناک سُنکر اس طرح دوڑے جس طرح باز شکار پر بیتابی سے گرتا ہے جس وقت قریب شاہزادہ قاسم پہنچے دیکھا کہ وہ مظلوم پہلوئے راست پر پڑا ہوا ہے اور وہ ملعون پاس کھڑا ہے۔ حضرت نے اس لعین ازدی پر حملہ کیا اور اس ملعون کا ہاتھ کٹ گیا اُس نے اپنے لشکر کو آواز دی کہ مجھے بچاؤ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور امام پر حملہ آور ہوا دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ اور حضرت امام حسینؑ نے حملہ کیا اور تمام صفوں کو درہم و برہم کر دیا لیکن جسوقت حفاظتِ جنازہ کیلئے واپس پلٹے تو دیکھا کہ یَفحَصُ بِرِجلَیہِ ایڑیاں رگڑ رہے ہیں اور سواران ابن زیاد لعین نے لاش کو پامال کر دیا ہے جس وقت آپ نے جنازہ کو اُٹھایا۔ تو شاہزادے کا سر آپ کے سر کے مقابل تھا اور پیر زمین پر لٹکے تھے۔ حضرت شاہزادہ قاسمؑ دس بارہ سال کے تھے۔ اس قدر دراز کہاں سے ہوگئے؟ زخموں سے جسم مبارک چور چور تھا۔ اور اعضا کٹے ہوئے لٹک رہے تھے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

موعظہ ہفتم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِہِمۡ

ھٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا فِیۡ رَبِّہِمۡ فَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا قُطِّعَتۡ

لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ

حقیقت شہید

تمام تقریراتِ سابقہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہمیشہ اور ہر زمانے میں ایک امام منجانب اللہ موجود ہے۔ اور ایک وصف اُس کا شہیدیت ہے کہ وہ تمام اشیاء پر حاضر ہے اور تمام اعمال کو دیکھتا ہے۔ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهٗ ثُمَّ تُرَدُّونَ اِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ اور معنی شہید حاضر علی الشئے ہیں۔ اول شہید بالذات اللہ ہے اور بعد از ان پیغمبر شہید ہے ثانیاً و بالتبع اور پھر امام اور شہیدیت بجسمیت نہیں ہے کیونکہ حضور الجسم عند کل شئ ممکن نہیں اور حضور اشیاء عند الشہید ممکن ہے۔ بلکہ اس میں ایک قوت باطنیہ ہے اس کے ذریعہ سے وہ شہید ہے اور وہ قوت مثل قوت باصرہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ قوت ہے کہ خود قوتِ باصرہ اس میں ہے۔ اور قوت باصرہ اس کی شعاعوں میں سے ایک شعاع ہے اور اس کی تعریف ممکن نہیں مگر اوصاف سے اسکی معرفت ہو سکتی ہے۔

جس شے کے ادراک سے انسان عاجز ہو۔ اس کو چاہیئے کہ خود اپنے نفس میں نظر کرے اور اس کی مثال اس میں تلاش کرے۔ کیونکہ خدا نے ہر ایک شے کا نمونہ نفس انسانی میں پیدا کر دیا ہے۔ فقال عزوجل و فی الارض آیات للموقنین و فی انفسکم افلا تبصرون غور کرنا چاہیئے کہ جب انسان سو جاتا ہے اور خواب میں کہیں چلا جاتا ہے اور سیر کرتا ہے۔ تو اس حالت میں بھی تمام چیزوں کو دیکھتا ہے۔

پس کون قوت اور کونسی شئے اس وقت دیکھتی ہے؟ چشم ظاہری تو بستر خواب پر موجود ہے اور بند ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق جسم سے ہے اور جسم کے ساتھ ہے پس وہ اصل حقیقت انسانیہ ہے کہ اس میں قوتِ سماعت بھی ہے بصارت بھی ہے حس بھی ہے لمس بھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور تمام اعضا اسی کی وجہ سے کام کرتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ قوت جاتی رہتی ہے تو یہ تمام اعضاء و قوے بیکار ہو جاتے ہیں۔

صفات خدائی دو قسم پر ہیں۔ ایک صفات ذاتیہ جن کے مقابل کوئی ضد نہیں ہے۔ دوم صفات افعالیہ جن کے مقابل ضد ہے لیکن قسم اول صفات الٰہی عین ذات ہیں پس خدا بذات خود دیکھتا ہے، سنتا ہے، جانتا ہے محتاج آلات نہیں ہے۔ اسیطرح انسان تمام افعال چلنے پھرنے بولنے سننے اور دیکھنے کے بحقیقت انسانیہ کرتا ہے۔ جب یہ قوت آنکھ سے ظاہر

ہوتی ہے تو دیکھتا ہے۔ جب کان سے ظاہر ہوتی ہے تو سنتا ہے پس حقیقت تمام قوی حقیقتِ انسانیہ ہے اور سب اسی میں موجود ہیں اور آلات اس کے محتاج ہیں نہ کہ وہ آلات کا محتاج ہے۔ صرف عالم جسمانی ہیں ان آلات سے اس قوت کا ظہور ہوتا ہے۔

پس جس طرح قوت انسانیہ جب جسم انسانی سے طالع ہوتی ہے۔ اشیاء کو دیکھنے لگتا ہے اسی طرح جب قوت الٰہیہ چشم نبی اور امام سے ظاہر ہوتی ہے تمام اشیاء کو دیکھتا ہے یعنی تمام عوالم مکانیہ کو۔ اور کان سے ظاہر ہوتی ہے تو تمام آوازوں کو سنتا ہے اسیطرح دوسری قوتیں پس قوت قوت ذاتی و بالذات پیغمبر نہیں ہے۔ بلکہ قوت الٰہی ہے جو عطا ہوئی ہے اور وہ قوت احاطی ہے۔ جو تمام اشیاء پر احاطہ رکھتی ہے۔

دفع شبہہ و توضیح مطلب

اس مطلب کی اور توضیح کیجاتی ہے تاکہ یہ شبہ واقع نہو جائے کہ پیغمبر عین ذات خدا ہی معلوم رہے کہ اسمائے حسنیٰ الٰہی بہت ہیں مثل القابض۔ الباسط۔ العلیم۔ السمیع البصیر۔ الحفیظ وغیرہ وغیرہ پس اسم القابض سے خدا نے ایک مخلوق کو ایجاد کیا ہی۔ کہ اسکا شغل اور کام قبض کرنا اور لینا ہی جو کچھ قبض کرتا ہی وہ قبض کرتا ہی مظہر اسکا عزرائیل ملک الموت ہی چنانچہ ایک جگہ خدا قبض کی نسبت اپنی طرف دیتا ہی۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا۔" اللہ قبض کرتا ہی جانوں کو مرنیکے وقت اور جو نہیں مرے ہیں انکو سونیکے وقت۔ دوسری جگہ فرشتے کیطرف نسبت دیتا ہی۔ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ قبض کرتا ہی تمکو وہ فرشتہ جو تمپر موکل کیا گیا ہی۔ بظاہر دونوں آیتیں ایکدوسری کی منافی معلوم ہوتی ہیں مگر حقیقت یہ ہی کہ قابض حقیقی خدا ہی اور اس نے مقام قابضیت سے ایک موجود ایجاد کیا ہی جسکا شغل قبض کرنا ہی اور فعلِ قبض الٰہی اس سے صادر ہوتا ہی اور وہ مظہر اسم القابض ہے یعنی حضرت عزرائیل + اور مظہر اسم البسیط میکائیل ہی فعل تقسیم ارزاق وغیرہ اس سے صادر ہوتا ہی اور مظہر اسم العلیم اسرافیل ہی اور مظہر الحفیظ جبرئیل کہ امین وحی و حافظ اسرار ہی لیکن خدا کا ایک نام ایسا ہی کہ تمام اسما کو جامع و حاوی ہی اور جملہ اسمائے حسنیٰ اُسکے ماتحت ہیں اور وہ اسم اللہ ہی یعنی جامع جمیع صفاتِ کمالیہ۔ اسکے لئے ایک مخلوق کو خلق کیا ہی اور وہ وجود محمدی ہی پس جسطرح اسم اللہ جمیع اسماء کو جامع و حاوی ہی اور تمام اسماء اس کے تحت میں ہیں۔ ایسطرح مظہر اسم اللہ تمام مظاہر کو حاوی ہی اور جملہ مظاہر اسکے تحت میں ہیں۔ القابض اسکے تحت میں ہی۔ الباسط اسکے تحت میں ہی العلیم اسکے تحت میں ہی الحفیظ اسکے تحت میں ہی۔ عزرائیل و میکائیل و اسرافیل و جبرئیل تمام مظاہر قدرت اسکے تحت حکومت ہیں وہ مظہر کامل الٰہی ہی پس اسکے افعال افعال الٰہیہ ہیں۔ اسکا دیکھنا خدا کا دیکھنا ہی۔ اسکا سننا خدا کا سننا ہی۔ اسکا لینا اور قبض کرنا خدا کا قبض کرنا ہی۔ چنانچہ آیات سابقہ میں اسکی تفصیل کیگئی ہی یہ تمام توضیح

تشریح معنی شہید کیلئے تھی کہ یہ وجود جو مظہر جمیع صفات کمالیہ الٰہیہ ہے شہید مطلق ہے کوئی شئی اس سے پوشیدہ نہیں۔ بقوت الٰہی تمام چیزوں کو دیکھتا ہے۔ تمام موجودات اس ایک مظہر اللہ کے متعلق ہیں وہ صرف ایک قوت باطنیہ ہے جو اس کے وجود میں ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؞

مظہر اسم القاہر

مظہر اسم القاہر بھی تحت مظہر جمیع صفات کمالیہ ہے پس اسکا ظہور کس سے ہوتا ہے درانحالیکہ وجود نبی جو مظہر جامع ہے رحمۃ للعالمین ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ خدا انہیں عذاب نہیں کریگا۔ جب تک تو ان میں ہے۔ کیونکہ رحمت محضہ ہے پس رحمت و قہاریت کیونکر جمع ہوگی۔ حالانکہ وہ مومنین و کافرین سب کیلئے رحمت ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ؞

جواب اس کا یہ ہے کہ خداوند عالم باوجودیکہ خیر محض اور رحمت مطلقہ ہے مگر قہار بھی ہے لیکن ظہور قہاریت بعد رحمتِ رحمانیہ ہے۔ وَسَبَقَتْ رَحْمَتُهٗ غَضَبَهٗ۔ جب مقام رحمت کامل ہوجائے اور پھر کفران نعمت ظاہر ہو تو قہاریت ظہور میں آتی ہے پس بعد اظہارِ رحمت رحمۃ للعالمین و اتمام رحمانیت قہاریت ظاہر ہوگی اور وہ وجود مہدی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ و السلام ہے پس قہاریت اس کے وجود سے ظاہر ہوگی کہ وہ اس کی اولاد سے اور جزو محمدی ہے۔ محی الدین عربی نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے۔ لَوْلَا السَّيْفُ بِيَدِهٖ لَاَفْتَى الْفُقَهَآءُ بِقَتْلِهٖ اگر تلوار اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔ تو فقہا قتل کا فتوے دیکر قتل کرادیں۔ مگر وہ تلوار کے ساتھ خروج کریگا۔

خدا نے بانواع و اقسام رحمت و رحمانیت اتمام حجت کردیا۔ اب وقتِ قہاریت ہے تاکہ منکران نعمت و کافران نعمت کو قتل کرکے زمین کو عدل و داد سے پُر کردے۔ يَمْلَاُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا بَعْدَ مَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّجَوْرًا پس ظہورِ قہاریت بھی وجود ذی جود محمد مصطفےٰ ہی سے ہوگا۔ کیونکہ مہدی آخر الزمان انہی کی اولاد سے ہیں۔ اور اولاد جزو انسان ہوتی ہے اور اس کا فعل فعلِ پدر۔

ایک دن آئیگا کہ خدا اپنے اس وعدے کو مہدی کے ہاتھ پر پورا کرے۔ جو اپنے پیغمبر سے کیا ہے۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ اور یہ وعدہ پیغمبر کے سامنے ظہور پذیر ہوگا اور پیغمبر بچشم خود دیکھینگے قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ پیغمبر کو حکم ہے کہ دعا کرو کہ اے پروردگار مجھے وہ وعدہ دکھلا وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ۔ پھر فرمایا ہے جو وعدہ ہم نے ان کے لئے کیا ہے ہم تجھے اس کے دکھانے پر قادر ہیں۔ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى

مَعَادٍ۔ بتحقیق کہ جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے وہ ضرور تجھ کو لوٹانے والا ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ پیغمبرؐ اُس وقت موجود ہونگے اور خود تمام ادیان پر غلبۂ اسلام کو ملاحظہ فرمائیں گے۔

یہاں سے مسئلہ رجعت بھی بالصراحت ثابت ہے۔ کہ پیغمبرؐ پھر زندہ ہو کر دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔"

بحیثیت تنزیل دین کامل ہو چکا ہے۔ "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" مگر من حیث الغلبہ کامل نہیں ہوا۔ شرک کفر و نفاق ہر جگہ موجود ہے۔ بلکہ کفر غالب ہے۔ حضرت مہدی آخرالزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں دین من حیث الغلبہ کامل ہوگا۔ اور ایسا غلبہ ہوگا کہ دین باطل باطناً بھی نہ رہیگا اور منافقت دنیا سے بالکل معدوم ہو جائے گی۔ جیسا کہ "لِیُظْهِرَهٗ" سے ظاہر ہے۔ وَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۔ پس اس دن دین فطری ظاہر و غالب ہوگا اور وہ زمانہ زمانِ ظہور مہدی آخرالزمان عجل اللہ فرجہ کا ہے۔

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عوالم پر مبعوث ہوئے ہیں۔ اور سب پر نذیر ہیں۔ جملہ عوالم ماسوا اللہ تحت نذارت پیغمبر ہیں پس ظہور مہدی بھی تمام کرات پر ہوگا یعنی علاوہ زمین کرۂ زہرہ و مریخ و مشتری و زحل سب ایک ہو جائیں گے اور اُن کے رہنے والے ایک دوسرے سے معاشرت کرینگے اور تمام عوالم پر دین اسلام غالب ہوگا۔ اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ فَرَجَهٗ وَسَهِّلْ مَخْرَجَهٗ

سوال۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ جب دین فطرتِ انسان ہے اور انسان کی سرشت میں داخل ہے اور خدا فرماتا ہے۔ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔ خلق الٰہی میں تبدیلی نہیں ہے۔ پھر یہ بے دین کہاں سے پیدا ہو گئے اور کیونکر خلقت میں تبدیلی واقع ہو گئی کہ دینِ فطری کو چھوڑ دیا۔ اور فطرت کے کیا معنی ہیں؟

جواب۔ "الفطرۃ ایجاد الشیء و ابداعہ علیٰ ھیئۃ مخصوصۃ بفعل من الافعال" یعنی فطرت کسی چیز کا ایک ہیئت خاص پر پیدا کرنا ہے۔ جو کسی فعل سے ظاہر ہوتی ہو پس آیۂ مجیدہ "فطرۃ اللہ التی" الخ میں اس قوت معرفت دین و ایمان کی طرف اشارہ ہے۔ جو وجودِ انسان میں مرکوز ہے اور توضیح اس کی آیۂ ذیل میں ہے۔ "خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ"۔ اللہ نے تجھے خلق کیا پھر تیرا تسویہ کیا۔ اور پھر تعدیل کی۔ اور پھر جس صورت میں چاہا۔ ترکیب دیا۔ خلق کے معنے صورت بنانا ہیں۔ اور تسویہ کے معنے ہر عضو اور

ہر شئے کو اس کی مناسب جگہ رکھنا کہ وہاں سے بدل نہیں سکتے۔ جہاں آنکھ ہے وہیں آنکھ رہیگی جہاں کان ہیں وہیں کان رہینگے۔ جہاں ہاتھ ہیں وہیں ہاتھ رہینگے وغیرہ وغیرہ۔ تعدیل کے معنے تعدیل قوائے و اخلاط ہے کہ عناصر متضادہ و اخلاط متباینہ میں ایک کیفیت امتزاجی اعتدالی پیدا کر دی ہے کہ اگر ان میں سے ایک غالب آجائے۔ دوسری خلطوں پر۔ تو رفتہ رفتہ موت واقع ہو جائیگی۔ لہذا خلق الہی میں تبدیل ناممکن ہے۔

دراصل یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک تبدیل۔ دوم تغییر۔ تبدیل کا تعلق ذات و ذاتیات سے ہے اور تغییر کا تعلق اوصاف سے ہے پس تبدیل ناممکن ہے اور تغییر ممکن ہے۔ مثلاً پانی اصل فطرت میں بالطبع سرد ہے۔ پھر آگ پر رکھکر اس کو گرم کر دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جوش کھا جاتا ہے اور جسم کو جلا دیتا ہے۔ مگر اصل فطرت میں اس کی اب بھی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اب بھی بالطبع سرد ہی ہے اس کے اوصاف میں تغییر واقع ہوا ہے بسبب ایک قوت خارجی یعنی آتش کے سبب سے جس وقت یہ قوت خارجی برطرف ہو جائیگی پھر اسی اصلی حالت و فطرت اولیٰ پر عود کر آئیگا پس اسیطرح دین فطرت انسانی میں داخل ہے اور اس کی خلقت کے ساتھ عطا ہوا ہے۔ کیونکہ دین "کُلُّ مَا یُجْزیٰ بِہ" ہے ہر وہ چیز جس پر جزا مرتب ہو۔ اس لئے کہ لغت میں معنی دین جزا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک قوم و ہر ایک انسان جزا کا قائل ہے۔ مثلاً چوری بری ہے۔ جو اسکا مرتکب ہوگا۔ وہ مجرم سمجھا جائے گا اور مستحق سزا ہوگا۔ سچائی اچھی ہے۔ عدل حسن ہے ظلم قبیح ہے جو کچھ مستقلات عقلیہ ہیں سب میں متفق ہیں۔ اور اس لئے اگرچہ وہ کسی مذہب کے بھی پابند نہوں۔ مگر ایک قانون معاشرت رکھتے ہیں کہ اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو مستوجب سزا ہو۔ اور یہی معنی دین ہیں (الدین کل ما یجزیٰ بہ) لیکن تغیر جو واقع ہوا ہے وہ اس امر میں ہے کہ وہ اگرچہ قانون معاشرت رکھتے ہیں۔ مگر قانون الہی نہیں ہے۔ بلکہ خود ساختہ ہے۔ ورنہ اصل دین کے سب قائل و پابند ہیں یعنی قانون معاشرتی رکھتے ہیں جس پر سزا و جزا مرتب ہوتی ہے۔ اور یہ تغیر مقام تعلیم و تربیت میں واقع ہوا ہے۔ نہ خلقت اولیہ میں۔ مربیین و معلمین کی تعلیم و تربیت سے وہ اصل قانون الہی سے منکر یا اس کے تارک بھی ہو گئے ہیں۔

وضع الہی دو ہیں وضع اولیٰ اور وہ خلقت اولی و تکوین ہے اور وضع ثانوی مقام تعلیم و تربیت و تکلیف ہے پس وضع اولی جو خلقت و ترکیب عناصر ہے اس میں تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی سب بالفطرت قائل دین بلکہ وضع ثانوی مقام تربیت و تعلیم تکلیف میں تغیر واقع ہوا ہی چنانچہ حدیث شریف کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ وَ اَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ

یُمَجِّسَانِہٖ" ہر ایک بچہ فطرت الٰہی وفطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ماں باپ اسکو یہودی۔ یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں پس خلقت اولیٰ و وضع اولیٰ میں سب مساوی ہیں۔ اور تمام دین پر مخلوق ہوتے ہیں۔ اور دین اُن کی فطرت میں داخل ہے۔ وضع ثانوی میں جو مقام تربیت ہے تغیر واقع ہوتا ہے۔ کہ والدین جو مربی اول ہیں اپنی تربیت و تعلیم و عقائد باطلہ سے بچہ کو خراب کر دیتے ہیں۔ پس مقام خلقت قابل تبدیل نہیں اور خلقت خیر ہے۔ کیونکہ خدا خیر محض ہے۔ وَالْخَیْرُ لَا یَصْدُرُ عَنْہُ اِلَّا الْخَیْرُ" اس نے کسی شر کو خلق نہیں کیا۔ شر مخلوق و مجعول بالعرض ہے۔ فتدبر فیہ۔

شفاعتِ مطلقہ محض تعلیم سے حاصل نہیں ہوتی ہے

اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ شفاعت دو قسم پر ہے۔ ایک شفاعت بالاذن ہے۔ اور ایک شفاعت بالملکیت کہ شفاعت مطلقہ کلیہ ہے۔ یہ شفاعتِ مطلقہ محض تعلیم سے حاصل نہیں ہوتی ورنہ اگر ایسا ہو۔ تو تمام انبیاء علیہم السلام جو معلم قوم ہوئے ہیں۔ مالک شفاعت مطلقہ ہوتے مگر ایسا نہیں ہے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ بجز اذن خدا اس کے پاس کوئی شفاعت نہیں کرسکتا۔ مالک شفاعت صرف وہی ہے جنہوں نے عہد شفاعت لے لیا ہے۔ اور وہ جبتک اپنی شفاعت سے فارغ نہ ہوینگے دوسرونکو اذن شفاعت نہ دیا جائیگا اور وہ محمد وآل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں پس شفاعت مطلقہ کیلئے صرف تعلیم کافی نہیں۔ بلکہ تربیت بھی شامل ہے یعنی شفیع مطلق وہ ہے جو معلم بھی ہے اور مربی نوع بشر بھی ہے۔ تربیت انسانی میں شریک ہے۔ کَمَا قَالَ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ بِمَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِہٖ (یونس) بتحقیق کہ تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے زمین وآسمان کو چھ دن میں پیدا کیا ہے۔ پھر وہ اپنی تدبیر سے عرش علم تقدیری پر غالب آیا۔ وہی تدبیر امور کرنے والا ہے۔ کوئی شخص اس تدبیر میں اس کا شریک نہیں ہے۔ مگر اس کی اجازت کے بعد پس جو لوگ بعد اذن خدا پہلے سے تدبیر و تربیت میں شریک ہیں۔ وہی خدا سے عہد لے چکے۔ وہ تربیت میں شریک ہیں پس وہ معلم بھی ہیں اور مربی بھی۔ اس واسطے شرکت ملکیت رکھتے ہیں اور مالک شفاعت ہیں لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَۃَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَھْدًا" یہ مالکان شفاعت وعہد شفاعت و مربی و مدبر نفوس وہی بزرگوار ہیں۔ جو قبل خلقت زمین و آسمان موجود تھے اور ان کی خلقت ان کے سامنے واقع ہوئی ہے۔ قَالَ عَزَّ مَنْ قَائِلٍ اَفَتَتَّخِذُوْنَہٗ وَذُرِّیَّتَہٗٓ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَھُمْ

لکم عدوّ. بئس للظّلمین بدلا ما اشھدتّھم خلق السّمٰوات والارض ولا خلق انفسھم وما کنت متّخذ المضلّین عضدا " یعنے کیا تم شیطان اور اُس کی ذرّیت کو میرے سوا اولیا بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ظالمین نے یہ بہت بُرا عوض اختیار کیا ہے۔ حالانکہ میں نے نہ انکو زمین و آسمان کی خلقت کے وقت حاضر کیا اور نہ اُن کے نفسوں کی خلقت کے وقت۔ اور گمراہ کنندگان کو اپنا بازو نہیں بنانیوالا ہوں۔ اس آیت سے ثابت ہے کہ کچھ نفوس ایسے ہیں جن کو خدا نے وقتِ خلقتِ زمین و آسمان حاضر کر لیا تھا اور اُنکا وجود زمین و آسمان سے مقدم ہے۔ زمین و آسمان اور خود ان کی خلقت نفسانی اُن کے سامنے واقع ہوئی ہے اور ایسے ہی اشخاص مستحق ولایت ہیں یعنی ولی وہ ہو سکتے ہیں جن کے سامنے تمام چیزوں کی خلقت ہوئی ہو۔ ورنہ وہ ہرگز اُن میں تصرف نہیں کر سکتے آیہ مجیدہ " انّما ولیّکم اللہ ورسولہ والّذین اٰمنوا الّذین یقیمون الصّلوٰۃ ویؤتون الزّکوٰۃ وھم راکعون " صاف دال ہے کہ بعدِ خدا ولی رسولؐ خدا اور علیؑ مرتضیٰ اور اس کی صفت سے متصف اشخاص ہیں پس یہی وہ لوگ ہیں جو قبل خلقتِ زمین و آسمان موجود تھے۔ اور یہی شریک تربیت و تدبیر عالم اور فالمدبّرات امرا " میں داخل ہیں۔ اسی جہت سے بحق شفیع مالک شفاعت کلی ہیں خوش نصیب اُس کا جو تحت تربیت و تعلیم محمدی ہو کر ان کی شفاعت حاصل کر سکے۔ ورنہ تربیت سے تو کوئی خارج ہو نہیں سکتا۔ اگر تعلیم سے خارج ہوا۔ تو اُس کو اُن کی شفاعت نہ پہنچیگی اذا انقسمت الحدود فلا شفعۃ " جب حدود جدا جدا ہو گئیں۔ اور یہ بالکل اُن کی حدود سے نکل گیا پھر حق شفع نہیں۔

عوالمِ سہ گانہ

مخلوقات تین قسم کی ہیں۔ خلقِ نورانی۔ خلقِ نفسانی۔ خلقِ جسمانی۔ اول عالم عقول و ارواح ہے۔ دوم عالم نفوس۔ سوم عالم اجسام اور انسان تینوں مرحلے رکھتا ہے " خلق الازواج کلّھا ممّا تنبت الارض ومن انفسھم وممّا لا یعلمون " تمام جوڑوں کو خدا نے زمین اور اُن کے نفوس اور ایک جز سے پیدا کیا ہے جس کو وہ نہیں جانتے کیونکہ وہ فوق عالم نفوس و عالم اجسام ہے اور ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کیلئے ایک واسطہ کی ضرورت ہے۔ پس وہ واسطہ جو عالم اجسام سے عالم نفوس میں پہنچاتا ہے ملک الموت ہے۔ اور جو عالم نفوس سے عالم ارواح میں لے جاتا ہے ایک اور وجود ہے " ھل اتٰی علی الانسان حین من الدّھر لم یکن شیئا مذکورا " ضرور انسان پر ایک ایسا وقت عالم دہری میں آیا ہے کہ وہ شئے تھا مگر شئے غیر مذکور شئے معروف و مذکور نہ تھا

یہ عالم دہری برزخی ہے جسکو عالم نفوس کہا گیا ہے۔ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ الْاَرْضِ۔
اور صور پھونکا گیا۔ تو تمام موجوداتِ ارضی و سماوی بیہوش ہو گئیں۔ عالم ارواح سے متعلق ہے کیونکہ فنا اور موت کا عالم
ارواح سے تعلق نہیں ہے وہاں صرف صعق ہے۔ عالم ارواح حقیقت جودیہ محمدیہ ہے جو قبل خلقت زمین و آسمان موجود
تھی کہ ام الارواح و مرکز انوار ہے اور اسکو کوئی نہیں سمجھ سکتا سوائے اسکے جسنے فرمایا ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ
رَبَّہٗ" جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اُس نے اپنے خدا کو بھی پہچان لیا ہے۔ عالم تدبیر و مقام
تربیتِ عالم النفوس ہے اور سلسلہ نزولی میں اول جو دنیا میں آتا ہے۔ زمین سے پیدا ہوتا ہے۔ کما
قَالَ عزوجل "وَاللّٰہُ اَنْبَتَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا" خدا نے تمہیں زمین سے اُگایا ہے
اور زمین عالم اجسام سے ہے یعنی عالم ارواح سے گذر کر عالم نفوس میں داخل ہوتا ہے اور
عالم نفوس سے عالم اجسام میں اور یہاں اس کا ظہور زمین سے ہوتا ہے۔ وقت رجوع رجعت
قہقری کرتا ہے یعنی وقت موت بواسطۂ ملک الموت اس عالم اجسام عالم دنیا کو چھوڑ کر عالم
نفوس میں داخل ہوتا ہے اور پھر عالم نفوس و عالم برزخی سے بذریعۂ ولی مدبر عالم ارواح میں
داخل ہو جاتا ہے اور یہ مقام عود ہے۔ اور اسی کا نام عالم معاد ہے۔

پس مربی و مدبر وہ ہے۔ جو ان تمام عوالم پر احاطہ رکھتا ہے اور شہید خلق وہی ہے جو
ان تمام عوالم پر شہید ہے۔ اور حاضر و ناظر اور وہ نہیں ہیں۔ مگر ذریت ابراہیمؑ محمدؐ و آل محمدؐ کہ
اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ہے۔ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ
الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا
شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ" اور یہی لوگ نَذِیْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہیں۔

سلسلہ نذارت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہو کر اُن کی ذریت میں حضرت
خاتم النبیین پر منتہی ہوا۔ بعد آنحضرتؐ ذریت ابراہیمؑ کہ وارث نبوت و مالک شفاعت ہے
جناب امیر المومنین سے شروع ہوئی ہے۔ اور تمام کمالات نبوی حضرت علیؑ سے ظاہر ہوئے
قَالَ سبحانہ وتعالیٰ "اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ" اے پیغمبر ہم نے تمکو کوثر عطا کیا۔ اگر
کوثر کے معنے وصفی لیے جائیں یعنی کثرت اولاد۔ تو ظاہر ہے کہ اولاد جناب رسولؐ مقبول
جناب امیر المومنین ہی سے ہے لہٰذا اگر معنی اسمی لیے جائیں۔ اور کوثر سے خاص حوض کوثر
مراد ہو۔ تب بھی مسلم ہے کہ مالک کوثر پیغمبرؐ ہیں اور ساقیٔ کوثر جناب علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ
والسلام ہیں اور کوثر کی سبیل انہی کے ہاتھ پر جاری ہوگی۔ غرض بعد پیغمبر ذریت ابراہیمی ہیں

یہ سلسلۂ شہیدیت وملکیت شفاعت و وراثتِ نبوت وتدبیر وتربیت وبشارت نذارت اولادِ پیغمبرؐ میں ہے۔ اور اولادِ پیغمبرؐ جناب امیرؑ سے ہیں پس امامت گویا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اولادِ علیؑ میں ہے بجعل الٰہی اور ضرور ہے کہ ہر زمانہ میں ایک ایسا امام موجود ہو۔ جو ذریت ابراہیمؑ وعترت رسولؐ و اولادِ علیؑ ابن ابی طالب سے ہے یہی امام ہے جس کے ساتھ حشر ہوگا "یَوْمَ نَدْعُوا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ"۔ اور اسی سلسلہ طیبہ سے ہے امام زمانہ جس کی معرفت اہل زمانہ پر واجب ہے اور حدیث میں آیا ہے "مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ مَاتَ مِيتَةً الْجَاهِلِيَّةِ"۔ جو اپنے امام وقت وامام عصر کو نہ پہچانے وہ جاہلیت کی موت کافر ومشرک ومنافق مریگا۔

امام حق و امام باطل

ایک ائمہ وہ ہیں جو لوگوں کو جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ "وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ" اور ایک ائمہ ہیں جو کہ بحکم خدا لوگوں کو راہِ خدا دکھلاتے ہیں۔ "وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عَابِدِيْنَ"۔ یہ امامت منحصر ہے سلسلۂ ابراہیمیؑ میں۔ ورنہ یوں تو بنے ہوئے امام "وَمَنْ يَقْتَدِيْ بِهٖ" بہت ہیں۔

نیز یہ امامت کلیہ مخصوص ہے بنی اسمٰعیلؑ سے نہ بنی اسرائیل سے۔ اور قبل زمان حضرت پیغمبر بنی اسمٰعیلؑ میں کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی "وَمَا اٰتَيْنَاهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَدْرُسُوْنَهَا وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ نَذِيْرٍ"۔ اے پیغمبرؐ ہم نے ان میں کتب نازل نہیں کیں۔ جن کو یہ پڑھتے ہوں اور نہ تجھ سے پہلے ان میں کوئی پیغمبر بشیر ونذیر بھیجا ہے۔ حالانکہ سنتِ الٰہی ہمیشہ یہی رہی ہے "وَاِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ"۔ ہر ایک امت میں ایک پیغمبر گذرا ہے مگر بنی اسمٰعیلؑ میں پہلے سے کوئی کتاب تنزیلی نہیں آئی جس کو پڑھتے اور درس دیتے ہوں البتہ کتاب وجودی ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ "وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ" اور یہ صرف تعظیم خاتم النبیین اور اس وجہ سے تھا۔ کہ اگر ان میں کتاب تنزیلی آئی ہوتی اور اُس کو پڑھتے اور درس دیتے ہوتے۔ تو لوگ پیغمبرؐ کے حق میں کہتے کہ اس نے انہی کتب سے لکھ پڑھکر یہ قرآن جمع کرلیا ہے۔ فقال عزوجل "مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ. بَلْ هُوَ اٰيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا

الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَا اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ" یہ کتاب ہمیشہ سینہ بسینہ آئی ہے۔ اُسکا وجود
کے ساتھ ہی ہے اور بعد پیغمبرؐ ذریت پیغمبرؐ میں کتاب موجود ہے اور وہ ہی امام ہیں جنکا وجود
ہر زمانہ میں ضروری ہے وہ قبل خلقت زمین و آسمان موجود تھے اور مخلوق کے ساتھ ہمیشہ
موجود ہیں اور بعد فناء خلق بھی موجود رہینگے۔ کیونکہ انہی کے ساتھ حشر ہوگا۔ اسی واسطے حجۃ اللہ
کی تعریف میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے۔" اَلْحُجَّةُ قَبْلَ الْخَلْقِ مَعَ الْخَلْقِ بَعْدَ الْخَلْقِ" حجت
اللہ وہ ہے جو مخلوق سے پہلے بھی رہا ہو۔ ساتھ بھی رہے۔ اور بعد میں بھی موجود رہے جس نے
اس امام کو پہچان لیا۔ اور اُن کے قول پر عامل ہوا اس کیلئے حق شفاعت ثابت ہوگیا اور
جو اُنسے خارج و جدا ہے شفاعت سے خارج ہے۔" فَاِنَّهٗ اِذَا انقسمت الحلوۃ فلا شفعۃ" ساقی
کوثر علیؑ ہے اور یہ سبیل اُس کے ہاتھ پر جاری ہوگی سلسلہ اولادِ رسولؐ اسی سے ہے اور تمام
فیوض نبویؐ اس کے ہاتھ پر جاری ہوئے ہیں اور باب علم نبوی وہ ہی ہے اور فیض علم اسی سے
جاری ہے۔ قَالَ" اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا" وَقَالَ سُبْحَانَهٗ" وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ
اَبْوَابِهَا۔" گھروں میں اُن کے دروازوں سے داخل ہو۔ ان ابواب سے کون سے ابواب مراد
ہیں؟ کیا یہی لوگوں کے گھروں کے دروازے مقصود ہیں اور ان کی بابت خدا حکم دیتا ہے
کہ دروازوں سے داخل ہوا کرو۔ اگر ایسا ہے تو یہ حکم محض فضول۔ کیونکہ کوئی احمق بھی ایسا تو
نہیں کرتا ہے کہ اپنے گھروں میں دیوار پھاند کر داخل ہوتا ہو۔ بلکہ سب دروازوں ہی سے
داخل ہوتے ہیں اور دروازے اسی واسطے بنائے جاتے ہیں پس ان ابواب سے ابواب
علوم نبویؐ مراد ہیں یعنی علیؑ و اولادِ علیؑ۔ کہ جس کو شہر علم نبیؐ میں آنا اور فیوضات نبوی سے مستفیض
ہونا ہو۔ تو وہ ان ابواب علوم کے پاس آئے اور اُن سے علم حاصل کرے۔ کیونکہ فیض نبیؐ ان ہی
کے ہاتھ سے جاری ہوتا ہے۔ ساقی کوثر یہ ہیں۔ شافع محشر یہ ہیں اور علم نبی کے در یہ ہیں ؎

بنی است شہر علوم و علیؑ بود در او
کسی کہ خاک رہش نیست خاک بر سر او

علیؑ ساقی کوثر ہے قیامت میں اور دنیا میں مربی عالم کہ وہ آب حیات کو تقسیم کرتا ہے۔ مگر
افسوس صد افسوس اس ساقی کوثر کے بچے پر ان ایام میں کیا گذری ہے اور وہ کس حال میں
ہے۔ کمال تاسف ہے کہ غنی اور صاحب مال کو اس کے مال سے جدا اور محتاج کرتے ہیں۔ کن لوگوں
نے ایسا کیا؟ کافروں اور مشرکوں نے ایسا نہیں کیا۔ یہود و نصاریٰ نے نہیں۔ بلکہ انہی لوگوں نے

ساقیِ کوثر کے فرزند پر پانی بند کیا۔ جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اس کا باپ ساقیِ کوثر ہے اسی وجہ سے امام مظلومؑ کربلا میں بار بار یہ فرماتے اور ان ملاعین کو یاد دلاتے تھے کہ آیا مجھے جو تم پیاسا قتل کرتے ہو مجھے پہچانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں؟ میں فرزند رسولؐ اور جگر گوشۂ بتولؑ ہوں میرا باپ روز محشر ساقیِ کوثر ہے۔ جو مومنین کو آب کوثر سے سیراب کریگا۔ بابی انت وامی۔

آج ۹ محرم الحرام ہے چاہیئے کہ چند قطرے اشک بہا کر ساقیِ کوثر سے آبحیات جاودانی حاصل کریں اور مستحق آب کوثر ہوں۔ واقعہ تشنگی روز عاشورا ایک امر عجیب اور ایک سر عظیم اور قابل غور و فکر ہے چھٹی تاریخ و ساتویں شب سے خاص خاص محافظ لشکر ابن زیاد لعین کی طرف سے حفاظت نہر اور ممانعت آب کیلئے مقرر ہوئے اور چشمہ آب حیات فرزند ساقیِ کوثر پر پانی کو بند کر دیا۔ اسی شب میں تیس شخص گئے اور پانی لائے۔ ساتویں کو خیمہ گاہ میں پانی تھا۔ شب ہشتم بریر ہمدانی بائیس آدمیوں کو لیکر گئے اور حضرت عباسؑ ہمراہ تھے۔ گھاٹ پر لڑائی ہوئی۔ اور تیس مشک پانی لے آئے لیکن آج کے دن یعنی نویں تاریخ تنگی کا دن تھا۔ اور شدت تشنگی۔ کل تک تو لڑائی کا قطعی فیصلہ نہ ہوا تھا آج لڑائی کا قطعی فیصلہ ہو گیا کہ جنگ ہو گی۔ اور اسی روز تقریباً ۱۲ ہزار شامیوں کی اور مزید کمک عمر سعد لعین کو پہنچ گئی۔ اور بعض روایات کی رو سے شاید شمر ذی الجوشن ملعون بھی اسی دن آپہنچا اور ایک حکم خاص ابن زیاد کا عمر سعد کے نام لایا کہ یا سپہ سالاری سے دست بردار ہو جا یا امام حسینؑ کو قتل کر۔ مصیبت شروع ہو گئی۔ پانی بھی ختم ہو گیا۔ آخر شب بعض اصحاب نے وضو کیا۔ اور امامؑ کے مشکیزہ میں اتنا پانی تھا کہ آپ نے غسل فرمایا۔ حضرت نے اسی شب عبادت کیلئے مہلت لی شبیث بن ربعی ملعون نے کہا کہ اگر یہود و نصاریٰ اجازت طلب کرتے تو ہم دے دیتے حضرت سکینہ پر شب عاشورا سخت تشنگی غالب ہوئی۔ قریب ایک تہائی رات گذری ہو گی۔ کہ آپ خیمہ گاہ سے باہر نکل پڑیں اور خیمہ جناب عباس علیہ السلام میں تشریف لیگئیں۔ پانی نہ پایا پھر خیمۂ اصحاب میں گئیں وہاں بھی پانی نہ پایا۔ مایوس ہو کر باہر نکل آئیں۔ اور خیمہ کے دروازے پر باہر حیران کھڑی رہ گئیں۔ ایک شخص اصحاب امام میں سے جو قبیلہ بنی ازد سے تھا۔ باہر نکلا اور دریافت کیا کون ہے؟ کہا میں سکینہ بنت الحسینؑ ہوں۔ عرض کیا رات کے وقت تم یہاں کیسے آئیں اور تمہارا کیا کام ہے؟ آپ نے فرمایا پانی کی تلاش میں آئی تھی۔ اس خیمہ سے دو خیموں کے فاصلے پر ایک خیمہ تھا۔ اسمیں تمام انصار جمع تھے۔ اس گفتگو کو بریر بن خضیر ہمدانی نے سن لیا۔ باہر نکل آئے۔ دریافت کیا تم کون ہو؟ فرمایا سکینہ بنت الحسین۔ عرض کیا۔ تم کیوں

اس شب تار میں خیمہ سے باہر نکل آئیں۔ فرمایا پیاسی ہوں پانی کی تلاش میں نکلی تھی۔ عرض کیا میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں سخت گراں ہے مجھ پر کہ میں زندہ ہوں اور تم پیاسی رہو۔ خیمہ میں گئے۔ اپنی مشک اٹھالی اور اپنے قبیلے کے دو آدمی ہمراہ لئے اور نہر پر پہنچے۔ عمر بن حجاج لعین جو محافظین فرات پر افسر تھا۔ بریر کے چچازاد بھائیوں میں سے تھا۔ جب اُس نے آہٹ سُنی۔ آگے آیا۔ آواز دے کر دریافت کیا کون ہے؟ بُریر نے جواب میں کہا۔ تیرا بھائی چچا کا بیٹا۔ یہ کہکر بریر نہر میں داخل ہو گئے۔ وہ لعین بھی اپنے ہم قبیلہ کی آواز سُنکر خاموش ہو گیا۔ کہ اگر یہ پانی پی لے گا۔ تو کچھ مضائقہ نہیں (حیف صد حیف کہ اپنے کنبے قبیلہ کا ایسا خیال رکھتے تھے۔ مگر قرابت رسول کا کچھ پاس و لحاظ نہ کرتے تھے۔)

بُریر جس وقت نہر میں داخل ہوئے۔ عمر پھر آگے آیا اور کہنے لگا اگر تو اپنے واسطے پانی لیتا ہے لے۔ مگر حسینؑ کیلئے ایک قطرہ نہ دونگا بریر نے کہا وائے افسوس تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے پسر ساقی کوثر کے واسطے پانی بند کرتا ہے۔ اور مجھے اجازت دیتا ہے اور یہ کہکر اپنے دو ہمراہیوں کو حکم دیا۔ کہ اس لعین کو پکڑ لو اور آپ نے مشک پُر کر لی اور لیکر چلدئے عمر لعین نے اپنے ہمراہیوں کو آواز دی۔ محافظین نہر ہوشیار ہو گئے۔ بُریر خیمہ گاہ کی طرف چلے جاتے تھے۔ اور اُن کے ہمراہی دونوں طرف سے اُن کی حفاظت کرتے تھے۔ کہ ناگاہ محافظین نہر آپہنچے اور پیچھے سے حملہ کیا وہ شخص آزدی جو جناب سکینہ سے ہمکلام ہوا تھا۔ اُس نے جاکر جناب عباس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس واقعہ کی خبر دی کہ بُریر ہمدانی پانی کے لئے گیا تھا اور وہاں لڑائی ہو گئی۔ حضرت عباس چند اصحاب کو لے کر بریر کی مدد کو چلے اور ان کے ہمراہ بعض محافظین خیمہ گاہ بھی ہو لئے اور بریر سے جا ملے۔ عمر نے جب یہ دیکھا اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ اگرچہ رات ہے مگر بریر پر تیر برسانے شروع کر دو۔ ملاعین نے تیر بارانی شروع کی۔ ادھر بریر نے اپنے ہمراہیوں کو کہا۔ تم سب میرے اردگرد ہو جاؤ۔ تاکہ مشک تیروں سے محفوظ رہے اور پانی خیمہ تک پہنچ جائے۔ اس تیر بارانی میں سات تیر بریر کے لگے۔ مگر اُنہوں نے کچھ پروا نہ کی آخر ایک تیر ایک ازدی شخص کے دل پر لگ کر بریر کے لگا۔ لوگوں نے گمان کیا کہ یہ تیر مشک پر لگا ہے۔ بریر سے دریافت کیا کہ کیا مشک پر لگا ہے؟ بریر نے جواب میں کہا الحمد للہ کہ تیر مشک پر نہیں لگا۔ میری گردن پر لگا ہے تا اینکہ پانی اسی طرح سے خیمہ تک پہنچا دیا۔ در خیمہ پر پہنچکر بریر نے آواز دی اے اہل بیت نبوت و رسالت یہ پانی لو۔ لکھا ہے کہ ۲۶ یا ۲۸ بچے ہاتھوں

میں کونے لیکر دوڑے اور مشک پر گرنے لگے معلوم نہیں۔ ان بچوں کی تشنگی میں مشیت ایزدی کیا تھی کہ کسی بچہ کا ہاتھ مشک کے تسمہ پر لگا۔ اور تسمہ ٹوٹ کر مشک کھل گئی اور تمام پانی زمین پر بہ گیا اور وہ اطفال خورد سال مایوسانہ ایک دوسرے کا منہ تکتے ہی رہ گئے۔ جس وقت حضرت ابی الفضل عباس نے یہ واقعہ دیکھا کہ بچے شدت تشنگی سے اپنے آپ کو اس تر زمین کو گرائے دیتے ہیں۔ جہاں پانی گرا تھا بیتاب ہو گئے صبر نہ کر سکے ساقی کوثر کے فرزند تھے۔ فوراً گھوڑا طلب کیا اور چالیس اصحاب کو ہمراہ لیکر روانہ نہر فرات ہوئے۔ اور گھاٹ پر پہنچکر تیس مشکیں پانی سے بھر لیں۔ عمر بن حجاج ملعون نے پھر تیر اندازوں کو تیر برسانے کا حکم دیا اور انھوں نے حضرت عباسؑ اور ان کے ہمراہیوں پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ مگر حضرت عباسؑ پانی لے آئے اور شب عاشورا خیمہ گاہ میں پانی رہا۔ لکھا ہے کہ صبح کو اصحاب نے آخری غسل کیا۔

لیکن روز عاشورا آفتاب درجۂ ششم میزان میں تھا۔ گرمی کی شدت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ کہ قریب صبح کے دس گیارہ بجے کا وقت ہو گا کہ اطفال حسینی کی شدت تشنگی سے ایسی حالت ہو رہی تھی کہ اگر انسان بُریرا ور عمر سعد کے اور نیز حر بن یزید ریاحی کے مکالمہ کو سُنے تو دل پاش پاش ہو جائے۔

پہلے حملہ میں جب حضرت کے پچاس اصحاب درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے تو بریر عمر سعد کے پاس گئے۔ عمر نے خیال کیا شاید بریر حسینؑ کی طرف سے صلح کا پیغام لے کر آئے ہیں جب بریر خیمہ عمر سعد لعین میں داخل ہوئے تو آپ نے اس شقی ازلی کو سلام نہ کیا اور بیٹھ گئے۔ اس نے کہا کہ اے بریر کیا تم مجھے مسلمان نہیں جانتے کہ سلام نہ کیا جو طریق اسلام ہے۔ بریر اس ملعون کا یہ کلام سُنکر رونے لگے۔ اس شقی نے کہا کہ اے بریر تم روتے کیوں ہو ہمیں نے تمہیں تو کچھ نہیں کہا ہے۔ بریر نے جواب دیا کہ اے عمر میں اس لئے روتا ہوں کہ تو اپنے کو مسلمان کہتا ہے اور دعوے مسلمانی کرتا ہے اور صاحب اسلام اور رسولؐ خیر الانام کی اولاد شدت تشنگی سے بیتاب ہے اور ان کے نالہ و فریاد اور صدائے العطش سے مابین زمین و آسمان پُر ہے لیکن بریر کی نصیحت آمیز تقریر نے اس لعین پر کچھ اثر نہ کیا اور حضرت بریر واپس چلے آئے۔ پھر لڑائی شروع ہو گئی۔ اور اس عرصے میں حرؔ لشکر ابن سعد سے نکل کر حضرتؑ کی طرف آئے اور اذنِ جنگ لے کر میدان میں گئے۔ لشکر کے مقابل ہو کر کہنے لگے

"یَا قَوْمُ ثَکِلَتْکُمْ اُمَّھَاتُکُمْ"۔ اے قوم تمہاری مائیں تمہارے سوگ میں بیٹھیں۔ تم نے یہ کیا غضب کیا ہے۔ اول خطوط لکھکر اس برگزیدہ خدا کو بلایا۔ اور جب وہ آیا تو تم نے لشکر جمع کرنے شروع کر دیئے اور اس پر فوج کشی کی اور پانی تک اس پر بند کر دیا۔ حالانکہ تمام جانوران صحرا پانی پیتے ہیں اور سگ و خوک اس میں لوٹتے ہیں۔ اور اولاد رسول تشنگی سے بیتاب ہے۔ اگر تمہیں یقین نہیں آتا۔ تو میرے ہمراہ آؤ اور دیکھو کہ اطفال حسینی کا شدت تشنگی سے کیا حال ہے کہ اٹھتے ہیں اور زمین پر گر پڑتے ہیں۔ یہ حالت شدت تشنگی تو قریب صبح تھی مگر وقت ظہران بچوں کا کیا حال ہوا ہوگا اور بوقت عصر ان پر کیا گذری ہوگی اور کس طرح العطش العطش کی صدائیں بلند ہونگی۔ نہیں نہیں عصر کے وقت سب سیراب ہو گئے تھے اور ایسے سیراب تھے کہ کوئی پیاس کو یاد بھی نہ کرتا تھا۔ اور نہ العطش العطش کہتا تھا۔ ہر طرف سے یہی صدا بلند تھی یا رسول اللہ آیئے اور دیکھئے کہ آپ کا فرزند اور آپ کی گود کا پالا ریگ گرم پر خاک و خون میں غلطان بے سر پڑا ہوا ہے۔ اس وقت کوئی العطش نہ کہتا تھا۔ سب اپنا صدمہ بھول گئے تھے۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔

باسمہ سبحانہ

نوٹ

اس حصہ میں ہم چاہتے تھے۔ کہ چند مواعظ ضرور درج کریں لیکن چونکہ ایک تو طول کا خیال ہے۔ دوسرے دیر کا اور مومنین خواہشمند ہیں کہ "مواعظ حسنہ" جلد شائع ہو اور نہایت بیتابی کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں۔ اس لئے بالفعل اس حصہ میں دو چیزوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ایک تفسیر 'آیہ قدر'۔ دوسرے مجالس نور جو بے بہا جواہر اور بہت سے مواعظ نہیں بلکہ حقائق و معارف کی جان ہیں۔ یہ چار ابواب علم ہیں جن سے سینکڑوں ابواب علم منکشف ہوتے ہیں۔ "البرھان" کے اوراق میں منتشر تھے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ اب مواعظ حسنہ کی لڑی میں منسلک ہو کر محفوظ ہو جائیں۔ اور مومنین ان سے مستفیض ہوں۔

ماہ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۳۱ھ میں جبکہ سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ کوئٹہ میں موسم گرما بسر کر رہے تھے۔ جناب صاحبزادہ میر حسن دام علاہ نے جو ان اطراف کے فاضل ترین علماء اہل سنت والجماعت سے تھے۔ آیۂ مجیدۂ انا کل شیئ خلقناہ بقدر کی تفسیر سرکار موصوف سے تحریرا دریافت فرمائی۔ اور جواب عربی ہی میں طلب کیا۔

علامہ قدس سرہ العزیز نے فوراً جواب تحریر فرما کر پیغامبر کے ہاتھ ارسال فرما دیا جس کو صاحبزادے صاحب نے بہت پسند فرمایا اور بے حد متاثر ہوئے۔ بلکہ اپنے کئے پر شرمندہ ہوئے۔ وہ جواب بجنسہ حضرات اہل علم کثرہم اللہ وجودہم کی خاطر اول رسالہ البرہان

ہیں اور اب ان مواعظ کے ضمن میں پیش کیا جاتا ہے۔ باسوا حضرات خصوصاً اہل ذوق اس سے بے حد محظوظ ہونگے اور بلاشبہ اسکو ابواب علم پائیں گے۔ قضا و قدر کے اہم ترین مسائل پر نمایاں روشنی پڑے گی اور بہترین نتائج اخذ ہوں گے۔

اس جواب کے آخر میں صاحبزادہ صاحب سے بھی ایک آیت کی تفسیر کا مطالبہ کیا ہے۔ مگر تا حال خاموشی رہی۔

بعض حضرات ضرور یہ اعتراض کرینگے کہ عربی میں اس مضمون کو شائع کرنے سے کیا فائدہ۔ اس کا اردو میں ترجمہ طبع کیا جاتا جس سے عام مومنین مستفید ہوتے۔ یہ انکا اعتراض درست ہے لیکن :۔

اول۔ تو یہ عبارت ترجمہ سے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اس کی مفصل شرح کی ضرورت ہے جس کے لئے ایک علیحدہ رسالہ بلکہ کتاب چاہیئے۔

دوم۔ یہ مطالب عوام کے لئے اُردو کا لباس پہنکر بھی مفید نہیں ہوسکتے لباس تبدیل ہونے سے حقیقت تبدیل نہیں ہوسکتی۔ جو اس کے سمجھنے کے اہل ہیں وہ عربی ہی میں سمجھ سکتے ہیں۔

اسی تحریر میں چند مقامات پر سرکار علامہ کی طرف سے ×× کے نشان لگائے ہوئے ہیں۔ جن سے مراد یہ ہے کہ یہاں استدلال میں شبہ رکھا گیا ہے۔ تاکہ اہل علم اسکو دریافت کرنے کی سعی فرمائیں اور حل کریں۔

مجالسِ نور۔ وہ تین مجلسیں ہیں۔ جو آیۂ نور "اللہ نور السموات والارض" پر پٹیالہ میں جناب محترم فضائل مآب خلیفہ مولوی السید محمد ہاشم صاحب دام ظلہ کے دولتکدہ پر سرکار موصوف نے بتقریب میلاد حضرت سرور کائنات مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۷-۱۸-۱۹- ربیع الاول ۱۳۳۳ھ کو بیان فرمائی تھیں اور جنکو جناب فضیلت انتساب [illegible] ی شیخ نبی بخش صاحب پٹیالوی فی الحال مشہدی زید فضلہ نے ترتیب دیا تھا۔ یہ مجالس عجیب و غریب مطالب عالیہ پر مشتمل ہیں اور بے نظیر نکات قرآنی ان میں بیان کئے گئے ہیں۔ صاحبان ذوق بیسیوں مرتبہ ان کو پڑھ چکے ہیں اور سیر نہیں ہوتے ناظرین پڑھینگے اور لطف اٹھائینگے یہ مجالس برمحل نوٹ کئے بغیر بعد اختتام مکان پر مرتب کی گئی ہیں۔ اس لئے وہ تمام باتیں جو بیان کی تھیں حیطۂ ضبط و تحریر میں نہیں آسکی ہیں۔ کیونکہ سننے کے وقت انسان محو

حیرت ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات حالت وجد طاری ہو جاتی ہے اور اس لئے بعد میں سینکڑوں باتیں فراموش ہو جاتی ہیں۔ ترتیب بھی بدل جاتی ہے۔ تحریر و اسلوب میں بھی فرق آجاتا ہے۔ پھر اردو میں وہ زور عبارت بھی باقی نہیں رہتا جو اصل فارسی میں ہوتا ہے اور یہ زبان ابھی مطالب علمیہ کے احاطہ سے ایک حد تک قاصر بھی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ترتیب و ترکیب کا خاص اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ شیئت شے صورت پر ہے نہ مادے پر۔ تاہم مولوی صاحب نے اصل ترتیب کو باقی رکھنے کی بہت کوشش کی ہے۔ صرف بعض جگہ بضرورت بعض مطالب میں کمی بیشی ہوئی ہے لیکن بمفوائے ؎

دانہ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہمکو

ناظرین اسی ترتیب میں اصل حقیقت کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ اور گھر بیٹھے ان مجالس کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے خطبہ کے بعض الفاظ بھی حتی الامکان محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ مومنین ان جواہرات کو دیکھکر مسرور ہوں۔

ہمارے بعض احباب کی دلی خواہش تھی بلکہ بار بار تاکید کہ میں نئے سرے سے ان مجالس کو ترتیب دوں میں نے کچھ وعدہ بھی کر لیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ کم فرصتی اور علالت طبع نے اس کا موقع نہ دیا حقیقۃً معذوری رہی اور اس لئے امید ہے کہ وہ حضرات ضرور معاف کریں گے۔ یہ مجالس پہلے رسالہ البرہان میں شائع ہوئی تھیں۔ دوبارہ بعد نظر ثانی اس مجموعہ میں اور اب تیسری مرتبہ اس طبع ثالث میں شائع ہو رہی ہیں۔ اور ان کا لطف اسی طرح تازہ ہو المسک ما کررتہ یتضوع لیکن ان مجالس کے اندراج سے پہلے وہ تحریر سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ جو جناب موصوف نے ایک عالم اہلسنت کے جواب میں کوئٹہ میں تحریر فرمائی تھی اہل علم کی ضیافت طبع کیلئے اسکو بجنسہٖ اصل عربی میں نقل کیا جاتا ہے۔ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

والسلام خیر ختام

السید محمد سبطین عفی عنہ

(السرسوی۔ المراد آبادی)

ھوالکافی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ خیر الاسماء الحسنیٰ ولہ الحمد فی الاخرۃ والاولیٰ وسلام
علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ولاسیما سیدھم محمد ن المصطفیٰ والہ وعترتہ
الذین ھم صدور ایوان الاصطفاء وبعد سئلت ایھا العالم الجلیل
والفاضل النبیل اعنی الصاحبزادہ میرحسن دام علاہ من ایۃ من
کلام اللہ الملک الجلیل الواردۃ فی التنزیل اعوذ باللہ السمیع العلیم من
الشیطان الرجیم، انا کل شیئ خلقناہ بقدر۔ فکتبت ما وقفت من
وجوہ التفسیر والتحویل مما اخذتہ وتلقیتہ من مھابط الوحی ومعاون
التنزیل ومعالم التاویل وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

اِنّا اصلہ اننا لکن النون حذفت لکثرۃ النونات والمحذوفۃ النون
الثانیۃ من اِنّ لانھا التی تحذف فی مواضع من القران منھا قولہ تعالےٰ
"وان کل لما جمیع لدینا محضرون" وقد جاء علی الاصل کما فی قولہ تعالیٰ
"اننی معکما" والضمیر المتکلم اسمہ وفی موضع النصب **کل** یجوز فیہ الرفع
وان کانت اجمعا وظاھر القرأۃ علی النصب وذلک انہ من مواضع الابتداء
فھو کقولھم زید ضربتہ والجملۃ وقعت فی الاصل خبرا عن المبتداء فکانہ قال
نحن کل شیئ خلقناہ بقدر۔ ثم دخلت ان فنصب الاسم وبقی الخبر علی
ترکیبہ ویجوز النصب لان تقدیرہ انا خلقنا کل شیئ والفعل منتظر بعد انا
فلما دل علیہ فعل بعدہ حسن اضمارہ وعلی ھذا یکون الفعل خبران وفیہ
ان الاصل فی خبر المبتداء ان یکون اسما لا فعلا جزء منفردا وخبران واخواتھا
کاخبار المبتداء فالاول ھو الاقوی والمعنی علی کلا الوجھین فمتقاربۃ و

واعراب الباقی لایحتاج الی التوضیح.

والقدر بالسکون والتحرک المصدر من قولهم قدر یقدر قدرًا وقدَرًا وهما لغتان وفی کتاب الله "فسالت اودیة بقدرها وقدرها" و"علی الموسع قدره وقدره" و"ما قدروا الله حق قدره وقدره".

ومعنی القدر وقت المقدر للشیٔ والمکان المقدر له وهو قوله تعالی "انا انزلناه فی لیلة القدر" "والی قدر معلوم" "فسالت اودیة بقدرها" واذا نسب الی الله تعالی فهو مقابل للقضاء وما سبق علیه القضاء وهو قوله تعالی "فقضاهن سبع سموات" الی قوله تعالی "ذلک تقدیر العزیز العلیم".

ومجملا القدر قدران قدر علمی عزمی وقدر حتمی فعلی فالاول عبارة عن وجود الاشیاء مقدرة مصورة بتشخصیاتها وجزئیاتها فی لوح المحو والاثبات. والثانی فهو عبارة عن وجودها فی موادها الخارجیة مفصلة واحدا بعد واحد مرهونة باوقاتها وازمنتها موقوفة علی موادها واستعداداتها مسلسلة من غیر انقطاع کما قال تعالی "وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها" وقال تعالی "وما ننزله الا بقدر معلوم" واشار الی القدر العلمی بقوله تعالی "وکل شیٔ عنده بمقدار" "انا کل شیٔ خلقناه بقدر" واشار الی ان هذا القدر القدر العلمی بقوله تعالی بعده "وما امرنا الا واحدة کلمح بالبصر" والحاصل ان هذه المسئلة راجعة الی مسئلة علم الله تعالی بالاشیاء قبل ایجادها ووجودها فی عالم القضاء والقدر وملخصه ان القضاء عبارة عن وجود جمیع الموجودات بحقائقها الکلیة وصورها العقلیة فی العالم العقلی مرتبطة بالحق الاول موجودة فی صقع الهیة لا ینبغی عدها من جملة العالم ویدل علیه کلمة "عند" فی قوله تعالی "وان من شیٔ الا عندنا خزائنه" فالعالم کلها جوده ورحمته کما قال الله تعالی "ورحمتی وسعت کل شیٔ" وخزائن جوده ورحمته یجب ان تکون قبل الجود والرحمة فلئن کانت تلک الخزائن من جملة جوده ای من مخلوقاته فلابد لها ایضا خزائن سابقة علیها فظهر ان خزائن الله لیست من جملة المصنوعات بل هی سرادقات نوریة ولمعات جمالیة وجلالیة وهو ایضا

عزمی وحتمی. والاول. قوله تعالیٰ "وقضی ربك الاتعبدوا الا ایاه". والثانی قوله تعالیٰ "کان علی ربک حتماً مقضیا" وبین القضاء والقدر عموم وخصوص من وجه فصورة الاجتماع الایة المتقدمة "فقضٰهن سبع سموات الی قوله تعالیٰ ذالك تقدیر العزیز العلیم". واحدی صورة الافتراق قوله تعالیٰ "وماننزله الابقدر معلوم" وفیه اشارة الی المرتبة الاخیرة من التنزل فالمتنزل هو القدر الفعلی الخارجی لکونه اخر المتنزلات والقدر المعلوم هو القدر العلمی وهو سبب للقدر الخارجی کما دلت علیه باء السببیة فاذن اخیرة المراتب هی القدر المتمحض الذی هو لیس بقضاء اصلا لکونه التفصیل المحض الذی لاتفصیل فی الوجود بعده وهو وجود المکونات الزمانیة الحادثة فی ازمنتها علی التدریج والتعاقب والتقضی والتجدد علی حسب الاستعدادات التدریجیة المتعاقبة الحصول فی امتداد الزمان من تلقاء الاسباب المترتبة المتادیة الیها. واخری صورتی الافتراق المرتبة القصوی الوجودیة من القضاء الالهی بحسب التقرر فی حاق الاعیان یعنی وجود الاشیاء بنحو الجمعیة والبساطة فی القلم الاعلی وهی القضاء المحض الوجودی الذی لیس بقدر بالنسبة الی قضاء وجودی قبله والیه اشار بقوله تعالیٰ "وقضی ربك الاتعبدوا الا ایاه" اذ لو کان لهذا القضاء الالهی فی القلم الاعلی قدر ای تقدیر فلا یمکن للعباد فی المرتبة الاخیرة من السلسلة النزولیة الزمانیة التخلف عن العبادة لان عبادة الله لیست بمنسوخة هذا والمقام من مزال الاقدام ولا یسعنا الکلام بازید مما قلنا فیه فلنرجع الی المرام وبالجملة قد حقق فی محله ان قدر وقدر بمعنی و یدل علیه اللغة وقرأت القراء فی قوله تعالیٰ "نحن قدرنا بینکم الموت" و قوله تعالیٰ "وقدرنا فنعم القادرون" مخففا ومشددا وقال ابوالعلی الجبائی فی الکریمة الاولیٰ قدرنا وقدرنا بمعنی و یدل علیه قوله "ومفرهة عنس قدرت لساقها"

والمعنی قدرت ضربی لساقها بعد اللتیا واللتی فالقدر والتقدیر

هو كسبة الاشياء على وجه مخصوص وصور مخصوصة. فمعنى قوله تعالى
انا كل شيئ خلقناه بقدر اى خلقنا كل شيئ خلقناه او نحن كل شيئ خلقنا
سواء كان فى القدر العلمى او القدر الفعلى خلقناه مقدرا بمقدار يوجبه
الحكمة. لم نخلقه جزافا ولا لعبا وتقدير الله الاشياء على وجهين.

الاول. بجعلها على مقدار ما تدعوا اليه الحكمة
وايجادها حسب ما اقتضاها اما كاملا وبالفعل كالعوالم العلوية
واليه اشار بقوله تعالى فى الكريمة المتقدمة" فقضٰهن سبع سمٰوٰت
واوحى فى كل سماء امرها وزينا السماء الدنيا بمصابيح وحفظا ذالك
تقدير العزيز العليم" وايضا قال تعالى" والقمر قدرناه منازل" وايضا
قال تعالى" والشمس تجرى لمستقر لها ذالك تقدير العزيز العليم"
او باصول مخصوصة وكما لها بالقوة ولا يتاتى منها غير ما قدره فيها
كالمولدات التناسلية كما فى قوله تعالى" خلق الارض فى يومين وقدر
فيها اقواتها" وايضا قوله تعالى" من نطفة خلقه فقدره"

والثانى باعطاء القدرة بعد خلقها ليصح صدور الفعل اختيارا
لا قسرا واليه اشار بقوله تعالى" الم نخلقكم من ماء مهين فجعلناه فى
قرار مكين الى قدر معلوم فقدرنا فنعم القادرون" وعليه يدل ايضا
قوله تعالى" كلا نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربك وما كان عطاء ربك
محظورا" وهٰذه الاية تنادى بان افعال العباد صادرة عنهم اختيارا
لا قسرا كما زعمه مجوس هذه الامة يعنى القدرية فانهم يقولون ان
الشرورات من الكفر والمعاصى صدرت بالقدر الخلقى الحتمى من
الله تعالى والعباد مقهورون على فعلها قاتلهم الله انى يوفكون كانهم لم
يسمعوا الله عز وجل يقول" ما ترىٰ فى خلق الرحمان من تفاوت" اى اختلاف
وتناقض من طريق الحكمة بل ترى افعاله كلها سواء فى الحكمة وان كانت
متقاربة فى الصور والهيأت يعنى فى خلق الاشياء على العموم والاية تدل
دلالة تصريحية على ان الكفر والمعاصى والشرورات لا تكون من خلق الله

لکثرة التفاوت فی ذلك علی خلاف الحکمة کما لا یخفی علی اولی الالباب الذین یقولون "ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هدیتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب"۔ هذه عضة من الکثیر وقطرة من الغدیر مما حضر عندی من التعبیر والتفسیر نمقتها فی قلة المجال و تشتت البال وها انا اسئل جنابك عن قوله تعالیٰ "وقل اعملوا فسیری الله عملکم ورسوله والمومنون وستردون الی عالم الغیب والشهادة فینبئکم بما کنتم تعملون" والتمس منك الجواب عما فیه وله وبه وعلیه بفصل الخطاب۔ والحمد لله اولاً واخراً والیه المرجع والمآب۔

حرره الاحقر الجانی عبد العلی الهروی الطهرانی فی یوم الثانی والعشرین من ذی الحجة الحرام سنة ۱۳۳۱ھ

مجلسِ اوّل

متعلق آیہ نور

الحمد للہ بادی البریات داحی الارضین المدحیات رافع السموات المسموکات مرسی الجبال الراسیات الشامخات مدھر الدھور ومقدر الازمان والاوقات منشی الاماکن والجہات مصور الخلائق ذوی الاوصاف المختلفات والالوان واللغات مدبر الافلاک وموکل الاملاک وخالق النفوس المدبرات المقسمات محی لعظام البالیات الفانیات الفاسدات جاعل النور والظلمات الذی توحد فی ازلیتہ اللاھوتیۃ وتفرد فی ابدیتہ الجبروتیۃ فلا تبلیہ اللیالی والایام ولا یغیرہ الضیاء والظلام ولا تنالہ الظنون والاوھام بعد فارتفع فی السموات العلی قرب ودلی فشھد النجوی العقل قطرۃ من بحار ملکوتہ والنفس شعلۃ من شعلات انوار جبروتہ یعلم عجیج الوحوش فی الفلوات وطنین الطیور فی الوکرات واختلاف الحیتان فی البحار الغامرات وتلاطم الماء بالریاح العاصفات ومعاصی العباد فی الخلوات فلا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان اللہ عما یشرکون والصلوٰۃ الدائمۃ الباقیۃ علی عینہ الباصرۃ واذنہ الواعیۃ ویدہ الباسطۃ ولسانہ الناطق ووجھہ الباقی. نور الارواح وروح الاشباح ام الامکان وابی الاکوان عین اعیان المکونات افضل نتائج الاٰباء والامھات. محمد المحمود عند اھل الارضین والسموات وعلی الہ المنتجبین المھدیین المھتدین الذین جرت بھم علی الخلق جمیع النعمات وبھدایتھم یھتدی الی مناھج الصدق والسعادات و بشفاعتھم یشفی غلیل صدور اھل الجرائم والسیئات واللعنۃ الدائمۃ

علیٰ اعدائھم الیٰ قیام الساعۃ بکل لغات. قال عز وجل اعوذ باللہ السمیع البصیر من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ

تعریف و توصیف دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک وہ ہے جو ہم بیان کر سکتے ہیں اور ایک وہ ہے جو ہمارے حیطۂ امکان سے باہر ہے ہم نہیں بیان کر سکتے۔ قال عز وجل قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِہٖ مَدَدًا۔

تقسیم حرکت و ثبوت قوت برقیہ در اجسام و ثبوت

بہرحال یہ امر مشاہدات اور تجربات سے ہے کہ جسقدر مخلوقات سب میں ایک طرح کی حرکت پائی جاتی ہے جمادات، نباتات، حیوانات، انسان، آفتاب، ماہتاب وغیرہ سب میں ایک طبعی اور فطری حرکت موجود ہے۔

حرکت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک طبعی اور فطری۔ دوسری قسری اور جبری اور حرکت طبعی ہر شے کی مائل بہ ترقی ہے۔ مائل بہ تنزل نہیں ہے پتھر ہے کہ ترقی کر کے زمین سے کئی کئی ہزار فٹ بلند ہو جاتا ہے!!! اشجار ہیں کہ سو سو گز اونچے چلے جاتے ہیں دیگر نباتات ہیں کہ اپنی حیثیت کے موافق زمین سے اونچی ہو جاتی ہیں۔ اور یہ امر بھی مسلم و مشاہد ہے کہ اجسام میں حرکت بسبب ایک حرارت کے ہوتی ہے۔ اور جب جسم میں سے حرارت نکل جاتی ہے تو اس جسم کی حرکت بھی بند ہو جاتی ہے۔ آجکل کے سائنسدان اس کو الیکٹری سٹی اور برق کہتے ہیں۔

ہر صاحب زبان اور علم کے نزدیک اس زبان اور علم کی خاص خاص اصطلاحیں مقرر ہوتی ہیں کہ جب وہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے وہی شے سمجھی جاتی ہے مثلاً اہل ہند کے نزدیک پانی ایک لفظ ہے۔ اسی کو اہل عرب ماء اور اہل فارس (آب) اور انگریزی میں واٹر اور ترکی میں سُو کہتے ہیں پس ان مختلف زبانوں میں اس کے مختلف نام ہونے سے اس کی حقیقت میں فرق نہیں آ جاتا۔ اس کی حقیقت واقعیہ اپنی اصلی حالت پہ باقی رہتی ہے۔ صرف اس کے وجود مکتوبی اور ملفوظی میں اختلاف ہوتا ہے۔

چنانچہ اسی الیکٹری سٹی کو عربی زبان میں برق کہتے ہیں۔ اور قرآن مجید و فرقان حمید

میں اس کی حقیقت واقعیہ کو نور کہا گیا ہے۔ اور اصطلاح میں اس کو ملکوت فرمایا ہے۔ فقال عزوجل: اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓئُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ وَقَالَ: بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ۔

پس اجسام و اجرام کو حرکت و نشو و نما دینے والی کیا شئے ہے؟ یہی نور اور ملکوت ہے جس کو برق کہتے ہیں۔ اور یہ امر مسلمات اور مشاہدات سے ہے کہ ہر شے کی حرکت طبعی اس کے اپنے مرکز اور مجمع کی طرف ہوتی ہے۔ اور یہ حرکت طبعی کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ جب اس کے ہمراہ حرکت قسری بھی شریک ہو جائے۔ اسی پتھر کو ایک پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو کر ایک انسان سینکڑوں گز اوپر پھینک سکتا ہے۔ حالانکہ وہاں پر پتھر نے اپنی طبعی حالت کو ختم کر لیا ہے۔

اور یہ بات بھی مسلمات اور بدیہیات سے ہے کہ جس شے میں قوت برقیہ اپنے ماتحت اجسام اجرام سے زیادہ ہوگی۔ وہ شے اپنے ماتحتوں کا مرکز اور مجمع ہوگی! اور چونکہ انسان مجموعہ ہے جمادات، نباتات اور حیوانات کا۔ اسلئے انسان میں ان تمام انواع مخلوقات سے قوت برقیہ زیادہ ہے۔ اور چونکہ قوت برقیہ ہی پہلا ہی تجاذب اور تدافع کا یعنی جسقدر جس شے میں قوت برقیہ زیادہ ہوگی اسیقدر اور انداز سے اسمیں قوت جذب اور قوت دفع بھی دوسروں سے زیادہ ہوگی پس اس قوت جذب اور قوت دفع کی جہت سے وہ شے اپنے جمیع انواع تحتانیہ کی مسخر اور حاکم مجمع اور مرکز ہوگی پس چونکہ انسان میں بہ نسبت جمادات نباتات اور حیوانات کے قوت برقیہ زیادہ ہے اسلئے انسان ان تمام جمادات، نباتات اور حیوانات کا مجمع اور مرکز ہے اور چونکہ جمادات، نباتات، حیوانات اور خود انسان کی حرکت بھی عالم علوی کی جانب ہے۔ جہاں کہ ان تمام انواع موجودات کا مجمع اور مرکز ہے۔ اور جمادات، نباتات اور حیوانات کی ترقی طولانی عالم علوی تک نہیں پہنچ سکتی۔ کیونکہ یہ سب براہ راست بلاوسیلہ نور الانوار سید الاہور والاعصار تک ترقی کر کے نہیں پہنچ سکتے۔ اسلئے انکی ترقی عرضی ہوگی نہ طولانی اور وہ بھی اسقدر ہوگی کہ یہ سب اپنے مرکز اور مجمع تک یعنی انسان ہی تک پہنچ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ پتھر عرضی ترقی کرتے کرتے۔ یاقوت اور زمرد والماس ہو جاتا ہے کہ اپنے آپکو اسدرجہ تک پہنچا کر انسان تک پہنچا دے جو اسکا مجمع اور مرکز ہے پس جب پتھر عرضی حرکت کرتے کرتے سونا ہو جاتا ہے تو انسان خود بخود اسکو اپنے پاس کھینچ لاتا ہے اور اسکو اشرفی بنا کر اپنے کیسے میں رکھتا ہے۔ یا زیور بنا کر اپنے جسم پر

ٹکاتا ہے۔ اسیطرح اشجار ترقی کرتے کرتے ایک نہایت خوشگوار میوے کی شکل اختیار کرتے ہیں پس انسان انکو اپنے جسم کی غذا بناتا ہے پس وہ اس ترکیب سے اپنے مجمع اور مرکز تک پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ اس امر کی طرف خداوند عالم اشارہ فرماتا ہے "وخلق لکم ما فی الارض جمیعاً"۔ اے بنی نوع انسان ہم نے جو کچھ زمین میں از قسم جمادات۔ نباتات اور حیوانات خلق کئے ہیں سب تمہارے فائدے کی خاطر ہیں۔ ان تمام انواع مخلوقات کا مرکز اور مجمع تمکو بنایا ہے"۔

الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وآلہ الطاہرین۔

تقسیم نوع انسانی بلحاظِ قوت برقیہ

لیکن انسان اور انسان میں فرق ہے۔ تمام بنی نوع یکسان نہیں ہیں۔ ایک انسان تو وہ ہیں کہ انکو آگ تک سلگانی نہیں آتی۔ اور ایک وہ ہیں کہ دوسری چیزوں سے قوت برقیہ لیکر اپنے استعمال میں لاتے ہیں یعنی کچھ اس طرح کے آلات اور ادوات بنالئے ہیں۔ کہ ان کے ذریعہ اور واسطے سے ایک جسم کی قوت برقیہ لیکر دوسرے جسم میں داخل کردیتے ہیں۔ اور بیمار اور کمزوروں کو تندرست اور قوی بنا دیتے ہیں اور ایک وہ ہیں کہ ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ قوت برقیہ ہوتی کیا ہے! فقال عزوجل "انظر کیف فضلنا بعضھم علی بعض"۔ دیکھو ہم نے کس طرح ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اور ایک وہ انسان بھی ہیں کہ بغیر آلات و ادوات کے قوت برقیہ اجسام میں داخل کردیتے ہیں اور اس سے کام لیتے ہیں اور وہ انبیاء اور اوصیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ کہ بغیر کسی دوسرے جسم سے قوت برقیہ لئے ہوئے خود اپنے پاس سے دوسرے اجسام و اجرام میں ساری اور جاری کردیتے ہیں چنانچہ جناب عیسیٰ مُردوں پر اپنا دست مسیحائی رکھکر قم باذن اللہ فرماتے پس وہ زندہ ہوجاتے تھے اور بہت سے مادر زاد اندھوں کو کہ جن میں قوت برقیہ باصرہ بالکل ہوتی ہی نہ تھی۔ اپنا نورانی ہاتھ پھیر کر انکو قوت برقیہ عطا کردیتے تھے۔ پس وہ بصیر اور بینندہ ہوجاتے تھے پس انبیاء و اوصیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قوت برقیہ یقیناً تمام نوع انسان کی قوت برقیہ سے زیادہ ہے کہ وہ اپنے پاس سے دوسروں کو قوت برقیہ عطا کرتے ہیں۔ اس لئے بنی نوع بشر کا مجمع۔ خزانہ اور مرکز انبیاء اور اوصیاء علیہم السلام ہیں پس بنی آدم حرکت کرتے کرتے اپنے نبی اور امام تک پہنچ سکتا ہے

کیونکہ بنی نوع انسان کا مجمع۔ خزانہ اور مرکز انبیاء اور اُن کے اوصیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔
اسی طرح نبی اور نبی رسول اور رسول میں بھی فرق ہے بعض نبی اور رسول ایسے ہیں کہ
ان کی نورانیت بہ نسبت دوسرے انبیاؑ و مرسلین کے زیادہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔
"تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجات"
پس جس نبی کی نورانیت کل انبیاء و مرسلین سے زیادہ اور بڑھی ہوئی ہوگی۔ وہی نبی سب کی
حرکت اور ترقی کی غایت اور منتہا ہوگا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور یہ نورانیت و قوت برقیہ صرف

ثبوت قوت برقیہ در اجرام سماوی

عالم سفلی ارضی ہی کے اجسام و موجودات میں منحصر نہیں ہے۔ عالم علوی کے اجرام و ہیاکل میں بھی موجود ہے۔ بلکہ عالم علوی کی موجودات میں یہ قوت برقیہ و ملکوتیہ عالم سفلی کے اجسام سے
بہت زیادہ ہے۔ ایک آفتاب میں اس قدر نورانیت اور قوت برقیہ ہے کہ تمام عالم سفلی
کو اس سے نور اور برق حاصل ہوتی ہے چنانچہ اسی نور اور برقیت کی وجہ سے اس میں قوت
جذب و دفع بھی سب سے زیادہ ہے۔ اسی واسطے حسب تحقیق حکماء اتنی بڑی زمین کو آفتاب اپنی
قوت برقیہ نورانیہ کے ذریعہ سے حرکت دے رہا ہے۔

بہرحال جس طرح عالم سفلی کی موجودات بباعث اس قوت برقیہ کے جو ان میں موجود ہے
سب کی سب عالم علوی کی طرف حرکت کر رہی ہیں۔ اسی طرح سے موجودات عالم علوی بھی
علو کی طرف جہاں انکا مرکز ہے اور مجمع ہے حرکت کرتی ہوئی جا رہی ہیں۔

توضیح اصلیت قوت برقیہ

وہ قوت برقیہ جو تمام قوائے برقیہ نورانیہ کا خزانہ مجمع اور مرکز ہے کیا شے ہے جس کی طرف کل عالم سفلی اور علوی کی موجودات
حرکت کرتی ہوئی جا رہی ہیں؟ پس وہی مبدء نور ہے۔ جو ارشاد فرماتا ہے "اللہ نور السموات
والارض"۔ اللہ ہے روشن کرنے والا اور قوت برقیہ دینے والا آسمانوں اور زمینوں کو۔ پس
تمام موجودات ارضی و سماوی ترقی کر کے اللہ کی طرف جانا چاہتی ہیں۔
کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ مجموعہ ممکنات حرکت کرتے کرتے ذات واجب الوجود سے
جا ملیگا؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ محال ہے کہ ممکن کی رسائی ذات واجب الوجود تک ہو سکے۔ کیونکہ
وہ منتہائے تجرد میں ہے۔ اور یہ منتہائے ترکیب میں۔ وہ قدیم ہے اور یہ حادث پس دونوں آپس
میں متضاد ہیں۔ انکا اجتماع محال در محال۔ اب یہ سوال پیدا ہوگا۔ کہ پھر آخر یہ ممکنات حرکت کرتے

ہوئے کہاں پہنچینگے ؟ پس اس امر کے سمجھنے کیلئے آپ سلسلہ نزولی مخلوقات کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ مجموعۂ ممکنات ترقی کرتے کرتے سلسلہ صعودی میں کہاں تک پہنچ سکتا ہے یہ مجموعہ ممکنات وہیں تک پہنچ سکتا ہے۔ جہاں اس کا مرکز اور مجمع ہے۔ اس سے ایک بال برابر حرکت کرکے اوپر نہیں جا سکتا مجمع ممکنات سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ اسی واسطے جبرئیل امین جیسا جلیل القدر ملک مقرب فرماتا ہے۔ لو دنوت انملۃ لاحترقت ؎

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

عنقریب سدرۃ المنتہیٰ کا بیان آئے گا۔ ممکنات کا سلسلہ نزولی یہ ہے کہ سب سے پہلے خلاق عوالم نے ایک نور خلق فرمایا ہے۔ جو تمام انوار کا مصدر۔ مجمع۔ خزانہ اور مرکز ہوا۔ اسی نور سے تمام اشیاء ممکنہ کو نورانیت اور قوت برقیہ عطا ہوئی ہے۔ اس طرح سے کہ پھر اس نور سے ایک طین خلق فرمائی۔ اور اس طین سے متعدد اقسام کی طینتیں خلق فرمائیں۔ اور ہر طین سے انواع اقسام کے اجسام و اجرام خلق فرمائے۔ اور جب ان اجسام و اجرام اور ہیاکل و صور کے قوالب بنکر تیار ہو گئے۔ تو پھر ان میں اسی نور اول کی شعاعوں کو جاری و ساری فرمایا جس طرح سے ایک شہر میں پہلے خزانہ برقیہ بنایا جاتا ہے۔ بعد ازاں ہر کوچہ و بازار میں انواع و اقسام کے گلوب اور فانوس لگائے جاتے ہیں پس جب سب بنکر تیار ہو جاتے ہیں تو ایک مرتبہ اس خزانہ برقیہ سے بقدر ضرورت برق چھوڑتے ہیں پس تمام فانوس اور سارے گلوب جو بنائے گئے ہیں ایک دم سے روشن ہو جاتے ہیں +

پس اسی طرح سے بلاتشبیہ تمام عوالم خلوق علوی و سفلی کے قوالب جسمیہ اور ہیاکل نوعیہ میں بقدر ضرورت خلاق عوالم نے اس خزانۂ برقیہ نورانیہ سے شعاعیں داخل فرمائیں پس تمام عوالم علوی و سفلی حرکت میں آئے اور روشن ہو گئے۔ فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ "مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ"

یعنی مثال اللہ کے نور کی (جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک کی اصل حقیقت ہے) مثل اس مشکوٰۃ کے ہے جس میں مصباح ہے اور وہ مصباح ایسے شیشے کے اندر ہے جو کوکب دری کی طرح روشن اور منور ہے۔ جو شجرہ مبارکہ زیتونیہ سے روشن کیا جاتا ہے۔ وہ شجرہ

مبارک کہ جو نہ شرقی ہے نہ غربی ہے بلکہ لامکانی لاہوتی ہے جس کا روغن بغیر جلائے کے روشنی دیتا ہی پس محبوب کا جسم بھی نورانی ہے۔ اور روح بھی نور ہے پس وہ محبوب نور علی نور ہے۔ اللھم صل علی محمد وال محمد۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے "اول ماخلق اللہ نوری ففتق نوری فخلق منہ السمٰوات والارضین وانا واللہ اجل من السمٰوات والارضین"

عن انس بن مالک قال بینا رسول اللہ صلی صلوٰۃ الفجر ثم استوی فی محرابہ کالبدر فی تمامہ فقلنا یارسول اللہ ان رایت ان تفسر لنا ھذہ الایۃ قولہ تعالیٰ اولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین فقال النبی اما النبیون فانا واما الصدیقون فعلی بن ابی طالب واما الشھداء فعمی حمزۃ واما الصالحون فابنتی فاطمۃ وولداھا الحسن والحسین۔ فنھض العباس من زاویۃ المسجد الی بین یدیہ وقال یارسول اللہ الست انا وانت وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین من ینبوع واحد قال وما وراء ذلک یا عم قال لانک لم تذکرنی حین ذکرتھم ولم تشرفنی حین شرفتھم فقال رسول اللہ یا عماہ اما قولک انا وانت وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین من ینبوع واحد فصدقت ولکن خلقنا اللہ نحن حیث لا سماء مبنیۃ ولا ارض مدحیۃ ولا عرش ولا جنۃ ولا نار کنا نسبحہ حین لا تسبیح ونقدسہ حین

انس بن مالک صحابی کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ نے ایک دن نماز صبح ادا فرمائی۔ پھر محراب مسجد میں بدر کامل کی مانند جلوہ افروز ہوئے۔ ہم نے عرض کیا کہ رسول خدا اگر آپ چاہیں تو ہمیں اس آیت کی تفسیر سنائیں۔ اولٰئک مع الذین الایہ آپ نے اس کی تفسیر میں فرمایا لیکن انبیا تو مثلاً میں اور صدیقین تو جیسے علی ابن ابی طالب اور شہدا میرے چچا حمزہ اور صالحین تو فاطمہ اور حسنین۔ یہ سنکر عباس رض کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم سب ایک چشمہ سے نہیں ہیں؟ فرمایا تو اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہو۔ عرض کیا آپ نے جب ان کا ذکر فرمایا تو میرا ذکر نہیں کیا۔ اور جب ان کا شرف بیان کیا تو میرا شرف بیان نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا۔ اے چچا آپکا کہنا کہ ہم سب ایک ہی چشمہ سے ہیں تو یہ ٹھیک ہے لیکن ہمیں تو خدا نے اسوقت خلق فرمایا جبکہ نہ آسمان بنا تھا نہ زمین بچھی تھی۔ نہ عرش تھا اور نہ جنت و نار ہم اس کی تسبیح کرتے تھے جبکہ کوئی تسبیح کرنے والا نہ تھا ہم اس کی تقدیس کرتے تھے جب کہ کوئی تقدیس کرنے والا نہ تھا پس جب اللہ تعالیٰ نے اپنی صنعت کو ظاہر فرمانا چاہا تو میرے نور کو شگافتہ

لاتقدیس فلما اراد الله بدء الصنعة
فتق نوری فخلق منه العرش فنور العرش
من نوری. ونوری من نور الله وانا افضل
من العرش. ثم فتق نور علی فخلق منه الملائکة
فنور الملائکة من نور علی ونور علی ابن
ابی طالب من نور الله وعلی افضل من
الملائکة وفتق نور ابنتی فاطمة فخلق
منه السموات والارض فنور السموات
والارض من نور ابنتی فاطمة ونور فاطمة
من نور الله وفاطمة افضل من السموات
والارض. ثم فتق نور الحسن فخلق منه
الشمس والقمر. فنور الشمس والقمر من
نور الحسن ونور الحسن من نور الله والحسن
افضل من الشمس والقمر ثم فتق نور الحسین
فخلق منه الجنة والحور العین فنور الجنة
والحور العین من نور الحسین ونور الحسین
من نور الله والحسین افضل من الجنة
والحور العین. ثم ان الله خلق الظلمة
بالقدرة فارسلها فی سحائب البصر فقالت
الملائکة سبوح قدوس ربنا منذ
عرفنا هذه الاشباح ما رأینا سوءً
فبحرمتهم الا ما کشفت ما نزل بنا
فهنالک خلق الله تعالی قنادیل الرحمة
وعلقها علی سرادق العرش فقالت
الهنا لمن هذه الفضیلة وهذه الانوار

کیا اور اس سے عرش کو خلق فرمایا پس نور عرش میرے
نور سے ہے اور میرا نور خدا کے نور سے اور میں
عرش سے افضل ہوں۔ پھر نور علی کو شق کیا تو اس سے
ملائکہ کو خلق فرمایا پس نور ملائکہ نور علی سے ہے
اور نور علی نور خدا پس علی تمام ملائکہ سے افضل ہے
پھر میری بیٹی فاطمہ کے نور کو شق کیا تو اس سے
زمین و آسمان خلق فرمائے پس نور زمین و
آسمان نور فاطمہ سے ہے۔ اور نور فاطمہ نور اللہ
تو فاطمہ زمین و آسمان سے افضل ہے۔ پھر نور
حسن کو شق کیا اور اس سے شمس و قمر خلق فرمائے
پس نور آفتاب و ماہتاب نور حسن سے ہے
اور نور حسن نور اللہ اور حسن آفتاب و ماہتاب سے
افضل ہے پھر نور حسین کو شق فرمایا اور جنت و حور عین
کو خلق فرمایا پس نور جنت و حور عین نور حسین
سے ہے۔ اور نور حسین نور خدا ہے اور حسین
جنت و حور عین سے افضل ہے۔ پھر خدائے پاک
نے اپنی قدرت سے ظلمت کو خلق فرمایا ظلمت
اجزاء دیں اور اسکو بادلوں کی صورت میں
اور سب کو دکھلایا۔ تو فرشتوں نے کہا تو پاک و
پاکیزہ ہے ہمارے پروردگار جب سے ہم نے
ان انوار اور اشباح نور کو پہچانا ہے کبھی برائی
نہیں دیکھی۔ اب تجھکو انہی کی حرمت کا واسطہ
کہ تو اس تاریکی کی بلا کو ہم سے کھول اور رفع کر
اس وقت خداوند عالم نے اس نور سے قندیل
رحمت خلق فرمائے اور انکو عرش سے معلق فرمایا

فقال ھذا نور امتی فاطمۃ الزھراء فلذالک سمیت امتی الزھراء لان السموات والارضین بنورھا ازھرت وھی ابنۃ نبیی وزوجۃ وصیہ وحجتی علی خلقی اشھدکم یا ملائکتی انی قد جعلت ثواب تسبیحکم وتقدیسکم لھذہ المرأۃ وشیعتھا الی یوم القیامۃ فعند ذلک نھض العباس الی علی ابن ابی طالب وقبل ما بین عینیہ۔

تو فرشتوں نے کہا اے ہمارے معبود یہ فضیلت کس کے لئے ہے اور یہ انوار کن وجودوں کے ہیں فرمایا۔ یہ میری کنیز خاص فاطمہ زہرا کا نور ہے اور اسکو اس واسطے زہرا کہا گیا ہے کہ اس کے نور سے زمین و آسمان روشن ہوئے ہیں وہ میرے نبی کی بیٹی ہے اور اس کے وصی و وزیر کی حجت علیؑ کی زوجہ ہے ای فرشتو میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے تمہاری تسبیح و تقدیس کا ثواب قیامت تک کے لئے اس مخدرہ عورت اور اس کے شیعوں کے لئے لکھدیا ہے۔ اس وقت حضرت عباس اُٹھے اور علیؑ کے پاس آئے اور اُن کی پیشانی کو بوسہ دیا (رسایع بحار) (مؤلف)

اور چونکہ تمام مکونات علوی و سفلی کو نور اور قوت برقیہ اسی نور اقدم باعث ایجاد عالم صلعم کے نور سے حاصل ہے۔ اس لئے سب کے سب اُسی اپنے مجمع و خزانہ اور مرکز کی طرف جو منتہائے تعلق میں ہے۔ جانا چاہتے ہیں لیکن چونکہ انکو قوت قاہرۂ خداوندی نے اجرام وہیاکل اجسام میں اس طرح سے گرہ دے رکھا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے خود وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہاں جب وقت محتوم اُن کا آجاتا ہے۔ تو بقدرت پروردگار اُنکے قوالب وہیاکل خراب و فاسد ہو جاتے ہیں پس وہ نور اور قوت برقیہ اپنے فاسد فانوس سے نکلکر اُسی اپنے مجمع اور مرکز سے جاملتی ہے جس طرح سے جب کوئی تار الیکٹری سٹی کا خراب ہو جاتا ہے تو اس کی قوت برقیہ اس سے واپس ہو کر اپنے خزانہ سے جاملتی ہے۔

پس جس قدر عالم سفلی اور علوی میں اجسام و اجرام وہیاکل وصور موجود ہیں سب کے سب اسی اپنے مبدأ اور مرکز کی طرف درجہ بدرجہ حرکت کر رہے ہیں۔ جمادات نباتات کی طرف نباتات حیوانات کی طرف اور یہ تمام انسان کی طرف۔ انسان انبیاء مرسلین کی طرف۔ انبیاء مرسلین اس نورالانوار النبی المختار کی طرف جو کل عوالم کا مرکز ہے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اسی طرح زمین اپنے آفتاب کی طرف اور آفتاب و ماہتاب اور تمام سیارے اور ثوابت بری و مالایرے مع اپنے اپنے نظام شمسی اور نظام قمری کے اسی مرکز نور مخزن

نورِ مجمع البرق کی طرف جو ان سب کا مصدر ہے۔ حرکت کر رہے ہیں۔

آپ خیال کرتے ہونگے کہ آفتاب صرف ایک ہی ہے اور بس ایسا ہرگز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ اما وراء شمسکم ھذہ تسعۃ وثلثون شمسا (عن الحدیث) یعنے تمہارے اس آفتاب کے پیچھے انتالیس آفتاب اور بھی ہیں پس جو ہمکو نظر آتے ہیں اور جو نہیں نظر آتے وہ سب کے سب اسی اپنے مبدر کی طرف حرکت کر رہے ہیں اور ان سب کو اسی نور للانوار مبدر الدھور والاعصار کی شعاع نورانی حرکت دے رہی ہے۔ یا ایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملاقیہ" اے انسان تو اپنے مبدء کی طرف بڑی سعی اور جدوجہد کے ساتھ جارہا ہے اور پھر اس سے ملاقی ہونے والا ہے۔ آفتاب باوجود اس کے کہ زمین سے (۲۲۸) گنا بڑا ہے اور اس قدر اس کی نورانیت اور قوت برقیہ تیز ہے کہ شاید یہ تیزی اور حدت اور کسی کرہ میں نہیں ہے لیکن باوجود اس قدر بزرگی اور نورانیت کے ایک چھوٹے سے انڈے کی تاریکی کو دور نہیں کر سکتا! آپ ایک چھوٹا سا انڈا لیکر دھوپ میں رکھدیں۔ تو آپ دیکھینگے کہ اس کا بھی زمین پر سایہ پڑ رہا ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ آفتاب خود مجمع قوت برقیہ اور مرکز نور نہیں ہے۔ اگر آفتاب خود مرکز نور اور مجمع قوت برقیہ ہوتا تو یقیناً جس شے پر اپنی روشنی ڈالتا وہ نور مجسم ہوجاتی۔

کل اشیاء ممکنہ کے اجسام اور انوار ہیں اور ہر ممکن کا نور اس کے جسم پر زائد ہے یعنی اس جسم کے علاوہ ہوتا ہے پس ہر ممکن سے اس کا نور جدا ہے عین جسم نہیں ہے۔ اسی واسطے ہر شئے ممکن کا جسم اس کے نور سے علیحدہ دیکھا جاتا ہے۔ اسی آفتاب کو دیکھئے کہ اس کا جسم ایک کروی شکل کا ہے اور اس کا نور تمام اطراف میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔

لیکن جو مجمع قوت برقیہ اور مرکز انوار ہے۔ اس کی یہ حالت اور کیفیت نہیں ہے۔ اس کا نور عین جسم اور جسم عین نور ہے وہ روحٌ مجسّد اور جسدٌ مروّح یعنی نور علیٰ نور ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اسی واسطے اس کے جسم نورانی کا سایہ ہی نہیں تھا۔

آمدہ ذات نبی سایۂ پروردگار | سایہ ازاں رو نداشت سروِ خراماں او

سخت دھوپ میں جو محبوب کا سایہ معدوم ہوجاتا تھا

چنانچہ مورخین ومفسرین نے اس بات کو لکھا ہے کہ وجود ذی جود محبوب رب العالمین کا سایہ نہیں تھا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ جناب دھوپ میں

باہر تشریف لے جاتے تھے تو ہر وقت آپ کے سر مبارک پر ابر رحمت سایہ فگن ہوتا تھا۔ اسی بنا پر بعض اہل یورپ نے اعتراض کیا ہے کہ جب وہ جناب دھوپ میں باہر نکلتے تھے تو ان کے سر پر ابر کا ٹکڑا سایہ کئے رہتا تھا پس سایہ کیونکر ہوتا۔ سایہ تو اس وقت نمایاں ہوتا جب ابر دھوپ کے وقت ان کے سر سے ٹل جاتا۔ اور آفتاب کی دھوپ ان پر پڑتی پس سایہ بھی نمایاں ہو جاتا۔

اصل یہ ہے کہ ہر وقت آپ کے سر مبارک پر ابر سایہ نہیں کئے رہتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو ابوجہل اور دیگر مشرکین ہر وقت کا یہ معجزہ دیکھکر ضرور ایمان لاتے کہ جو شخص ایسا مقرب بارگاہ ہو کہ ہر وقت ابر رحمت اس کے سر پر سایہ فگن رہتا ہے۔ وہ ضرور پیغمبر ہے۔

بلکہ اصلیت اور حقیقت اس سایہ کی یہ ہے کہ جس شے میں قوت برقیہ اور حرارت زیادہ ہوتی ہے وہ اس شے کی برودت اور حرارت کو سرد و منجمد کر دیتی ہے جس میں کم درجہ کی حرارت ہوتی ہے۔ آپ نے کبھی سردیوں میں ضرور اس امر کا مشاہدہ کیا ہوگا کہ جب آپ کے منہ سے گرم ہوا نکلتی ہے تو باہر کی سرد ہوا منجمد ہو کر ابر کی شکل میں نمایاں ہوتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ اس وقت آپ کے جسم میں بہ نسبت ہوا کے زیادہ قوت برقیہ موجود ہوتی ہے۔

پس وہ نور قدیم جو مبدء الانوار ہے اور اس میں کل مخلوقات اور موجودات سفلی و علوی سے قوت برقیہ نورانیہ زیادہ ہے جب کبھی دھوپ میں باہر تشریف لیجاتے۔ اور آفتاب اپنی حدت اور تمازت دکھلاتا تھا تو اس وقت آپ بھی اپنی نورانیت کے آثار ظاہر فرما دیتے تھے پس آپ کے نور کی کثرت و وحدت سے نور آفتاب سرد و ماند ہو جاتا تھا اور آپ کا نور ضوء آفتاب پر غالب آجاتا تھا اور شعاعلے نورانی بالائے سر بطور تتق نور دھوپ میں مثل ابر سفید دکھائی دیتی تھیں۔

اللھم صل علے محمد و آل محمد۔ پس یہ جو خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے۔ وسخر لکم الشمس والقمر وسخر لکم اللیل والنھار۔ اس نے تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر اور رات

وجہ تسخیر اور شمس و قمر کس کے مسخر ہیں

اور دن کو بھی تمہارا ماتحت بنایا) تو اس لکم (تمہارے لئے) سے کل بنی نوع انسان حقیقتہً مقصود نہیں ہیں۔ کیونکہ تسخیر کیلئے دو امر کا ہونا لازمی ہے۔ اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو تسخیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

اوّل۔ اعطا۔ دوم حکم یعنے شے مسخر (ماتحت) کو مسخر (افسر) اپنے پاس سے کچھ عطا کرے۔ اور پھر اس پر حکومت بھی رکھتا ہو۔ تاکہ ان دونوں باتوں کی وجہ سے جس وقت اس کو کوئی حکم دے۔ فوراً بجالائے ہمارے نوکر اسی وقت تک ہمارے مسخر رہتے ہیں جب تک ہم ان کو کچھ دیتے رہتے ہیں اور ہمارا

نورِ مجمع ابرق کی طرف جو ان سب کا مصدر ہے۔ حرکت کر رہے ہیں۔

آپ خیال کرتے ہونگے کہ آفتاب صرف ایک ہی ہے اور بس ایسا ہرگز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ اما وراء شمسکم ھذہ تسعۃ وثلثون شمسا (عن السجادؑ) یعنے تمہارے اس آفتاب کے پیچھے انتالیس آفتاب اور بھی ہیں پس جو ہمکو نظر آتے ہیں اور جو نہیں نظر آتے وہ سب کے سب اسی اپنے مبدء کی طرف حرکت کر رہے ہیں اور ان سب کو اسی نور الانوار مبدء الدھور والاعصار کی شعاع نورانی حرکت دے رہی ہے۔ یا ایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملاقیہ" اے انسان تو اپنے مبدء کی طرف بڑی سعی اور جدوجہد کے ساتھ جا رہا ہے اور پھر اس سے ملاقی ہونے والا ہے۔ آفتاب باوجود اس کے کہ زمین سے (۲۲۸) گنا بڑا ہے اور اس قدر اس کی نورانیت اور قوت برقیہ تیز ہے کہ شاید یہ تیزی اور حدت اور کسی کرہ میں نہیں ہے لیکن باوجود اس قدر بزرگی اور نورانیت کے ایک چھوٹے سے انڈے کی تاریکی کو دور نہیں کر سکتا! آپ ایک چھوٹا سا انڈا لیکر دھوپ میں رکھدیں۔ تو آپ دیکھینگے کہ اس کا بھی زمین پر سایہ پڑ رہا ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ آفتاب خود مجمع قوت برقیہ اور مرکز نور نہیں ہے۔ اگر آفتاب خود مرکز نور اور مجمع قوت برقیہ ہوتا تو یقیناً جس شے پر اپنی روشنی ڈالتا وہ نورِ مجسم ہو جاتی۔

کل اشیاء ممکنہ کے اجسام اور انوار ہیں اور ہر ممکن کا نور اس کے جسم پر زائد ہے یعنی اس جسم کے علاوہ ہوتا ہے پس ہر ممکن سے اس کا نور جدا ہے عین جسم نہیں ہے۔ اسی واسطے ہر شے ممکن کا جسم اس کے نور سے علیحدہ دیکھا جاتا ہے۔ اسی آفتاب کو دیکھئے کہ اس کا جسم ایک کروی شکل کا ہے اور اس کا نور تمام اطراف میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔

لیکن جو مجمع قوت برقیہ اور مرکز انوار ہے۔ اس کی یہ حالت اور کیفیت نہیں ہے۔ اس کا نور عینِ جسم اور جسم عین نور ہے "روحٌ مجسّد" اور "جسدٌ مروّح" یعنی نور علیٰ نور ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اسی واسطے اس کے جسم نورانی کا سایہ ہی نہیں تھا۔

آمد ذات نبی سایۂ پروردگار ۔۔۔ سایہ ازاں رو نداشت سرو خرامان او

سخت دھوپ میں جو محبوب کا سایہ معدوم ہو جاتا تھا

چنانچہ مورخین و مفسرین نے اس بات کو لکھا ہے کہ وجود ذی جود محبوب رب العالمینؐ کا سایہ نہیں تھا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ جناب دھوپ میں

باہر تشریف لے جاتے تھے تو ہر وقت آپ کے سر مبارک پر ابر رحمت سایہ فگن ہوتا تھا۔ اسی بنا پر بعض اہل یورپ نے اعتراض کیا ہے کہ جب وہ جناب دھوپ میں باہر نکلتے تھے تو ان کے سر پر ابر کا ٹکڑا سایہ کئے رہتا تھا پس سایہ کیونکر ہوتا۔ سایہ تو اس وقت نمایاں ہوتا جب ابر دھوپ کے وقت ان کے سر سے ٹل جاتا۔ اور آفتاب کی دھوپ ان پر پڑتی پس سایہ بھی نمایاں ہو جاتا۔

اصل یہ ہے کہ ہر وقت آپ کے سر مبارک پر ابر سایہ نہیں کئے رہتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو ابو جہل اور دیگر مشرکین ہر وقت کا یہ معجزہ دیکھکر ضرور ایمان لاتے کہ جو شخص ایسا مقرب بارگاہ ہے کہ ہر وقت ابر رحمت اس کے سر پر سایہ فگن رہتا ہے۔ وہ ضرور پیغمبر ہے۔

بلکہ اصلیت اور حقیقت اس سایہ کی یہ ہے کہ جس شے میں قوت برقیہ اور حرارت زیادہ ہوتی ہے وہ اس شے کی برودت اور حرارت کو سرد و منجمد کر دیتی ہے جس میں کم درجہ کی حرارت ہوتی ہے۔ آپ نے کبھی سردیوں میں ضرور اس امر کا مشاہدہ کیا ہوگا کہ جب آپ کے منہ سے گرم ہوا نکلتی ہے تو پانی کی سرد ہوا منجمد ہو کر ابر کی شکل میں نمایاں ہوتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ اس وقت آپ کے جسم میں بہ نسبت ہوا کے زیادہ قوت برقیہ موجود ہوتی ہے۔

پس وہ نور قدیم جو مبدء الانوار ہے اور اس میں کل مخلوقات اور موجودات سفلی و علوی سے قوت برقیہ نورانیہ زیادہ ہے جب کبھی دھوپ میں باہر تشریف لیجاتے۔ اور آفتاب اپنی حدت اور تمازت دکھلاتا تھا تو اس وقت آپ بھی اپنی نورانیت کے آثار ظاہر فرما دیتے تھے پس آپ کے نور کی کثرت و وحدت سے نور آفتاب سرد و ماند ہو جاتا تھا اور آپ کا نور ضو آفتاب پر غالب آجاتا تھا اور شعاع علائے نورانی بالائے سر بطور تتق نور دھوپ میں مثل ابر سفید دکھائی دیتی تھیں۔ اللھم صل علے محمد و آل محمد۔ پس یہ جو خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے۔ وسخر لکم الشمس و القمر و سخر لکم اللیل والنھار (اس نے تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر اور رات اور دن کو بھی تمہارا ماتحت بنایا) تو اس لکم (تمہارے لئے) سے کل بنی نوع انسان حقیقتہً مقصود نہیں ہیں۔ کیونکہ تسخیر کیلئے دو امر کا ہونا لازمی ہے۔ اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو تسخیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

وجہ تسخیر اور شمس و قمر کس کے مسخر ہیں

اول۔ اعطاء۔ دوم حکم یعنے شے مسخر (ماتحت) کو مسخر (افسر) اپنے پاس سے کچھ عطا کرے۔ اور پھر اس پر حکومت بھی رکھتا ہو۔ تاکہ ان دونوں باتوں کی وجہ سے جس وقت اس کو کوئی حکم دے۔ فوراً بجا لائے ہمارے نوکر اسی وقت تک ہمارے مسخر رہتے ہیں جب تک ہم ان کو کچھ دیتے رہتے ہیں اور ہمارا

حکم ان پر ہوتا ہے۔ ورنہ دوسری صورت میں وہ ہرگز ہرگز مسخّر و فرمانبردار نہیں رہتے پس کیا ہے کوئی جو آفتاب و ماہتاب اور زمین و آسمان کو اپنے پاس سے کچھ عطا کرتا ہے اور ان پر اسکی حکومت ہو؟ بدیہی ہے کہ مسخر کو مسخر صرف اشارہ کر دیتا ہے پس وہ بلا توقف اس کی اطاعت کرتا ہے۔ اپنے نوکروں کو پکار کر کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی محض اشارے پر کام کرتے ہیں پس اگر آفتاب و ماہتاب ہمارے مسخر ہیں جیسا کہ مفسرین کا خیال ہے تو سردیوں میں ہم کیوں آفتاب کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں کہ وہ کب نکلے اور ہم دھوپ سینکیں؟ اور گرمیوں میں کیوں اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ جب ذرا اس کی حدت اور تیزی کم ہو تو باہر نکلیں؟ سبحان اللہ خوب تسخیر ہے۔

ردت الشمس له ثم دنت من افق

ولئن صيرها راكدة لم تغب

(اس کے لئے سورج لوٹایا گیا۔ پھر افق سے نزدیک ہوا اور اگر وہ اس کو ٹھہرا دیتا تو غروب نہ ہوتا) یعنی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ آفتاب و ماہتاب ان انوار الٰہیہ کے تابع اور مسخر ہیں جو ان کو اپنے پاس سے نور اور قوت برقیہ عطا کرتے ہیں اور ان پر اپنی قوت برقیہ سے حکومت رکھتے ہیں (علیہم الصلٰوۃ والسلام) اور جب چاہتے ہیں ان سے کام لیتے ہیں۔

تقسیم انسان بلحاظ قوائے ظاہری و باطنی

انسان کی حقیقت میں بھی فرق ہے۔ ایک انسانِ طبیعی ہے ایک انسانِ نفسی ہے اور ایک انسانِ عقلی ہے۔ انسانِ طبیعی ہماری ظاہری صورتیں ہیں۔ انسان نفسی صورتِ نفسانی ہے اور انسان عقلی صورت روحانی عقلانی۔ بعبارت دیگر انسان طبیعی یہ صورت جسمانی ہے کہ اس کے ہر کام کے لئے علیحدہ علیحدہ اعضاء و جوارح ہوتے ہیں۔ مثلاً دیکھنے کیلئے آنکھ سونگھنے کیلئے ناک سننے کیلئے کان چلنے پھرنے کیلئے پاؤں پس انسان طبیعی اپنے ایک عضو سے دوسرے اعضاء کا کام نہیں لے سکتا مثلاً دیکھنے کا کام کان سے نہیں لے سکتا۔ سونگھنے کا کام آنکھ سے نہیں لے سکتا۔ دیکھنے کا کام ناک سے نہیں لے سکتا۔ وغیرہ پس انسان طبیعی کے ہاتھ۔ پاؤں آنکھ، کان، ناک ہر اعضاء جدا جدا اور ایک دوسرے سے متمیز و ممتاز ہیں۔ برخلاف اس کے انسان نفسی کے اعضاء و جوارح ہوتے ہیں لیکن ان میں تمائز وضعی نہیں ہوتا۔ آپ نے کبھی خواب میں ضرور دیکھا ہوگا کہ آپ ایک دم سے ہزاروں میل کے فاصلے پر پہنچ گئے ہیں اور تمام دنیا کے عجائبات دیکھ آئے ہیں۔ کھاتے ہیں، پیتے ہیں، سنتے ہیں ۔ دیکھتے ہیں۔

حالانکہ اپنی خوابگاہ میں پڑے ہوئے ہیں اور آپ کی آنکھ بند ہے اور آپ ہر ایک عضو کی طرف اشارہ حسی نہیں کر سکتے۔ پس وہ کون ہے جو بغیر جسمانی پاؤں کے ہزاروں میل سیر کر آتا ہے اور بغیر جسمانی آنکھ کے تمام دنیا کے عجائبات اور غرائبات کا تماشہ دیکھتا ہے۔ یہ وہی انسان نفسی ہے۔ اس سے بڑھکر انسان عقلی ہے کہ اس کے اعضا اور جوارح میں امتیاز ہی نہیں ہوتا وہ نور مجرد ہوتا ہے پس اس کو ہر شے کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ اُس کے لئے قُرب وبعد مساوی ہوتے ہیں۔ وہ سب پر محیط ہوتا ہے پس وہ اسی ایک نور سے دیکھتا ہے سنتا ہے سونگھتا ہے۔ کھاتا ہے، پیتا ہے چلتا ہے، پھرتا ہے۔ وہی نور اس کا سر ہوتا ہے۔ پاؤں ہوتا ہے، ہاتھ ہوتا ہے۔ آنکھ ہوتا ہے۔ کان ہوتا ہے، ناک ہوتا ہے غرضیکہ اُس کے تمام اعضا و جوارح اسی نور کے ہوتے ہیں۔ وہ نور علی نور ہوتا ہے بعض افراد نوع انسانی انسان طبیعی کا مرتبہ رکھتے ہیں بعض نفسی کا اور بعض انسان عقلی کا اور وہی کامل انسان ہیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب حالت نماز میں اصحاب حضرت سے پہلے رکوع میں چلے جاتے تو آپ انکو بطور ہدایت کے ارشاد فرماتے تھے "لاتسبقونی بالرکوع فانی اراکم من خلفی کما اراکم من قدامی" مجھ سے رکوع میں سبقت نہ کرو۔ کیونکہ میں پیچھے سے اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے سے) پس آپ کا وجود انسان عقلی ہے۔ اور کامل انسان اور انسان کامل مجمع اور مرکز ہے تمام انوار عالم علوی وسفلی کا۔ اسی واسطے اس کے ہر ہر بال اور ناخن میں کل عوالم کی قوت برقیہ نورانیہ موجود ہے پس وہ ہر وقت مکونات وموجودات عوالم علوی وسفلی کو دیکھتا رہتا ہے اور انکی آوازوں کو سُنتا ہے۔ اسکو دیکھنے اور سُننے سے کوئی شے مانع اور حاجز نہیں ہوتی۔ اسکو کل عوالم کے ساتھ مساوات کی نسبت ہے۔ اُس کیلئے قرب وبُعد عوالم معدوم ہیں۔ تحت الثرےٰ اور سموات العلےٰ اور مقام دنی فتدلی سب کے ساتھ اسکو یکساں تعلق ہے۔ کوئی شے اُس سے دور نہیں ہے وہ سب پر محیط ہے۔ اسی واسطے محیط المحیط نے اسی کو کل عوالم نورانیہ ظلمانیہ علویہ سفلیہ کا نذیر وبشیر بنایا ہے۔ فقال عزوجل "تبارک الذی نزل الفرقان علے عبدہٖ لیکون للعالمین نذیرا" صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس نورانیت اور برقیت کا اثر صرف اپنے ہی جسم میں محصور اور محدود نہیں تھا۔ بلکہ جو چیزیں اس مجمع برقیہ اور منبع نوریہ سے مس ہو جاتی تھیں۔ ان میں بھی وہی نورانیت آجاتی تھی۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ جو شے آگ میں پڑ جاتی ہے وہ بھی آگ ہی کی خاصیت پیدا کر لیتی ہے۔ لوہے کو دیکھو کہ آگ میں پڑکر

خود بھی الگ ہو جاتا ہے پس اسیطرح سے جو چیزیں آپ کے جسم مبارک سے مس ہو جاتی تھیں اُن میں بھی وہی نورانیت آجاتی تھی۔ اسی سایہ پر دوبارہ غور کیجئے کہ جب حضرت ختمی مرتبت دھوپ میں تشریف لے جاتے تھے تو آپ کے لباس کا بھی سایہ نہیں پڑتا تھا کیونکہ وہ بھی نور محض ہو جاتا تھا۔ اونٹ کا چمڑہ آپ کے پائے مبارک سے مس ہو کر کہاں پہنچا ہی! اللہ اکبر۔

حقیقت سدرۃ المنتہیٰ منتہائے ترقی اجسام و اجرام و حقائق و اعمال مخلوقات سفلی و علوی سدرۃ المنتہیٰ تک ہے۔ جبریل امین سید الملائکہ سدرۃ المنتہیٰ سے ایک بال برابر اوپر نہ جا سکے لیکن وہ اونٹ کا چمڑہ (نعلین شریف) مقام قاب قوسین او ادنیٰ تک پہنچ گیا!!! کیونکہ وہ بھی قرب و اتصال نور سے خاصیت نور پیدا کر چکا تھا۔ بلکہ کہئے کہ نور محض ہو گیا تھا۔ اور نور مطلق سے متصل تھا۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد۔ حقیقت سدرۃ المنتہیٰ بیر کا درخت نہیں ہے۔ خداوند عالم نے ایک حقیقت روحانیہ کو افہام و تفہیم کیلئے مثال کے طور پر بیان فرمایا ہے جس طرح دوسرے مقام میں ارشاد فرماتا ہے "مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء" سدرۃ المنتہیٰ اس مقام کا نام ہے۔ جہاں اس خزانہ برقیہ نوریہ ملکوت کل شی کو مثل ایک بڑے درخت کی شاخوں کے اطراف کائنات و عوالم امکانیہ میں پھیلایا ہے یعنی اس نور سرمدی حقیقت احمدی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اشیا و عوالم کے حقائق و ملکوت کو جدا کیا ہے پس وہ حد امکان ہے اُس کے اوپر مقام واجب الوجود ہے پس جبرئیل ع جو ایک ممکن شی ہے کس طرح اپنی حد سے نکل کر حد واجب الوجود میں داخل ہو سکتا تھا۔ یہ ممکن نہیں اس کیلئے محال تھا۔ لیکن چونکہ اُس اونٹ کے چمڑے نے اس نور سرمدی سے اتصال پیدا کر لیا تھا۔ جو حجاب اور پردہ ہے درمیان امکان اور وجوب کے۔ اس لئے وہ بھی حد اجب میں پہنچ گیا! "دنیٰ فتدلّیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ" یعنی وہ مطلق نور خزانہ برقیہ عوالم امکانیہ مبدء الانوار السید المختار اس قدر واجب الوجود کے قریب پہنچا کہ کمان امکان و کمان وجوب کے آپس میں ملنے سے ایک دائرہ کی شکل نمایاں ہوئی اور دونوں امکان اور وجوب کے وتر دن کے مابین جو ایک موہومی فاصلہ تھا وہ بھی معدوم ہو گیا اور واجب بالغیر کے درجہ پر فائز ہوا ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

"ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتہیٰ" بالتحقیق کہ محبوب نے جبرئیل کو دوسری مرتبہ حالت نزولی میں سدرۃ المنتہیٰ پہ دیکھا۔ اس حالتِ نزولی میں محبوب کردگار نے جبرئیل امین کو سدرۃ المنتہیٰ پر کس طرح سے دیکھا؟ جبکہ نورانیت اور ملکوتیت کے نورِ جلال کبریائی بھی اس پر تابان و درخشان تھا پس اس نورالانوار سید رالدہور والاعصار النبی المختار نے اس حالت نورانیت اور برقیت میں اپنے جسم ظاہری جسمانی سے کل موجودات ممکنہ کے اجناس وانواع و افراد واشخاص کے حقائق کو اس طرح دیکھا "ماذاغ البصر وما طغیٰ"۔ کہ ان کی چشم جسمانی کو خیرگی تک لاحق نہیں ہوئی اور نہ کوئی ذرہ ممکنات کا فراموش ہوا۔ کل افراد ممکنات کو علیحدہ علیحدہ ملاحظہ فرمایا پس "ماذاغ البصر وما طغیٰ" سے خداوندعالم نے ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جن کو خیال تھا یا ہے کہ معراج روحانی ہوئی یا جسمانی کیونکہ روحانی آنکھ کو بصیرت کہتے ہیں۔ نہ بصر۔ لفظ بصر جسمانی آنکھ کے لئے مخصوص ہے۔ فتدبر ولاتکن من الجاحدین۔

تعریف نورِ نبوۃ کلیہ اور اُس کی توحید

بہرحال حقیقت نبوۃ کلیہ وہ نور ہے کہ جس کے سامنے کل انوار بے حقیقت ہیں۔ کیونکہ سب کی حقیقت تو وہ خود ہے۔ اُس کے سامنے دوسرا کیا حقیقت پیدا کرسکتا ہے۔ اور نور کی تعریف ہے۔ "الظاھر لذاتہ والمظھر لغیرہ" یعنی نور وہ ہے جو بذات خود تو روشن اور منور ہو اور دوسروں کو اپنے نور سے روشن اور منور کردے محقق اور ثابت ہے کہ وہ محبوب رب العالمین بذات خود روشن اور منور نور علیٰ نور ہیں اور اُن کے نور سے خدا نے کل مخلوقات علوی و سفلی کو منور اور روشن کر رکھا ہے۔

مظہر لغیرہ میں علاوہ ممکنات ذات واجب الوجود بھی ہے پس اس کو بھی آپ نے اپنے نور کلام سے مخلوقات پر ظاہر و باہر فرمایا ہے۔ آپ سورہ حشر کی آیات کو تلاوت فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو کہ کس فصاحت اور صراحت کے ساتھ آپ نے ذات واجب الوجود کی توحید ذاتی توحید صفاتی توحید افعالی اور توحید عبادتی کو بیان فرمایا ہے " ھُوَاللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۔ ھُوَاللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ھُوَاللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وھو العزیز الحکیم" دیگر انبیاء علیہم السلام نے بھی توحید واجب الوجود کو بیان فرمایا ہے لیکن جو توحید آپ نے بیان فرمائی ہے وہ کچھ اور ہی ہے۔ موجودہ تورات میں مذکور ہے کہ خداوند عالم کا جسم آسمانی رنگت کا ہے۔ اور پاؤں نیلم کے سے ہیں اور اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ اور یعقوب سے نبوت کے معاملہ میں رات بھر کشتی لڑتا رہا۔ یہ تو کہتے تھے کہ مجھے نبوت دیدے اور وہ نہیں مانتا تھا۔ اور طوفان نوح بھیجکر سخت پشیمان ہوا۔

جناب موسیٰ کی توحید کو ملاحظہ فرمائیے کہ جب وہ بنی اسرائیل کو ہمراہ لیکر دریائے نیل عبور کرنے لگے تو انہوں نے دیکھا کہ عقب سے فرعون بھی اپنا لشکر لئے ہوئے چلا آتا ہے پس موسیٰ سے کہنے لگے۔ انا لمدرکون اے موسیٰ ہم گرفتار ہو جائینگے پس جناب موسیٰ نے ان کی تسلی و تشفی کی اور فرمایا۔ ان معی ربی سیھدین بالتحقیق کہ میرے ہمراہ میرا رب ہے وہ میری راہ نمائی کریگا۔ جناب موسیٰ نے اپنے وجود کو اپنے رب سے مقدم رکھا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ صرف میرے ساتھ ہے یعنی معیت قیومیہ ربیہ میرے ساتھ ہے تم کچھ اندیشہ مت کرو

اسی طرح کا واقعہ نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غار ثور میں پیش آیا۔ پس آپ نے فرمایا لاتحزن ان اللہ معنا آپ نے اپنے وجود کو معبود کے وجود سے موخر فرمایا ہے اور اس کی معیت قیومیہ کو عام بتلایا ہے یعنی ہمارا وجود ذات واجب الوجود سے قائم ہے۔ ہم بذات خود کچھ بھی نہیں ہیں پس وہ ہماری حفاظت کریگا۔ اللہ ایک ایسا اسم ہے جو تمام صفات کا جامع ہے اسی واسطے اس کا تعلق خاص ذات واجب الوجود سے ہے اور رب عام ہے۔ ہر مربی کو رب کہہ سکتے ہیں اور اسی لئے اس کا تعلق نبوت سے بھی ہے کیونکہ نبی مربی نوع انسان ہے اور خاتم مربی جمیع انواع ہے بہرحال انبیاء و مرسلین علیہم السلام نور تھے یعنی ظاھر لذاتہ ومظھر لغیرہ لیکن انکی نورانیت محدود تھی۔ جناب یونس کی نسبت ارشاد ہوا ہے وارسلناہ الی مائۃ الف اویزیدون اور جناب عیسیٰ فرماتے ہیں۔ یابنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد مگر محمد کی نورانیت کسی خاص فرقہ یا قوم کیلئے محدود نہیں ہے۔ آپ کل عوالم علوی وسفلی" بری وبحری" سب کے روشن اور منور کرنے والے ہیں۔ آپ نے ہر فرقہ مخلوقات کو اپنے نور علم وکتاب سے روشن اور منور فرمایا ہے۔ قال عزوجل"۔ تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔ صاحب برکت ہے وہ ذات جس نے اپنے عبد پر فرقان (یعنی کتاب مفصل فارق حق وباطل) نازل فرمائی ہے تاکہ وہ کل

عوالم کا بشیر و نذیر ہو صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پس حضور انور صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نذیر کل ہیں اور انذار کیلئے دو باتیں لازمی ہیں۔ اول ان سب کا علم احاطی۔ دوم ان سب پر حکومت اور تصرف کلی اگر منذر کو یہ دونوں باتیں حاصل نہیں ہیں تو وہ انذار نہیں کر سکیگا پس نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وہ ہیں کہ انکو کل مخلوقات علوی وسفلی اور ہر فرقہ عوالم کا علم احاطی ہے اور سب پر حکومت کلی حاصل ہے۔ اور آپ کی کتاب وہ کتاب ہے کہ اس میں کل موجودات روحانی نفسانی نورانی ظلمانی علوی سفلی سب کا حال اور ان کی کمیات اور کیفیات حقائق اور دقائق سب موجود ہیں۔ "ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین"۔

تورات مقدس کے متعلق فرمایا ہے۔ فیھا ھدی و نور یعنی تورات خود نور نہیں ہے۔ بلکہ اس میں نور اور ہدایت ہے کیونکہ وہ بصورت لفظی مکتوبی نازل ہوئی ہے۔ اور اصل نور وجود حقیقی ہوتا ہے جو علم ہے نہ کہ صورت مکتوبی وملفوظی۔

اور مقام ختم میں ارشاد ہوا ہے۔ یا ایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا۔ کیونکہ قرآن بصورت حقیقیہ نازل ہوا ہے نہ لفظیہ۔ لقد نزل به الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین۔ قاعدہ ہے کہ ہر شئے اپنے مبدا اور مرکز کو اپنے قریب دیکھکر نہایت ہشاش بشاش۔ فرحان وشادمان۔ روشن اور منور ہو جاتی ہے یہی وجہ تھی کہ جب وہ مجمع الانوار خزانۂ برقیہ عوالم امکانیہ ایک خاص صورت محسوسہ میں اس عالم دنیا میں زمین مکہ پر سترھویں یا بارھویں ربیع الاول روز جمعہ وقت صبح جلوہ افروز ہوا ہے تو تمام اشیاء عوالم اُس کے نور سے روشن اور منور ہو گئی تھیں حتی کہ شہر مکہ سے شام کے مکانات نظر آنے لگے تھے۔ اس نور مطلق نے تمام تاریکیوں کو اپنی نورانی شعاعوں سے برطرف کر دیا تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ مجمع الانوار خزانہ برقیہ عوالم نے عالم سفلی وظلمانی میں ظہور فرمایا ہے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

رہی یہ بات کہ پھر کیوں ان کے نور جمال اور نور علم سے تمام عالم سفلی کی موجودات روشن اور منور نہیں ہو گئیں۔ چاہیئے تو یوں تھا کہ ہر فرد مخلوقات عالم سفلی کا ظاہر و باطن ان کے نور جمال و کمال سے روشن اور تاباں اور درخشاں ہو جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا پس وجہ اسکی یہ تھی کہ ابھی خداوند عالم کو یہ بات منظور نہ تھی۔ اس نے خود روک دیا تھا کہ ابھی اپنے نور جمال و کمال سے عالم دنیا کو مزین مت بناؤ۔ کیونکہ ابھی کل افراد کائنات میں استعداد و قابلیت تامہ پیدا نہ ہوئی تھی۔ "فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ"۔ اُس کیلئے اور وقت ہے ابھی غلبہ اور اظہار نور کا وقت اور

موقع نہیں آیا ہے۔ ہم ایک دن ضرور تمہارے نور سے تمام عالم سفلی کو منور کر کے رہینگے۔ اور مربی زمین کے نور سے زمین کو چمکا کر دکھلائیں گے۔ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا میں ابھی دیر ہے۔

نبوت کی عرضی ترقی باقی ہے

نبوت خاتم المرسلین سید الاولین والآخرین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طولانی ترقی ختم ہو چکی ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا لیکن اسکی عرضی ترقی باقی ہے۔ مقامات امامت وخلافت میں یہ امر ہر وقت ملحوظ خاطر رہنا چاہیئے۔ کہ احکام انذاریہ تمام وکمال آچکے ہیں۔ اس لئے اب کسی اور حکم کے آنے کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ پس جو کوئی وصی وخلیفہ۔ نذیر وبشیر عالمین ہے۔ اس کے پاس کوئی جدید وحی نہیں آئیگی۔ صرف انہیں احکام اوامر ونواہی کو جو نذیر العوالم الامکانیہ وبشیر الخلائق الفانیہ پر نازل ہو چکے ہیں۔ مخلوقات علوی وسفلی کو پہنچائیگا اور سمجھائیگا۔ اس لئے اول تو وصی وخلیفہ رسول رب العالمین کو "کُلُّ مَا جَآءَ بِهِ النَّبِیُّ" کا علم احاطی ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ ناواقف اور جاہل ہرگز یہ کام نہیں کرسکیگا۔ دوم کل فرقہ عوالم پر اسکو تصرف کلی اور تفوق وتفضل حاصل ہونا بھی ضروری ولابدی ہے۔ تاکہ تفضیل مفضول لازم نہ آئے جو قبح عقلی ہے اور ہر فرقہ عوالم علویہ وسفلیہ کو اُن کے احکام تکلیفی سے آگاہ فرمائے پس نور نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتمام کو خداوند عالم نے اُن کے آخری وصی پر موقوف رکھا ہے۔ جس قدر دلائل وبراہین صداقت اسلام کیلئے ضروری تھے وہ سب نبی نے بیان کردئے ہیں لیکن اسلام کی تصدیق کرنے والے پھر بھی تھوڑے ہی لوگ ہیں پس اب اظہار اور غلبہ اسلام کیلئے برہان اور دلیل سے کام نہیں لیا جائیگا۔ برہان اور دلیل کا وقت گذر چکا ہے۔ اب صرف یہ باقی رہا ہے۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ مخالفین اسلام بے انتہا کوشش کرتے ہیں اور ہمیشہ اسی فکر میں رہتے ہیں کہ اپنی تحریر وتقریر اور تدبیر سے نور محمدی کو بجھا دیں لیکن خداوند عالم فرماتا ہے۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون یعنی ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ اللہ اپنے حبیب کے نور کو کامل کرکے رہیگا کہ اسکی شعاع نورانی سے کل عالم سفلی عالم نورانی ہو جائیگا حتّٰی کہ آفتاب وماہتاب کے نور کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ واشرقت الارض بنور ربھا۔ اس دن ساری زمین اپنے مربی کے نور سے جگمگا اٹھیگی۔ اللھم صل علے محمد وآل محمد۔ ولہ اسلم من فی

السموات والارض طوعاً و کرھاً اور ہر فرد مخلوق اس دن نور اسلام سے روشن اور منور ہو جائیگا خواہ طوعاً ہو یا کرہاً اور اس دن سوائے دین اسلام کے اور تمام ادیان معدوم ہو جائیں گے کوئی دین باقی نہیں رہیگا۔ کل ادیان کی روشنی زائل ہو جائیگی کیونکہ وہ دن اسلام کے اظہار کا دن ہوگا۔ نہ غلبہ کا غلبہ اور اظہار میں فرق ہے غلبہ کی صورت میں مغلوب کا وجود باقی رہتا ہے اور اظہار کی صورت میں معدوم ہو جاتا ہے جس طرح سے آفتاب کے طلوع کے وقت تاریکی شب معدوم ہو جاتی ہے پس یہ صورت اسی جناب کے زمانۂ ظہور میں ہوگی۔ جو نور رسول رب العالمین اور خاتم الاوصیاء و الصدیقین ہیں۔ اس لئے مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جن کے وجود پاک سے ظہور دین اسلام ہوگا جزر رسولؐ ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ ورنہ آیت مذکور کی تکذیب لازم آئیگی پس اس نور نبیؐ کے ہاتھوں سے اس نور اور خزانۂ برقیہ کا اظہار ہوگا جس کو خداوند عالم نے ابھی روک رکھا ہے اور آیت ذیل صادق آئیگی۔ "هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ" لوگوں نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ! یہ کب ہوگا؟ فرمایا کہ جب یہ ہوگا۔ تو اس وقت ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں بخشیگا۔ "قُلْ یَوْمَ الْفَتْحِ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِیْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ" اور وہ نور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس عالم سفلی کو اپنے نور سے روشن اور منور کرتا ہوا آسمان میں تشریف لے جائیگا اور ان عوالم علویہ کو اپنے نور سے اور زیادہ روشن اور منور فرما کر عالم حیوٰۃ مطلق بنا دیگا۔ پس فرش زمین سے لیکر عرش بریں تک تمام ایک عالم ملکوت ہو جائیگا۔ کیونکہ آیۂ مجیدہ میں "مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ" ارشاد ہوا ہے۔

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔

قَالَ عَزَّ مِنْ قَائِلٍ "قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ"۔

نور اصل وجود ہے اور ظلمت اصل عدم

نور اصل وجود ہے ظلمت اصل عدم پس جس قدر موجودات "مَرئی" و "مَا دیدنی" ہیں سب میں نور

نور موجود ہے اور جب یہ نور جسم سے خارج ہو جاتا ہے تو ہیکل جسمانی اور شکل مادی فنا اور ہلاک ہو جاتی ہے پس مدار حیات اور ذریعۂ ترقی درجات

استعداد اور ترقی عالم مواد سے متعلق ہے

بھی نور ہے۔ خداوند عالم نے دو طرح کے عالم خلق فرمائے ہیں ایک عالم خلقی ہے جس کی ترقی تدریجی ہے۔ دوسرا عالم امری ہے جس کی ترقی فوری اور آنی ہے۔ عالم خلقی مواد سے متعلق ہے اور عالم امری نور سے چنانچہ عالم خلقی کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّکَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ" یعنی اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بالتدریج چھ روز میں خلق فرمایا ہے اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ اور خلقت نوع بشر بھی اسی عالم سے متعلق ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے" وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ. ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ"۔ اور چونکہ عالم امری کی ترقی فوری اور آنی ہے پس اس کے لئے ارشاد ہوا ہے۔ " اِنَّمَآ اَمْرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ"۔

آجکل کے فلسفی بھی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ترقیات طولانی عالم مواد سے متعلق ہیں عالم عقول میں ترقی طولی کی استعداد نہیں۔ پہلے یورپ کے فلاسفر تو اس بات کے قائل ہی نہیں تھے کہ عالم مواد کے علاوہ اور بھی کوئی عالم ہے لیکن اب بعض قائل ہو گئے ہیں کہ عالم مجردات بھی ایک عالم ہے حکماء اس بات کے قائل ہیں کہ موجودات مادیہ میں انسان ترقی کا منتہی ہے۔ اول صورت سدیمیہ اثیریہ ہے۔ پھر جماد کا درجہ ہے پھر نبات کا پھر حیوان کا اور اس کے بعد انسان کا درجہ ہے پس انسان انتہائے ترقی مواد ہے لیکن چونکہ ہم اہل دین ہیں فرشتوں کے بھی قائل ہیں اور جنوں کا وجود بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے ہمیں یہ بات معلوم کرنی نہایت ضروری ہے کہ کون سی مخلوق سب سے زیادہ ترقی کر سکتی ہے۔ آیا انسان یا جن یا ملک پس آیات قرآنیہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام انواع مخلوقات میں انسان ہی سب سے زیادہ ترقی کر سکتا ہے۔ کیونکہ ملائکہ عالم امری سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کی ترقی بالفعل ہے۔ بالقوۃ نہیں ہے۔ جس قدر انکو ترقی طولی ملتی تھی۔ وہ سب وقت خلقت ہی مل چکی ہے۔ کیونکہ اُن کی خلقت آنی اور فوری ہے تدریجی نہیں ہے چنانچہ خود انکا قول اس امر پر دال ہے کہ ان سب کے خاص خاص ترقی اور علو کے مدارج اور مقام ہیں۔

مَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَعْلُوْمٌ" اور مشاہدہ بھی ہے کہ صرف روح بغیر مادے کے کچھ ترقی نہیں
نہیں کر سکتی۔ کیونکہ روح نور ہے اور نور گھٹتا بڑھتا نہیں۔ ہر حالت میں یکسان رہتا ہے البتہ
یہی نور جب کسی قالب میں مادی ہوتا ہے۔ تو اس وقت ترقی کرتا ہے مثلاً جو نور درخت کے بیج
میں ہوتا ہے۔ وہ ترقی کر کے ایک بڑا تناور درخت ہو جاتا ہے لیکن چونکہ تخم درخت ایک سخت
اور درشت شے ہے۔ اس لئے اس کی ترقی محدود ہے۔ نطفہ انسان نرم اور لطیف ہے اسلئے
اس کی ترقی غیر محدود ہے۔ اور جو نور پتھر میں ہوتا ہے وہ ترقی کر کے لعل و یاقوت و زمرد و الماس بن جاتا
ہے۔ ملائکہ چونکہ مادے سے مجرد ہیں اس لئے ان کی ترقی محدود ہے اور نوع بشر مادے میں محصور
ہے۔ اس لئے اس کی ترقی غیر محدود ہے۔

باعث فضیلت جمعیت قوئ و حواس اور اجتماع اشیاء متضادہ اور کمالات ہیں

فرشتوں کو خداوند عالم نے صرف روحانی قوت عطا کی ہے
اور انسان روحانی اور جسمانی سب کا مجموعہ ہی جو کچھ
فرداً دیگر تمام مخلوقات کو خداوند عالم نے عطا کیا ہے
ان تمام کمالات اور تفضلات کا مجموعہ انسان کو بنایا ہے اور انسان تین چیزوں کا مجموعہ ہے یعنی جسم
نفس روح۔ فقال عز و جل "سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَ
مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ" اور چونکہ باعث ترقی اور فضیلت اجتماع قوی و نفوس و
حواس ہیں اس لئے انسان یعنی بنی نوع بشر کو خداوند عالم نے فرشتوں پر فضیلت عطا کی ہے کیونکہ
جس قدر قوی و نفوس و حواس خلاق عالم نے انسان میں خلق فرمائے ہیں۔ او کسی مخلوق میں نہیں
خلق فرمائے فرشتوں کو صرف نفس ملکوتی عطا کیا ہے اور نوع بشر کو نفس بہیمی نفس سبعی نفس ملکوتی۔
عطا کئے ہیں۔ اسی واسطے خدائے جل شانہ نے ملائکہ کو بنی نوع انسان کا خادم بنایا ہے۔ کیونکہ بنی
نوع انسان میں تمام مخلوقات سے زیادہ قوی و نفوس و حواس جمع ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی۔ تو
خداوند عالم حکیم علی الاطلاق ہرگز ہرگز بنی نوع انسان کا خادم فرشتوں کو نہ بناتا کیونکہ حکیم کبھی مفضول
کو فاضل پر فوقیت نہیں دیتا وہ کبھی عالم کو جاہل کا تابع نہیں بنائیگا کبھی ناقص کو کامل پر شرف
نہیں بخشیگا۔ وہ بنی نوع انسان ہی میں سے تو تھا جو اس مقام میں پہنچا۔ جہاں جبرئیل جیسے جلیل الشان
ملک نے اپنے عجز و قصور کا اعتراف اور اقرار کرتے ہوئے عرض کیا۔ "لَوْ دَنَوْتُ اَنْمُلَةً لَاحْتَرَقْتُ"
اگر ایک انگل آگے جاؤں تو جل جاؤں ؎

اگر یک سر موئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

انسان کی خلقت کے متعلق ارشاد فرماتا ہے "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ"۔ مار سے مراد وہ پانی ہے جو تمام مخلوقات سے پہلے تھا جس کا تذکرہ آیۂ ذیل میں فرمایا ہے "هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ"۔ اور "مَّهِيْنٍ" شوائبِ مادہ کی طرف اشارہ ہے۔

پس نوعِ انسان ترقی کرکے کہاں تک پہنچنا چاہتی ہے؟ یہ اُسی مار اول یعنی خزانہ و منبع نور و مجمع قوت برقیہ عوالم نور الانوار مبدء الدھور والاعصار النبی المختار تک پہنچنا چاہتی ہے۔ جو وجب اور ممکن کے درمیان صرف ایک حجاب ہے۔ ملائکہ کی ترقی طولانی سدرۃ المنتہیٰ تک ختم ہو چکی ہے لیکن بنی نوع انسان کی ترقی طول میں حد واجب تک چلی جاتی ہے۔ اللھم صل علیٰ محمد و آل محمد۔

یہی وجہ ہے کہ انسان کی ایک عبادت کل مخلوقات کی عبادت کا ثواب رکھتی ہے کیونکہ جس طرح سے خداوند عالم نے انسان کو تمام مخلوقات علوی و سفلی کے قوی و کمالات کا مجموعہ بنایا ہے اسی طرح سے اس کی عبادت کو بھی کل مخلوقات کی عبادتوں کا مجموعہ بنایا ہے۔ چنانچہ مقام استحقاق خلافت میں فرشتوں نے جو استدلال پیش کیا ہے اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ملائکہ کی عبادت کیا ہے۔ انہوں نے کہا اے پروردگار ہم کو خلیفہ بنا "نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ"۔ پس ظاہر ہے کہ ان فرشتوں کی عبادت صرف تسبیح اور تقدیس ہے چنانچہ امیر الموحدین کاشف اسرار العالمین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرماتے ہیں "ثم فتق ما بین السموات العلیٰ فملاھن اطوارا من ملٰئکۃ منھم سجود لا یرکعون و رکوع لا ینتصبون و صافون لا یتزایلون و مسبحون لا یساٴمون لا یغشاھم نوم العیون ولا سھو العقول ولا فترۃ الابدان و غفلۃ النسیان و منھم امناء علیٰ وحیہ والسنۃ الیٰ رسلہ و مختلف بقضائہ و امرہ و منھم الحفظۃ لعبادہ والسدنۃ لابواب جنانہ"۔ بعض فرشتوں کی عبادت صرف تسبیح ہے اور بعض کی صرف تقدیس۔ اور بعض کی صرف قیام اور بعض کی صرف رکوع اور بعض کی صرف سجود لیکن بنی نوع انسان کی عبادت ان تمام عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ بلکہ کچھ اور بھی زیادہ ہے انسان کی عبادت میں تہلیل ہے تکبیر ہے تحریم ہے قیام ہے۔ رکوع ہے قعود ہے سجود ہے۔ الحمد ہے قرآن ہے تسبیح ہے تقدیس ہے وغیرہ وغیرہ اور صیام ہے۔ زکوٰۃ ہے خمس ہے۔ جہاد ہے حج

بیت اللہ ہے وغیرہ وغیرہ پس چونکہ خداوند عالم جانتا تھا کہ انسان میں کیا کچھ ہے اور فرشتوں نہیں کیا۔ اس لئے اُس نے اپنا خلیفہ بنی نوع انسان ہی کو بنایا تاکہ وہ کل عوالم مادیات و مجردات میں تصرف کرسکے۔ کیونکہ اسی انسان ہی میں کل عوالم علوی و سفلی کے قوٰی و حواس احساسات ادراکات فاضلات و کمالات مجتمع ہیں اور باعث فضلیت جمعیت قوٰے ہے +

پہلی مجلس میں یہ بات بیان کیگئی تھی کہ انسان تین قسم کے ہیں انسان طبیعی انسان نفسی اور انسان عقلی۔ اور انسان نفسی وہ انسان ہے جس کے اعضاو جوارح میں ایک دوسرے

توضیح انسان نفسی و انسان عقلی و موت

سے امتیاز تو ضرور ہے لیکن تمائز وضعی نہیں ہے اور اس کے ہر ہر عضو کی طرف اشارہ حسیہ نہیں ہوسکتا اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ آنکھ ہے یہ ناک ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور اس انسان طبیعی کی طرح اس کے قوائے و حواس محدود و محصور نہیں ہیں وہ ایک لمحہ اور ثانیہ میں ہزاروں میل کے فاصلہ پر پہنچ جاتا ہے اور پھر اُسی آن میں لوٹ بھی آتا ہے۔ یہ وہی انسان ہے جو حالت خواب میں اس جسم طبیعی اور عنصری سے باہر نکل کر یہ کرشمے دکھلاتا ہے پس یہی انسان نفسانی ہوگا۔ جس کے روز حساب وکتاب ہاتھ پاؤں بولینگے اور زبان خاموش ہوگی۔

قال عز وجل۔ یَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ!

وقال عز وجل۔ وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ +

پس اُس انسان نفسانی کی ترقی اس طبیعی مادی انسان سے کہیں زیادہ ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں میں گویائی کی طاقت اور قوت موجود ہے۔ اور وہ ہوا پر اُڑ سکتا ہے۔ پانی پر چل سکتا ہے چشم زدن میں مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق پہنچ جاتا ہے لیکن اس جسمانی حالت میں اس کی ترقی محدود و محصور ہے کہ بغیر پاؤں کے چل نہیں سکتا اور بغیر آنکھ کے دیکھ نہیں سکتا اور بغیر کان کے سُن نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ کثیف اور غلیظ مادہ جس میں وہ رہتا ہے۔ اسکو ان باتوں سے مانع اور حاجز ہے۔ اور جب اس غلیظ مادے کی چار دیواری سے باہر نکلیگا۔ تو پھر اُسے کوئی شے مانع نہیں

ہوگی۔ جس طرح کہ جب انسان اپنے گھر میں دروازہ بند کئے ہوئے بیٹھا ہوتا ہے تو میدان کی کسی شے کو نہیں دیکھ سکتا اور جب گھر سے باہر نکلتا ہے تو تمام میدانی اشیا مثل پہاڑ اور اشجار اور مزروعات وغیرہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں۔ یا جب اس کے سامنے سے دیواریں گرادی جاتی ہیں۔ تو پھر یک بیک سارے باغات اور مزروعات اور جبال و بحار اس کو نظر آنے لگتے ہیں۔

حقیقت موت اور ترقی انسانی

پس موت انسان کیلئے نہایت خوشی اور سرور اور ترقی و آزادی کا مقام اور وقت ہے کہ اس جسم مادی سے نکلتے ہی اس کو وہ ترقی اور آزادی حاصل ہو جاتی ہے جس کو ابھی وہ خواب میں دیکھ رہا ہے!! اگر لوگوں کو موت کی حقیقت معلوم ہو جائے تو انکو مرنے سے ہرگز ہرگز خوف و ہراس نہ ہو۔ موت سے انسان معدوم نہیں ہوتا۔ مرنے سے صرف اس کا مادی جسم اور گھر جس میں وہ محبوس و مقید تھا تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور وہ اس تیرہ و تار قید خانہ سے نجات پاکر آزاد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ موت کا تعلق صرف جسم عنصری اور مادی سے ہے نہ وجود عقلانی اور نفسانی سے کیونکہ جب انسان نفسانی اور عقلانی کیلئے جسم مادی اور عنصری تیار ہو جاتا ہے۔ تب وہ اس میں داخل ہوتا ہے۔ فقال عزوجل "ثم انشأناہ خلقاً اٰخر فتبارک اللہ احسن الخالقین"۔ یہی وجہ ہے کہ مقام بیان خلق موت و حیات میں خداوند علیم نے موت کو حیات پر مقدم رکھا ہے۔ فقال عزوجل "خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً"۔ یعنی انسان کیلئے پہلے موت جو جسم مادی اور بے نور ہے خلق ہوتا ہے۔ بعدازاں حیوٰۃ جو نور اور باقی رہنے والی شے ہے اس میں داخل ہوتی ہے۔

بہرحال انسان کی پہلی ترقی موت ہے جس کے ذریعہ سے اس عالم مواد کثیفہ سے نکل کر عالم نفسانی و برزخی میں داخل ہوتا ہے۔ "ومن ورائہم برزخ الی یوم یبعثون" پس اس کے ہاتھ پاؤں بولنے لگتے ہیں اور وہ برق محض ہو جاتا ہے کہ چشم زدن میں مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق پہنچتا ہے۔

پس اس عالم برزخی اور نفسی کے بعد عالم عقلانی اور عالم حیات محضہ میں داخل ہوتا ہے۔ اور اس عالم عقلانی میں اس کے اعضاء و جوارح میں کوئی امتیاز نہیں رہتا عقل مجرد اور حیات محض ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت اس کو وہ قوت اور ترقی حاصل ہوتی ہے جو عالم نفسی اور برزخی سے معلوم نہیں کس قدر زیادہ ہے چنانچہ اسی عالم عقلی کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ "ما تعلم نفس

ما اخفی لھم من قرۃ اعین" اور فرمایا ہے "فبصرک الیوم حدید" یعنی آج اے عالم عقلانی میں آکر تیری نظر اور بصارت نہایت تیز اور صاف و شفاف اور لطیف ہو گئی ہے کہ اب اس کے سامنے کوئی پردہ حائل نہیں ہو سکتا۔ کوئی شے اس کو مانع اور حاجز نہیں ہو سکتی پس ترقی انسان عقلی غیر محدود و محصور ہے اس کو کوئی نہیں بیان کر سکتا کہ وہ کس درجہ اور کہاں تک ہے!

بعض انسان اس عالم مواد میں بھی ایسے ہیں کہ انکو عالم عقلانی میں پہنچنے کے لئے عالم مادی اور عالم نفسی کے طے کرنے کی ضرورت نہیں ہے! براہ راست عالم عقلی سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ ذوات قادسہ و مقدسہ انبیا و اوصیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ چنانچہ انہیں کو خداوند عالم نے اپنا خاص خلیفہ زمین و آسمان اور تمام عوالم پر مقرر فرمایا ہے اور انہیں کو کل فرشتوں اور دیگر مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے چنانچہ جب جناب آدم علیہ السلام کو خداوند عالم نے اپنی خلافت زمینی عطا کی تو تمام فرشتوں کو حکم ہوا کہ سب آدم خلیفۃ اللہ فی الارض کو سجدہ تعظیمی بجالائیں "فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون"۔ سجدہ سوائے ذات معبود کے اور کسی کو سزاوار نہیں ہے لیکن بشر و مخلوق ہے کہ اس کو بھی سجدۂ تعظیمی دلوایا گیا ہے۔ کیونکہ خلیفہ خدا ہے۔ اور کس سے تمام ملائکہ و عقول مجردہ سے۔ جن میں جبرئیلؑ و میکائیلؑ و عزرائیلؑ اسرافیلؑ و رضوان و مالکؑ و اسمٰعیل علیہم السلام سبھی داخل ہیں۔

بہرحال خلیفۂ خداوند عالم عالم ملائک سے نہیں لیا گیا۔ بلکہ عالم مواد و عناصر سے لیا گیا اور اس کو تمام ملائکہ سے سجدۂ تعظیمی دلوایا گیا۔ پس بنی نوع بشر خلیفۃ اللہ فی الارض مقرر ہوا اور اپنے مستخلف عنہ (جس کا خلیفہ ہے) کے اوصاف کا مظہر بنا اور ظاہر و باہر ہے کہ مستخلف عنہ کے امور کیا کچھ ہیں "الا لہ الخلق والامر" یعنی عالم خلقی اور عالم امری سب کا متصرف اور مدبر خداوند عالم ہے پس خلفاء اللہ سے بھی حسب ضرورت وقت جملہ اوصاف الٰہی ظاہر ہوتے ہیں چنانچہ جناب عیسیٰؑ فرماتے ہیں "انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ"۔ چونکہ جناب آدم و نوح و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام صرف عالم مواد پر خلیفۃ اللہ تھے۔ اس لئے ان کا تصرف صرف مادے پر تھا نہ عالم ارواح پر۔ جو عالم امری سے ہے۔ اسی واسطے جناب عیسیٰ نے فرمایا ہے کہ میں پرندے کی شکل بنا سکتا ہوں۔ نہ پرندہ اس کے بعد اس روح سے جو اللہ نے مجھ میں پھونکی ہے۔ پھونکتا ہوں پس وہ اللہ کے اذن سے زندہ پرندہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مجھ کو صرف عالم مواد پر تصرف حاصل ہے۔ نہ عالم ارواح پر۔

پس بحیثیت بنی نوع بشر ہونیکے ہر شخص اس صفت میں خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔ اسمیں مومن مشرک کی تفریق نہیں ہے سب یکساں ہیں چنانچہ جن لوگوں نے صور اور ترکیب موا دمیں اپنے تصرف کو بڑھایا ہے انہوں نے عجیب وغریب چیزیں ایجاد کر ڈالی ہیں جو بہت سے لوگونکی سمجھ سے باہر ہیں۔ ہوائی جہاز برق وائرلیس ٹیلیگراف۔ گراموفون وغیرہ لیکن سب یکساں خلیفہ نہیں ہیں غیر نبی صرف شکل اور صورت بنا سکتا ہے اور نبی باذن خداوند عالم اس کو زندہ بھی کرسکتا ہے جیسا کہ جناب عیسیٰؑ کے قول سے ثابت ہے۔

نبی اور بنی نوع انسان کی خلقت میں فرق ہے

انبیاء اوصیاء علیہم السلام کی خلقت عالم امری سے ہے یعنی آنی ہے۔ چنانچہ جناب آدم علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہوا ہے "ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون"۔ عام بنی نوع بشر کی خلقت تدریجی ہے اسلئے کہ مواد عنصریہ سے متعلق ہے۔ اس میں زوج و زوجہ کی مصاحبت درکار ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی خلقت آنی و فوری ہے۔ نہ وہاں اس مادے کی ضرورت ہے۔ نہ مصاحبت و مقاربت کی۔ چنانچہ جب جبرئیل امین نے جناب مریم صلواۃ اللہ علیہا سے عرض کیا کہ میں تمکو ایک زکی فرزند کی بشارت دینے آیا ہوں۔ تو انہوں نے کہا کہ "لم یمسسنی بشر ولم اک بغیا" یعنی ولادت فرزند کیلئے تو بشر کا مس کرنا ضروری ہے اور مجھے کسی بشر نے مس نہیں کیا ہے۔ اور میں خراب ہوں پس کس طرح فرزند ہوگا؟ جبرئیل نے عرض کیا۔ ہاں ہے تو ایسا ہی لیکن خلاق عالم قادر ہے کہ بغیر مس بشر کے فوراً خلق کردے۔ "الا لہ الخلق والامر۔ انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون" چنانچہ روح پھونکتے ہی جناب عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام متولد ہو گئے۔

اسی طرح جناب اسحاقؑ کا قصہ ہے کہ جب فرشتوں نے جناب سارا کو بشارت دی تو انہوں نے کہا کہ اب میں جنونگی اور حالانکہ میرا شوہر شیخ ہوگیا ہے۔ تب فرشتوں نے عرض کیا۔ کیا آپ اللہ کے امر سے تعجب کرتی ہیں اور حالانکہ تمہارے خاندان پر خداوند عالم کی خاص رحمت ہے پس جناب اسحاق متولد ہوئے۔

بہرحال انبیاء واوصیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خلقت عالم امری آنی سے ہے۔ نہ عالم خلقی تدریجی سے۔

معنی بشر

جناب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر تھے چنانچہ ارشاد ہوا ہے "انی خالق بشرا من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین" بشر اس شخص کو کہتے ہیں جسکا بشرہ اور جسم مرئی اور شاہد ہو۔ یعنے جب میں ایک ایسا شخص پیدا کرونگا کہ اسکا جسم عالم مادیات سے ہوگا اور سبکو نظر آئیگا تو تم اسکو سجدہ کرنا پس یہ بشر کیا چیز تھی۔ یہ مقام اور منزل تھی اس بعض روح امری کیلئے جسکو سجدہ دلوایا گیا تھا اسلئے کہ اگر قالب آدم کو سجدہ کرانا ہوتا تو یوں ارشاد ہوتا "فاذا سویتہ فقعوا لہ ساجدین" پس چونکہ اس قالب کو دیکھ کر سجدہ کرانا منظور نہیں تھا بلکہ اس بعض روح امری کو جو اس میں داخل کیگئی تھی اسلئے ارشاد ہوا "واذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین"۔

پس خلافت فی الارض آن کو اسی بعض روح کی بدولت حاصل ہوئی تھی اور یہی ذرا سی روح روح نبوتی تھی۔ اسی لئے وہ جناب خلیفہ ارض یعنی عالم مادی وعنصری پر مقرر ہوئے۔ نہ عالم امری اور روحی پر۔ کیونکہ بعض اور ذرا سی روح سے کل عالم امری و روحانی پر تصرف نہیں حاصل ہو سکتا۔

جزء سے کل پر تصرف اور حکومت نہیں ہو سکتی

اسی طرح سے جناب عیسیٰ میں بھی ذری روح تھی چنانچہ ان کی نسبت ارشاد ہوا ہے "کلمۃ القاھا الی مریم وروح منہ" یعنے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام خدا ونہ عالم کی بعض روح تھے نہ کل۔ اسی واسطے پرندوں میں روح داخل کرنے کے لئے ان کو اللہ کی ضرورت تھی بغیر اذن اللہ کے زندہ پرندہ نہیں بنا سکتے تھے کیونکہ عالم امری اور روحانی پر انکو پورا تسلط اور تصرف حاصل نہیں تھا۔

اور جناب موسیٰؑ کو کل نو معجزے دئے گئے کیونکہ انکو بھی تھوڑی سی روح نبوتی عطا ہوئی انکا عصا ساحروں کے مقابلہ میں اژدہا بن جاتا تھا بنظر بندی نہیں تھی۔ بلکہ اس کی صورت اور سیرت دونوں بدلجاتی تھیں۔ فقال عزوجل "سنعیدھا سیرتہا الاولیٰ"۔

اور مقام ختم میں ارشاد ہوا ہے۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ پس چونکہ نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم امری کی ساری روح ہیں۔ اس لئے ان کو تمام

عالم امری اور مادی و عنصری پر پورا تصرف حاصل ہے۔ اور چونکہ یہی روح روح نبوتی ہے اس لئے جن میں ذری سی تھی۔ وہ بعض عوالم کے نبی اور نذیر تھے۔ چنانچہ جناب عیسیٰ فرماتے ہیں "یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد"۔

اور جس ذات اقدس میں ساری روح ہے۔ وہ کل عوالم کے نبی اور نذیر ہیں "تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسی روح کلی کی وجہ سے کل عوالم النفس اور صوت روح اور ملکوت پر نذیر اور مظہر ہیں اور آپ کا دست رحمت تمام عوالم پر مبسوط اور اسی واسطے خدا انکے ہر ایک کام کو اپنا کام کہتا ہے کیونکہ یہ عالہ خدا ہیں اور مظہر کل۔ اور اسی واسطے مقام تعظیم میں ان کے دست حق پرست قلم قدرت کی قسم یاد فرماتا ہے۔ "ن والقلم وما یسطرون" "والسماء بنیناہا بایید وانا لموسعون"۔ "ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیہم"

خداوند عالم نے انکی خلقت عالم امری سے فرمائی ہے لیکن عالم مواد میں انکو بھی مثل ہمارے رفتہ رفتہ نشو و نما دیا۔ تاکہ جب وہ تبلیغ احکام الٰہیہ شروع کریں تو لوگ بسبب جنسیت ظاہری کے انسے نفرت اور گریز نہ کریں۔ بلکہ مانوس رہیں اور ان کی باتوں کو غور سے سنیں۔ کیونکہ اگر آناً فاناً میں یکایک ان کی خلقت نوری ہی کی تکمیل ہو جاتی اور صورت عالم خلقی نہ دیجاتی جیسا کہ فرشتوں کی ہوئی ہے۔ تو بنی نوع بشر ان سے فیض نہ پا سکتے۔ کوئی ان کے نزدیک نہ جاتا۔ دور ہی سے کافور ہو جاتے۔

خداوند عالم کبھی اس شخص کی اطاعت مخلوقات پر واجب نہیں کرتا۔ جو عالم امری میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ مادہ ایک ظلمانی اور فاسد ہو جانے والی شے ہے پس جو اجسام ایسی شے سے بنے ہیں۔ ان میں ظلمت اور فساد کا احتمال اور امکان ضرور ہے پس حکیم علی الاطلاق ایسوں کی اطاعت کیونکر مخلوقات پر واجب کرتا یہی تو تفصیل مفضول بر فاضل ہے جو قبح عقلی ہے پس حکیم علی الاطلاق۔ نے انہیں نفوس قادسہ مقدسہ کی اطاعت کو مخلوقات پر واجب و لازم گردانا ہے جن کی خلقت عالم امری سے ہے۔ نہ محض عالم خلق مادی سے "فقال عزوجل اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم"۔ یعنے اے مخلوقات علوی و سفلی اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی اور انکی جو صاحبان امر و اولیاء امور الٰہی ہیں "وقال عزوجل۔ والنازعات غرقا والناشطات نشطا فالسابحات سبحا فالسابقات سبقا فالمدبرات امرا والذاریات ذروا"

فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّد وَّاٰلِ مُحَمَّد۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مجلس سوم

متعلق آیت نور

قال عز من قائلہ۔ قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین

قابلیت و استعداد ترقی نرم اور لطیف تخم اور نطفے میں زیادہ ہوتی ہے

بدیہیات سے ہے کہ جس قدر تخم اور مادہ سخت اور درشت صعب وصلب ہوتا ہے اسیقدر اس میں عدم قابلیت اور فعلیت زیادہ ہوتی ہے اور جس قدر تخم اور مادہ نرم و لطیف ہوتا ہے۔ اسیقدر اس میں قابلیت اور تحول زیادہ ہوتا ہے۔ آپ اخروٹ کے تخم کو ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر سخت اور درشت ہوتا ہے۔ اسی واسطے اس کا درخت سوائے اس صورت مشخصہ کے جس کو آپ نے دیکھا ہوگا اور کوئی صورت قبول نہیں کرسکتا۔ جو کچھ اس کے کمالات ہیں بالفعل ہوتے ہیں۔ اور خواہ کیسی ہی تربیت کیجئے اخروٹ ہی رہیگا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح سے حیوانات کے مواد فطریہ ہیں کہ جس قدران میں کثافت اور غلاظت ہوتی ہے۔ اسیقدر ان میں کم استعداد اور قابلیت ہوتی ہے ان کے کمالات بھی بالفعل ہوتے ہیں۔ کوئی شئے بالقوۃ نہیں ہوتی۔ آپ نطفۂ خر اور بقر کو دیکھیں کہ وہ بہ نسبت نطفۂ انسان کے کس قدر غلیظ اور کثیف ہوتا ہے۔ اسی واسطے بچہ خر اور گوسالہ بتر تعلیم اور تربیت سے انسان کی سی ترقی نہیں کر سکتے۔ بچہ خر کی خواہ آپ کیسی ہی تربیت کریں وہ ہمیشہ خر ہی رہیگا۔ جو کچھ اس کے کمالات فطریہ ہیں۔ سب بالفعل ہیں۔ اسی طرح سے بیضہ مرغ ہے۔ کہ اس میں سے بچہ نکلتے ہی سب کچھ جاننے اور سننے لگتا ہے۔ اس کو کسی کی تعلیم و تربیت کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے سارے کمالات اسی وقت سے اس میں موجود ہوتے ہیں۔ اس کو اپنے کمالات کی ترقی کے لئے کسب اور تحصیل کی ضرورت

نہیں ہوتی +

برخلاف ان سب کے نطفۂ انسان نہایت نرم اور لطیف ہوتا ہے۔ اسیواسطے بچۂ انسان کے سارے کمالات جسمانی بالقوۃ ہوتے ہیں۔ اس کا کوئی کمال بالفعل نہیں ہوتا بعد تکمیل خلقت نوعی بھی ایک مضغہ گوشت سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اگر اس وقت نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی تربیت نہ کی جائے تو ہلاک ہو جاتا ہے۔ نہ بول سکتا ہے نہ سن سکتا ہے۔ نہ کسی کو پہچان سکتا ہے۔ کمالات خاصۂ انسانی میں سے کوئی شے اس میں بالفعل موجود نہیں ہوتی۔ اس کے سارے کمالات اس وقت بالقوۃ ہوتے ہیں اس لئے ہر طرح کی ترقی کی استعداد اور قابلیت اس میں اس وقت موجود ہوتی ہے جس طرح کی اس کی تعلیم و تربیت کرو۔ وہ ویسا ہی ہو جائیگا۔ اگر اس کو عالم بنانا چاہو تو وہ عالم ہو سکتا ہے صناع بنانا چاہو تو صناع ہو سکتا ہے جس رنگ میں رنگو گے وہی رنگ لائے گا جس قالب میں ڈھالو گے وہی صورت اختیار کریگا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے۔ کہ من حیث الفطرۃ اس میں بھی ایک خاص شے کی طرف میلان ضرور رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ لوہار شدت گرما میں اپنی بھٹی کو دھونکتا ہے۔ اگر اس کی فطرت میں اس امر کا میلان نہ ہوتا۔ تو ممکن نہ تھا کہ وہ اس کام کو اختیار کرتا بھنگی کو وہ بدبو اچھی معلوم ہوتی ہے جس کو کوئی انسان سونگھ نہیں سکتا۔ پس اگر اس کی فطرت میں میلان نہ ہوتا۔ تو وہ کبھی اس کام کو نہ کرتا۔ اور یہ جبل ثانوی کا اقتضاء ہے جس پر نظام عالم مبنی ہے۔

مثال انسان کے مادے کی اس موم کی سی ہے جس سے جمادات کی شکلیں بنا سکتے ہیں۔ نباتات کے گل بوٹے کھلا سکتے ہیں۔ حیوانات اور انسان کی صورتیں تیار کر سکتے ہیں جس قالب اور سانچے میں موم کو ڈھالو گے وہی صورت اختیار کریگا انسان تعلیم و تربیت سے نہایت متدین متقی اور پرہیزگار بن سکتا ہے اور صحبت جہالت و ضلالت سے فاسق و فاجر اور بدکار رہ سکتا ہے پس انسان من حیث الفطرۃ ترقیات کا مجموعہ ہے انسان طبیعی ترقی کرکے انسان نفسی بن سکتا ہے اور انسان نفسی ترقی کرکے انسان عقلی کے مقام میں پہنچ سکتا ہے۔

مزید توضیح انسان طبیعی انسان نفسی، انسان عقلی

ہم نے یہ بات پہلے بیان کر دی ہے کہ انسان تین طرح کا

انسان ہے۔ انسان طبیعی، انسان نفسی اور انسان عقلی، انسان طبیعی وہ ہے جس کے اعضاء و جوارح مادی ہیں اور ایک دوسرے کا کام نہیں دے سکتے اور آپس میں متمائز ہیں اور انسان نفسی وہ ہے جو ورا رماوہ ہے اور اس کے اعضاء و جوارح بھی آپس میں متمائز ہیں لیکن انہیں تمائز وضعی نہیں اور انسان عقلی وہ انسان ہے کہ اس کے اعضاء و جوارح میں اشیاء نہیں ہے۔ وہ جسم اور صورت کے شوائبات سے منزہ اور مقدس ہے۔ اس کی ذات ہی سب کچھ ہے۔ اسی سے سنتا ہے۔ اسی سے دیکھتا ہے۔ اسی سے بولتا ہے۔ اسی سے کھاتا ہے، اسی سے پیتا ہے، اسی سے چلتا ہے۔ اسی سے پھرتا ہے۔ اور یہ تینوں انسان ہر فرد نوع بشر میں موجود ہیں۔ اور یہی اصلی انسان ہے۔

بیان مدرکات حسیہ و مدرکات عقلیہ

خداوند عالم نے بنی نوع بشر کی ترقی کے لئے اس کے اعضاء و جوارح کو ذریعہ بنایا ہے۔ فقال عزوجل۔ اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۔

وقال عزوجل۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا۔ بدیہی ہے کہ انسان کے کان اس کے علوم کی تحصیل کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ اگر انسان کے کان نہ ہوتے تو شاید اس کی تعلیم و تربیت محال ہو جاتی۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ آنکھ صرف صورتوں اور رنگوں کو لیکر حس مشترکہ کو دیتی ہے اور کان الفاظ کو لیکر حس مشترکہ کو دیتے ہیں پس حس مشترکہ قوت خیالیہ کو دیتی ہے اور قوت خیالیہ قوت متوہمہ کو اور قوت متوہمہ قوۃ حافظہ کو اور قوۃ حافظہ قوۃ مدرکہ کو دیتی ہے اور قوت مدرکہ فواد کو۔ جو مرتبہ انسان نفسانی ہے پس وہ فواد حق و باطل میں فرق کرتا ہے۔ حق کو رکھ لیتا ہے اور باطل کو واپس کر دیتا ہے۔

بنی نوع بشر میں ایک قلب ہے۔ ایک فواد ہے اور ایک لب۔ گو مفسرین کی تفاسیر میں سب کے ایک ہی معنی کئے گئے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ تینوں جدا جدا قوائے انسانی کے نام ہیں۔ جو اسکو معراج ترقی پر پہنچانے کیلئے عطا کئے گئے ہیں۔ قلب اس پارہ گوشت کا نام ہے جو صنوبری شکل کا بائیں جانب میں ہوتا ہے جس کے اندر سیاہ خون ہوتا ہے اور یہ انسان کے جسم طبیعی میں کل اعضاء و جوارح کا مرکز اور مربی ہے اور سب سے اعلیٰ اور افضل عضو ہے جس کو

دل بھی کہتے ہیں۔ اور فواد دل کا مقام نفس ہے۔ جو قلب طبیعی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور لُبؔ مقام روح عقلانی ہے۔ جو نفس سے تعلق رکھتا ہے جس کے اعضا ء و جوارح غیر متمائز ہیں۔ اور اس فواد کا یہ کام ہے کہ وہ حق و باطل میں تمیز کرتا ہے جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ سمع اور بصر صور اور الفاظ کو اُس کے سامنے پیش کرتے ہیں پس وہ حق و باطل میں فرق کرتا ہے۔ حق کو قبول کرتا ہے اور باطل کو رد۔ پس یہ سمع۔ بصر اور فواد انسان کو خداوند عالم نے تحصیل حقائق اور معارف کیلئے عطا کئے ہیں۔ اگر انسان ان سے حق و باطل میں فرق اور تمیز نہیں کریگا تو اس سے اس امر کا مواخذہ کیا جائیگا۔ "ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا"۔ حیوانات کو خداوند عالم نے فواد اور لُب عطا نہیں کئے۔ ان میں صرف قلب ہے۔ "نقلبھم حیث نشاء"۔

پس باوجود ان قوائے عالیہ کے جب انسان حق و باطل میں فرق نہیں کرتا تو گویا اس نعمت عظمیٰ کا کفران کر رہا ہے۔ اسواسطے مستحق جہنم ہے۔ "فقال عز و جل۔ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ"۔ ان کے قلب ہے مگر اس سے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اُن کی آنکھ ہے مگر دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے کان ہے مگر سننے کی کوشش نہیں کرتے پس وہ مثل چارپایوں کے ہیں نہیں بلکہ اس سے بھی بدتر۔ اور اس قسم کے لوگ غافل ہیں۔

کیا انسان آنکھ سے نہیں دیکھتا؟ ضرور ہر شے کو دیکھتا ہے اور اسیطرح کان سے بھی ہر آواز کو سنتا ہے پس اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ اپنے انسانِ نفسانی سے کام نہیں لیتا جس کا کام حق و باطل میں فرق اور تمیز کرنا اور موعظہ حسنہ کا سننا ہے اُس نے اس کو معطل کر رکھا ہے۔ اس سے کوئی کام نہیں لیتا۔ پس اس کی نفسانیت اور روحانیت جاتی رہی ہے۔ وہ صرف انسان طبیعی باقی رہگیا ہے۔ اس لئے حیوانات سے بدتر ہے جماد کے درجے میں تنزل کر گیا ہے۔ اسی قسم کے قلب کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔ "ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ"۔ اور جو لوگ اس فواد سے اور لُب سے کام لیتے ہیں۔ خداوند عالم ان کی تعریف میں فرماتا ہے اور انکو بشارت دیتا ہے۔ "فقال عز و جل انما یتذکر اولوا الالباب"۔ وقال: "فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھدٰھم اللہ واولئک ھم اولوا الالباب"۔

بہر حال انسان ترقی کے تین درجے رکھتا ہے ایک انسان طبیعی مادی ہے جو منتہائے ترقی

انسان نفسی اور انسان عقلی جہنم میں نہیں جائینگے

عالم مواد ہے۔ دوسرا انسان نفسی ہے۔ جو منتہائے ترقی عالم برزخی ہے۔ اور تیسرا انسان عقلی ہے۔ جو منتہائے ترقی عالم عقول ہے۔

انسان نفسی کا کام بواسطہ عقل استماع موعظۂ حسنہ اور تفریق حق و باطل اور اختیار حق اور تردید باطل اور کسب و تحصیل حقائق و معارف اور اتباع عقل اور اعمال صالحہ کا بجالانا ہے اسی لئے وہ ہرگز ہرگز جہنم میں نہیں جائیگا چنانچہ اہل جہنم کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ جہنم میں صرف انسان طبیعی ہی ڈالا جائیگا۔ نہ نفسی و عقلی "لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر" یعنی اگر ہم بھی انسان نفسی اور عقلی کی تربیت کرتے۔ اس طرح سے کہ حق کو سنکر اس کی تصدیق کرتے اور عقل کے مطابق اسکو بجالاتے تو آج اہل جہنم میں سے نہ ہوتے پس صاف ظاہر ہے کہ جہنم میں وہی انسان طبیعی ڈالا جائیگا۔ انسان نفسی اور عقلی کو جہنم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ جنات النعیم میں اپنے جسم طبیعی کو اپنے ہمراہ لے جائیگا اور وہاں انواع اقسام کی نعمات الٰہیہ سے متنعم ہوگا پس یہ انسان طبیعی ذریعہ اور واسطہ ہے ترقی انسان نفسانی اور عقلانی کا۔ اور یہی ہے کہ وہ عالم دنیا اور عالم موادیں سے ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا ہے "الدنیا مزرعۃ الاخرۃ" پس ترقی انسان نفسانی اور انسان عقلی موقوف ہے ترقی انسان طبیعی جسمانی پر اور انسان نفسانی عالم موادمیں ایک طرح کا قیدی اور محبوس ہے۔ آزاد نہیں ہے اور جب وہ اس انسان طبیعی سے خارج ہوجاتا ہے تو اس کے سارے کمالات بالفعل ہوجاتے ہیں اور یہ ترقی اس کو حاصل نہیں ہوسکتی مگر موت سے۔ جب موت آتی ہے تو وہ عالم حجاب سے خارج ہوجاتا ہے اور اس کے کمالات ذاتی عالم فعلیت میں آجاتے ہیں چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ مجھے کسی کام کے کرنے میں تردد نہیں ہوتا مگر اس وقت جب کسی مومن کی روح قبض کرنی ہوتی ہے۔ میں تو اس کو ترقی دینا چاہتا ہوں اور وہ اس بات کو مکروہ سمجھتا ہے۔ (سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ علی محمد وآلہ الطاہرین)

مفہوم موت کی توضیح

افسوس ہے کہ موت کے معانی سے بہت کم لوگ واقف ہیں پہلے اشارہ ہوچکا ہے کہ موت معدوم ہوجانے کا نام نہیں ہے

موت اضمحلال مواد جسمانیہ اور ان کے تفرق کا نام ہے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے "خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا" یعنے انسان کیلئے پہلے موت خلق کی گئی ہے بعدازاں حیات!

ظاہر ہے کہ سب سے پہلے اس عالم مواد میں انسان کا نطفہ ہوتا ہے اس کے بعد اس کو خون بستہ بنایا جاتا ہے اس کے بعد مضغہ۔ اس کے بعد ہڈی اور پھر اس کو سرخ چادر گوشت کی پہنائی جاتی ہے۔ بعدازاں اس قالب مادی میں ایک اور خلق داخل کی جاتی ہے "ثم انشأناہ خلقا آخر فتبارک اللہ احسن الخالقین"۔ اور نطفہ چونکہ عالم مواد سے ہے اس لئے اس میں اربعہ عناصر موجود رہتے ہیں۔ کچھ والد کے نطفے میں ہوتے ہیں اور کچھ والدہ کے پس اربعہ عناصر سے جو آب۔ خاک۔ باد۔ آتش ہیں جسم انسانی بقدرت پروردگار تیار ہوتا ہے۔ اور اُن میں ایک خاص حدتک ترقی کی استعداد ہوتی ہے جس طرح درخت کے بیج میں کہ وہ زمین میں پڑکر ایک خاص مقدار کا درخت ہوکر پھر خاک ہوجاتا ہے۔

جب یہ اجزائے نطفہ اپنی ترقی کی حد کو پہنچ جاتے ہیں تو اب ان میں اضمحلال شروع ہوجاتا ہے اور اُن چاروں عنصروں میں سے کوئی عنصر غالب ہوجاتا ہے اور عموماً آب غالب آتا ہے پس حرارت غریزیہ گھٹنی شروع ہوجاتی ہے۔ اور بلغم بڑھنے لگتا ہے جس کا اثر سفید بال ہوتے ہیں پس جب بالکل حرارت غریزیہ ختم ہوجاتی ہے۔ تو اب وہ انسان نفسانی اس جسم عنصری سے خارج ہوتا ہے اور بحکم خدا اس کو قبض کیا جاتا ہے۔ اور موت واقع ہوتی ہے۔ اور چونکہ یہ جسم طبیعی اس انسان نفسانی کی نورانیت اور قوۃ برقیہ کی وجہ سے تروتازہ اور مجتمع رہتا ہے اس لئے جب وہ اس جسم طبیعی سے خارج ہوجاتا ہے۔ تو اب اس میں فساد اور تعفن اور تفرق پیدا ہوجاتا ہے۔ اور چونکہ اضمحلال اور تفرق اجزائے مادیہ طبعیہ سے موت واقع ہوتی ہے۔ اور یہ اجزائے طبعیہ انسان کے وجود روحانی سے پہلے موجود ہوتے ہیں۔ اس لئے خداوند عالم حکیم و علیم علی الاطلاق نے مقام بیان میں موت کو حیات پر مقدم رکھا ہے۔ فقال عزوجل "خلق الموت والحیوۃ"۔

ہر شے اپنے سے کمتر شے میں اثر کرسکتی ہے۔ یا اپنی جنس میں۔ برتر میں اثر نہیں کرسکتی پس عالم زمانی مادی مواد میں۔ عالم برزخی نفس میں اور عالم عقلی عقول میں اثر کرسکتا ہے۔ اس لئے مادے کو یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ نفس کو فنا کرسکے۔ اسی واسطے ارشاد ہوا ہے "ومن الاثم

برزخ الی یوم یبعثون"۔ یعنے بعد اضمحلال اور تفرق اجزائے مادیہ جسمانیہ کے ان کیلئے "یوم یبعثون" یعنے قیامت تک رہائش کا مقام عالم برزخ ہے وہ معدوم نہیں ہو جاتے۔ اور موت عالم دنیا سے عالم برزخ میں ترقی کرنے کا نام ہے۔ نہ معدوم ہونے کا۔ لہذا موت انسان کی پہلی ترقی اور آزادی کا ذریعہ ہے جسم خاکی سے نکلتے ہی آزاد ہو جاتا ہے۔ ہر طرح کے قیودات اور شوائبات طبیعت سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے پس اس عالم برزخی اور نفسانی میں جب تک خداوند عالم کو منظور ہے اس کو رکھیگا۔ اور پھر اُس کے بعد اُس عالم سے بھی اسکو دوسرے عالم عقلی عالم ملکوت میں لے جائیگا چنانچہ نفخہ صور دو ہیں" قال عزوجل۔ ویوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ"۔ یعنے جس دن پہلا صور پھونکا جائے گا تو جس قدر نفوس ہیں وہ سب کے سب مضمحل ہو جائیں گے۔ اور جب اُس کے بعد دوسرا صور پھونکا جائیگا" ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء" تو جس قدر موجودات عالم برزخی نفسی میں ہونگی ان سب پر بیہوشی طاری ہو جائے گی" "فزع" نفوس سے تعلق رکھتا ہے اور "صعق" عقول سے نفوس میں تفرق اجزا نہیں ہوتا۔ تفرق خواص مواد سے ہے اور بعد نفخ ثانی کے مقام عود اور حیات محض ہے" فقال عزوجل۔ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ"۔

یہ امر بھی پوشیدہ نہ رہجائے کہ نفس انسانی ایک ہی طرح کا نہیں ہے۔ اس کیلئے بھی کئی درجے ہیں اول نفس امارہ ہے" ان النفس لامارۃ بالسوء"۔ دوم نفس لوامہ "ولا اقسم بالنفس اللوامۃ"۔ پس جب نفس امارہ کی ترغیب سے انسان کسی امر قبیح کا مرتکب ہوتا ہے تو نفس لوامہ اسکو اس فعل کے ارتکاب پر ملامت کرتا ہے سوم نفس ملہمہ ہے" ونفس وما سواھا فالھمھا فجورھا وتقواھا"۔ جب نفس انسانی عبادت اور ریاضت سے اپنے آپ کو آراستہ و پیراستہ کر لیتا ہے تو خداوند عالم اس کو فسق و فجور اور تقوے و پرہیزگاری کا الہام کر دیتا ہے پس وہ ان بری چیزوں سے بچتا ہے۔ اور اچھی چیزوں کو عمل میں لاتا ہے۔ اور جب یہ نفس انسانی شوائب طبیعیہ اور کثافت مادیہ و جنبیہ نفسانیہ سے انخلا تام حاصل کر لیتا ہے تو اس وقت اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ اور اب اس کا تعلق محض عالم عقلانی سے ہوتا ہے دنیاوی جاہ و جلال دولت و مال ماکولات و مشروبات اس کے نزدیک ہیچ ہو جاتے ہیں اسکو ان اشیاء کے فوت ہو جانے سے نہ تو غم ہوتا ہے اور نہ حصول سے خوشی۔ اسکو ہر حالت میں اطمینان ہے

اس لئے اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں "قال عز و جل۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃً مرضیۃً"۔

افسوس ہے کہ شان نبوت کلیہ کو خود مسلمانوں نے اس درجہ گھٹایا ہے کہ شاید اس سے زیادہ تنزل ممکن اور متصور نہیں ہو سکتا۔ آپ آیۂ مندرجہ ذیل کی تفسیر کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ مفسرین نے خاتم المرسلین وجہ اللہ فی العالمین صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ایک طبعی انسان سے زیادہ تصور نہیں کیا ہے "انک میت وانھم لمیتون" اے پیغمبرؐ تو میت ہے اور وہ بھی میت ہیں مفسرین اس کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔ کہ جس طرح اور لوگ مرجاتے ہیں اسی طرح تو بھی مرجائے گا یعنی جس طرح سے اور بنی نوع بشر کے اجزائے طبعیہ بدنیہ میں اضمحلال اور تفرق پیدا ہوتا ہے۔ اسیطرح تیرے اجزائے بدنیہ میں بھی تفرق اور اضمحلال اور فنا واقع ہو گی۔ حالانکہ وہ جناب مخلوقات الٰہیہ علوی و سفلی میں وجہ اللہ، ید اللہ، عین اللہ، نور اللہ اور روح اللہ ہیں۔

خاتم المرسلین اور انکے اوصیاء معصومین نفس اللہ وجہ اللہ فی العالمین ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام

بدیہی ہے کہ جو کوئی کسی دوسرے سے کوئی شئے حاصل کرتا ہے اور اس کی براہ راست اتباع کرتا ہے تو وہ شخص دوسروں کے واسطے جو اس شخص اول تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کا وجہ ہو سکتا ہے کیونکہ وجہ کے معنے "ما یتوجہ الیہ" کے ہیں۔ چونکہ ارشاد باری ہے کہ تم ہر شے کی مثال اپنے نفسوں میں دیکھ سکتے ہو "وفی انفسکم افلا تبصرون" اس لئے ہم وجہ اللہ کے معنے اور مثال کو بھی اس نفس سے معلوم کر سکتے ہیں مثلاً ہمارے یہ اعضاء و جوارح طبعیہ و نفسانیہ اس انسان عقلانی کے ایسے مطیع اور فرمانبردار ہیں کہ اس کے حکم سے ذرہ برابر بھی اختلاف نہیں کرتے۔ اس کا حکم فوراً بجالاتے ہیں۔ اس کی خواہش اور ارادے کے تابع ہیں اس کو حکم دینے میں اُن سے کلام کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی جب وہ پاؤں کو چلنے کا حکم دیتا ہے تو یہ نہیں کہتا تو چل۔ یا کان کو سننے کا حکم دیتا ہے تو یہ نہیں کہتا کہ تو سن۔ یا آنکھ کو حکم دیتا ہے تو یہ نہیں کہتا کہ تو دیکھ۔ تب آنکھ دیکھتی کان سنتا ہے اور پاؤں چلتا ہے صرف اس کا ارادہ ہوتا ہے اور یہ تمام اعضاء اور جوارح اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ سب اس کے ارادے اور مشیت کے تابع ہیں۔ اسیطرح سے وہ نفوس قادسہ مقدسہ جو وجہ اللہ۔ ید اللہ۔ عین اللہ، اذن اللہ و نفس اللہ فی العالمین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے

ارادے اور مشیت کے تابع ہیں۔ اس کے حکم کی فوراً تعمیل کرتے ہیں۔ اپنے ارادے اور اپنی مشیت سے کوئی کام نہیں کرتے۔ کلام کرتے ہیں تو اللہ کے ارادے سے۔ ما ینطق عن الھوے ان ھو الا وحی یوحی" چلتے پھرتے ہیں تو لوجہ اللہ چلتے پھرتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں تو لوجہ اللہ کھاتے ہیں۔ نکاح کرتے ہیں تو لوجہ اللہ کرتے ہیں غرضکہ کسی کام سے وہ غیر وجہ اللہ ارادہ نہیں رکھتے۔ سارے کام لوجہ اللہ کرتے ہیں۔ ہر حالت میں ارادے اور مشیت الٰہیہ کے تابع ہوتے ہیں چنانچہ آیۂ مجیدہ اس مطلب کو واضح کرتی ہے "وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ" پس ان کے اجسام و انوار گویا مشیت اور ارادہ الٰہی کیلئے انسان نفسانی اور طبیعی ہیں۔

پس جب تک منشاء الٰہی مخلوقات میں جاری اور ساری ہے ان کی بقا ضروری اور لازمی ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ جب تک نفس اور عقل مجرد جسم طبیعی میں جاری اور ساری ہوتے ہیں جسم طبیعی انسانی خراب و تباہ نہیں ہوتا۔ ہر وقت تر و تازہ ثابت و قائم رہتا ہے۔ اس لئے جب تک مخلوقات علوی و سفلی میں منشاء مشیت اور قضا و قدر الٰہی جاری و ساری ہیں۔ اس وقت تک وجہ نفس اللہ زمین و آسمان میں تر و تازہ صحیح و سالم ثابت و قائم زندہ و باقی رہیگا۔ اس کو عالم زمانی مادی یا عالم برزخی نفسی فنا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ ان عوالم سے بزرگ و برتر بلکہ ان سب کا مجمع و مرکز ہے "فقال عز وجل۔ کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام" یعنے ہر شے جو زمین میں زندہ و موجود ہے سب فنا ہوتی رہیگی۔ مگر جو وجہ رب ہے وہ نہیں فنا ہوگا۔ وہ اسی طرح باقی رہیگا۔ کیونکہ اس میں یہ عوالم تاثیر نہیں کر سکتے۔ وہ ان سے اعلیٰ و افضل بزرگ و برتر ہے چنانچہ وہ جناب خود بھی اپنی زبان صداقت بیان سے ارشاد فرماتے ہیں "انا وجہ اللہ الباقی بعد فناء کل شیی"۔

اور وہ وجہ رب کیسا ہے "ذوالجلال والاکرام" ہے پس اپنی قوت جلالی سے اشیاء کو فنا کر دیگا اور جنبۂ اکرام سے زمین کو باقی رکھیگا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور یہ وجہ رب زمین میں ہے۔ آسمان میں نہیں ہے۔ کیونکہ علیھا کی ضمیر زمین کی طرف پھرتی ہے پس زمین کی موجودات فنا ہوتی رہینگی لیکن اس میں وہ جو وجہ رب ہے فنا نہیں ہوگا۔ وہ ہر وقت زندہ اور موجود رہیگا۔ اور جب خداوند عالم کو منظور ہوگا کہ اب زمین و ما فیھا کو فنا کر دیا جائے اور مخلوقات کو عالم عقلانی میں پہنچایا جائے تو وجہ اللہ کو اللہ زمین سے اٹھائیگا۔ زمین بھی فنا ہو جائیگی۔ "یوم تبدل الارض

غیر الارض" اور اسیطرح آسمان بھی "والسماء مطویات بیمینہ" کہ آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے کاغذوں کے مشابہ ہونگے"۔ اللھم صل علی محمد وآل محمد"
اور یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ ہر شے اپنی جنس اور سنخ میں اثر کرسکتی ہے غیر جنس اور غیر صنف میں اثر نہیں کرسکتی۔ مادہ نفس میں اثر نہیں کرسکتا نفس عقل میں اثر نہیں کرسکتا کیونکہ مادہ نفس کی سنخ اور جنس سے نہیں ہے اسیطرح نفس عقل کی جنس اور سنخ سے نہیں ہے اور یہ بدیہی ہے کہ رحمۃ للعالمین عقل کل نور محض خزانہ برقیہ وملکوتیہ الہیہ ہیں پس ان میں نہ تو مادہ اثر کرسکتا ہے جس سے ان کو موت اور نزع لاحق ہو۔ اور نہ نفس اثر کرسکتا ہے کہ صعق اور بیہوشی طاری ہو۔ وہ کل مخلوقات سفلی وعلوی سے قوی اور برتر ہیں اسلئے سوائے ذات واجب الوجود کے ان میں اور کوئی شے اثر اور ضمحلال نہیں پیدا کرسکتی۔ اور وہ نفوس قادسہ مقدسہ اللہ تعالیٰ کے اعضا اور جوارح کے قائم مقام ہیں اور اس کی مخلوقات میں اس کے ید عمالہ ہیں۔ اس کی عین باصرہ ہیں۔ اس کے اذن واعیہ ہیں۔ اس کے وجہ ہیں پس یہ کہنا کہ وہ بھی محض ایک مادی جسم رکھتے تھے اور مادے نے ان میں اثر کیا پس مر گئے۔ توہین شان محبوب رب العالمین اور شان نبوت کلیہ کو نہ سمجھا انکو ایک اپنی طرح کا انسان طبیعی سمجھنا ہے جو نہایت تاریک جہالت وضلالت کا نتیجہ ہے۔ ان کی مادیت ہماری روحانیت پر بھی فوقیت رکھتی تھی۔ اور اپنی روحانیت کے تابع تھی۔ اسیواسطے وہ روح مجسمہ اور جسد مروح کہلاتے تھے اور ان سے تمام افعال واعمال روح اعظم کے اثر سے صادر ہوتے تھے۔ فتدبر فیہ۔

پس مطلب "انک میت وانھم میتون" کا یہ ہے کہ اے محبوب تو عالم دنیا میں بھی میت ہے یعنی تو نے ان تمام مدارج ومعارج ترقیات کا عالم دنیا میں ہی احاطہ کر رکھا ہے جن کو دوسرے لوگ موت کے بعد حاصل کرسکتے ہیں کہ پہلے وہ لوگ جسم طبیعی سے قطع تعلق کرینگے اور پھر اس کے بعد جسم نفسانی سے انقطاع اور انخلاء حاصل کرینگے تب عالم عقلانی میں پہنچینگے لیکن تجھکو اسکے انقطاع اور انخلاء کی ضرورت نہیں ہے۔ تو پہلے ہی سے عالم عقلانی میں پہنچا ہوا ہے۔ عالم عقلانی تیرا ہی نور ہے۔ تیرا ہی ظہور ہے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم"۔ "وانھم میتون" اور اسیطرح سے وہ نفوس قادسہ مقدسہ جن میں ہم نے تیرے نور اور تیری روح سے حصہ داخل کر دیا ہے۔ جو انبیا و مرسلین ہیں۔ وہ بھی اسیطرح سے عالم دنیا میں میت ہیں یعنی انہوں نے بھی عالم دنیا ہی میں ہر طرح کے شوائب طبیعیہ اور علائق نفسانیہ سے انقطاع اور انخلاء حاصل کر لیا ہے۔ اور عالم عقلانی میں داخل ہیں۔

علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

اور یہ معانی اس آیۂ مجیدہ کے اسی آیت سے پیدا ہوتے ہیں کسی تفسیر اور حدیث سے نہیں نکالے گئے ہیں۔ کیونکہ "انک میت وانھم لمیتون" جملہ اسمیہ ہے جملہ فعلیہ نہیں ہے۔ اور جملہ اسمیہ دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ یعنے اے محبوب تو ہمیشہ میت ہے کسی خاص زمانے اور وقت میں نہیں۔ اگر جملہ فعلیہ ہوتا تب تو البتہ مفسرین کے معانی درست ہوتے کیونکہ پھر تو وہ موت خاص کسی ایک وقت اور زمانہ میں واقع ہوتی لیکن چونکہ یہ جملہ اسمیہ ہے اس لئے میت سے مراد محیط منتہائے ترقی انسانی ہے۔ نہ اور کچھ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

بہرحال جب تک زمین میں وجہ رب وجہ اللہ باقی ہے۔ زمین اسیطرح سے قائم اور دائم رہیگی اور جب وجہ رب اس زمین سے تشریف لے جائیگا تو اس وقت یہ زمین بھی متفرق اور فنا ہو جائیگی "یوم تبدل الارض غیر الارض"۔ افسوس ہے کہ بہت سے مطالب تنگی وقت کی وجہ سے بیان نہیں ہو سکتے۔ "وجہ اللہ" اور ہے اور "وجہ الرب" اور "وجہ اللہ" مقام نبوت ہے اور "وجہ الرب" مقام امامت۔

خیر ایک مسئلہ جس سے نئے تعلیمیافتہ لوگوں کو بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے وہ اس مقام کے مناسب ہے۔ اور اب اسکو بیان کیا جاتا ہے۔

مسئلۂ تثاقل عمومی اور تدافع عمومی

وہ مسئلہ تثاقل عمومی اور تدافع عمومی ہے یعنی آجکل یہ خیال عام ہو رہا ہے کہ ہر جسم اور جرم میں ایک قوتِ جذب ہے اور ایک قوتِ دفع پس ہر جسم اپنی قوت جذب سے دوسرے جسم کو اپنی طرف کھینچتا اور جذب کرتا ہے اور وہ قوت دفع سے اس کو اپنے نزدیک سے دور پھینکتا ہے پس اس تثاقل و تدافع عمومی پر نظام عالم قائم ہے کہ زمین آفتاب میں منجذب نہیں ہو جاتی اور ستارے زمین سے نہیں ٹکراتے۔ ہر ایک اپنے اپنے مقام پر قائم اور ثابت ہے لیکن اس مسئلہ میں جب محققین فن نے غور و خوض اور مشاہدہ کیا تو انکو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ پختہ بنیاد پر قائم نہیں ہے کیونکہ جب بعض سیارے حرکت کرتے کرتے کسی ایک بڑے جسم مثلاً آفتاب کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ تو پھر انکو چاہئے کہ اصل اصول کی بنا پر آفتاب میں منجذب ہو جائیں۔ جس طرح سے مقناطیس کے بہت قریب جا کر لوہا اس میں منجذب ہو جاتا ہے لیکن ایسا نہیں ہوتا وہ پھر آفتاب سے دور چلے جاتے ہیں۔ اسلئے وہ کہتے ہیں کہ معلوم نہیں وہ کیا شئے ہے جس نے

زمین اور آسمان کو اپنی اپنی جگہ قائم اور ثابت کر رکھا ہے پس وہ متحیر و مبہوت ہیں کچھ نہیں بیان کرتے کہ وہ کیا شے ہے؟ وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ لوگ قرآن یعنے قانون میں تو اس امر کو تلاش نہیں کرتے۔ وہ تو انسان طبیعی فیثا غورث۔ افلاطون۔ نیوٹن۔ گوئٹی وغیرہ کی تصنیفات و تالیفات میں اس مسئلہ کو ڈھونڈتے ہیں!!

آسمان ستون غیر مرئی پر بلند اور قائم ہے

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔ "رفع السمآء بغیر عمد ترونہا" خداوند عالم نے آسمان کو ایک ایسے ستون سے بلند فرمایا ہے جس کو تم نہیں دیکھ سکتے یعنی آسمان کو ستون سے بلند اور قائم کیا گیا ہے لیکن وہ ایسا ستون نہیں ہے جسکو ہم دیکھ لیں وہ ہمیں نظر نہیں آسکتا ہے۔

سبحان اللہ جو شئے ہماری سمجھ سے باہر ہے اس کو خداوند عالم خود ہی مثال اور تشبیہ دیکر بیان کرتا ہے تاکہ ہم بھی اس سمجھ لیں۔ فقال عز و جل: "مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت و فرعہا فی السمآء" پس وہ ستون کلمۂ طیبۂ الٰہیہ ہے جو مثل ایک درخت عظیم کے ہے کہ اس کی جڑ تو زمین میں قائم اور ثابت ہے اور شاخ آسمان میں پہنچی ہوئی ہے پس اصل سے مراد وہی وجہ رب ہے۔ جو زمین میں باقی غیر فانی ہے۔ کیونکہ ثابت وہی شے ہو سکتی ہے جس پر فنا ثابت نہ ہو سکے اور فرع سے مراد اس کا اکرام ہے کہ اس نے اپنے جنبۂ اکرام سے انتظام عالم کو قائم کر رکھا ہے۔ اور جب وہ وجہ رب اس زمین سے تشریف لیجائیگا۔ تو آسمان لفافہ کی مانند لپٹتا ہوا چلا جائیگا۔ "یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات مطویات بیمینہ"!

پس وہ شے جس نے ان کرات ارضی و سماوی کو قائم اور باقی رکھا ہے۔ وہ وہی وجہ اللہ ہیں جو ارکین زمین و اساطین آسمان کہلاتے ہیں ؎

قدم سے جن کے دیں کے زمیں پانی پہ قائم ہے
قرار کشتی دنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

اللھم صل علی محمد و آل محمد بعدد معلوماتک فی الازل و الابد۔

انسان طبیعی، انسان نفسی، انسان عقلی سب نوع انسان میں موجود ہیں

بہر حال جس طرح سے ہر وجود انسانی تین درجے رکھتا ہے۔ اسی طرح سے نوع انسان میں بھی تین قسم کے انسان

موجود ہیں یعنی جس طرح سے ایک فرد انسانی میں تین طرح کے انسان موجود ہیں۔ اسی طرح سے مجموعہ افراد انسانی میں بھی علیحدہ علیحدہ تین قسم کے انسان موجود ہیں۔ ہمارے اس بیان کو توہمات خیالیہ سے نہ سمجھا جائے۔ اس بیان کی قرآن مجید فرقان حمید میں متعدد آیات موجود ہیں۔ تدبر اور تفکر شرط ہے منجملہ انکے یہ آیت ہے۔ قال عزوجل: "وکنتم ازواجا ثلثة فاصحب المیمنة ما اصحب المیمنة واصحب المشئمة ما اصحب المشئمة والسبقون السابقون اولئك المقربون" پس اصحاب المیمنہ یا اصحاب الیمین وہ لوگ ہیں جو سابقون سے استماع موعظہ کرتے ہیں اور حق و باطل میں فرق کر کے ان کے فرمان کی اطاعت کرتے ہیں اور انکا نفس انکی طبیعت پر غالب ہے۔ جب انکا انسان طبیعی حرام و حلال انکے سامنے پیش کرتا ہے تو حلال کو قبول کرتے ہیں اور حرام کو رد کر دیتے ہیں اور اپنے معبود حقیقی کی عبادت کرتے ہیں اور سابقون کو اپنے پروردگار کا وجہ قرار دیتے ہیں اور خود ان کی اطاعت کر کے مخلوق میں انکا وجہ بنتے ہیں جنکی نسبت ارشاد ہوا ہے" ومن یطع الرسول فقد اطاع الله" پس جو شخص حلال و حرام اور حق و باطل میں تمیز رکھتا ہے اور حدود اللہ سے تخطی نہیں کرتا۔ وہ یقیناً انسان نفسانی کے درجے میں پہنچا ہوا ہے اور انسان نفسانی ہے۔

اور جو شخص نہ تو استماع موعظہ کرتا ہے اور نہ حلال و حرام میں فرق۔ جو سامنے آتا ہے کھا پی لیتا ہے۔ حدود اللہ کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ وہ یقیناً انسان طبیعی ہے جس کو خداوند عالم نے اصحاب المشئمہ و اصحاب الشمال کہا ہے۔ اور جو تمام مخلوقات الہیہ سے ہر بات میں سابق ہیں۔ نور میں سابق ہیں، روح میں سابق ہیں، طین میں سابق ہیں، خلق میں سابق ہیں، صورت میں سابق ہیں، سیرت میں سابق ہیں، ہر امر میں سابق ہیں۔ وہ یقیناً انسان عقلی ہیں۔ اس لئے کہ انکا تعلق براہ راست ذات واجب الوجود سے ہے۔ اُن کے مابین کوئی اور فاصلہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مقربین بارگاہ واجب الوجود ہیں اور مقرّب اور متقرب کے درمیان دوسری شئے کا فاصلہ تقرب کو فسخ کر دیتا ہے اس لئے بلا واسطہ انکا تعلق ذات واجب الوجود سے ہے پس وہ ہر شئے کو واجب الوجود سے براہ راست لیتے ہیں اور اسپر عمل کر کے اپنے آپ کو انہوں نے وجہ بنایا ہوا ہے پس وہ اسکی معیشت ہیں۔ اس کے ارادے ہیں۔ اس کی لوح ہیں۔ اس کے قلم ہیں۔ اس کے ہاتھ ہیں اس کے کان ہیں۔ اس کی آنکھ ہیں پس وہی لوح محفوظ ہیں۔ وہی کتاب اللہ ہیں وہی کلمۃ اللہ ہیں۔ وہی اسمائے حسنیٰ ہیں۔ وہی فرقان ہیں۔ وہی قرآن ہیں۔ وہی کل عوالم کے بشیر و نذیر ہیں

وہی صراط مستقیم ہیں۔ وہی میزان عمل ہیں۔ وہی حاشر ہیں۔ وہی محاسب ہیں۔ وہی شفیع ہیں وہی مختار ہیں۔ وہی قسیم جنت و نار ہیں۔ انہی کو ارشاد باری ہے۔ "القیا فی جھنم کل کفار عنید" اے دو شخصو یعنے محمد و علی ہر کفار و عنید کو جہنم میں ڈالدو۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد۔

پس مجموعہ افراد انسانی میں انسان طبیعی مشرکین و منافقین ہیں اور انسان نفسانی موحدین و مومنین ہیں۔ اور انسان عقلانی انبیاء و مرسلین اور ائمہ طاہرین ہیں۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام +

اس لئے انسان طبیعی اور نفسی پر واجب و لازم ہے کہ انکے اقوال و افعال کی اتباع اور اطاعت کرے۔ نہ یہ کہ انکو اپنے قوانین مہملہ اور ضوابط فاسدہ پر چلنے کے لئے مجبور کرے اور اگر وہ انکار کریں تو انکو قتل کرے اور زہر دیدے!!! اسیواسطے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے۔ "یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم"۔

ظرف مظروف کے قابل اور لائق ہونا چاہیئے

قاعدہ ہے کہ جیسا مظروف ہوتا ہے۔ ویسا ہی اُس کیلئے ظرف تیار کیا جاتا ہے۔ گل گلاب کیلئے ٹوکرے ہوتے ہیں عرق گلاب کیلئے قرابہ ہوتا ہے۔ اور عطر گلاب کیلئے نہایت صاف و شفاف کانکا شیشی تیار کی جاتی ہے عطر گلاب کو مٹی کے کوزے میں نہیں رکھا جاتا۔

پس وہ صادر اول جو کل انوار اور برقیات اور ملکوت ارضین و سموات کا مصدر ہے۔ چاہیئے کہ اس کیلئے ظرف بھی ویسا ہی نوری اور برقی اور ملکوتی ہو۔ کیونکہ کوئی غیر جنس کے ظرف اس کی تاب نہیں لاسکینگے پس خلاق عالم جو صاحب عرش ہے۔ اس نے روح اعظم نبوتی کو اپنے عرش رحمت سے صادر فرمایا ہے پس وہ روح اعظم روح عرشی ہے پس جو روح عرشی ہے تو اس کیلئے جسم بھی عرشی ہی ہونا چاہیئے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔ "رفیع الدرجات ذوالعرش یلقی الروح من امرہٖ علی من یشاء من عبادہٖ لینذر یوم التلاق" پس خلاق عالم نے اُس روح اعظم نبوتی کیلئے جسم بھی ویسا ہی نورانی عطا فرمایا ہے۔ جیسا اُس کا عرش عالی روشن اور منور ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔ "ھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصھرا وکان ربک قدیرا" اللہ وہ ذات پاک ہے کہ جس نے روح اعظم نبوتی کو مادر مطلق کے جسم میں صورت بشری یعنی دیدنی عطا کی ہے اور اللہ اس امر پر قادر ہے کہ وہ نور کو نور کے جسم میں ظاہر کرے پس یہ کون سا پانی ہے؟ یہ وہی پانی ہے جس کی نسبت ارشاد ہے "ھو الذی

خلق السموات والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی الماء" یعنے اللہ نے آسمانوں اور
زمین کو چھ روز میں خلق فرمایا ہے اور اس وقت اس کا عرش رحمت یا عرش علمی پانی پر تھا یعنی اس
زمین و آسمان کی خلقت سے پہلے روح اعظم نبوتی جسم نورانیہ مائیہ میں موجود تھی صلے اللہ علیہ وآلہ
وسلم۔ اور جب خداوند عالم کو منظور ہوا۔ کہ مخلوقات کو خلق فرمائے۔ تو اس نے پہلے ان مخلوقات
علوی و سفلی کے قوالب و اجسام و اجرام و ہیاکل تیار کئے۔ بعد ازاں اُن میں وہی مار نورانی جو
طین نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تھی۔ جاری و ساری فرمائی پس وہ عرصۂ
عدم سے میدان وجود و شہود میں جلوہ گر ہوئے۔ فقال عزوجل "وجعلنا من الماء
کل شیئ حی" ہم نے ہر زندہ شے کو خواہ وہ عالم علوی کی ہے یا عالم سفلی کی سب کو پانی سے
زندہ بنایا ہے۔ یاد رہے کہ

"مقام اجراء و تقسیم نور محبوب در اجرام و اجسام مقام طینت محبوب ہے۔ نہ روح
اعظم نبوتی۔ ورنہ کل اجرام و اجسام اور تمام ہیاکل وصور خاتم النبیین ہوتے
کیونکہ مدار ختم وہی روح اعظم نبوتی ہے نہ طینت ؎

پس جہاں کہیں "نفخت فیہ من روحی" آیا ہے۔ اس روح سے وہی بعض طینت محبوب رب العالمین
مراد و مقصود ہے۔ نہ روح اعظم نبوتی۔ کیونکہ اسکی تجلیات کو اور کوئی جسم و جرم برداشت نہیں کر سکتا
اس میں جنسیۂ واجبیت بالغیر ہے۔ ممکن اسکی تاب کب لاسکیگا۔ کوہ طور اس روح اعظم نبوتی کے ذرا
سے جلوے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور جناب موسیٰ جیسے اولوالعزم پیغمبر بیہوش ہو کر گر پڑے۔
فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقاً" پس جس قدر انبیاء و مرسلین
میں کمالات موجود ہیں وہ سب آپ کی طرف سے انکو پہنچے ہیں اور سب آپ ہی کا فیض ہے

از طفیل نور تو آدم شدہ شاہ زمیں
در جبین پاک او مسجود عالیشاں توئی

توضیح لفظ بشر و ابو البشر

جناب آدم علیہ السلام کو ابو البشر کہتے ہیں بشر اس شے کو
کہتے ہیں جس کا وجود او رجثہ ظاہر ہو پس مادی البشرہ کے
کے معنے محسوس اور مشاہد جسم کھلی کھال والا شخص ہے۔ اور وہ انسان جو مشاہد و محسوس بجواس
ظاہری ہو وہ انسان طبیعی مادی ہے۔ پس گویا جناب آدمؑ انسان ظاہری کے اب (باپ)
ہیں اس لئے کہ خلاق عالم نے انسان ظاہری طبیعی کا سلسلہ جناب آدمؑ سے شروع کیا ہے۔

"فقال عزوجل": انی خالق بشرا من طین فاذا سویته و نفخت فیه من روحی فقعوا له ساجدین"۔ یعنی میں اب ایک انسان طبیعی بادی البشرہ بنانا چاہتا ہوں جو سب کو نظر آئے گا۔ اور جب میں اس قسم کے جسم مادی کو بنا لوں۔ اور پھر اس میں اپنی ذری سی روح پھونکدوں تب تم سب کے سب اس کو سجدہ کرو ا

بدیہی ہے کہ قالب بشری جناب آدمؑ کو سجدہ نہیں دلوایا گیا تھا۔ بلکہ اس بعض روح کو جو اس میں پھونکی گئی تھی۔ اور وہ روح کیا شے تھی۔ نور محمدی کی ایک شعاع تھی اور یہ قالب بشری جناب آدمؑ طینت نورانیہ محبوب کیلئے ایک ظرف تھا نہ روح اعظم نبوتی کیلئے۔ ورنہ جناب آدم بھی خاتم الانبیاء ہوتے پس جناب آدم ابوالبشر یعنی ابوالاجساد ہیں اور خاتم المرسلین سید الاولین والآخرین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح ام الارواح ہے اور ذات واجب الوجود مصدر اول خالق الارواح ہے

جسم مادی یعنی انسان ظاہری جس کو بشر کہتے ہیں۔ تراب سے بنا تھا چنانچہ ارشاد ہوا ہے "ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب" یعنی مثال جناب عیسیٰ کی خداوند عالم کے نزدیک مثل آدمؑ کے ہے کہ ان کو تراب سے خلق فرمایا تھا پس جناب آدمؑ ابوالبشر ہیں۔ ابوتراب نہیں ہیں یعنی اصل اصول مادہ بشری نہیں ہیں۔ بلکہ اس کی ایک صورت کے اب (باپ) ہیں۔ ابوتراب وہ ہے۔ جو اس مادہ نورانی سے مخلوق ہوا ہے جس سے روح اعظم نبوتی مخلوق ہوئی ہے۔ قال عزوجل" ہوالذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا و صہرا وکان ربك قدیرا" یعنی ابوتراب وہ شخص ہے جسکا جسم ظاہری اس طین سے مخلوق ہوا ہے جس سے روح اعظم کا جسم ظاہری مخلوق ہوا ہے پس وہ نسب میں اسکا صہر ہے اور وہ اسکا داماد ہے علیہما الصلوٰۃ والسلام۔

توضیح لفظ امی نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امی کہتے ہیں جس کے معنے ان پڑھ یعنی جاہل کے کرتے ہیں قال عزوجل۔ الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التورٰیۃ و والانجیل یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبٰت و یحرم علیھم الخبائث. فالذین امنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئك ھم المفلحون"۔

اللہ اکبر! جناب آدمؑ ابوالبشر تو بدو خلقت سے ملائکہ کے معلم ہوں اور خاتم المرسلین

سید الاولین و الآخرین صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم چالیس سال تک امی یعنی جاہل رہیں۔ وقال عزوجل " ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم و ھو العزیز الحکیم۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم" حرف لما متوقع الحصول امور میں مستعمل ہوتا ہے۔ پس اگر امی کے معنی ان پڑھ اور جاہل کے لئے جائیں تو یہ مطلب ہو گا کہ اللہ وہ ہے جس نے جاہلوں میں سے اپنے رسول کو مبعوث کیا پس اس نے انکو تزکیہ نفس کرایا اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دی۔ اور کچھ اور باقی رہ گئے ہیں جو بعد میں رسول کے آئیں گے!!! پس اب جبکہ تمام زمانہ لکھ پڑھ گیا ہے۔ خداوند عالم ان باقی جاہلوں کو بھیجیگا۔ آپ اس امر کی توقع رکھیں۔ وہ ضرور آئیں گے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اصل مطلب یہ ہے کہ امی کے معنے صاحب روح ام الارواح ہیں یعنی وہ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کی روح ام الارواح ہے اس کو یہود اور نصاریٰ توارت و انجیل میں مع اوصاف کے لکھا ہوا پاتے ہیں صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور وہ امیین جن میں سے اللہ نے انکو مبعوث فرمایا ہے ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین ہیں کیونکہ وہ نفوس قادسہ مقدسہ بھی اسی نبی امی کی طرح صاحب ام الارواح ہیں اس لئے کہ ان سب کا نور ایک ہے۔ انکا اول محمدؐ ہے۔ آخر محمد ہے۔ انکا اوسط محمد ہے اور یہ سارے کے سارے محمد ہیں۔ قال علیہ السلام " اولنا محمدؐ و اخرنا محمدؐ و اوسطنا محمدؐ و کلنا محمدؐ"۔

دوسرے معنے امی کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے غیر اللہ سے کوئی شے نہیں حاصل کی ہے۔ ان کے علوم اور ساری چیزیں لدنی ہیں۔ ہمارے بیانات سابقہ سے ظاہر ہو گیا ہے۔ کہ صادر اول یہی نفوس قادسہ مقدسہ ہیں۔ سابقون اور مقربون یہی ہیں اور جو شے پہلے مصدر اول سے صادر ہوئی ہے وہ نفس علم قرآن ہے۔ قال عزوجل " الرحمان علم القران خلق الانسان علمہ البیان" یعنے مصدر رحمانیت سے جو شے پہلے صادر ہوئی ہے وہ نفس قرآن ہے یعنی ذات محبوب رب العالمین شہر علم الٰہی ہے اور پھر اس کے بعد انسان مخلوق ہوا ہے وہ اس کا بیان ہے۔ جو باب اور دروازہ ہے پس یہ نفوس

قادسہ ومقدسہ عالم بہ تعلیم الٰہی ہیں۔ اُنہوں نے مخلوق سے علم نہیں حاصل کیا ہے۔ اس لئے امی ہیں چنانچہ قرآن مجید کے متعلق ارشاد ہے۔ "بل ھو ایات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم" یعنی قرآن کیلئے ہے، قرآن آیات بینات ہیں سینوں میں ان لوگوں کے جن کو خداوند عالم نے علم عطا کیا ہے نہ اُن لوگوں کے پاس جنہوں نے کسب اور تحصیل سے علم حاصل کیا ہے اور یہ لوگ جو اوتوا العلم ہیں یعنی صاحبان علم لدنی۔ زمانہ رسول میں بھی موجود تھے اور لوگ بھی انکو جانتے تھے۔ کہ وہ صاحبان علم لدنی ہیں چنانچہ ارشاد ہوا ہے "ومنھم من یستمع الیک حتے اذا خرجوا من عندک قالوا للذین اوتوا العلم ماذا قال انفا۔ اولئک الذین طبع اللہ علے قلوبھم واتبعوا اھوائھم" یعنی اے رسول بعض لوگ ایسے ہیں کہ تیری باتوں کو خوب کان لگا کر سنتے ہیں لیکن جب تیرے پاس سے باہر جاتے ہیں۔ تو ان لوگوں سے جو "اوتوا العلم" ہیں کہتے ہیں کہ رسول نے اب کیا کہا تھا۔ ہماری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آیا۔ بہرحال خلاق عالم نے ان نفوس قادسہ ومقدسہ کی ارواح نورانیہ کیلئے جو ام الارواح ہیں احساد بھی ویسے ہی نورانیہ خلق فرمائے ہیں لیکن ان ارواح اور اجساد کی نورانیت ایسی نہیں ہے کہ ہم اس کو حواس ظاہری سے محسوس کر سکیں۔ اس لئے خداوند عالم نے ہمارے سمجھانے اور حواس ظاہریہ سے محسوس کرنے کیلئے تشبیہات مفردہ ومرکبہ اور محسوسہ وغیر محسوسہ سے آیہ مجیدہ میں بیان فرمایا ہے۔ "اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لاشرقیۃ ولاغربیۃ یکاد زیتھا یضی ولو لم تمسسہ نار نور علی نور" یعنی وہ ارواح نورانیہ ایسے اجساد نورانیہ میں رکھی گئی ہیں جن کو نور علی نور کہہ سکتے ہیں۔ اللھم صل علی محمد وال محمد۔

پھر آگے چلکر انکی توضیح فرما دی ہے کہ وہ کہاں ہیں اور کیا ہیں؟ "فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ رجال لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ" تجارت اور بیع لہٰذا ان کے واسطے اب وقت نہیں ہے۔

ہر نبی نے اپنے بعد میں آنیوالے کی بشارت دی ہے۔ جناب آدمؑ نے جناب نوحؑ کی جناب نوحؑ نے جناب ابراہیمؑ کی۔ جناب ابراہیمؑ نے جناب موسیٰؑ کی جناب موسیٰؑ نے جناب عیسیٰؑ کی۔ اور جناب عیسیٰؑ نے خاتم المرسلین سید الاولین والآخرین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت

دی ہے یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشرا
برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد یس کل انبیاء و مرسلین نے گویا آپ کی بشارت دی ہے
اور آپ کے بعد نبوت و رسالت ختم ہو چکی ہے۔ اور اب کوئی نبی آنے والا نہیں ہے لیکن قرآن مجید و
فرقان حمید میں آپ کو بھی مبشر کہا گیا ہے۔ یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا ومبشرا
ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا پس آپ بھی ضرور کسی کے مبشر ہیں
پس آپ اس اُمّی آخر کے مبشر ہیں جس سے خداوند عالم نے وعدہ کیا ہے کہ انکو تمام روئے زمین
کا خلیفہ بنائیگا اور ان کے ہاتھ پر کل زمینی اور آسمانی مخلوقات اسلام لائے گی اور ان کے ہاتھوں
سے اسلام تمام ادیان پر غلبہ و ظہور حاصل کریگا۔ فیومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ۔
اللہ اکبر! یہ وہ دن ہوگا کہ خداوند عالم نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا ہے۔
کہ تم اس دن وہاں موجود ہونے کی ہم سے درخواست کرو ہم تمہاری درخواست منظور کرینگے
فقال عزوجل. قل رب اما ترینی ما یوعدون وانا علی ان نریک ما نعدھم
لقادرون! پس جب وہ آخری اُمّی ظہور فرمائے گا تو اس کے نور سے تمام زمین و آسمان روشن
اور منور ہو جائیں گے۔ اس وقت آفتاب و ماہتاب کی روشنی کی ضرورت باقی نہیں رہیگی کیونکہ
حسب وعدہ وہ نور الانوار اور روح الارواح جو مبدا اور مرکز ہے ملکوت سماوات و ارضین
کا۔ اس کے ہمراہ تماشا دیکھنے کیلئے موجود اور حاضر ہوگا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ واشرقت
الارض بنور ربھا۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ الطاھرین
والسلام علی من اتبع الھدیٰ

مواعظ حسنہ

حصّہ چہارم

طبع ثالث کی کاپی ہو چکی ہے۔ اور ہمارے بہت سے احباب کا اصرار ہے کہ اس اڈیشن میں کچھ مواعظ کا ضرور اضافہ ہو مگر ہمیں اتنی فرصت البرہان اور دیگر ضروری تحریرات کی وجہ سے اس وقت میسر نہیں کہ ہم خاص طور پر مواعظ ترتیب دے سکیں جیسا کہ ہمارے بعض مخلص احباب کا خیال ہے لیکن تعمیل ارشاد ضروری ہے۔ اس لئے چند مواعظ جو سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ نے سنہ ۱۹۰۹ء سے سنہ ۱۹۱۲ء تک بعض اوقات پٹیالہ اور نواحی پٹیالہ مثلاً بسی وغیرہ میں ارشاد فرمائے تھے۔ اور جناب صدیق محترم مولوی نبی بخش صاحب مشہدی زید فضلہ نے اپنے مذاق و شوق کے مطابق نہایت ایجاز و اختصار کے ساتھ چھوٹی چھوٹی مجالس کی صورت میں اس وقت قلمبند فرمائے تھے ان کو نظر ثانی کے بعد اس طبع ثالث کے حصہ چہارم میں درج کیا جاتا ہے۔ ان مواعظ میں اگرچہ بعض عنوانات و موضوعات مشترک بھی ہیں لیکن ناظرین کرام غور سے مطالعہ فرمائیں گے تو ہر ایک میں مواعظ و نصائح اور معارف قرآنی کے نئے نئے اشارے اور نکتے پائیں گے۔ اور چونکہ انکا طرز اور عنوان آسان ہے۔ اس لئے ہر قسم اور طبقہ کے باسواد افراد اس سے اپنے اپنے علم و مذاق کے موافق استفادہ کر سکیں گے اور اپنے الفاظ اور رنگ میں رنگ کر دوسروں کو حسب عادت و قاعدہ پہنچا سکینگے۔ اور اس سے گویا شیخ مرحوم کی شخصیت نمایاں بلکہ زندہ ہوتی رہیگی اور کتاب میں کچھ اضافہ اور جدت ہو جائیگی۔ اور ثواب میں ہمیں بھی انشاء اللہ نبی بخش صاحب کے ساتھ حصہ ملیگا۔

مجلسِ اوّل

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

یوم ندعوا کل اناس بامامہم

انسان محسوسات کے ذریعہ معقولات کو سمجھتا ہے اور جو امر مختلف فیہ ہے جب اسمیں غور کیا جاتا ہے تو حقیقت واقعیہ آہستہ آہستہ ظاہر ہو جاتی ہے لیکن وہ شے جسمیں اختلاف نہیں ہوتا اور مسلم حقیقت ہوتی ہے اس میں حق کا اظہار مشکل ہو جاتا ہے۔ کہ ذہن کی توجہ اس کی تحقیق کی طرف نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس میں سب کا اتفاق ہوتا ہے! مثلاً اسلام پر ہم سبکا اتفاق ہے تو یہی وجہ ہے کہ اسلام کی حقیقت ہی مفقود ہو گئی ہے محض اب اتنے ہی پر قناعت ہے کہ من قال لا الہ الا اللہ فھو مسلم اور اب یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ باوجود اس کے قائل ہونے کے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی تکفیر کرتا ہے اور معلوم نہیں ہوتا کہ اصل اسلام کہاں ہے کہ باوجود اس کے کہنے کے ایک دوسرے کو کافر کہا جاتا ہے۔ اور باقی ارکان اسلام توحید نبوت اور قیامت ہیں اور اسیطرح فروعات اسلام روزہ۔ نماز۔ حج وغیرہ ہیں اور ان سب کو بھی لوگ مانتے اور بجالاتے ہیں لیکن پھر بھی ایک فرقہ دوسرے کو کافر ہی کہتا ہے۔ معلوم نہیں کہ آخر اسلام کیا ہے؟ جس کے ماننے اور بجالانے سے ایک دوسرے کو کافر نہ کہیں؟ پس اصل بات یہ ہے کہ ٹھیک اور درست تعریف اسلام کی اہل علم نے نہیں کی ہے جس سے سب مسلمان دائرۂ اسلام میں داخل رہیں پس ظاہر ہے کہ شیعہ اور سنی دونوں فرقوں میں سے روح اسلام مفقود ہو رہی ہے کیونکہ شیعہ شیعہ کو کافر اور غالی کہتے ہیں اور سنی سنی کو کافر اور مشرک کہتے ہیں اور حالانکہ "من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ" کے سب قائل ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ حقیقت اسلام ابتک لوگوں کو معلوم نہیں ہوئی ہے۔ ورنہ آپس میں ایک دوسرے کو کافر نہ کہتے بلکہ کل مومن اخوۃ کے مطابق سب ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھتے۔ ابتدا میں اسلام کی حقیقت لوگوں کو ٹھیک معلوم تھی یہی وجہ تھی کہ ذمی کافر تک ایک

ہی حکم کے ماتحت ہوتے تھے اور یہود و نصاریٰ سب اسلام کے اس حکم میں آجاتے تھے
اور ایک دوسرے سے برادرانہ سلوک کرتے تھے محض ایک جزیہ دیکر۔ اور اب دو مسلمان
ایک حکم میں مساوی نہیں سمجھے جاتے بس ظاہر ہے کہ آجکل کا اسلام اس پہلے اسلام سے
بالکل مخالف ہی جو دو مسلمان ایک حکم کے تحت میں نہیں آتے پس اصل یہ ہے کہ اس زمانہ
میں صاحب اسلام بانی اسلام موجود تھے اور ایک تعریف اور ایک حد اسلام کی مقرر تھی جو خدا
و رسول کے منشاء کے موافق تھی جس کے ماتحت سب امن و امان سے زندگی بسر کرتے تھے
اور اب مسلمان مسلمان کے ہاتھ سے رنج و تعب میں پڑا رہتا ہے۔ کیونکہ اُس وقت کوئی
مسلمان اپنی ذاتی غرض کی خاطر اسلام میں رخنہ اندازی نہیں کرسکتا تھا کہ بانی اسلام کا رعب
تھا! اور اب جو لوگ اسلام کے ہادی بنے ہوئے ہیں اُنھوں نے اپنی ذاتی اغراض کی
خاطر اسلام کے دائرہ کو ایسا تنگ اور خراب کردیا ہے کہ سوائے اپنی ذات کے
اور کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے!

اگر یہ لوگ اب بھی اصلاح کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں اس طرح سے کہ انہیں پہلے
مسلمانوں کے حدود کو قائم رکھیں اور ہر روز نئے نئے فرقے نہ بنائیں۔ بلکہ اُسی پہلی روش
پر اسلام کو لے جائیں لیکن پھر ذاتی اغراض کہاں حاصل ہوسکتی ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے ہادی اسلام ہی کو درست نہیں پہچانا ہی کیونکہ اگر
بانی اسلام کو یہ لوگ پہچانتے تو محض اُنہیں کی اصلاح پر کاربند ہوتے اور اپنی رائے کو
اسلام میں ہرگز داخل نہ کرتے اور ہر روز قرآن مجید فرقان حمید کے نئے نئے معانی نہ پیدا
کرتے اور نئی نئی تفاسیر نہ بناتے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب طالب حق کیلئے محال ہوگیا ہی
کہ وہ حق کو پہچانے مثلاً مسئلہ خلافت میں اس قدر طول دیا گیا ہے کہ ہزاروں کتابیں لکھ
ڈالی ہیں جن میں محض اپنی بات کو منوانا منظور ہے نہ اظہار حق اور اب اُن کتابوں سے تمام
کتب خانے پُر ہیں اور عوام نے محض انہیں کو اپنا اعتقاد بنا لیا ہے مثلاً آجکل حضرت
علی علیہ السلام کی ایسی تعریف کی جاتی ہے کہ رسول اللہ سے بھی انکو بڑھا دیا جاتا ہے حالانکہ
اصل پر فرع کبھی نہیں بڑھ سکتی کیونکہ تفضیل مفضول کی فاضل پر ہرگز نہیں ہوسکتی۔ دیکھو غالیوں
کی کتابیں! اور اسیطرح اہل سنت خلفاء کی ایسی تعریف کرتے ہیں کہ رسول سے بڑھا دیتے ہیں
پس بتلاؤ کہ اصل اسلام کہاں سے پیدا کیا جائے۔ کیونکہ اہل اسلام کی تو یہ حالت ہی اور تفسیروں کا

یہ حال ہے کہ ہر مفسر نے اپنی تفسیر میں کچھ نہ کچھ دوسرے کی تفسیر پر اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے
تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ اس مفسر نے محض دوسرے کی نقل کی ہے اور اس کی شان علمی میں فرق آئے
پس اب اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی آیت کا مطلب درست نہیں بنتا ہر شخص کی تفسیر ایک دوسرے
کے مخالف ہے پس اصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے صاحب قرآن کو نہیں پہچانا۔ ورنہ ہرگز ان کے قول
پر اپنے قول کو ترجیح نہ دیتے محض انہیں کی تفسیر پر اکتفا کرتے۔کیونکہ وہی حقیقی مبین و مفسر کلام اللہ
ہیں۔کیونکہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر بھی ہمارے ہی جیسے ایک آدمی تھے جس طرح وہ معنی کرتے
تھے ہم بھی کر سکتے ہیں! لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے اس قرآن مجید کو
ان معانی کے ادا کرنے کے واسطے بھیجا ہے جو اس پروردگار کا منشا ہے جس کو وہ اپنے
پیغمبروں کے ذریعے سے مخلوقات میں پہنچانا چاہتا تھا پس یہ لوگوں کی غلطی ہے جو وہ یہ کہتے
ہیں کہ ما انا بشر مثلکم کیونکہ یہ لوگ یوحیٰ الی کو بھول گئے ہیں۔

پس اب اگر کوئی شخص واقعی قرآن کے معانی سمجھنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ
رسولؐ کے کلام کی طرف رجوع کرے۔ کیونکہ خداوند عالم نے الفاظ لغت عرب کو اپنے رسولؐ
پر نہیں نازل کیا ہے۔ بلکہ ان کے حقائق اور معانی کو اپنے رسولؐ کے قلب پر نازل فرمایا ہے
فقال عز وجل۔ نزل به الروح الامین علی قلبك لتکون من المنذرین۔ پس
حقائق اور معانی قرآن کو قلب رسول سے قوۃ عاقلہ نے لیا اور اس سے قوۃ حافظہ نے لیا اور اس
سے قوۃ مشترکہ نے لیا اور پھر زبان رسولؐ نے ہم کو بتلایا ہے پس ظاہر ہے کہ اب جس قدر ہماری
تفسیریں موجود ہیں وہ سب ہماری ایجاد ہیں خداوند عالم کے منشاء سے انکو کوئی تعلق نہیں ہے۔کیونکہ
حقائق اور معانی قرآنی محض قلب رسولؐ سے حاصل ہو سکتے ہیں نہ ہماری تفسیروں سے۔ اور معرفت رسول میں
اب تو یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ خود مسلمان کہتے ہیں کہ رسول اللہ (معاذ اللہ) نبوت سے
پہلے چالیس سال تک ایمان ہی نہیں رکھتے تھے! اور اس آیت کے لفظی معنی اپنے دعوے
کیلئے پیش کرتے ہیں۔ وکذلك اوحینا الیك روحا من امرنا ماکنت تدری
ما الکتب ولا الایمان ولکن جعلنه نورا نهدی به من نشاء من عبادنا وانك
لتهدی الی صراط مستقیم۔ صراط الله الذی له ما فی السموات وما فی الارض
اور حالانکہ جناب عیسیٰ پیدائش ہی کے دن نبیؐ اور صاحب کتاب تھے۔ قال انی عبد الله
اتانی الکتاب وجعلنی نبیا۔ اور یقیناً خاتم النبیین جناب عیسیٰ سے افضل ہیں۔ پھر کیونکر ممکن ہے

کہ وہ حضرت عیسیٰ سے پست درجہ ایمان رکھتے ہوں پس اصل مطلب آیہ مجیدہ کا یہ ہے
کہ اے ہمارے رسول جب ہم نے تجھکو خلعت وجود عنایت فرمایا تو اس وقت تو کچھ نہیں جانتا
تھا اور جب ہم نے تیرے وجود میں اپنی روح داخل کی تو تو نے اسی وقت سب کچھ جان لیا
پس یہ آیہ مجیدہ ابتدائے وجود محمدی کا بیان کرتی ہے جبکہ خداوند عالم نے اس کو سب سے پہلے
پیدا کیا تھا۔ نہ کہ اس کے عالم طفلی کا بیان ہے جیساکہ لوگوں نے خیال کیا ہے اگر ایسا ہوتا
جیساکہ لوگ خیال کرتے ہیں تو حضرت پیغمبر ہرگز نہ فرماتے کہ کنت نبیاً و آدم بین الماء و
الطین۔ اصل یہ ہے کہ اس طرح کا پیغمبر تو وہ شخص ہوگا جس کو لوگوں نے خود آپ بنایا ہوگا ورنہ
خداوند عالم کا بنایا ہوا پیغمبر ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ جو چالیس سال تک ایمان سے اور ملکۂ قرآت و
کتابت سے ناواقف ہو۔

دیکھو جناب موسیٰ کی نسبت فرمایا ہے۔ واصطنعتک لنفسی پس کیونکر ہوسکتا ہے
کہ جو خدا کا حبیب ہو وہ چالیس سال تک ایمان سے بے بہرہ ہو پس ظاہر ہے کہ اس طرح کا پیغمبر
انسان کا ساختہ پرداختہ پیغمبر ہوگا نہ خداوند عالم کا۔ وہ خداوند عالم جو علیم مطلق حکیم مطلق قدیر مطلق ہو
جس کو وہ پیغمبر بنائیگا وہ کم سے کم ویسے ہی اوصاف رکھتا ہوگا جس کو خداوند عالم پسند فرمائے جو علیم
حکیم ہے پس کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ اپنا محبوب اس شخص کو بنائے جو چالیس سال تک کیفیت ایمان
سے ناواقف تھا پس بیشک ان لوگوں نے شان نبوت کو نہیں پہچانا ہے۔ ورنہ پیغمبر خدا وہ ہے
جس کا ہر ایک بال بال اور ناخن تک عالم ہوتا ہے دیکھتا ہے سنتا ہے پس ایسے خیال انہیں
لوگوں کے دلوں میں خطور کرتے ہیں جو مقام نبوت سے کلیتہً بے بہرہ ہیں۔ کیونکہ جس پروردگار کے
سارے اوصاف بالذات ہیں وہ علیم بالذات سمیع بالذات بصیر بالذات۔ قدیر بالذات وغیرہ
پس جو ذات اس کمال کی ہے تو جس کو وہ خود اپنے نفس کیلئے بنائے وہ کس درجہ کی کامل ہوگی۔
حالانکہ جناب موسیٰ ع بمقابلہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ادنیٰ ذرہ ہیں۔ آفتاب کے مقابلہ
میں۔ دیکھو جناب موسیٰ ع کوہ طور پر ایک ذرہ برابر نور محمدی کی تاب نہ لا سکے پس یہ نور محمدی کس
درجہ کا کامل ہوگا اس کا علم بس خدا ہی کو ہے۔

اور یہ امر مسلم ہے کہ محاط محیط کا احاطہ نہیں کرسکتا پس ہماری روح جو کہ مجرد ہے اور فاضل
طین رسول سے مخلوق ہوئی ہے۔ وہ تو محاط ہے اور روح نبوت پیغمبر محیط ہے۔ اس لئے ہم ہرگز
حقیقت رسول کو نہیں پہچان سکتے مگر جب ہمیں خود وہ جناب پہچنوائیں ورنہ ہم حضرت کے ایک بال کی

حقیقت کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ منقول ہے کہ ایک شخص خلیفہ مامون کے پاس سات عدد بال لایا اور
ظاہر کیا کہ یہ بال پیغمبر خدا کے ہیں پس مامون نے ان کی تعظیم و تکریم کی اور بعد میں جناب امام رضا علیہ
السلام سے کہا کہ میں نے محض مسلمانوں کی خاطر ان بالوں کی تعظیم کی ہے ورنہ اس کا کیا ثبوت ہے
کہ یہ بال پیغمبر خدا کے ہیں پس جناب امام رضا نے ان بالوں کو سونگھا اور فرمایا کہ چار بال الگ
کر دو اور تین رکھ لو۔ واقعی یہ تینوں بال میرے جد امجد رسول اللہ کے بال ہیں اور اس کا ثبوت میں تجھکو
دیتا ہوں کچھ آگ منگاؤ پس آگ آئی۔ امام نے ان چاروں بالوں کو آگ کے سامنے کیا تو وہ جل گئے
اور جب ان تینوں بالوں کو آگ کے سامنے کیا تو آگ بجھ گئی پس مامون نے سوال کیا آپ نے کس طرح
پہچانا! تو امام نے فرمایا کہ میں اسی طین سے مخلوق ہوا ہوں جس سے یہ بال بنے ہیں پس امام نے ان بالوں پر
سلام کیا پس ان بالوں سے جواب آیا وعلیک السلام یا ولدی پس بال بال پیغمبر کا عالم اور متکلم ہے۔

اسلام کے دو مسئلوں پر ایک عیسائی نے اعتراض کیا ہے یعنے حضرت پیغمبر کا سایہ نہ تھا۔
اور ہمیشہ حضرت کے سر مبارک پر ابر سایہ انداز رہتا تھا پس اس نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جب ابر سایہ
سایہ کریگا تو اس کا سایہ کہاں سے ہوگا پس ایک بات صحیح ہوسکتی ہے نہ دونوں پس حل یہ ہے کہ
یہ دونوں مسئلے بجائے خود درست و صحیح ہیں لیکن انکو لوگوں نے اسطرح سے درج کیا ہے کہ جس سے
یہ اعتراض پیدا ہوا ہے پس حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر کے سر مبارک پر ہر وقت ابر سایہ انداز نہیں ہوتا
تھا۔ بلکہ جب سخت دھوپ ہوتی تھی تو اس وقت ابر سایہ انداز ہوتا تھا۔ ورنہ تمام عرب یہی
دیکھکر مسلمان ہو جاتے۔

اور یہ مسلمہ ہے کہ جب آفتاب کے حد اعتدال میں کوئی شے مستقیم واقع ہوتی ہے تو اس کا سایہ
مفقود ہو جاتا ہے پس چونکہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مبدأ عالم کی صراط مستقیم پر ہمیشہ مستقیم تھے
اس واسطے آپکا سایہ مفقود تھا۔

اور یہ مشاہدہ ہے کہ آفتاب کے سامنے چراغ سایہ نہیں پیدا کر سکتا پس چونکہ وجود پیغمبر آفتاب کا
مبدا ہے اور آفتاب ہی نے سب سے زیادہ نور محمدی کو حاصل کیا ہے۔ اس واسطے آپ کا سایہ نہیں
پیدا کر سکتا تھا۔ دیکھو جناب موسیٰ کا ید بیضا آفتاب کی ضو کو مضمحل کر دیتا تھا پس وجود محمدی
جو نور ازلی ہے۔ کیونکر نہ اس کو مضمحل کریگا۔ وقال عز وجل۔ قد جاء کم من اللہ نور وکتاب
مبین پس یہی وجہ تھی کہ آفتاب کی ضو نور محمدی کے سامنے مضمحل ہو جاتی تھی حتیٰ کہ حضرت کے
لباس کا بھی سایہ نہ پیدا کر سکتی تھی پس یہ معجزہ تھا پیغمبر کا کہ حضرت کے کپڑوں کا بھی سایہ نہیں پیدا ہوتا تھا

جب جناب فاطمہ بنت رسول وصی رسول کے گھر آئیں تو انکے حجرے سے مختلف نور پیدا ہوتے تھے صبح کے وقت سفید نور ظاہر ہوتا تھا۔ ظہر کے بعد سبز نور ظاہر ہوتا تھا عصر کے بعد سرخ نور نمودار ہوتا تھا جس سے مدینہ کے تمام در و دیوار سرخ ہو جاتے تھے۔ صحابہ نے رسول اللہ سے سوال کیا کہ یا رسول یہ نور کہاں سے ہے۔ تو حضرت نے فرمایا جاؤ میری بیٹی فاطمہ کے گھر کو دیکھو پس ان تینوں نوروں کا منبع جناب سیدہ کا حجرۂ طاہرہ تھا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیھا و ابیھا و بعلھا و بنیھا۔ ایک مرتبہ جناب امام حسنؑ مسجد نبوی میں تشریف لائے اور بعد نماز عشاء کے حضرت امام حسن کی پیشانی مبارک سے نور چمکا جس کی روشنی میں حضرت اپنے گھر پہنچے پس لوگوں نے پوچھا کہ یہ نور کہاں سے ہے تو حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اللہ نور السموات والارض اور پھر فرمایا کہ اس کا پتہ یہ ہے۔ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ۔ رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ یہی نور جناب سلیمانؑ کی کتاب میں بھی مذکور ہے جس کے سامنے نور آفتاب ماند ہو جائیگا اور یہی نور روز عاشورا ظاہر ہوا تھا جب سیاہ آندھی چلی اور آفتاب کا نور بالکل جاتا رہا اور ایسا اندھیرا ہو گیا تھا کہ ستارے نظر آنے لگے تھے پس اس وقت ایک ایسا نور چمکا کہ اس کے سامنے نور آفتاب کی کوئی حقیقت نہیں تھی پس لوگوں نے اس کا مبدا تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ وہ نور پیشانی مجروح جناب امام حسینؑ سے ساطع ہے۔ افسوس آجکل اسلام پر مختلف فرقوں کے نہایت سخت حملے ہوتے ہیں جن کو دیکھکر ایک مسلمان بیتاب ہو جاتا ہے لیکن اہل اسلام انکا جواب نہیں دیتے محض اپنی ذاتی اغراض کی خاطر رنگ برنگ کے بے معانی رسالے اور کتابیں شائع کرتے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مجلس دوم ۲

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۞

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

کل میں نے اجمالاً مقدمہ کے طور پر ذکر کیا تھا کہ جس چیز میں اختلاف ہوتا ہے اس کی حقیقت

کسی قدر واضح ہو جاتی ہے اور جس بات میں کسی کو اختلاف نہیں ہوتا اس کی حقیقت بالکل پوشیدہ رہ جاتی ہے۔ یہی باعث ہے کہ بہت سے مسائل جو صدر اسلام سے متفق علیہ چلے آتے ہیں۔ ان کی حقیقت بالکل پوشیدہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ چونکہ مسئلہ خلافت رسول میں اختلاف ہوا اور ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اس لئے ہر متبصر سمجھ سکتا ہے کہ اصل بات کیا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ نبوت پیغمبر پر ہر مذہب کا اتفاق ہے۔ اس لئے اس کی حقیقت خوب واضح نہیں ہوئی اور شان نبوت لوگوں پر کلیتہً پوشیدہ رہ گئی ہے۔ کیونکہ باب نبوت میں بہت مشکل سے چند کتابیں نصارٰے وغیرہ کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ خلافت کی طرح نبوت میں کتابیں نہیں لکھی گئی ہیں۔

پس یہی باعث ہوا ہے کہ ہندوستان میں اب نبوت نبیؐ میں شبہ ہوگیا ہے اور کہتے ہیں کہ نبیؐ بھی ہمارے جیسا ایک آدمی ہوتا ہے اور ترقی کرتے کرتے نبی بنجاتا ہے!!! لیکن اصل یہ ہے کہ لوگوں نے توحید کی حقیقت کو نہیں پہچانا ہے۔ اسی وجہ سے ان پر نبوت کی حقیقت پوشیدہ ہوگئی ہے اور نبوت کی حقیقت پوشیدہ ہونے سے اصل خلافت کی بھی حقیقت پوشیدہ ہو رہی ہے کیونکہ امامت نبوت کی فرع ہے اور نبوت توحید کی پس اگر یہ لوگ نبوت کی حقیقت کو پہچانے ہوتے تو اسلام میں ہرگز اختلاف واقع نہ ہوتا۔ کیونکہ جس طرح نبیؐ کے زمانے میں سب ذمی اہل یہود و نصارٰے ایک حکم کے تحت میں شامل ہو جاتے تھے اسطرح کہ کوئی اہل اسلام انکو ضرر نہیں پہنچاتا تھا اور نہ وہ اہل اسلام کے ضرر کے درپے ہوتے تھے سب باہم میل جول کے ساتھ امن و امان سے زندگی بسر کرتے تھے کبھی کوئی کسی کے دین میں مزاحم نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ جب رومیوں نے قصد کیا کہ دین اسلام کی بنیاد کو برباد کریں۔ اور دمشق میں فوج جمع کرلی اور لڑائی کا پیغام دیا تو اس وقت ذمی یہود و نصارٰے کی حفاظت کا انتظام مسلمانوں کو مشکل معلوم ہوا پس امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے یہ صلاح دی کہ جس قدر ان لوگوں سے ان کی حفاظت کے واسطے جزیہ لیا گیا ہے سب انکو واپس کردیا جائے۔ کیونکہ اب ہم ان کی حفاظت نہیں کرسکتے پس یہ حکم سنکر یہود و نصارٰے نے جو مسلمانوں کے ذمی تھے کہا کہ ہم جزیہ واپس نہیں لینگے اور اب ہم تمہاری طرف سے ہوکر تمہارے مخالفوں سے لڑینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور رومیوں اور یونانیوں کو شکست کھانا پڑا پس ظاہر ہے کہ صدر اسلام میں یہود و نصارٰے اسلام کی طرف سے لڑتے تھے اور مسلمانوں کے ہمراہ تھے۔ پس ضروریات دین کے انکار سے تو کافر سمجھا جاتا تھا اور ماسوا کے انکار سے کافر نہیں سمجھا جاتا تھا

اور ضروریات دین اسلام توحید و نبوت و معاد ہیں۔ پس صدر اسلام میں ان ضروریات میں مسلمانوں میں اختلاف نہیں تھا اور سب ان کے قائل تھے۔ اس واسطے ایک دوسرے کو کفر کا فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ ہاں بعد رسول کے البتہ اختلاف پیدا کیا گیا ہے۔ اور غیر ضروری باتوں کے انکار پر کفر کا فتوے عاید کیا گیا ہے۔ ورنہ اسلام کے حدود تو ایسے محکم اور وسیع ہیں اور اس کی رواداری ایسی عام ہے کہ منافقین کو بھی اسلام نے اپنی حد سے باہر نہیں کیا تھا۔ حالانکہ خدا نے ان کی نسبت بتلا دیا تھا کہ مدینہ میں تم لوگوں میں سے بہت سے منافق ہیں! پس یہ اختلاف پیغمبر کے نہ پہچاننے کے باعث پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ خداوند عالم پیغمبر کی نسبت فرماتا ہے۔ ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون۔ یعنے پیغمبر اجتہاد نہیں کرتا محض اس شریعت کو جو خداوند عالم نے اس کو بتا دی ہے خلق میں اشاعت کرتا ہے۔ اور وہ محض ایک شریعت ہے یہی وجہ ہے کہ اُس میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ پس اب سوال ہے کہ وہ شریعت اب کہاں ہے جس میں اختلاف نہیں ہے؟ آیا نبی نے اس شریعت کو ہم تک پہنچایا ہے یا نہیں جو اس قدر اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ پس اگر نہیں پہنچایا تو گویا وہ اپنی نبوت کے ابلاغ میں مقصر رہے اب رہی خلافت تو معتزلہ خلافت کو مانتے ہیں اور حنفی بھی مانتے ہیں لیکن معتزلہ حنفی کو کفر کا فتوے دیتے ہیں اور حنفی معتزلہ کو۔ اور اب کفر اس قدر ارزان ہو گیا ہے کہ ہر ایک عالم اپنے مقابل کو کفر کا فتوے دیتا ہے اور حالانکہ اسلام ہرگز کسی کو کفر کا فتوے نہیں دیتا۔ خواہ باطن میں منافق ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں اس وقت البتہ کفر کا فتوے دیتا ہے جبکہ توحید و نبوت و معاد کا کوئی شخص کھلم کھلا انکار کرے یا اُس میں شریک بنائے۔ یا خدا کے ساتھ اور معبود بنائے یا نبی کے ساتھ اور نبی بنا کر کھڑا کرے تو بے شک یہہ حدود نبوت محمدی سے خارج ہو جائے گا۔ اور البتہ وہ کافر ہے پس اصل یہ ہے کہ ہر شخص مسلمان ہے مگر وہ شخص جو ضروریات دین کا انکار کرے۔ پہلے زمانہ میں مسلمان گرجاؤں میں نماز پڑھتے تھے۔ انکو نصارے و یہود ہرگز منع نہیں کرتے تھے۔ اور اب اگر شیعہ سنی کی مسجد میں نماز پڑھنے جائے تو اسکو کہتے ہیں کہ یہ کافر ہے اس کو نکالدو حتیٰ کہ وہ برتن جس سے اس نے وضو کیا ہے اس کو توڑ دیتے ہیں اور بعض وقت تو فرش مسجد جہاں اس نے نماز پڑھی ہے اس کو بھی اُکھاڑ ڈالتے ہیں۔ اور یہود و نصارے مسلمانوں کی مساجد میں بھی اپنی عبادت کرتے رہے ہیں۔ بلکہ عہد رسالت میں

بھی ایسا ہوا ہے۔ اور حالانکہ خداوند عالم نے معابد نصاریٰ و یہود اور مساجد اسلام کو ایک ہی ذیل میں بیان فرمایا ہے ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع و صلوات و مساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا۔ پس گویا خداوند عالم کو یہ منظور ہے کہ یہ سب سلامت ہیں۔ اور رسول نے معابد نصاریٰ میں اور معابد یہود میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے لیکن اب مسلمان مسلمان کی مسجد میں نماز نہیں پڑھ سکتا! بعض باتیں ہیں نے اہل ہند میں ایسی بُری دیکھی ہیں کہ جو کہیں کے مسلمانوں میں نہیں پائی جاتیں آپ سلطنت اسلام میں جائیں تو دیکھینگے کہ مرکز خلافت یعنے اسلام بول کی جامع مسجد میں ایک شیعہ بے تکلف نماز پڑھ سکتا ہے۔ اسیطرح ایران میں ایک سنی مسجد شاہ میں نماز بے تکلف پڑھ سکتا ہے۔ اور ہندوستان میں باوجود اس کے کہ یہ لوگ محض رعیت ہیں۔ پھر اس پر یہ حالت ہے کہ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور ایک کو دوسرے کی مسجد میں نماز نہیں پڑھنے دیتے! میرے خیال میں ہندوستان کے عقلا اس اختلاف کے مبدا کو جانتے ہونگے یعنے ان سب اختلافونکا مبدا اکثر مولوی صاحبان ہیں۔ کیونکہ یہاں علم تھوڑا ہی۔ مولوی صاحبان محض اردو ترجمے پڑھ پڑھا کر فتوے دینے لگ جاتے ہیں۔ اور محض اردو پڑھکر مفتی بنجاتے ہیں، اور دس پانچ کی تکفیر کر کے اپنا مطلب پورا کرتے ہیں اور عمامہ و عبا و قبا پہنکر مسند نشین شریعت ہو جاتے ہیں۔

اور ایک اور بڑا بھاری خطرہ اہل ہند کیلئے درپیش ہے اور وہ انجمنوں کی بدولت ہوگا۔ کہ یہ انجمنیں اسلام کی خاطر روپیہ تو وصول کرتی ہیں لیکن اسلام کا ایک کام نہیں کرتیں۔ اور سب سے بڑی انجمن علی گڑھ کالج کی ہے اور وہاں کے تعلیمیافتہ مسلمان بالکل دین سے بیخبر ہوتے ہیں۔ خدا ان کو دین کی توفیق دے۔ اور اب نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ علماء نے بھی ایک انجمن قائم کی ہے یعنے شیعہ کانفرنس۔ ممکن ہے کہ وہ لوگ اتفاق کی کوئی صورت نکالیں۔

اب میں حیرت میں ہوں کہ ہندوستان میں کس طرح اپنی شرعی تکلیف کو ادا کروں کیونکہ اگر دس آدمی حق کے سننے والے ہیں تو سو اس کے مخالف ہیں! چنانچہ اب وہی زمانہ نظر آرہا ہے جیساکہ حضرت امیر نے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ کسی پر اعتبار کرنا اپنے آپ کو دھوکا دینا ہوگا۔ اذا فسد الزمان ثم احسن رجل الظن برجل فقد غدرہ نفسہ (سرسوی)۔

اب میں اصلی مطلب پر آتا ہوں کہ اگر ہم سب بانیان اسلام کی معرفت کامل اور واقعی رکھتے ہوتے تو یہ خرابیاں ہرگز واقع نہ ہوتیں۔ افسوس اب وہی زمانہ ہے جس کی پیغمبر نے خبر دی ہے۔ "بدء الاسلام غریباً وسیعود غریباً" اب سوائے حضرت حجت کے اور کوئی مسلمان نظر نہیں آتا! افسوس ہے کہ یہی اسلام ایسا دین ہے کہ جس کو نصاریٰ تک نے خوب سمجھا ہے اور اس کے اصول پر عمل کرکے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہم اونٹ کی طرح آنکھ بند کئے بار اسلام لادے لادے پھرتے ہیں اور اسلام سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے اور نہ اسکی حقیقت معلوم کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔

دین و دنیا کی فلاح کے لئے ایک چیز نہایت ضروری ہے۔ یعنے رزق حلال اور اہل ہند نے دین و دنیا کی فلاح محض نوکری کو سمجھ لیا ہے۔ جس کے واسطے دس سال تک لڑکا انٹرنس پاس کرتا ہے لیکن کلمہ توحید تک صحیح نہیں پڑھ سکتا پس گویا باپ نے اپنے فرزند کا دین دنیا کی خاطر برباد کر دیا ہے۔ باپ کو چاہئے کہ اول دین اسلام بعد ازاں تجارت وفلاحت میں لگائے نہ کہ نوکری۔ کیونکہ جب رزق حرام سے جسم پرورش ہو جاتا ہے تو حقیقت اسلام اس میں ہرگز نہیں داخل ہوتی۔ قال اللہ تعالےٰ۔ وما انت بمسمع من فی القبور۔ یعنے یہ لوگ گویا مردے ہیں اور کچھ نہیں سُن سکتے۔

وما انت بھادی العمی۔ گویا یہ لوگ اندھے ہیں اور کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اب مخلوقات کی حالت اس درجہ بے دینی پر پہنچی ہے کہ اگر کوئی تھیٹر آجائے تو تمام لوگ جا کر اس کو دیکھینگے اور اگر کوئی اُن سے راہ خدا میں کچھ مانگے تو ہرگز نہیں دینگے پس یہ محض بے دینی ہے۔

ورنہ ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ ان روپوں کو راہ خدا میں قرض حسنہ کے طور پر دیتے اور ثواب دارین حاصل کرتے۔ خداوند عالم نے قرض حسنہ کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ فقال ویاخذ الصدقات یہی وجہ تھی کہ امام زین العابدینؑ جب سائل کو کچھ دیتے تھے تو اسکا ہاتھ چوم لیتے تھے گویا صدقہ لینے والے کا ہاتھ خداوند عالم کا ہاتھ ہے۔ اسلام کا نشان قرآن مجید میں تین چیزیں ہیں۔ اول ایمان بالغیب۔ دوسرے اقامۃ الصلوٰۃ تیسرے ومما رزقنٰھم ینفقون لیکن اب مسلمانوں میں سے یہ تینوں چیزیں جاتی رہی ہیں۔ توحید تو برائے نام باقی ہے۔ اور لوگوں کو نماز پر قائم رکھنا تو ایک طرف خود ہی نماز نہیں پڑھتے۔ اور اگر کہیں خرچ کرتے ہیں تو بے جا خرچ کرتے ہیں جس کا کوئی نتیجہ نہیں۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا ایہا الناس قد جاءکم برھان من ربکم و انزلنا
الیکم نورا مبینا۔

کل بھی اجمالی طور سے نبی کے متعلق میں نے عرض کر دیا ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ ہمارے پاس سوائے قرآن کے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اور کوئی دلیل نہیں ہے لیکن ہم نے اس کو اپنا اعتقاد تو بنایا نہیں ہے محض وہمی اور خیالی اور اختراعی چیزوں پر اعتقاد کر لیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارا دین فاسد ہو جائیگا۔ جو وسیع النظر ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مسلمانوں ہی نے اسلام پر نکتہ چینی کرائی ہے۔ ورنہ اسلام علماً اور عملاً اس درجہ کا دین ہے کہ جس نے بڑے بڑے داناؤں کو متحیر کر دیا ہے۔ وہ عرب کے جاہل جن کے پاس نہ تو کوئی کتاب تھی اور نہ ان پر کوئی پیغمبر مبعوث ہوا تھا۔ اس لئے وہ سب سے زیادہ بد اخلاق تھے اور محض طوائف الملوکی تھی۔ پس جب اسلام آیا تو چونکہ یہ اسلام علماً اور عملاً دونوں طرح سے کامل تھا۔ اس واسطے ان لوگوں کو اس میں ایسی لذت حاصل ہوئی تھی کہ وہ ہر بلا و مصیبت کو اسلام کی وجہ سے برداشت کرتے تھے لیکن اسلام کو نہیں چھوڑتے تھے پس یہ کیا بات تھی؟ یہ بانیٔ اسلام کا اثر تھا جس نے ان میں یہ تاثیر پیدا کر دی تھی۔ اور ان کی صداقت روحانی تھی۔

دوسری عبارت میں یوں سمجھئے کہ جب کوئی شخص کسی قوم میں کوئی دعویٰ کرتا ہے تو عقلائے روزگار اس کو دیکھتے ہیں کہ آیا اُسیر اُس کا عمل بھی ہے یا نہیں پس اگر اس کا قول عمل کے مطابق ہوتا ہے تو اس کے دعوے کو تسلیم کرتے ہیں۔ جو کچھ احکام قرآن مجید میں ہیں پہلے رسول نے خود ان پر عمل کیا ہے تب اُنکو دوسروں پر پیش کیا ہے۔ پہلے آپ نے توحید کو راسخ کیا تب لوگوں کو اس کی طرف بُلایا پس جب لوگوں نے حضرتؐ کے قول کو ان کے عمل کے مطابق پایا تب تسلیم کیا۔ چنانچہ آپ کے عمل کا ثبوت ہے کہ مشرکین نے آپ کو اپنا امین قرار دیا۔

اور یہی وجہ تھی کہ کسی کافر اور مشرک نے حضرت پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ آپ پہلے بت پرست تھے اور اب آپ ہمکو اس سے روکتے ہیں۔

لیکن مسلمانوں نے حضرتؐ پر یہ الزام قائم کیا ہے۔ اور امام فخر الدین رازی آیۂ مجیدہ ووجدک ضالاً فھدی کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ پہلے تو بت پرست تھا پس اللہ نے تجھ کو ہدایت کی۔[1]

اور اسیطرح سے جناب ابراہیم کے والد ماجد کو کافر و مشرک کہتے ہیں اور حالانکہ قرآن سے ان کا اسلام ثابت ہے اور جو شخص مشرک تھا وہ ان کا چچا تھا چنانچہ اس کی نسبت آیا ہے ماکان استغفار ابراھیم لابیہ الاعن موعدۃ وعدھا۔ یعنے وہ مربی جناب ابراہیم کا جس کے واسطے انہوں نے ایک خاص موقع پر استغفار کیا تھا اور بعد اس کے پھر کبھی نہیں کیا کیونکہ مشرک کے واسطے استغفار نا جائز ہے پس یہ مربی جناب ابراہیم کا والد نہیں تھا محض مربی تھا۔ اور جو شخص جناب ابرہیم کا والد تھا وہ مومن تھا۔ اسکے واسطے جناب ابراہیم ہمیشہ استغفار کرتے تھے۔ فقال عزوجل۔ اللھم اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب۔

پس اب جو اعتراض ہم پر غیر مذاہب کی طرف سے ہوتا ہے وہ سب ہماری ہی ذاتی تحریر کا نتیجہ ہے مصر میں ایک نصرانی نے بھی یہی اعتراض نقل کیا ہے کہ محمد چالیس سال تک بت پرست تھے۔ یہ باتیں میں اس واسطے بیان کرتا ہوں تاکہ مسلمان غور و فکر کریں کہ یہ سب ہماری اپنی کارروائی ہے۔ چنانچہ سورۂ والنجم کی تفسیر میں نصرانی صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ ہاں محمد صاحب بعد نبوت کے بھی بتوں کی پرستش کے امیدوار تھے اور پھر لکھا ہے کہ جو شخص ایسا ہو وہ نبی کیونکر ہو سکتا ہے۔ چہ جائیکہ ختم المرسلین۔ یہ اس نصرانی نے نوٹ کیا ہے۔

اب ایک حدیث دیکھئے۔ اختلاف امتی رحمۃ۔ میری امت کا اختلاف رحمت ہے پس اس کا جزئی اثر ملاحظہ فرمائیں کہ ایک رحمت تو یہ ہے کہ علی کو چالیس سال تک ممبر پر لعنت کی گئی پس یہ ایک رحمت ہے؟ اور روافض اب تک ثلاثہ کو برا کہتے ہیں پس یہ بھی ایک رحمت خدا ہوگی کیونکہ شیطان کی رحمت تو ہوتی نہیں پس اس رحمت الہی کا یہ اثر ہوا کہ رسول کی وفات میں اختلاف پڑ گیا۔ گرونانک صاحب کی وفات کا دن تو معلوم ہے اور اسیطرح ہر فرقے کے پیشوا

---

[1] مطلب آیت کا دراصل یہ ہے۔ کنت مجھول الاوصاف و مستورا فی القوم فھداھم اللہ الیک وجعلک معروفا باوصافک الکاملۃ۔ قال اللہ تعالی۔ وقالوا اذا ضللنا فی الارض ءانا لمبعوثون خلقا جدیدا۔ اے السہو

کی وفات کا دن معین و مقرر ہے لیکن رسول کی وفات میں سودا بارہ باٹ ہوگیا کیونکہ رحمت ہے۔ آٹھ کروڑ مسلمان آپس میں کٹ کر مر گئے یہ بھی ایک رحمت ہے۔

ایک فرانسیسی عالم بیان کرتا ہے کہ مسلمانوں کے نبی نے خوب رحمت بیان فرمائی ہے جب مذہب کا ہادی یہ کہکر چلا جائے کہ تمہارے ہر ایک اختلاف میں رحمت ہے۔ تو فقط یہی حدیث اس کے کاذب اور باطل ہونے کے لئے کافی ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ اسکو کوئی عقلمند نہیں قبول کریگا۔ اور بعض اصحاب جو آجکل اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اختلاف امتی فی الصنائع والبدائع رحمۃ تو ان کو چاہئے کہ پہلے زمانہ پر نظر ڈالیں تاکہ انکو معلوم ہو جائے کہ واضعان حدیث نے کبھی اس معنی میں اس کو استعمال نہیں کیا اور نہ ان کا اس سے یہ مطلب تھا اسی طرح کی اور حدیث لیجئے۔ نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث وکلما ترکناہ فھو صدقۃ۔

حالانکہ قرآن شاہد ہے۔ وورث سلیمان داؤد۔ اور دیکھو۔ ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ اور دیکھو وانی خفت الموالی من ورائی وکانت امرأتی عاقرا فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من ال یعقوب واجعلہ رب رضیا

پس اس صدقہ کا جو کچھ اثر خاندان رسالت پر پڑا اس کو سب جانتے ہیں اور اسی طرح سے اس اختلاف کا جو اثر کل مسلمانوں پر پڑا وہ اظہر من الشمس ہے یعنی معمولی اثر اس کا یہ ہوا کہ امت محمدیہ بہتر فرقوں میں منقسم ہوگئی اور اس کو رحمت خیال کرتی رہی۔

پس اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ آیا قرآن میں بھی اختلاف رحمت ہے یا نہیں۔ فقال عزو جل۔ وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدی ورحمۃ لقوم یؤمنون۔ پس جائے غور ہے کہ اب ہم قرآن کو مانیں یا حدیث کو۔ کیونکہ قرآن تو اختلاف کے مٹانے کو رحمت فرماتا ہے۔ اور دوسری آیت میں آیا ہے۔ ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینات اولئک لھم عذاب عظیم۔ پس ہمکو ایسا ہرگز نہ ہونا چاہئے اور فرماتا ہے۔ ان الذین اختلفوا فی الکتاب لفی شقاق بعید یعنے جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا ہے وہ ہدایت سے کوسوں دور ہیں۔ اور یہ بات صاحب عقل سلیم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ کتاب میں جو کچھ اختلاف پڑا ہے سب مفسرین کی بدولت ہے مثلاً قال قتادہ

قال الزجاج قال عبد اللہ بن سلام. قال فلاں وقال فلاں سے تفاسیر بھری ہیں۔ ہر آیت کی تفسیر کے تحت میں انہیں مسلمان یہودیوں کے نام ہوتے ہیں۔ کیا قرآن انہیں لوگوں کے گھر میں نازل ہوا ہے ؟ رسول اللہ کا قول نہیں ذکر کرتے جس کے اوپر یہ قرآن نازل ہوا ہے یعنے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تفاسیر اکثر خالی ہیں افسوس صد افسوس۔

اپنے پیغمبر کی شان کو مسلمانوں نے اس قدر گھٹایا ہے کہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ایک باغ کے پاس سے گذرے اور دیکھا کہ وہ لوگ بور خرما کو کاٹ کر خرما پر ڈال رہے ہیں۔ تو حضرت نے فرمایا کہ یہ تو تم شرک کرتے ہو پس انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس طرح کرنے سے یہ اچھا پھل دیتے ہیں پس حضرت نے ارشاد فرمایا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم حالانکہ انبیاء ہی نے سب کچھ ہم کو سکھایا ہے۔ چہ جائیکہ ختم المرسلین اور عرب کا رہنے والا وہ یہ نہ جانے کہ کھجوریں کس طرح زیادہ پھل دیتی ہیں جس کی نسبت خداوند عالم فرماتا ہے۔ "وعلمك مالم تكن تعلم" اور حالانکہ جناب موسیٰ کو کل دو برہان عنایت فرمایا تھا اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے۔ یا ایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا۔ پس تعجب ہے کہ وہ درخت کا حال بھی نہیں جانتا تھا۔ نعوذ باللہ من ھذا الاعتقاد۔

ان باتوں سے گذر کر کارِ خدائی پر بھی مسلمان دست انداز ہوئے ہیں۔ قال عز من قائلہ۔ انی جاعلك للناس اماما۔ ظاہر ہے کہ یہ خطاب جناب ابراہیمؑ کو بعد نبوت وخلت کے عطا ہوا ہے لیکن مسلمانوں نے نصب امامت اپنے اختیار میں لے لیا ہے۔ جس کو چاہتے ہیں اپنا امام بنا لیتے ہیں!! اور بناتے رہے اور اس سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوئے اور اسی سلسلہ میں معاویہ بھی امام بنا دیا گیا۔ حالانکہ اسکو امامت الٰہی سے دور کا بھی تعلق نہیں ہو سکتا۔ اور جب معاویہ اور جناب امام حسن میں صلح ہوئی تو عہد نامہ میں یہ بات مندرج تھی کہ معاویہ نصب امام اپنی طرف سے نہ کرے ورنہ صلح باطل ہو جائے گی لیکن معاویہ نے اس عہد کے بھی خلاف کیا اور اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ نصب کیا۔ اور بدعہد کی خلافت کو کوئی عقلمند نہیں تسلیم کریگا لیکن مسلمانوں نے اس کو بھی اجماع کر کے امام بنا ہی لیا پس وہی نصرانی اپنی کتاب ہدایہ میں لکھتا ہے کہ مسلمانوں کو کسی کی ضرورت نہیں

جس بات پر انکا اجماع ہو جاتا ہے تو اُن کا خدا بھی اس پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اگر امامت کو دیکھا جائے تو امامت نبوت سے بڑا مرتبہ ہے۔ فقال عزوجل وتلک حجتنا آتینا ابراھیم علی قومہ۔ یہ مقام رسالت ہے جو محض ان کی قوم تک محدود ہے۔

اور مقام امامت میں ارشاد ہوا ہے۔ انی جاعلک للناس اماما۔ پس کل بنی نوع انسان کے امام ہوئے اور اثر وقت اس امامت کا یہ ہے کہ جب خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ اذن فی الناس للحج پس سب کا اتفاق ہے کہ نطفوں تک نے اس آواز کو سنا اور وہی لوگ حج کو جاتے ہیں جنہوں نے اس آواز کو سنا اور اس کا جواب دیا پس مقام امامت مقام ولایت مطلقہ ہے۔ یعنے ریاست عامہ الٰہیہ ہے عامہ خلق پر حتیٰ کہ نطفہ تک اس کا حکم جاری وساری ہے لیکن امت محمدیہ نے اس کی کچھ پروا نہیں کی اور ہر شخص کو اپنا امام بنا لیا ہے حالانکہ یہ وہی امامت ہے جس کو جناب ابراہیم نے اپنی ذریت میں ہمیشہ کیلئے چھوڑا ہے۔ فقال عزوجل۔ وجعلھا کلمۃ باقیۃ فی عقبہ لعلھم یرجعون پس یہ امامت تمام پہلی امامتوں پر حاوی اور مشتمل ہے اور جب نبوت درجہ ختم پر پہنچی تو تمام ماسوی اللہ پر حاوی اور مشتمل ہوئی پس ختم نبوت ولایت مطلقہ ہے۔ اور خداوند عالم نے نبی ختم الرسل کو فرمایا ہے کہ تو اس شریعت کی پیروی کر اور ہم لوگوں کو ارشاد ہوا ہے کہ تم نبی کی پیروی کرو۔ پس اگر ہم نبی کو مجتہد کہیں تو ٹھیک نہیں اور اگر ہم نبی کی اطاعت چھوڑ کر اجتہاد کریں تو ہمارے اعمال باطل ہو جائیں گے۔ اور چونکہ نبی رخصتی ہے۔ اس لئے اس کے بعد اولی الامر کی اطاعت کو واجب گردانا اور جو اولی الامر ہے اس کی اطاعت مطلق ہے مقید نہیں ہے۔ ہاں البتہ ایک قید ضرور ہے۔ یعنے منکم پس اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اولی الامر تمام شریعت ختم المرسلین سے واقف ہوگا پس اگر عیسیٰ بھی آسمان سے آئیں تو تم اپنے ہی اولی الامر کی اطاعت کرنا۔ یعنے اس خلیفہ رسول کی پیروی کرنا جو مخلوقات پر رسول کی ولایت مطلقہ رکھتا ہو۔ چونکہ اولی الامر سے ایک نبی اللہ مقارن ہونیوالا تھا یعنی جناب عیسیٰ حضرت حجت سے ملنے والے تھے۔ اس لئے خداوند عالم نے فرما دیا کہ جب وہ آوے تو تم اپنے اولی الامر کی اطاعت اور پیروی کرنا۔ یہ نہ سمجھنا کہ اب عیسیٰ ؑ کی پیروی کرنی ہوگی (تفصیل آئندہ انشاء اللہ)

وقال عز من قائلہ۔ وکذالک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس

ویکون الرسول علیکم شہیدا۔

کلمات مبارکہ خداوند عالم حتی کہ آیات وسور کی تین حالتیں ہیں صورت تمثیلی صورت تنزیلی۔
صورت تاویلی۔ اور ہر مقام میں تینوں صورتیں موجود ہیں حتی کہ احکام میں بھی ہیں دیکھو حرمت علیکم المیتۃ و الدم ولحم الخنزیر الخ پس ظاہر ہے کہ اس آیت کو اول اور آخر سے کوئی ربط نہیں ہے۔ اول سے اسواسطے نہیں ہے کہ اس سے پہلے آچکا ہے حرمت علیکم المیتۃ اور آخر سے اسواسطے نہیں ہے کہ ان چیزوں کے حرام ہوجانیسے کفار کیونکر مایوس ہو سکتے ہیں۔ جو فرمایا ہے۔ الیوم یئس الذین کفروا من دینکم پس ظاہر ہے کہ سورہ مائدہ آخری سورت ہے اور سورہ بقرہ میں بھی یہ حرمت کا حکم آچکا ہے یعنے حرمت علیکم المیتۃ۔ پس ظاہر ہے کہ تمام قرآن متشابہات سے ہے۔ قال عز من قائلہ۔ نزل احسن الحدیث کتابا متشابہا مثانی تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم
اور تمام قرآن بیّن اور محکم ہے۔ قال عزوجل۔ ولقد انزلنا الیک ایٰت بینات وما یکفر بھا الا الفسقون۔ وقال۔ وھو الذی انزل الیکم الکتب مفصلا والذین اتینٰھم الکتاب یعلمون انہ منزل من ربک بالحق فلا تکونن من الممترین۔

اور بعض قرآن محکم ہے اور بعض متشابہ۔ قال عز من قائلہ۔ ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ ایٰت محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابھات فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ۔ وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون امنا بہ کل من عند ربنا۔

پس ان آیات پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقۃً تین طرح کے قرآن فہم ہیں یا کہیئے کہ علم کلام اللہ و قرآن فہمی کے لحاظ سے عام لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔

ایک وہ ہیں جن کے واسطے سارا قرآن متشابہ ہے۔
اور ایک وہ ہیں جن کے واسطے سارا قرآن محکم ہے۔
اور ایک وہ ہیں جن کے واسطے بعض محکم اور بعض متشابہ ہے۔

پس ہم لوگوں کو مقام تعلیم و تعلم میں قرآن ان لوگوں سے لینا چاہیئے جن کے نزدیک سارا قرآن محکم ہے نہ ان لوگوں سے جن کے نزدیک سارا قرآن متشابہ ہے ورنہ اختلاف پڑ جائیگا۔ اور وہ کون ہیں جن کے نزدیک سارا قرآن محکم ہے؟ وہ وہی لوگ ہیں جن کے گھروں میں قرآن نازل ہوا ہے اور جن کی نسبت خدا فرماتا ہے۔ انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین

الناس بما ارٰئك اللہ۔ یعنے جس طرح خداوندعالم نے تجھے بتلادیا ہے سمجھادیا ہے اسیطرح سے لوگوں میں حکم جاری کر۔ اپنی رائے سے مت حکم کر۔ پس یہ ہیں وہ لوگ جنکو خدا نے پہلے ہی سے سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک سارا قرآن محکم ہے۔ یعنے رسول عربی اور اس کی وہ ذریت جو اس کے علم کی حقیقی وارث ہے اور عالم بالقرآن پیدا ہوئی ہے اور در اصل وہی راسخون فی العلم ہیں جن کے علم میں اختلاف اور تغیر نہیں ہوسکتا۔

راسخون فی العلم کے متعلق آپکو شبہ نہ پیدا ہو کہ کیا راسخون فی العلم سے مراد علماء نہیں ہوسکتے۔ بیشک علمائے مفسرین راسخون فی العلم ہرگز نہیں۔ ورنہ انکی تفسیروں میں اختلاف نہ ہوتا۔ ان سب کا علم وحدانی ہوتا پس راسخون فی العلم وہی لوگ ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ جوکچھ ہے وہ سب ہمارے خدا کی جانب سے ہی ہے ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں یعنی راسخون فی العلم وہ لوگ ہیں۔ جن کی تاویل کاشف عن الحقیقۃ ہو۔ اوران کی تاویل میں کوئی اختلاف نہ ہو۔

دوسری عبارت میں سمجھو کہ اگر راسخون فی العلم سے علماء ہی مراد لئے جائیں تو یقیناً پیغمبر بھی ان میں داخل ہوں گے اور جب پیغمبر داخل ہونگے کہ اول عالم اور اکمل عالم ہیں تو اب جن علماء کا علم مثل پیغمبر کے ہوگا وہ راسخون فی العلم ہونگے نہ دوسرے جن کا علم محدود۔ ناقص زوال پذیر اور تغیر پذیر ہے۔ ان میں رسوخ فی العلم کے معنی کسی طرح صادق نہیں آسکتے پس جن کا علم مثل پیغمبر کے ہے انکا بیان جابجا قرآن میں آیا ہے چنانچہ آیہ ذیل میں بھی انہی نفوس قدسیہ کی طرف اشارہ ہے۔ قال عزوجل۔ وکذالک جعلناکم امۃ وسطاً الخ۔ یعنے ہم نے تم کو امت وسط اس لئے قرار دیا ہے کہ تم لوگ خلق پر شہدا رہو اور پیغمبر تم پر شہید ہو یعنے حاضر کیونکہ صیغہ صفت مشبہ مستعمل ہے۔ اب قابل غور یہ امر ہے کہ اس سے تمام امت مراد ہے یا بعض امت مراد ہے۔ کل مفسرین نے اس سے تمام امت مراد لی ہے اور خود گرفتار ہوگئے ہیں کہ آیا تمام افراد امت دوسرے مذہبوں پر شاہد ہونگے اور تمام امتوں پر گواہی دینگے۔

پس گرفتار اس طرح سے ہوئے ہیں کہ اس امت محمدی میں فاسق وفاجر اور منافق بھی داخل ہیں تو کیا جب رسول اللہ ان پر شہادت دینگے تو وہ سب عادل ہو جائیں گے۔ پس اب سوال یہ ہے کہ منافقین جن کا قرآن میں ڈھائی سو مقام میں ذکر ہے۔ وہ بھی عادل ہو جائینگے یا نہیں۔ اور لفظایوں گرفتار ہوئے ہیں کہ شہیدا علیکم کے معنے یہ ہیں کہ تمہارے برخلاف رسول شہادت دینگے۔ اگر تمہاری بہتری کے واسطے دیتے تو یوں ہوتا کہ ویکون الرسول علیکم

شہیدا پس شہادت برخلاف تمہارے رسول کے یہ ہوگی۔ رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا کیونکہ یہ آیت قیامت کے متعلق ہے اور قیامت کے دن رسول کی شہادت یہی ہوگی۔ رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا۔

بعضوں نے یہ تفسیر کی ہے کہ قیامت کے دن تمام انبیار سے پوچھا جائیگا کہ تم نے تبلیغ کی تو وہ ہاں کہینگے پس اس وقت امت محمدیہ کی شہادت طلب ہوگی۔ پس اُن کی تصدیق ہوجائیگی۔

یہہ تاویل پہلی تاویل سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ اس امت کا مرتبہ انبیار سے بھی بڑھا دیا ہے۔ کیونکہ آیت کا آخری حصہ ہے کہ اے رسول میں تجھکو اپنر شہید بلاونگا پس گویا نبی کی شہادت سے بھی اس امت کی شہادت بڑھ جائیگی۔ یقیناً یہ شہدا، تمام امت محمدی نہیں ہوسکتی۔ لہذا معلوم ہوا کہ امۃ وسطاً سے کوئی خاص جماعت مراد ہے نہ ساری امت۔

اب دیکھنا ہے کہ وسط کے کیا معنے ہونگے۔ وسط کے معنے یہ ہیں کہ نہ ان میں افراط ہوگی نہ تفریط پس وسط کے معنے عدل کے ہوسکتے ہیں لیکن تعدیل سے تسویہ زیادہ خوب ہے۔ اور وسطیت و اعتدال ان سب سے بہتر ہے۔ یہ بھی سوال ہے کہ آیا اس وسط و اعتدال سے جو اس امت وسط میں ہوگا۔ وسط ذاتی مراد ہے یا صفاتی لیکن جب تک ذات وسط اور حد اعتدال میں نہیں واقع ہوگی تو اس کے اوصاف بھی وسط میں نہیں واقع ہونگے مثلاً صورت جسمانی میں جس کی کوئی خلط زیادہ ہوتی۔ اس کے اوصاف مزاجی بھی وسط میں نہیں ہوتے اسی پر حقیقت باطن انسانی کو قیاس کیجئے۔

پس وسط صفاتی موقوف ہے وسط ذاتی پر۔ اس لئے وسط ذاتی مراد ہوگا۔ اور صفاتی اسکو لازم۔ توسیط یہ ہے کہ مابہ القوام کی کمیت اور کیفیت دونوں کو مساوی رکھے کسی کو بڑھنے گھٹنے نہ دے۔ افراط و تفریط سے روکے۔ قال عزوجل۔ یا ایھا الانسان ما غرک بربک الکریم الذی خلقک فسواک فعدلک وفی ای صورۃ ما شاء رکبک

پس جب توسیط ہوتی ہے۔ تو سب فعل اپنے اپنے موقع سے ظہور میں آتے ہیں۔ اور قابل مدح ہوتے ہیں۔ اور عدالت قائم ہوتی ہے۔ اس لئے ایسوں کو جن کے ہر فعل حکمت اور عدالت سے پُر ہیں۔ امۃ وسط فرمایا ہے۔

دوسری عبارت میں برہان لمی کے طور پر سمجھو کہ تمہارے ما بہ القوام کو جس نے توسیط

اور تعدیل عنایت فرمائی ہے۔ وسطی امت ہونے سے تم کو شہید قرار دیا ہے یعنے تم کو جو یعنے
امت وسط بنایا ہے تو علت اسکی یہ ہے کہ تم کو میں لوگوں پر شہید بناؤں پس وسط واسطے
شہادت کے ہے اور ہمارے پیغمبر اسی معنی میں شہید ہیں۔ یعنے آپ مخلوق اور خالق کے
درمیان واسطہ ہیں کہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں۔

پس جو شخص ایسا ہوگا وہ جس کو دیتا ہے اس پر حاضر ہے پس اسی طرح سے امت
وسط خلق اور خالق کے درمیان وہ لوگ ہیں جو خالق سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں بعد
رسول کے پس یہ لوگ بھی پیغمبر کی طرح مخلوق پر حاضر ہیں اور یہی معنی ہیں اعملوا فسیری
اللہ عملکم ورسولہ والمومنون۔ اور شہادت کے متعلق آیا ہے۔ وما شہدنا
الا ما علمنا یعنے شہادت دیکھی ہوئی چیز پر ہوتی ہے پس یہ امت وسط وہ ہوگی جس
میں کوئی وصف مذموم نہ ہو اور بعد رسول کے اسطرح خلق پر حاضر ہیں پس سلسلہ صعودی یہ ہوگا کہ اعمال
خلائق پروردگار کی طرف اسطرح صعود کرتے ہیں کہ پہلے تو یہ اعمال اس امت وسط کے
منظور نظر ہوتے ہیں بعد ازاں رسول کے منظور نظر ہوتے ہیں۔ بعد ازاں خداوند عالم کے
پیش ہوتے ہیں پس یہی وجہ ہے کہ فرمایا ہے۔ وسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون
کیونکہ ہمارے اعمال کیواسطے خدا شہید ہے رسول شہید ہے اور مومنون شہید ہیں۔ یعنے امت وسط محض
خالق اور مخلوق کا فرق ہے۔ دیکھنا ایک ہی طرح کا ہے۔ اور یہ قیامت کے واسطے نہیں ہے
کیونکہ اس آیت کا آخری حصہ یہ ہے۔ ثم تردون الی عالم الغیب والشہادة فینبئکم بما کنتم
تعملون۔ یعنے پھر اس کے بعد تم خدا کی طرف رد کئے جاؤ گے۔ اور وہ تمکو تمہارے اعمال کی
خبر دیگا۔ اس لئے یہ آیت اسی دنیا کے واسطے ہے۔

اور یہ خیال ہرگز نہ پیدا ہو کہ بقاعدہ نحو یہ س زمانہ استقبال کیلئے ہے۔ اس لئے
بعد میں خدا دیکھیگا۔ کیونکہ قرآن میں نحوی اصطلاح فضول ہے۔ بلکہ صاف و صفات الٰہیہ
کی لیاقت دیکھنی چاہیے کہ اس کی رویت کیسی ہے۔ خدا کی رویت بالذات ہے اور ائمی
باقدار اللہ و بارادة اللہ۔ اس کی قدرت اور اس کے نور کی بدولت یہ بھی دیکھتے ہیں جو ان میں
ودیعت ہے۔ بلکہ یہ نور اللہ سے خلق ہوئے ہیں۔

اور سلسلہ نزولی یہ ہے کہ پیغمبر خداوند عالم سے لیتے ہیں اور بعد امت وسط کو دیتے ہیں اور امت وسط امت کو
دیتے ہیں فقال عزوجل۔ والمقسمت امرا۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

بہرحال جب نبوت مقام ختم میں پہنچی تو نبی کل عالم کا پیغمبر ہوا۔ لیکون للعالمین نذیراً۔
پس اب جناب آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ و موسٰیؑ و عیسٰیؑ سب چونکہ عالم میں داخل ہیں اس لئے وہ سب
حضرت محمد مصطفے صلے اللہ علیہ آلہ وسلم کی امت ہونگے۔ کیونکہ وہ سب ایک محدود عالم
کے واسطے آئے تھے۔ اور رسول اللہ ان سب پر شہید۔ پس اب اگر اُن میں سے کوئی پیغمبر تشریف
لائے تو ہم پر اس کی پیروی واجب نہیں بلکہ انکو ہمارے نبی کی پیروی واجب و لازم ہوگی کیونکہ اب کل عالم کا نذیر آچکا ہے اسلئے اب
جو نبی آئے گا۔ امت مرحومہ میں داخل ہوگا۔ نبی نہیں ہوگا بلکہ امتی ہوگا۔

اور چونکہ نبوت جزئی میں حقائق اشیاء نہیں تعلیم دیگئی تھیں۔ اس لئے وہ انبیاء فرشتوں
کے حقائق کو نہیں سمجھتے تھے اور خوفزدہ ہو جاتے تھے۔ کیونکہ انکا علم جزئی تھا۔

اور ختم کے درجہ میں اسماء اور مسمیات اور حقائق سب کی تعلیم دیگئی ہے۔ اس لئے یہہ علم
کلی ہے پس اب جو علم جزئی والا ہوگا۔ وہ اس علم کلی والے کا تابع ہوگا نہ متبوع۔

پس اسیطرح اس کے اوصیاء کا بھی تابع ہوگا نہ متبوع۔ کیونکہ افضلیت و برتری کا معیار علم
ہے۔ اور یہ اوصیاء رسول علم رسول کے وارث کل انبیاء سے زیادہ عالم ہیں پس ان سے اس
لحاظ سے وہ افضل ہوئے اور متبوع قرار پائے نہ کہ تابع۔ علم عالم کا تابع کبھی نہیں ہوسکتا۔ اور اوصیائ
رسولؐ کا علم مثل رسول کے کلی ہے نہ جزئی۔

اب یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کہ سے کون لوگ مراد ہیں۔ اور اس کی وضاحت آیہ مجیدہ
سے ہوتی ہے۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر۔ چونکہ خیر معرف بلام ہے اس لئے
وہ امت ہر ایک خیر سے واقف ہونی چاہئے پس ظاہر ہے کہ یہ کچھ لوگ ہونگے نہ ساری امت
کہ ساری امت کل خیرات کی عالم و عارف و داعی نہیں ہے اور نہ ہوسکتی ہے۔ ولاحول ولاقوۃ
الا باللہ العلی العظیم۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وکذالک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون

الرسول علیکم شهیدا ط

آیۂ مجیدہ یا ایها الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم میں جو امور خدا اور رسول اور اولی الامر کی طرف راجع ہیں وہ یقینی طور سے واجب ہیں۔ اور جس کی اطاعت ضروری ہے اس کا وجود بھی ضروری اور واجب ہے ورنہ تکلیف مالایطاق ہوگی! اور اجماع جس کو امام فخرالدین رازی صاحب اولی الامر قرار دیتے ہیں وہ رسول اللہ کے چھ ماہ بعد منعقد ہوا ہے۔ اور اس وقت تک امت محمدی بغیر اطاعت اولی الامر عاصی ہی۔ اور فریضہ اطاعت اولی الامر سے قاصر اسی واسطے اہل تشیع اجماع کو باطل سمجھتے ہیں اور بیعت اور شئے ہے اور اجماع اور شئے ہے!! جو حقیقۃً کبھی متحقق ہی نہیں ہوا۔ اور اجماع کا ثبوت قرآن سے نہیں ملتا۔ یہ اجماع موجب ایذار خدا و رسول ہے۔ بلاشبہ۔ اور قرآن میں ایسے اجماع کو جو خدا و رسول کو ایذا پہنچائے منع فرمایا گیا ہے۔ ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنهم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعد لهم عذابا مهینا (الاحزاب)

وقال عزوجل ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیرا (نساء)

پس اجماع جو خدا و رسول کی ایذا کا باعث ہے۔ بالکل ناجائز ہے۔ اور اجماع کی اگر حقیقت ہے تو یہ ہے جو حدیث شریف میں مذکور ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا تجتمع امتی علے الضلال۔ یعنے میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہوگی اور یہی دلالت کرتی ہے۔ کہ اصطلاحی اجماع کو حقانیت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ساری امت کبھی گمراہ نہ ہوگی۔ اس سے کہاں لازم آیا کہ پبلک کا مجمع جو بات طے کرے وہ حق ہی اور کسی وقت میں ایسا نہیں ہوا اور نہ ممکن ہے کہ کسی بات پر کل افراد امت متفق ہوگئے ہوں اور ان کے اتفاق رائے سے کوئی بات طے ہوئی ہو۔

ماحصل یہ کہ اگر اجماع سے تمام امت کا ایک امر پہ مجتمع ہونا مراد ہے یعنے ساری امت محمدیہ کا ایک بات پر اتفاق رائے۔ تو ظاہر ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا ہے۔ اور اگر اجماع سے مدینہ منورہ کے تمام لوگوں کا مجمع اور اتفاق رائے مراد ہے تو بھی درست نہیں ہے کیونکہ اجماع مسبوق عنہ میں کل اہل مدینہ نہیں جمع ہوئے تھے محض چند اشخاص تھے! اور مدینہ کے بزرگ رئیس نے کسی خلیفہ کی بیعت نہیں کی ہے۔

چنانچہ بخاری صاحب فرماتے ہیں کہ کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ وقی اللہ شرھا المسلمین۔ یعنے حضرت ابوبکر کی بیعت ناگہانی طور سے ہوئی ہے خدا اس کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ اور یہ خود حضرت عمر کا قول ہے۔ اور اجتماع عام ہے۔ اور اجماع خاص ہے۔ اجماع نفوس کیلئے مستعمل ہوتا ہے اور اجماع اتفاق رائے کیلئے پس اب یہ سوال ہے کہ وہ کونسا اجماع ہے جس کو اولی الامر کی بجائے بعد رسول کے معصوم اور واجب الاطاعت مانا جائے؟ بہرحال جناب فخرالدین رازی صاحب کا اجماع کو بعد از رسول معصوم اور واجب الاطاعت ماننا کسی طرح درست نہیں نظر آتا۔

اور نیز یہ کہ آیا اجماع کاشف عن الحق بھی ہے یا نہیں یعنے آیا اجماع حقیقت واقعیہ کو بھی ظاہر کرسکتا ہے یا نہیں؟ پس اگر کاشف حقیقت واقعیہ نہیں ہے تو مردود ہے۔ اور اگر کاشف واقع ہے تو گویا اس کا نتیجہ ایسا ہی ہونا چاہیئے جیسا کہ ایک سب سے بڑے اجماع کا ہوا ہے جو معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کیلئے کیا تھا۔ اور جو سات سال کی کوشش سے قائم ہوا تھا جس میں محض تین شخص نہیں شریک ہوئے تھے۔ جناب ابو عبداللہ الحسینؑ۔ عبداللہ ابن زبیر۔ اور عبداللہ ابن عمر۔ ان کے سوائے سارا ملک عرب شریک تھا پس اگر اجماع کاشف واقع ہے تو گویا ان تینوں شخصوں نے خدا و رسول کی مخالفت کی۔ اور یزید پلید برحق امام ہوا (معاذ اللہ)

اور اگر یہ کہو کہ یہ اجماع بادشاہی پر ہوا ہے تو پھر امامت کے واسطے اجماع کو کیوں دلیل قرار دیا جاتا ہے۔ یہ اجماع کا مسئلہ ہی دراصل تباہی دین کا موجب ہوا ہے۔ جناب پیغمبر خدا محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تو امام حسنؑ اور حسینؑ کو سردار جوانان بہشت فرمائیں اور مدینہ اور مکہ کو حرم محترم۔ اور یزید حرم خدا کی توہین کرے اور امام کو قتل اور کسی مسلمان نے اس پر اعتراض نہیں کیا کیونکہ یزید کی خلافت پر اجماع ہو چکا تھا! اور اس اجماع کو اس وقت کے مسلمان امام فخرالدین رازی کی تقلید میں معصوم اور واجب الاطاعت سمجھتے تھے۔ دشت کربلا میں لشکر یزید میں ۲۲ صحابی موجود تھے جنہوں نے خود رسول اللہ سے سنا تھا کہ الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ لیکن چونکہ اجماع نے حکم دیدیا تھا کہ حسین کا قتل واجب ہے اس واسطے انہوں نے اس حدیث کی کچھ پرواہ نہیں کی محض اجماع کی ہدایت پر کاربند ہوئے! پس اگر امام حسین علیہ السلام جان نہ دیتے تو یہ خلافت اجماعی مطلقاً ثابت ہو جاتی جو محض باطل ہے۔

دیکھئے امام حسین علیہ السلام اپنے زن و فرزند کو کیوں ہمراہ لے گئے تھے۔ حالانکہ جہاد

میں انکا لیجانا رسول اللہ نے منع فرمایا ہے! وجہ اس کی یہ تھی کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ میں جہاد کرنے نہیں آیا ہوں محض اجماع کو توڑنے آیا ہوں کیونکہ یہ اجماع جو یزید کی خلافت پر ہوا ہے غلط ہے اور محض باطل ہے۔ یزید ہرگز خلافت رسول کے لائق نہیں ہے۔ اس کے عقائد برخلاف اسلام و ملحدانہ ہیں اور خلافت کا تقرر خدا کی طرف سے ہے نہ اجماع کی طرف سے۔ یزید اکثر یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

لعبت بنو ہاشم بالملک
فلا خبر جاء ولا وحی نزل

اور یہ اس کے اعتقاد کا آئینہ ہیں جس سے صاف واضح ہے۔ کہ وہ حضرت رسول کو رسول برحق نہیں جانتا تھا۔ بلکہ بنی ہاشم کا بادشاہ سمجھتا تھا۔ اگر امام حسین اپنی مظلومیت سے اس کا بطلان ثابت نہ کر دیتے تو حقیقی دین اسلام دنیا سے اُٹھ جاتا اور یزیدی و شہنشاہیت اسکی جگہ لے لیتی پس چونکہ اجماع خلافت یزید کو معصوم اور واجب الاطاعت ثابت کرتا تھا اس واسطے جناب امام حسین علیہ السلام نے شہادت منظور کر لی۔ تاکہ واضح اور ثابت ہو جائے۔ کہ حکم پیغمبر برحق ہے نہ کہ اجماع۔

اگر امام حسین علیہ السلام قوت ولایت سے یزید کو ہلاک کر دیتے تب بھی اجماع قائم رہجاتا کیونکہ اس بات سے تاریخیں بھری پڑی ہیں کہ خرج خارجی علی امام المسلمین۔ یعنے معاذاللہ یزید تمام مسلمانوں کا بڑا امام تھا اور حسین نے اسپر خروج کیا تھا۔

اگر جناب امام حسین غلطی پر تھے اور اجماع کاشف عن الحق تھا تو رسول کا یہ قول غلط ہو جائیگا کہ حسن اور حسین جوانان بہشت کے سردار ہیں پس نبی کی نبوت غلط اور باطل ہو جائیگی!!

اور دوسرا اجماع جو قتل عثمان پر ہوا تھا اس میں بھی یہی لوگ موجود تھے! پس معلوم نہیں کہ اس کو کیوں صحیح نہیں جانتے!!! اس کو یہ باطل اور حضرت عثمان سے لڑنے والوں کو خارجی کہتے ہیں پس اسی طرح اگر جناب امام حسین علیہ السلام یزید کو قتل کر ڈالتے تو جس طرح لوگ ان لوگوں کو خارجی کہتے ہیں۔ اسی طرح امام حسین کو کہتے! افسوس صد افسوس۔

گوش سخن شنو کجا دیدۂ اعتبار کو

غرض اسی واسطے امام حسین نے قتل ہو جانا منظور فرمایا۔ اور اجماع باطل کی بنیاد اکھاڑ ڈالی۔ ورنہ اس کے بعد اگر مسلمان رہتے بھی تو سب جبریہ ہوتے۔ کیونکہ معاویہ اور یزید کا مذہب جبریہ تھا۔ اسیواسطے یزید کہتا تھا کہ حسین کو خدا نے قتل کیا ہے۔ اور اسیطرح سارے مسلمانوں کا اعتقاد جبریہ تھا چنانچہ جب یزید نے دربار عام میں جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو بلوایا اور سب کے سامنے کہا۔ کہ

ہیں نے سنا ہے کہ تیرے باپ حسین کو خدا نے قتل کر ڈالا ہے۔ تو ان میں سے کسی نے نہیں کہا کہ نہیں تیرے لشکر نے قتل کیا ہے پس جناب امام زین العابدین نے فرمایا کہ نہیں تیرے لشکر نے تیرے حکم سے قتل کیا ہے۔ انسان اپنے فعل کا مختار ہے۔ خدا کی طرف انسان کا فعل نہیں منسوب ہو سکتا پس اگر جناب امام حسینؑ شہادت نہ منظور کرتے تو یہ اعتقاد پختہ قائم ہو جاتا کہ ہر فعل کا فاعل خدا ہے اور انسان اپنے فعل میں مجبور ہے کیونکہ یزید کی خلافت و امامت پر اجماع ہو چکا تھا۔ اور وہ برحق امام سمجھا جاتا تھا۔ اور امام کا فعل برحق ہوتا ہے۔

اسی واسطے رسول اللہ نے ارشاد فرمایا ہے۔ الحسین منی وانا من الحسین یعنے اگر حسین نہ شہادت منظور کرتا تو میرا دین اسلام مٹ جاتا پس چونکہ اس نے اپنی جان دیکر میرا دین قائم رکھا ہے۔ اس واسطے گویا میرا نام حسین کی وجہ سے قائم ہے۔ اور میں حسین سے ہوں۔

رجوع باصل مدعا یعنی اطاعت اولی الامر

بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سو سال تک ائمہ اثنا عشر خلق کے درمیان موجود تھے۔ اور خداوند عالم نے ہمکو حکم دیا ہے۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون پس ہم نے کیوں ان لوگوں سے سوال نہیں کیا؟ اور حالانکہ یہی اہل بیت پیغمبر اہل ذکر اور اولی الامر ہیں جنکی اطاعت اور اُن سے معاملات دینی اور دنیاوی میں سوال کرنا ہمپر واجب کیا گیا ہے میرے اس قول کی تصدیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ آپ کتب اسلام کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ پانچسو سے زائد حدیثیں ابوہریرہ سے مروی ہیں۔ اور علیؑ سے ۲۵۔ اور جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے کل پانچ حدیثیں مروی ہیں وہ بھی اعتراض کے طور پر اور جناب امام حسینؑ سے کل دو حدیثیں مروی ہیں۔ وقس علی ذالک۔ حالانکہ خود مسلم اپنے مقدمہ کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام محمد باقر کو باقر اس لئے کہتے ہیں لانہ یقر العلوم بقرا یعنے آپ نے علم کا دریا بہا دیا ہے۔ اور جناب جابر جعفیؓ اصحاب جناب امام محمد باقرؑ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ ہم نے جابر جعفی سے اس واسطے حدیث نہیں نقل کی کہ وہ رجعت کے قائل تھے! اب مسلم سے یہ سوال ہے کہ اگر جابر جعفی رجعت کے قائل تھے تو امام محمد باقرؑ سے کیوں نہیں حدیثیں نقل کیں؟ پس اب آپ لوگوں کا مجھ سے یہ سوال کرنا کہ امام زمان کیوں غائب ہیں انکو چاہئے کہ اب حاضر ہو جائیں۔ ہم اُن سے سوال کرینگے بعض بیجا ہے۔ کیونکہ آپ لوگوں نے اُن گیارہ اماموں سے کیا سوال کیا جو آپ لوگوں میں تین سو سال تک رہے۔ جواب امام زمانؑ کو حاضر پا کر آپ نے

سوال کرینگے؟ امیر المومنین سید الوصیین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو آشکارا قتل کیا اور اسیطرح کسی کو قتل کیا اور کسیکو قید میں رکھا اور کسی کو زہر دیا پس اسیطرح اگر بارھویں امام بھی ظاہر ہوں تو یقیناً یا تو قتل کئے جائیں گے یا قید میں رہینگے پس یہ خیال بالکل غلط ہے کہ اہل الذکر سے مراد عام علماء ہیں۔

علماء اہل الذکر نہیں ہو سکتے۔ اہل الذکر اہل بیت علیہم السلام ہیں۔ ذکر رسول ہے اور اہل الذکر اہل بیت رسول۔ ذکر اگر قرآن ہے تو عالم قرآن اور حقیقی عامل بالقرآن اہل بیت نبوت و رسالت ہیں۔ اور انہیں کے پاس باتفاق محققین و محدثین قرآن کا علم ہے انہیں کی نسبت ہے۔ انا مدینۃ العلم و علی بابھا فمن یاتی فلیات من الباب اور قرآن مجید فرقان حمید معجزہ ہے اور یہی لوگ صاحبان معجزہ ہیں۔ اس لئے اہل الذکر یہی لوگ ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان بزرگواروں کو منجانب اللہ علم دیا گیا ہے۔ نہ یہ کہ انہوں نے خود حاصل کیا ہے۔

قال عزوجل۔ وقال الذین اوتوا العلم والایمان لقد لبثتم فی کتاب اللہ الی یوم البعث فھذا یوم البعث ولکنکم کنتم لاتعلمون۔

پس اہل الذکر وہی لوگ ہیں جو اوتوا العلم ہیں نہ وہ لوگ جو حصلوا العلم ہیں یعنے اہل ذکر صاحبان علم لدنی ہو سکتے ہیں نہ وہ لوگ جو لوگوں سے علم حاصل کرتے ہیں۔ اور یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ امت محمدی میں سوائے اہل بیت رسول کے اور کوئی صاحب علم لدنی نہیں ہے۔ اس واسطے اہل الذکر اہل بیت علیہم السلام ہی ہو سکتے ہیں اور یقیناً وہی ہیں۔

ابو ہریرہ کے ایمان لانیکی نسبت دو قول ہیں بعضوں کے نزدیک تین سال قبل از وفات پیغمبر ایمان لائے تھے اور بعض کے نزدیک سترہ مہینے قبل۔ پس اب سوال یہ ہے کہ کیا ابو ہریرہ جن کا ایمان اور علم کسبی ہے نہ لدنی اور وہ بھی کل زیادہ سے زیادہ تین سال کا یا سترہ مہینے کا اہل الذکر ہو سکتے ہیں یا امیر المومنین علی بن ابی طالب جو حالت طفلی میں سب سے پہلے رسول اللہ پر ایمان لائے اور جن کے علم کی نسبت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ انا مدینۃ العلم و علی بابھا اہل الذکر ہو سکتے ہیں؟ انصاف عقل پر ہے ہم کچھ نہیں کہتے۔ اکثر حدیثیں آپ نے ابو ہریرہ ہی سے لی ہیں اور علی بن ابی طالب علیہ السلام باب مدینۃ العلم سے شاذ و نادر۔ مانا کہ ان سے حدیثیں نہیں لی گئیں لیکن قصور کونسا تھا جو ان کو قتل کیا گیا یا قید کیا گیا۔ پس غیبت امام کی

وجہ یہی ہے کہ اگر وہ جناب ظاہر ہوں تو ضرور ہے کہ اُن سے لوگ اختلاط کریں اور پھر یا تو اُن کو قتل کر ڈالینگے یا قید میں رکھیں۔

کیونکہ جب اور امام موجود تھے تو بھی مسلمانوں نے ان سے حدیثیں نہیں نقل کیں ہیں مروان جس کو رسولؐ نے لعنت کی ہے۔ اس سے تو بخاری میں حدیث موجود ہے لیکن ان گیارہ اماموں میں سے کسی کی کوئی حدیث نہیں لی ہے۔ اب ان میں ایک شخص کی نسبت سوال کرتے ہیں۔ کہ وہ کیوں غائب ہے۔ آپ تواریخ کو دیکھیں کہ امام صاحب الامر کیوں غائب ہوئے انکے مکان کا احاطہ کر لیا تھا۔ اور لونڈیوں نے پوچھا کہ اس گھر میں کوئی حاملہ تو ہے تاکہ اس عورت کو قتل کیا جائے! امام بخاری نے تین اماموں کا زمانہ دیکھا ہے۔ امام محمد تقیؑ۔ امام علی نقیؑ امام حسن عسکریؑ۔ جب امام بخاری صاحب بغداد میں آئے تو امام علی نقیؑ موجود تھے پس علت کیا تھی کہ ان کی خدمت میں نہیں حاضر ہوئے؟ وجہ یہ تھی کہ سلطنت نہیں چھوڑتی تھی کہ اُن کے پاس کوئی جاتا۔ اور اس سے بڑھکر دیکھو امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ نے پانچ سال تک لوگوں کو منبر پر بیٹھکر وعظ و نصیحت فرمائی ہے۔ لیکن مسلمانوں کی کسی حدیث کی کتاب میں علیؑ کے وعظ و نصیحت کا پتہ نہیں ہے۔ حسن بصری سے سدی روایتیں موجود ہیں لیکن علی باب مدینۃ العلم سے کوئی نہیں ہے پس جب معاصرین کی یہ حالت ہوئی تو بعد میں تو کیا کچھ بے اعتنائی ہوئی ہوگی۔

جب امام حسن عسکریؑ کا انتقال ہوا ہے تو فوراً آپکا مکان گھیر لیا گیا۔ تاکہ کوئی لڑکا ہو تو اس کو قتل کر ڈالا جائے۔ کیونکہ وہ صاحب سیف ہوگا۔

اور رسول اللہ کی ہجرت کا یہی باعث تھا کہ مشرکین کے صلبوں میں نطفہائے مسلمین موجود تھے۔ پس خدا نے فرمایا کہ اے رسول تم ہجرت کر جاؤ۔ اگر مشرکین میں مومنین نہ ہوتے تو میں ان سب کو ہلاک کر دیتا۔

اور امتداد زمانہ مصلحت کی خاطر غیبت کیلئے منافی نہیں ہے۔ جناب موسیٰؑ اس قدر غائب ہے کہ یہود و نصاریٰ کو ان کی قبر کی کچھ خبر نہیں ہے کہ کہاں ہے اور جناب ہارون کی قبر کا بھی کوئی پتہ نہیں ہے۔

جناب یوسفؑ نے فرمایا کہ میرے بھائیوں نے میرے ساتھ بُرا سلوک کیا۔ اسیطرح جناب حجت اللہ فرماتے ہیں کہ وہی قصہ میرے چچا جعفر کذاب نے کیا کہ خلیفہ کے پاس جاکر کہا کہ اس کو گرفتار کرو ورنہ فساد برپا کریگا۔

پس جس طرح جناب یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے نہیں پہچانا۔ اسی طرح سے لوگوں نے حضرت حجت کو بھی نہیں پہچانا حالانکہ حضرت حجت انہیں میں تھے جس طرح جناب یوسفؑ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مصر میں گئے ہیں تو ان کے بھائیوں نے انکو نہیں پہچانا حالانکہ جناب یوسف میں خاص وصف جمال ظاہری موجود تھا۔ باوجود اس کے یوسفؑ کے بھی بھائیوں نے نہیں پہچانا۔ پس آپ اتنے زمانہ کے بعد حجت اللہ کو کیونکر پہچان لیںگے؟

اگر اسی وقت حضرت حجتؑ تلوار پکڑ کر لوگوں کو قتل کر ڈالتے تو وہ مسلمان جو صلب مشرکین میں تھے سب ہلاک ہو جاتے کیونکہ انمیں چھوٹے اور بڑے کا کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لوگ کلمۃ اللہ ہیں۔ وہی قوت و قدرت جو ان کے بڑوں میں ہوتی ہے بعینہ چھوٹوں میں موجود ہوتی ہے اور اگر قتل نہ کرتے تو خود قتل کئے جاتے۔ کیا جناب موسیٰ کو یہ طاقت نہیں تھی کہ فرعون کو ایک روز میں ہلاک کر دیتے بیشک تھی لیکن مصلحت خدا نہیں تھی۔ خداوند عالم کی حکمت ہے کہ وہ جلدی نہیں کرتا ہماری اور تمہاری طرح عجول نہیں ہے مصلحت سے بالتدریج حکم صادر فرماتا ہے۔ خدا نہیں چاہتا کہ فوراً کسی کو ہلاک کر دے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے مظاہر قدرت جو اب تک پوشیدہ ہیں وہ آہستہ آہستہ ظاہر ہوں۔ اور حجت تمام ہو۔ دیکھو نطفہ کو مضغہ بناتا ہے۔ کیا خداوند عالم ایک ہی مرتبہ انسان بنانے پر قادر نہیں؟ کفار کو مہلت اس واسطے دیتا ہے۔ کہ جو ہلاک ہو وہ بینہ سے ہلاک ہو۔ اور حجت خدا اس پر تمام ہو پس مشیت ایزدی ہے کہ دنیا آہستہ آہستہ درجہ کمال کو پہنچے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ہر روز ایک نئی شئے دیکھتے ہیں جو پہلے نہیں تھی جو آجکل موجود ہے وہ پہلے نہیں تھا اور جو بعد میں آئیگا وہ آجکل نہیں ہے اگر کسی کے ظلم کی سزا میں خداوند عالم مخلوقات کو ہلاک کرنا چاہتا تو کیا اس سے بھی بڑھکر دنیا میں کوئی ظلم ہوا ہے کہ آل رسول کو بھوکا پیاسا ذبح کر دیا گیا۔ اور خود رسول کے دندان مبارک شہید کئے گئے لیکن خداوند عالم نے ان ظلموں کے عوض میں سبکو ہلاک نہیں کیا۔ پس چونکہ انبیاء اوصیاء کلمۃ اللہ مظہر مقاصد حضرت حق ہیں۔ اس واسطے جب تک کل صنائع الٰہیہ ظاہر نہ ہو جائیں گے تب تک حجت اللہ کا ظاہر نہ ہونا مصلحت پروردگار ہے۔ اور جب وہ زمانہ آئیگا کہ نطفہائے مسلمین اصلاب مشرکین سے علیحدہ ہو جائیں گے تب وہ حجت خدا ظاہر ہونگے۔

بخت نصر نے ستر ہزار بنی اسرائیل کو قتل کر ڈالا لیکن خداوند عالم نے اس کو مہلت دی تاکہ عالم امکان میں جو باتیں پوشیدہ ہیں وہ سب ظاہر ہو جائیں تب وہ اپنے رسولوں کی مدد

کریگا جس کا وعدہ فرمایا ہے۔ انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوٰۃ الدنیا ویوم یقوم الاشہاد یہی وجہ تھی کہ رسول نے بد دعا نہیں کی۔ اور فرشتوں کو پہلے بھی خداوند عالم بھیج سکتا تھا۔ کیوں بعد قتل اصحاب و زخم دندان رسول کے بھیجا۔ پس جو مصلحت اُنکے بعد میں آنے کی تھی وہی پنہاں رہنے میں بھی ہے

اور خداوند عالم نے انبیاء علیہم السلام سے وعدہ فرمایا ہے۔ انا لننصر رسلنا الخ اور ھو الذی ارسل رسولہ الخ۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ وعدے اب تک نہیں پورے ہوئے پس یہ وعدے کب پورے ہونگے؟ یہ وعدہ الٰہی اسی وقت پورے ہونگے۔ جب کل عالم امکان کے کمالات ظاہر ہو جائیں گے اور کوئی بات پوشیدہ نہیں رہجائیگی پس جس طرح انسان کی تکمیل بالتدریج ہوتی ہے اسیطرح اس عالم امکان کی تکمیل بھی بالتدریج ہوگی۔ پس یہ عالم امکان مکمل انسان ہو جائیگا۔ تب وہ حجت خدا ظاہر ہونگے۔ پس اسوقت کوئی مشرک و کافر نہیں رہیگا۔

دیکھو شریعت کا حکم ہے کہ جب کوئی عورت محصنہ زنا کرے اور وہ حاملہ ہو جائے اور زنا کا ثبوت بہم پہنچ جائے تو اسوقت تک اس عورت کو مہلت دینی چاہیئے کہ وہ نطفہ مکمل ہو جائے۔ پس اس کے بعد اس زانیہ کو اس کے کردار بد کی سزا دی جاتی ہے۔ پس اسی طرح اس عالم امکان کو ان بدکرداریوں کی سزا اس وقت خداوند عالم دیگا۔ جب سب باتیں اس عالم امکان کے شکم سے نکل آئینگی۔ پس اس وقت تک شمشیر انتقام الٰہی ہرگز برہنہ نہ ہوگی۔

اب یہ بات رہی کہ پھر وہ اولی الامر اب کہاں ہیں جو ہم اُن سے جاکر اپنے مسائل دریافت کریں پس اس کا جواب پہلے دیا جاچکا ہے اور نیز یہ ہے کہ جس طرح نبی ایک مقام پر ہوتے تھے تو خدا نے ان کی نسبت لوگوں کو فرمایا کہ ہر قوم میں سے ایک ایک آدمی اُن کی خدمت میں جائے۔ اور اُن سے علم دین سیکھکر اپنی قوم میں آکر لوگوں کو مسائل دینیہ سے واقف کرے۔ قولہ۔ لولا نفر من کل فرقۃ۔ الخ پس اسیطرح اولی الامر کے پاس بھی بعض افراد جا سکتے ہیں۔ اور نہ یہ کہ وہ جناب خود ہر ہر شخص کے سامنے ہر روز ظاہر ہوا کریں۔

پس جو احکام رسول کے تھے وہی احکام گیارہ اماموں کے تھے پس اسیطرح وہ غائب اولی الامر بھی وہی احکام جاری فرمائیں گے۔ نہ ہندیوں کی طرح ہر روز نئے نئے احکام جاری کرینگے۔ اور نیا دین بنائیں گے۔

پس اب ہمیں معلوم کرنا چاہیئے کہ ان گیارہ اماموں کے کیا کیا احکام ہیں پس انکے احکام دریافت کرنے کے واسطے ہمارے پاس اہل اسلام کی کتابیں موجود ہیں لیکن اہل السنن کی کتابوں میں انکی حدیثیں شاید کل معدودے چند ہیں۔ ہاں البتہ اہل تشیع کی کتابوں میں چار ہزار حدیثیں مذکور ہیں۔ بلکہ سولہ ہزار تک۔ لہذا انہی کتب سے دین اہل بیت اور علم اہل بیت کو لینا چاہیئے اور وہی علم رسول ہے اور وہی عالم قرآن لیکن اب یہ اعتراض باقی ہے کہ پھر اہل تشیع کی حدیثیں بھی تو مختلف ہیں پس اسکا جواب یہ ہے کہ خود انہیں اماموں نے فرمایا ہے کہ ہم بعض وقت حکام کے ظلم وجور سے بچانے کیلئے تمہیں ایسی باتیں تقیہ کے طور پر بیان کر دیتے ہیں کہ وہ ایک دوسری کی مخالف ہوتی ہیں پس اس صورت میں تم عادل راوی کی حدیث کو مانو اور اس کے بعد واثق کی حدیث لو۔ اس کے بعد مشہور کی حدیث لو۔ اس کے بعد جو تمہارے مخالفین چھوڑتے ہیں اس پر عمل کرو۔

اب یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ پھر تو اختلاف امتی رحمۃ صحیح ہے اس واسطے ایک حسی مثال بیان کرتا ہوں۔ آجکل ملک ایران میں بغاوت پھیلی ہوئی ہے اس لئے شاہ نے خفیہ پولیس تمام ایران میں مقرر کی ہے اور وہ علمار کے پاس جا جا کر شاہ کے برخلاف مسئلے پوچھتے ہیں پس اگر کوئی عالم شاہ کے برخلاف بیان کرتا ہے تو اس کو گرفتار کرا دیتے ہیں۔

بعینہ یہی حال تھا امام جعفر صادقؑ کے زمانہ کا کہ لوگ حضرت کے پاس جا کر سلطنت کے دین ومذہب کے برخلاف مسئلہ پوچھتے تھے۔ اور چونکہ حضرتؑ علم امامت سے جانتے تھے کہ یہ شخص اس غرض سے پوچھنے آیا ہے پس حضرت اس کی مرضی کے موافق جواب دیتے تھے۔ پس یہی وجہ ہے کہ ائمہ کی حدیثوں میں اختلاف ہوا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہرگز کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور یہی وجہ تھی کہ ائمہ علیہم السلام کو یا تو قتل کر دیتے تھے یا قید میں رکھتے تھے اور اس اختلاف کے رفع کے اصول انہوں نے خود بتلائے ہیں۔ ان پر عمل کرنے کے بعد کوئی اختلاف ان کے کلام اور ان کی روایات میں باقی نہیں رہتا۔ جو عالم بصیر سے پوشیدہ نہیں۔

الالعنۃ اللہ علی القوم الظالمین۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

قال عز من قائلہ۔ یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوالرسول واولی الامر منکم

دنیا میں سب سے بہتر شئے انس و محبت ہے چنانچہ محبت کو خداوند عالم نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ پس اگر سب میں محبت ہوتی تو دنیا سے اختلاف اٹھ جاتا۔ کیونکہ انس و محبت سے اتفاق و اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ اور غرض شخصی اور دشمنی سے اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ خداوند عالم اپنے ہر بندے کو غرض شخصی اور دشمنی سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ یہ عمل شیطان رجیم ہے جس نے ہمارے جد امجد جناب آدم کو بہشت عنبر سرشت سے باہر نکالا۔

میں کئی سال سے بلا غرض ذاتی اسلام کو ظاہر کر رہا ہوں اور جہانتک مجھ سے ہوسکتا ہے اصل اسلام کی اشاعت میں جان و دل سے کوشش کرتا ہوں۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ اب اصل اسلام اٹھتا جاتا ہے۔ اور وجہ میری کوشش کرنے کی یہ ہے کہ کل مسلمانوں کو حکم الٰہی ہے کہ ہر ایک قوم میں سے ایک ایک جماعت کو چاہیئے کہ دین اسلام میں تفقہ پیدا کرکے یعنے حقیقت واقعیہ کو سمجھکر لوگوں کو سمجھائیں۔ قال عز وجل۔ لولا نفر من کل فرقۃ طائفۃ لیتفقھو فے الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم۔ (الایۃ)

وقال عز وجل۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون۔ ولاتکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینت واولئک لھم عذاب الیم۔

پس اگر یہ بات میری گردن پر نہ ہوتی تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہرگز ایک لفظ بھی بیان نہ کرتا۔ کیونکہ دوسرے مقام میں خداوند عالم فرماتا ہے۔ یا ایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم الی اللہ مرجعکم جمیعا۔ یعنے اے لوگو تم خود اپنے نفسوں کو

ہدایت یافتہ کرو۔ اگر کوئی گمراہ ہو جائے تو اس کا اور تم سب کا مرجع خدا وند عالم کی طرف ہے اور فرمایا ہے۔ لاتزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ اور فرمایا ہے۔ لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت وغیرہ

اور میں اپنی رائے سے کچھ نہیں بیان کرتا جو کچھ قول پیغمبر ہے وہی بیان کرتا ہوں۔ ہاں ایک بات البتہ بیان کر دیتا ہوں کہ اول تو میں نے بعد فراغت تعلیم کے چھ سال تک مذہب شیعہ اور مذہب سنی دونوں کی کتابوں کو خوب غور سے دیکھا ہے کہ ان دو بڑے بڑے اسلام کے فرقوں میں کون درستی پر ہے اگر میرے والدین شیعہ تھے لیکن میں نے وجدنا علیہ آباءنا کے مطابق مذہب آبائی تقلیدی طور پر اختیار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اور بعد اس کے دو سال کامل ریاضت کی تب مجھ پر روشن ہو گیا کہ حقیقت میں مفسرین نے بہت غلطی کی ہے اور سخت ناانصافی کی ہے کہ اپنی رایوں کو قرآن مجید فرقان حمید میں داخل کر دیا ہے۔ اور بیچارے مسلمانوں کو محض اپنی ہی رائے پر چلنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اگر کسی نے اُن کی رائے کی مخالفت کی تو اس کو رافضی اور مخالف دین قرار دیتے ہیں!

پس پہلے پہل میں نے علماء سے گفتگو کی جن باتوں میں میں نے انکو گمراہی پر دیکھا اُن سے آگاہ کیا! کیونکہ خدا وند عالم فرماتا ہے کہ جب تم گمراہ کو دیکھو تو اس کی ہدایت کرو ورنہ تم پر خدا کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے! حدیث شریف میں بھی یہی وارد ہوا ہے کہ جب میری امت میں گمراہی پھیلے تو تم کو ہدایت کرنا چاہیئے۔ ورنہ تم ملعون ہو!

اصل مدعا۔ بہرحال پروردگار عالم نے بنی نوع انسان کیلئے ان کی دینی اور دنیاوی امور ان کے زمانہ حال اور مستقبل کیلئے ایک دستور العمل قرار دیا ہے۔ تاکہ لوگ اس دستور العمل پر کاربند ہو کر گمراہ نہ ہوں اور ہر طرح کے اختلاف سے محفوظ رہیں اور ان میں محبت و انس پیدا ہو! اور وہ دستور العمل یہی ہے کہ خدا فرماتا ہے۔ یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم الآیہ۔ اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اور اپنے اولی الامر کی چونکہ اللہ کی اطاعت کے بعد رسول اور اولی الامر دونوں کی یکساں اطاعت کا حکم ہے۔ اس واسطے جس طرح کی اطاعت رسول کی ہے اسیطرح کی اولی الامر کی بھی ہو گی یعنے اگر رسول کی اطاعت مطلقہ ہے تو اولی الامر کی اطاعت بھی مطلقہ ہو گی۔ اور جو کچھ فرمان اولی الامر کا ہو گا وہ بعینہ فرمان رسول ہو گا! اسلئے اولی الامر کا تمام شریعت نبوی سے واقف ہونا اور تمام علوم نبی پر حاوی ہونا اور رسول کی طرح معصوم ہونا ضروری ہے کیونکہ غیر معصوم کی اطاعت میں معصیت کا احتمال ہے پس اولی الامر

کا قول وفعل دونوں نبی کے قول وفعل کے مطابق ہونا ضروری ہے اور قول وفعل میں مطابقت بغیر علم وعمل کی مطابقت کے ناممکن ہے۔ اس لئے اولی الامر کے قول وفعل دونوں کا نبی کے قول وفعل کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اگر ذرہ بھی اختلاف ہوگا تو وہ شخص اولی الامر نہیں ہوسکتا۔

اور اس آیۂ مجیدہ میں خداوندعالم نے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور امر کیا ہے۔ اور یہ امر کرنا اس وقت درست ہوسکتا ہے جب پہلے رسول اور اولی الامر موجود ہوں تب ان کی اطاعت کا حکم دینا صحیح ہوگا۔ اور اگر رسول اور اولی الامر تو ابھی موجود نہیں ہیں لیکن اُنکی اطاعت کا حکم دیدیا گیا ہے تو اسطرح کا حکم صحیح اور درست نہیں ہے کیونکہ اس طرح کا حکم تکلیف مالایطاق ہے جس کا بجالانا انسان کی طاقت سے باہر ہے! اور خدا خود فرماتا ہے۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا۔ اور چونکہ آیۂ مجیدہ میں پہلے پیغمبر کی اطاعت ہے ان کے بعد اولی الامر کی ہے۔ اس لئے بعد پیغمبر کے اولی الامر کا وجود ضروری ہے تاکہ خداوندعالم کا ارشاد صحیح ہو اور تعمیل بھی اور چونکہ امر پروردگار اطاعت کیلئے وجوبی ہے۔ اس لئے اس امر سے پہلے وجود رسول ضروری ہے اور رسول کے بعد اسی طرح وجود اولی الامر بھی ضروری ہے بلا تاخیر و درنگ کے ورنہ امر لغو ہوجائیگا اور خداوندعالم پر الزام عائد ہوگا!

ہم اس مقام پر بغیر کسی جرح و تعدیل کے ایک بزرگ مفسر کا قول بیان کرتے ہیں یعنے امام فخرالدین رازی جس کی نسبت مشہور ہے ؎

گر بہ استدلال کار دیں بدے | فخر رازی راز دار دیں بدے

پائے استدلالیاں چوبیں بود | پائے چوبیں سخت بی تمکیں بود

یہ جلیل الشان مفسر اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعد پیغمبر کے اولی الامر کا وجود ضروری ہے۔ اور وہ پیغمبر ہی کی طرح معصوم بھی ہونا چاہئے لیکن چونکہ بعد پیغمبر کے ایسا کوئی شخص نہیں تھا اور نہ اب ہے اس لئے اجماع امت اولی الامر ہوگا نہ کوئی انسان!

پس اگر کوئی صاحب ذرا سا بھی اس بات پر غور و فکر کرینگے تو اُنکو فوراً اس قول کا بطلان ظاہر ہوجائیگا۔ کیونکہ اجماع میں اب تک اتفاق نہیں ہوا ہے اور نہ اجماع موجود ہے۔ اور ہمکو اولی الامر کی اطاعت کا حکم ہوا ہے۔ نہ اس کے پیدا کرنے کا! اور وہ اجماع جس کو لوگ حجت قرار دیتے ہیں وہ پیدا کیا گیا وہ بھی محض چند شخصوں کا تھا اور وہ بھی وفات رسول کے کچھ عرصہ کے بعد ہوا ہے پس وہ عرصہ جو وفات رسول کے اور اجماع کے مابین تھا ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں

اطاعت اولی الامر لغو ہی ہوگی!

پس حق یہ ہے کہ جس طرح سے خداوند عالم نے رسول کو خود مقرر فرمایا ہے۔ اسیطرح سے اولی الامر کا مقرر کرنا بھی خدا پر ہے۔ نہ ہم پر۔ ہم پر محض اسکی اطاعت واجب ہے نہ مقرر کرنا! اگر قرآن مجید میں غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ امور پروردگار میں اجماع مخلوق کو کوئی دخل نہیں ہے۔ خواہ فرشتوں ہی کا کیوں نہ ہو! چنانچہ جب فرشتوں نے اجماع کر کے کہا کہ قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفك الدماء ونحن نسبح بحمدك ونقدس لك۔ یعنے جب پروردگار عالم نے اپنا خلیفہ زمین میں خود مقرر کرنا چاہا اور اس امر کو فرشتوں پر ظاہر فرمایا تو انہوں نے اجماع کر کے عرض کیا کہ ہم اس خلیفہ سے بہتر ہیں ہمکو اپنا خلیفہ بنا تو مصدر جلالت سے ارشاد ہوا کہ تمہارے اجماع کو میرے امور میں کوئی دخل نہیں ہے خلیفہ وہی بہتر ہے جس کو میں نے مقرر کیا ہے۔ انی اعلم ما لا تعلمون۔ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے پس جب پروردگار عالم نے خلافت فی الارض کے معاملہ میں فرشتوں کے اجماع کو رد کر دیا ہے تو بھلا چند لوگوں کا اجماع کب منظور فرمائیگا!

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اولی الامر کون لوگ ہیں جن کی اطاعت کا ہمکو حکم دیا گیا ہے! اولی الامر کے متعلق مختلف اقوال ہیں بعض مفسرین کے نزدیک علماء ہیں! و بعض مفسرین کی رائے میں حکام وقت ہیں۔ خواہ کسی مذہب و ملت کے ہوں!! اور بعض مفسرین کے نزدیک وہ شخص ہے جس پر اکثر مسلمانوں کا اتفاق ہو جائے مثلاً سلطان ٹرکی امیر کابل وغیرہ (لیکن شہنشاہ ایران نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ مذہب اثنا عشری رکھتا ہے گو بہت سے مسلمانوں کا شاہ اور اولی الامر ہے) لیکن چونکہ یہ مقام ظن پر رہنے کا نہیں ہے کیونکہ اطاعت اولی الامر کی واجب یقینی ہے اس واسطے اس کے متعلق ہمیں قرآن سے یقین حاصل کرنا چاہئے کہ اولی الامر کون ہیں ورنہ حکم پروردگار کو ظن پر چھوڑ کر اس کی اطاعت کو بالائے طاق رکھنا ہوگا۔ جو مسلمان کے واسطے سخت خطرے کا باعث ہے۔ کیونکہ اس اطاعت کا حکم منسوخ نہیں کیا گیا ہے اور نہ موقوف کیا گیا ہے۔ بلکہ جب تک قرآن مجید اور شریعت اسلام موجود ہے تبتک اولی الامر کی اطاعت بھی واجب و لازم ہے پس جب تک ہم کو اس کا یقین نہیں حاصل ہوگا کہ وہ کون ہیں اسوقت تک ہم اس حکم پروردگار کو کیونکر بجا لا سکتے ہیں۔ اس لئے پہلے ہمیں امر کے معنے دریافت کرنے چاہئیں کہ اس امر کا اطلاق خدا کی کتاب میں کتنے معنوں پر ہوا ہے پس قرآن مجید میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں مختلف معنوں کیلئے آیا ہے۔ قال عز من قائل

یقولون ھل لنا من الامر من شیئ ط قل ان الامر کلہ للہ ط یخفون فی انفسھم ما لا یبدون لک ط یقولون لو کان لنا من الامر من شیئ ما قتلنا ھھنا پس ظاہر ہے کہ یہاں امر کے معنے غلبہ کے ہیں۔ وقال عزمن قائل۔ افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد۔ فوقہ اللہ سیئات ما مکروا پس ظاہر ہے کہ یہاں امر کے معنے تمام امور انسانی کے ہیں جو اس کو اس دنیا میں درپیش آتے ہیں۔ وقال عزوجل۔ ولقد اتینا بنی اسرائیل الکتب والحکم والنبوۃ ورزقنھم من الطیبت وفضلنا ھم علی العالمین واتینھم بینٰت من الامر ج فما اختلفوا الا من بعد ما جاء ھم العلم بغیا بینھم ان ربک یقضی بینھم یوم القیمہ فیما کانوا فیہ یختلفون۔ ثم جعلنک علی شریعۃ من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون پس ظاہر ہے کہ یہاں امر کے معنے کتاب اور حکم اور نبوت اور ساری شریعت کے ہیں ایسی شریعت جو خداوند عالم نے مقرر فرمائی ہے۔ وقال عزوجل۔ وامرھم بینھم شوری پس ظاہر ہے کہ یہاں پر امر کے معنے شغل اور مکاسب کے ہیں۔ قال عزمن قائل۔ الا لہ الخلق والامر۔ وقال عزوجل انما امرہ اذا اراد لشیئ ان یقول لہ کن فیکون پس ظاہر ہے کہ یہاں امر کے معنے خلق کرنے کے ہیں یعنی وہ خلق جو بلا مادہ کے ہو اور فوری ہو یعنے خلق آنی۔ کیونکہ دراصل ایک عالم خلقی ہے اور ایک عالم امری ہے۔ عالم خلقی مادے سے متعلق ہے اور خلقت اس کی تدریجی ہے۔ قال عزمن قائل۔ خلق السموات والارض فی ستۃ ایام۔ انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر۔

اور عالم امری کو مادے کی حاجت نہیں ہے اور خلقت اس کی فوری ہے محض لفظ کُن کہدینے سے مادہ اور صورت اور روح آن واحد میں موجود ہو کر مخلوق کامل ہو جاتے ہیں انما امرہ اذا اراد لشیئ ان یقول لہ کن فیکون یعنے امر پروردگار یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ شے ہو جاتی ہے۔

اور یہ جتنے امور ہیں سب رسول اللہ پر نازل ہوتے ہیں اور وہ جناب ان سارے امور سے واقف اور ماھر تھے۔ اور جب تک حضرت اس عالم امکان میں تشریف فرما تھے ہر شب قدر۔ اور شب مبارکہ میں فرشتے بحکم پروردگار یہ سارے امور لیکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ تنزل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر۔

انا انزلناہ فی لیلۃ مبرکۃ انا کنا منذرین. فیھا یفرق کل امر حکیم امراً من عندنا انا کنا مرسلین۔

فخر رازی نے نزول ملائکہ میں اختلاف کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ شب قدر کو نزول ملائکہ زمین تک پر ہوتا ہے اور اس زمین میں فرشتے اور روح القدس سیر و سیاحت کر کے آسمان پر چلے جاتے ہیں لیکن یہ بات صریح البطلان ہے کیونکہ امر پروردگار لیکر روح الامین پیغمبر خدا پر نازل ہوتے تھے نہ زمین تک پر۔ ہاں اگر زمین تک سے قلب رسول مراد ہو تو درست ہے کیونکہ حقیقی اور معنوی تک جناب رسالت مآب ہی ہیں اور جبرئیل امین اس دل پر امر پروردگار لیکر نازل ہوتے رہے ہیں۔ لقد نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان سارے امور کے مالک تھے۔ اس لئے معناً اول اولی الامر آپ ہیں پس اسی طرح سے جو شخص بعد رسول کے سارے امور سے واقف اور سب پر حاوی اور سب کا مالک ہوگا وہی شخص بعد رسول کے اولی الامر ہو سکتا ہے۔ نہ دوسرا اور چونکہ سوائے ائمہ اثنا عشر کے اور کسی کی طرف بعد رسول کے ایسے امور نہیں منسوب کئے گئے ہیں اور نہ اب کوئی شخص ان سارے امور کا صاحب نظر آتا ہے اور نہ دعوے کرتا ہے اس لئے سوائے ائمہ اثنا عشر کے اور کوئی اولی الامر نہیں ہو سکتا کیونکہ نفس ان سب بزرگواروں سے ایسے امور ظاہر ہوئے ہیں اور تاریخی دنیا میں اب تک موجود ہیں۔ چنانچہ جناب امام علی نقی علیہ السلام نے شیر قالین کو ارشاد فرمایا۔ کن اسداً یعنے ہوجا اصلی شیر پس مادہ اور صورت اور روح سب اسیوقت آن واحد میں موجود ہو کر شیر نیستان بنگیا اور ساحر ہندی کو ایسا کھایا کہ ایک قطرہ خون کا زمین پر نہیں گرنے دیا اور جب حضرت نے متوکل کی درخواست پر اس سے فرمایا کہ اپنی اصلی صورت اختیار کر تو فوراً شیر قالین ہوگیا پس یہ لوگ ہیں اولی الامر اور انہیں کی اطاعت کو پروردگار عالم نے بعد رسول کے اپنی مخلوقات پر واجب گردانا ہے اور اسوقت ہمارے اولی الامر جناب صاحب الامر علیہ السلام موجود ہیں اور اُسی جناب کی خدمت میں شب قدر و شب مبارکہ میں روح الامین امور پروردگار لیکر نازل ہوتے ہیں نہ بیابان تک میں جیسا کہ مفسرین کی رائے اور اُنکا خیال ہے کیونکہ یہ فعل لغو ہے۔ اور ذات پروردگار اس سے پاک۔

اب زیادہ وضاحت کیلئے ایک حدیث صحیح مسلم سے پڑھتا ہوں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم. لایزال ھذا الامر حتی یمضی فیہ اثنا عشر خلیفۃ

کلہم من قریش. اور ایک حدیث میں ہے کہ قیامت تک یہ امر زائل نہ ہوگا! پس اب قرآن و حدیث سے ثابت ہوگیا کہ ایک اولی الامر ہر زمانہ میں قیامت تک موجود ہے اور وہ مثل نبی کے ہونا چاہیئے چنانچہ اُس اولی الامر کو رسول اللہ نے مقام غدیر خم میں اور اس سے پیشتر روز مباہلہ آیت مباہلہ میں ظاہر فرما دیا ہے. قل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم پس اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ روز مباہلہ رسول اللہ اپنے ہمراہ محض علی و فاطمہ اور حسنین علیہم السلام کو میدان میں لائے تھے اور انفسنا سے علی بن ابی طالب مراد ہیں پس اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ علی ابن طالب برادر رسول بعد رسول کے مثل رسول ہیں لیکن چونکہ اتحاد و مماثلت جسمانی محال ہے۔ اسلئے اتحاد و مماثلت روحانی مراد ہے۔

اب اس سے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ جب علی ابن ابی طالب رسول اللہ سے کلیتہً اتحاد وصفی رکھتے تھے اور رسول اللہ کے اوصاف میں سے ایک صفت نبوت و رسالت بھی ہے تو کیا بعد نبی کے علی بھی نبی تھے پس اس شبہ کو خداوند عالم نے خود رد فرما دیا ہے۔ قال عز من قائل. ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله وخاتم النبیین یعنے محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نبوت و رسالت کا خاتمہ ہے علی ابن ابی طالب محض رسول کا وصی اور اس کے امور کا صاحب ہے۔

اور خود امام رازی نے فرمایا ہے کہ جو شخص علی بن ابی طالب کو اپنا امام بنائے گا وہ ہدایت یافتہ ہوگا پس کافی ہے یہی بات!

اب میں کہتا ہوں کہ بعد رسول کے اگر علی بن ابی طالب ولی الامر نہیں ہیں تو پھر اور کوئی نہیں ہوسکتا سب مصنوعی اولی الامر ہیں! کیونکہ اولی الامر کے حقیقی اوصاف اس کے سوا کسی میں موجود نہ تھے۔

اور امامت کے بارے میں جناب ابراہیم علیہ السلام کو ارشاد ہوا ہے کہ لا ینال عھدی الظالمین. یعنے میرا عہد جو کہ امامت کبرےٰ ہے یعنے خلافت رسول ظالم کو ہرگز نہیں پہنچیگی۔ اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ ظالم کون ہے پس قرآن مجید خود ظالموں اور ظلم کے اقسام بیان فرماتا ہے. قال عز من قائل. یا بنی لا تشرک بالله ان الشرک لظلم عظیم پس شرک ظلم جلی ہے. وقال عز وجل. والذین اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسھم ذکروا الله پس معصیت ظلم خفی ہے پس جب ان دونوں قسموں کے

ظالم توبہ و استغفار کر لیتے ہیں تو خدا وند عالم انکو معاف کر دیتا ہے لیکن چونکہ ایک مرتبہ مجرم ہو چکے ہیں اس لئے خلافت کبریٰ سے ہمیشہ کیلئے محروم کئے گئے ہیں۔ کیونکہ وہ احکم الحاکمین کی ملازمت ہے۔ دیکھو گورنمنٹ کے ملازموں میں سے جب کوئی مجرم ثابت ہو جاتا ہے تو اسکو سرکار کی ملازمت ہرگز نہیں دیجاتی۔ خواہ چھوٹی ملازمت ہو یا بڑی۔ کیونکہ وہ شخص اب گورنمنٹ کی نظروں میں محفوظ نہیں رہا ممکن الخطا ثابت ہو گیا ہے۔ اس کو گورنمنٹ کا کوئی عہدہ نہیں دیا جائیگا۔ پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ ظالم کو خدا وند عالم اپنا خلیفہ دوسرے لفظوں میں والی سرائے بنائیگا۔ پس ان دونوں قسموں کے مسلمانوں کو ہرگز امامت نہیں پہنچ سکتی۔ ہاں اگر لوگ اپنی مرضی سے کسی کو اپنا امام بنالیں تو بظاہر تو امام کہلائیگا لیکن حشر اس کا انہیں اماموں کے ساتھ ہوگا جنکی نسبت فرمایا ہے۔ قال عز من قائل۔ وجعلنا هم ائمة یدعون الی النار و یوم القیمة لا ینصرون۔ و اتبعنهم فی هذه الدنیا لعنة و یوم القیمة هم من المقبوحین نہ ان کے ساتھ جن کی نسبت فرمایا ہے۔ قال عز من قائل۔ وجعلنا منهم ائمة یهدون بامرنا لما صبروا و کانوا بایاتنا یوقنون پس ظاہر ہے کہ نار والے امام مجعول ناس ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق اپنے حکم پر لوگوں کو چلاتے ہیں۔ اور جنت والے امام مجعول پروردگار عالم ہیں اور اسی کے امر سے لوگوں کو ہدایت فرماتے ہیں۔ اس لئے وہی لوگ اولی الامر ہیں والسلام علی من اتبع الهدیٰ

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا ایها الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم

فی الجملہ جس قدر ضروری تھا میں نے بیان کر دیا ہے کہ نبوت کیا شے ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کلمات اللہ ہیں۔ قال عز و جل۔ انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ و کلمته القها الی مریم و روح منه فامنوا باللہ و رسله۔ پس جس طرح انسان اپنا

ما فی الضمیر اپنے کلمہ سے دوسروں پر ظاہر کرتا ہے بلا تشبیہ اسی طرح پروردگار عالم نے اپنا منشا اپنے کلمات سے اپنی مخلوق پر ظاہر فرمایا ہے۔ اس لئے انبیا علیہم السلام اسباب ہیں بروز اور ظہور مقاصد اللہ تعالیٰ کے اور جب وہ لوگ اظہار مقاصد او مطالب پروردگار عالم کے وسائل ہیں تو آیہ مجیدہ میں جو روح منہ وارد ہوا ہے تو یہ زیادہ اتصال کی توضیح کیلئے ہے یعنے جس طرح سے آفتاب کی روشنی اس سے جدا نہیں ہوتی اسی طرح خداوند عالم کا فیضان ہر وقت ان سے متصل رہتا ہے۔ کیونکہ انبیا علیہم السلام زمین میں خلیفۃ اللہ ہیں اور خلیفہ مستخلف عنہ کا مرآۃ یعنے آئینہ ہوتا ہے جس سے مستخلف عنہ کا عکس فیضان دوسروں پر پڑتا ہے۔

پس چونکہ جو کچھ خداوند عالم کا منشا ہے وہ سب انہیں کے وجود سے حاصل ہوتا ہے اور یہی لوگ اس کے اوصاف کے اظہار کیلئے آئینہ ہیں اسیواسطے انکی تائید کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ جو کچھ تم کو رسول کہے اس کو لو اور اس پر عمل کرو اور جس بات سے تمکو منع کرے اس سے باز آؤ۔ ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوہ۔ اور آیہ مجیدہ میں فرمایا ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسولوں پر۔

ابتدائے نبوت کا مرتبہ یہ ہے کہ جتنے لوگوں پر نبی کو مبعوث فرمایا ہے ان لوگوں کی تعداد اور قوم کے لحاظ سے اس نبی کو علم و حکمت عنایت فرمایا ہے۔ زیادہ اس واسطے نہیں دیا کہ اسکی ضرورت نہیں ہوتی پس نبوت جزئی کی یہ شان ہے کہ جتنے لوگوں پر وہ نبی مبعوث ہو یا جس قوم کی طرف وہ نبی بھیجا جائے ان کے تمام امور دنیوی اور دینی سے واقف ہو اور اس قوم و جماعت کے سارے علوم و فنون سے واقف ہو تاکہ انکو ممنوعات سے انذار کرے اور مشروعات سے ترغیب و تبشیر دے پس اگر کوئی شخص یہ دعوے کرے کہ میں تمہارا نبی ہوں لیکن وہ شخص ہمارے تمام علوم و فنون سے واقف اور ماہر نہیں ہے تو کاذب ہوگا اور مثال نبوت جزئی کی یہ ہے۔ واذ قال عیسی بن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التورات ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ اے بنی اسرائیل میں فقط تمہارے واسطے خدا کا رسول ہوں نہ دوسروں کی طرف اور میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں اور تمہیں ایک آنے والے رسول کی بشارت دیتا ہوں جس کا اسم مبارک احمد ہوگا۔ پس یہ بات جناب عیسیٰ کے واسطے ضروری تھی کہ وہ تمام نبی

اسرائیل کے علوم وفنون سے واقف ہوں ورنہ اُن کے رسول نہ ہو سکتے اور نہ آنے والے
نبی کی بشارت دے سکتے جس کے بنی اسرائیل منتظر تھے! پس چونکہ جناب عیسیٰ کی نبوت جزئی
تھی جو محض بنی اسرائیل ہی کیلئے محدود تھی۔ اس لئے اُنکو محض اس قوم اور ان کے شمار کے لحاظ
سے علوم وفنون ومعجزات عطا ہوئے تھے نہ زیادہ اور نہ کم۔ اور اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق۔

اس بیان سے ایک اور معمہ بھی حل ہوگیا وہ یہ کہ اب اس ہمارے زمانہ میں اگر کوئی شخص
مثیل عیسیٰؑ بنکر تمام عالم سے اپنی تصدیق کرائے اور سب کو اپنی امت میں داخل کرنا چاہے۔ یا
سب کے واسطے اپنے آپ کو پیشوا قرار دے تو وہ شخص غلطی پر ہوگا کیونکہ جناب عیسیٰؑ محض بنی اسرائیل
کے رسول تھے نہ تمام عالم کے اس واسطے انکا مثیل بھی بفرض محال اگر ہوگا تو محض بنی اسرائیل
ہی کے واسطے رہبر ہو سکتا ہے۔ اور امام وپیشوا بن سکتا ہے نہ امت محمدیہ کا جس میں تمام
عوالم داخل ہیں۔ تبارک الذی نزل الفرقان علےٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔

اور نبوت کلی یعنے نبوت مطلقہ یا منتہائے نبوت یا ختم نبوت یا ولایت مطلقہ کا مرتبہ
یہ ہے کہ ہر عالم کے انواع واقسام کے علوم وفنون اور دینی و دنیوی ملکوتی۔ لاہوتی۔ ناسوتی جبروتی
حقائق عالم دقائق امور سے کلیتہً واقف وماہر ہوتا کہ تمام عالمونکو احکام جو ان کے واسطے خلاق عالم
نے مقرر فرمایا ہے تعلیم دے اور ممنوعات سے منع فرمائے پس نبی مطلق کے واسطے یہ بات ضروری
ہے کہ عالم ملکوت کے تمام حقائق ودقائق سے ماہر ہو۔ اسیطرح تمام عالم ناسوت کے حقائق اور دقائق
سے واقف ہو۔ اسیطرح عالم مجردات اور مادیات سے بخوبی ماہر ہو یعنے عرش سے لیکر فرش تک
جس قدر عوالم ہیں سب کے احکام سے واقف ہو اور سب کو تعلیم احکام الٰہی دے۔ اور
ممنوعات سے باز رکھے۔ کیونکہ اگر سب کو انذار نہیں کر سکتا تو ان تمام عالموں کے واسطے اسکا
رسول ہونا یا نبی ہونا بے فائدہ ہوگا۔ فقال عز وجل۔ تبارک الذی نزل الفرقان
علیٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔ بزرگ وبرتر ہے وہ ذات پاک جس نے اپنے عبدؐ پر
فرقان نازل فرمایا ہے تاکہ وہ عبدؐ تمام عالموں کو انذار کرے یعنے انکو ڈرائے!

اس آیہ مجیدہ سے بہت بڑے بڑے مطلب پیدا ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ یہ فرقان
مجید قرآن حمید تمام عالموں کے احکام پر حاوی ہے یعنے اس میں تمام مخلوقات عرش سے
لیکر فرش تک کے احکام موجود ہیں اور یہی ایک کتاب تمام مخلوقات الٰہی کیلئے دستور العمل
ہے اور جس نبی کریم پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے وہ نبی تمام مخلوقات کے دستور العمل سے کلیتہً واقف

ہے یعنے اس نبی کو یہ بات معلوم ہے کہ فرشتوں کے واسطے کیا دستور العمل ہے اور بنی جان کے واسطے کیا ہے اور بنی آدم کے واسطے کیا ہے حیوانات کے واسطے کیا ہے اور نباتات کے واسطے کیا ہے اور جمادات کے واسطے کیا ہے! کیونکہ ان تمام عالموں کے دستور العمل سے واقف نہ ہوگا تو انکا نذیر نہیں ہو سکتا!

اس بیان سے دوسری بات یہ پیدا ہوئی کہ اس فرقان مجید میں سارے احکام ہمارے متعلق نہیں ہیں یعنی یہ کتاب محض ہماری ہی خاطر نازل ہوئی ہے بلکہ اور تمام مخلوقات کیلئے بھی یہی کتاب نازل ہوئی ہے پس جو کچھ اس کتاب میں ہمارے متعلق ہے۔ وہ ہمکو پہنچایا گیا ہے اور جو دوسروں کے متعلق ہے وہ دوسروں کو تبلیغ کیا گیا ہے پس ہمارے احکام سے دوسروں کو کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہم کو دوسروں کے احکام سے کوئی مطلب ہے پس اسی واسطے جو باتیں اس فرقان مجید میں ہمارے متعلق ہیں انہیں کے سمجھنے کی ہمیں کوشش کرنی چاہئے۔ دوسروں کے متعلق احکام کو سمجھنے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون۔ ترجمہ اور ہم نے نازل کیا ہے تیری طرف ذکر تاکہ تو لوگونکو وہی بیان کرے جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا ہے اور تاکہ وہ لوگ اس میں تفکر کریں پس ظاہر ہے کہ الناس کے واسطے جو کچھ نازل کیا گیا ہے۔ وہی رسول اللہ نے ہم سے بیان فرمایا ہے اور اسی میں ہمیں تفکر کرنے کا ارشاد ہوا ہے نہ ان امور میں جو غیر ناس سے تعلق رکھتے ہیں دنیہ اس سلسلہ کو چھوڑا جاتا ہے انشاء اللہ دوسرے مقام پر بیان کیا جائیگا انبیا جیسا کہ ثابت کیا گیا۔ عالم علم لدنی اور معصوم ہوتے ہیں۔

لیکن اہل کتاب اپنے انبیاء کو کبھی معصوم نہیں جانتے۔ خواہ قبل نبوت خواہ بعد نبوت خواہ اثناء نبوت ان کے عقیدہ کے مطابق نبی جھوٹ بھی بولے تو نبی ہے اگر معاذ اللہ زنا کرے تو بھی نبی ہے۔ اس کی نبوت کو ان اعمال سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ یہ مضمون اس واسطے میں بیان کرتا ہوں تاکہ آپ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جو کچھ مسلمانوں نے اپنے نبی پر بہتان لگایا ہے وہ مسلمانوں کا کام نہیں ہے۔ بلکہ یہود و نصاریٰ کی کارروائی ہے کہ انہوں نے ابتدائے اسلام میں بڑی بڑی کوششیں کیں کہ لوگوں کو اسلام سے منحرف کریں۔ چنانچہ بعضے تو قرآن کی تحریف کرتے تھے اور بعضے بظاہر مسلمان بنکر نماز پڑھانے لگتے تھے اور بعضے درس دینے لگتے تھے پس ان طریقوں سے انہوں نے سارے اپنے

عقائد باطلہ مسلمانوں کو سکھلادے۔ قال عز وجل۔ ود کثیر من اہل الکتاب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارا حسدا من عند انفسہم من بعد ما تبین لھم الحق۔ اکثر اہل کتاب اپنے حسد سے چاہتے ہیں کہ وہ تمکو ایمان سے پھر اکر کافر بنا دیں بعد اس کے کہ ان پر حق واضح ہو گیا ہے۔ اور ایک آیت میں فرمایا ہے کہ جس وقت کہ اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ تم لوگ جاکر رسول پر ایمان لاؤ پس اگر دو پہر تک مسلمان بنے رہے۔ فامنوا وجہ النہار واکفروا اخرہ۔ اور بعد دوپہر کے پھر گئے۔ یہ کہکر کہ یہہ مذہب ٹھیک نہیں ہے۔

اور دوسری آیت میں فرماتا ہے۔ وقد کان فریق منہم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون۔ واذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا واذا خلا بعضھم الی بعض قالوا اتحدثونھم بما فتح اللہ علیکم لیحاجوکم بہ عند ربکم افلا تعقلون یعنی ان اہل کتاب یہودیوں میں سے کچھ ایسے لوگ تھے جو کلام اللہ کو سنتے تھے۔ اور پھر سمجھنے کے بعد اس کے معانی کی تحریف کر دیتے تھے۔ اور وہ اُس کو خوب جانتے تھے۔ اور جب وہ اہل ایمان سے ملتے تھے تو ان سے کہدیتے تھے۔ کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اور جب آپس میں تخلیہ کرتے تھے تو کہتے تھے کہ کیا جو کچھ اللہ نے تم پر واضح کیا ہے وہ مسلمانوں سے کہدیتے ہو کہ وہ قیامت کے دن پروردگار کے سامنے محاجہ کریں۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ اور اس کو سمجھتے نہیں ہو۔

ومنھم امیون لایعلمون الکتاب الا امانی وان ھم الا یظنون۔ فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون۔ اور بعض ان میں سے امی ہیں۔ جو سوائے اپنی آرزوؤں کے کتاب کو کچھ نہیں جانتے اور محض گمان سے باتیں کرتے ہیں پس افسوس ہے ان لوگوں کیلئے کہ کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے آئی ہے تاکہ کچھ پیسے کما لیں پس افسوس ہے ان کی اس تحریر پر اور افسوس ہے ان کی اس کمائی پر۔

اور دوسرے مقام میں فرماتا ہے۔ من الذین ھادوا یحرفون الکلم من بعد مواضعہ یقولون ان اوتیتم ھذا فخذوہ وان لم توتوہ فاحذروا۔ اور یہودیوں میں سے

وہ بھی ہیں جو کلمات کے مواقع معلوم ہونے کے بعد ان کی تحریف کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ تم کو دیا جائے تو لے لو اور اگر یہ نہ دیا جائے تو اس سے پرہیز کرو۔

اور دوسرے مقام میں فرماتا ہے۔ واذا لقوا الذین آمنوا قالوا آمنا واذا خلوا الیٰ شیاطینهم قالوا انا معکم انما نحن مستهزؤن۔ اور جب یہ لوگ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطان بھائیوں سے تخلیہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے مزاح کرتے تھے۔

پس انہیں یہود و نصاریٰ کی کارروائی ہے جو اسلام پر یہ اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ ہر تفسیر کا خاتمہ کعب الاحبار عبداللہ سوریا وغیرہ پر ہوتا ہی۔ بیچارے سیدھے سادے مسلمان اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ لوگ جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ سب ٹھیک اور درست ہے۔ اسی واسطے ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ بہت سی حدیثیں مسلمانوں کی یہودیوں سے لی گئی ہیں اور انکا ثبوت اسطرح مل سکتا ہے کہ یہودیوں کی کتاب سے ملا کر دیکھ لو۔ دونوں کے ایک مضمون ہونگے۔

چنانچہ مشکوٰۃ میں حدیث ہی کہ اسی حفظ ما تقدم کیلئے حضرت نے فرمایا ہے کہ بہت سے لوگ مجھ پر افترا کرتے ہیں۔ لقد کثر علے الکذابون۔ اس واسطے جو حدیث قرآن کے موافق ہے وہ تو ٹھیک ہے اور جو قرآن کے مخالف ہے وہ میری حدیث نہیں ہی۔

پس اول مسلمانوں کے ہاتھ میں مسلّم حجت خدا کی طرف سے ہے وہ محض قرآن مجید ہے۔ اور یہ قرآن پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زندہ معجزہ ہے۔ اس کی لفظی تحریف نہیں ہوسکتی تھی اس لئے کہ اس میں سے ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ رکھدیا جائے تو فصاحت و بلاغت سے خارج ہو جاتا ہے پس تحریف لفظی تو نہ کرسکے محض تحریف معنوی کیگئی ہے یعنے اسکے معانی غلط بیان کرتے تھے اور کہتے تھے کہ نبی نے اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے بیچارے مسلمانوں نے اپنے نبی کے نام سے ان کی تفسیروں کو یاد کر لیا اور اپنی کتابوں میں درج کرلیا۔

قرآن کے الفاظ کا ایک حرف بھی محرف نہیں ہوسکتا اگر کہیں کسی نے کچھ کیا ہے۔ تو وہ اہل لسان پر فوراً ظاہر ہوگیا ہے۔ اور یہ مبصرین پر واضح ہے لیکن تفاسیر اور معانی کی تحریف تو کھلم کھلا ظاہر ہے کہ ایک ایک لفظ کی دس دس تفسیریں اور ایک ایک لفظ کے دس دس معانی موجود ہیں پس ظاہر ہے کہ ایک ایک لفظ کے دس دس معانی

موجود ہیں جیسا ظاہر ہے کہ ایک ایک لفظ کے دس دس معانی اور مطالب رکھکر خداوند
عالم ہرگز اپنے بندوں کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ یہ محض منافقوں کی کارروائی ہے تاکہ
اس قدر اختلاف دیکھکر مسلمان اپنے دین سے دست بردار ہوجائیں۔ دیکھو خداوندعالم
کا منشا رہے کہ قرآن سے اتحاد و اتفاق پیدا ہو۔ اور مفسرین کی تفاسیر سے ہزاروں قسم کے
اختلاف پیدا ہوگئے ہیں منجملہ ان باتوں کے یہ بھی ہے کہ مکی آیتوں کو مدنی بنا دیا ہے اور مدنی
کو مکی۔ مثلاً آیہ مجیدہ مندرجہ ذیل مکی ہے لیکن مفسرین اسکو مدنی بتلاتے ہیں۔ ویقول الذین
کفروا لست مرسلا قل کفی باللہ شہیدا بینی و بینکم و من عندہ علم
الکتب۔ یہ آیہ مجیدہ سورہ رعد مکیہ میں مذکور ہے لیکن مفسرین اس کو مدنی بتلاتے ہیں
اور کہتے ہیں کہ غلطاً اور سہواً مکی سورۃ میں مندرج ہوگئی ہے۔ اور حالانکہ ظن سے یقین کا فائدہ
نہیں حاصل ہوتا۔ ان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ دنش مقام میں خداوندعالم نے
ظن کرنے سے منع فرمایا ہے پس اب مفسرین سے سوال ہے کہ ان کو کس بات نے
مجبور کیا ہے کہ انہوں نے قرآن ہی میں ظن کو قائم رکھا ہے اور کس بات نے انہیں روکا ہے۔ جو
انہوں نے اس امر کا یقین نہیں حاصل کیا کہ یہ آیت مکی ہے؟ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ہم بھی
مفسرین کی رائے کے موافق اس آیہ مجیدہ کو مدنی تسلیم کریں تو ہمارے واسطے کیا نقصان
ہوگا اور اس میں کیا خرابی ہے اور مفسرین نے کیوں اس کو مدنی قرار دیا ہے۔ انکو اس سے
کیا فائدہ حاصل ہوا ہے پس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر مفسرین نے اپنے مسلمانوں میں
یا خاندان بنی ہاشم میں کسیکو صاحب علم کتاب نہیں دیکھا۔ اسواسطے عبداللہ بن سلام مدینہ کے
یہودی کو صاحب علم کتاب قرار دیا اور اسی مطلب کے واسطے اس آیت کو بھی اس کے
نام مخصوص کیا اور مدنی تسلیم کیا اور کہا کہ غلطاً اور سہواً سورہ رعد مکیہ میں مندرج ہوگئی ہے۔
پس خرابی اس میں یہ ہے کہ جو تعریف خداوندعالم نے صاحب علم کتاب کی قرآن میں بیان
فرمائی ہے وہ عبداللہ بن سلام پر ہرگز صادق نہیں آتی۔ چنانچہ آصف برخیا وزیر جناب
سلیمانؑ کی نسبت فرمایا ہے کہ اس کے پاس تھوڑا سا علم کتاب تھا جس سے اس نے تخت
بلقیس کو چشم زدن میں حاضر کردیا اور اس آیت میں صاحب علم کتاب وہ ہے جس کے پاس
ساری کتاب کا علم ہے پس چاہیے کہ جو شخص اس آیت میں مراد ہے وہ آصف برخیا سے
بڑھکر ہو۔ اور آصف برخیا اس کو اپنا پیشوا تسلیم کرے۔ کیونکہ آصف برخیا کو بعض علم کتاب

دیا گیا ہے اور اُس کے پاس کل کتاب کا علم ہے۔ اس سے عبد اللہ بن سلام ہرگز مراد نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ عبد اللہ بن سلام جناب آصف برخیا کو اپنا پیشوا اور دین کا رہبر مانتا تھا۔ نہ کہ اُن سے بڑھکر اپنے آپ کو خیال کرتا تھا۔ پس ظاہر ہے کہ یہ دعوے اس قسم سے ہے۔ کہ "مدعی سست اور گواہ چست" اور جب بنی ہاشم خاندان رسول میں ایسے ایسے لوگ موجود ہیں کہ جن کی نسبت خود پیغمبر خدا نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا ہے کہ انا مدینۃ العلم و علی بابہا تو پھر ہم ایسے شخص کو کیوں نہ صاحب علم کتاب تسلیم کریں کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ یہود و نصاریٰ کو ہی صاحب علم کتاب تسلیم کریں اور مسلمانوں کو نہ مانیں۔

پس تیسری قسم کی تحریف ہے جو ترتیب میں کی گئی ہے۔ یعنے تحریف ترتیبی۔ اور یہ تحریف اس وقت کی گئی ہے۔ جب پہلے پہل قرآن مجید جمع کیا گیا ہے۔ کیونکہ جس ترتیب سے قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ اس ترتیب سے نہیں جمع کیا گیا ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی ہے وہ اقرا ہے اور سب سے آخری آیت نازل ہوئی ہے وہ الیوم اکملت لکم دینکم الخ ہے۔

صاحب علم کتاب علی بن ابی طالب علیہ السلام باب مدینۃ العلم ہیں جنہوں نے معجزہ بساط و کہایا۔ اور آن واحد میں چالیس مقام پر کہانا تناول فرمایا۔ اور قرآن مجید اس وقت جمع کیا گیا ہے جب جنگ یمامہ سے لوگ واپس لوٹے ہیں۔ کیونکہ اس جنگ میں بہت سے ایسے لوگ مارے گئے تھے جنہوں نے قرآن کی آیتوں کو یاد کیا ہوا تھا۔ پس حضرت عمر کے مشورہ سے حضرت ابوبکر نے زید بن ثابت کو حکم دیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو قرآن کو جمع کر کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ اب وہ لوگ جنکو قرآن یاد ہے انتقال کرتے جاتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ جمع نہ ہوسکے پس زید بن ثابت مسجد میں بیٹھ گئے اور لوگوں کے منہ سے دو دو چار چار آیت جمع کرنے لگے یہاں تک کہ سارا قرآن جمع کر لیا۔ اسی واسطے احکام قرآن میں سخت بے ربطی واقع ہوئی ہے کیونکہ نہ تو زید بن ثابت ساری آیات سے واقف تھے کہ وہ کہاں کہاں نازل ہوئی ہیں اور کس ترتیب سے نازل ہوئی ہیں اور نہ لوگوں کو علی الترتیب یاد تھا۔ کوئی دو آیت بتلا گیا۔ کوئی چار آیت سنا گیا۔ اور علی ترتیب التنزیل جمع نہ ہونے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ مثلاً آیہ انقاء میں نفس موضوع کو منسوخ مان لیا ہے اور حالانکہ نسخ کا تعلق نفس موضوع سے نہیں ہوتا محض احکام میں ہوتا ہے۔

قرآن مجید توراۃ کی طرح تختیوں پر لکھا ہوا نہیں نازل ہوا ہے بلکہ اس کی حقیقت

محض قلب رسول پر نازل ہوئی ہے۔ نزل بہ الروح الامین علی قلبك لتكون من المنذرین پس قرآن مجید حقیقت میں نہ تو مکتوب ہے اور نہ ملفوظ۔ بل ھو آیات بینٰت فی صدور الذین اوتو العلم وما یجحد بآیاتنا الا الظالمون۔ بلکہ اصل قرآن وہ ہے جو اُن لوگوں کے سینوں میں ہے جنکو علم لدنی عطا ہوا ہے۔ آیات بینات ہیں اور محفوظ ہے کوئی اس میں تصرف نہیں کرسکتا۔ یعنے اصل قرآن حقیقت قرآن ہے۔ نہ مکتوب اور نہ ملفوظ پس پیغمبر خدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکم پروردگار اس حقیقت کو اپنے الفاظ میں بیان فرمایا۔ اس طرح سے کہ جب آپ کو ارشاد ہوا کہ اس وقت فلاں آیت کو پڑھدے تو اسوقت حضرت نے اس آیت کو پڑھا گو آپ غایت درجہ کی شفقت اور نہایت درجہ کی رحمت کی وجہ سے جو آپ کو اپنی امت سے تھی چاہتے تھے کہ جلدی جلدی سارا قرآن اپنی امت کو پڑھکر سنادیں تاکہ سارے احکام الٰہی سے امت واقف ہوجائے اور عمل کرکے اجر و ثواب کی مستحق ہو پس یہ ارادہ دیکھکر ارشاد الٰہی ہوا۔ لاتحرك بہ لسانك لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرانہ فاذا قرانہ فاتبع قرانہ ثم ان علینا بیانہ پس جس قدر خداوند عالم ارشاد فرماتا تھا۔ اسکی آپ پیروی کرتے تھے یعنے اسی قدر لوگوں پر پڑھتے تھے۔

اور زید بن ثابت نے بغیر اعراب کے لکھا تھا قرآن مجید کے مکتوبی الفاظ پر پہلے اعراب نہیں ہوتا تھا اعراب بعد میں لگایا گیا ہے اور جب اعراب کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر مقام کے لوگوں نے اپنی زبان کے موافق اعراب لگایا یعنی اپنی زبان کے موافق۔ کوفیوں نے اپنی زبان کے موافق کسی نے سین کی جگہ صاد پڑھا اور کسی نے سین کو زبر پڑھا۔ الغرض ہر شخص نے اپنے اپنے لہجہ کے مطابق پڑھنا شروع کیا اور انجام یہ ہوا کہ سات قرأتیں پیدا ہوگئیں پس یہ تحریف حضرات قراء کی ہے جو سات قرأتیں جو دیں آئیں اور جب نحویین کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے اپنی اپنی رائے کے مطابق فاعل کو مفعول اور مفعول کو تمیز و حال قرار دیا اور تنازع الفعلان کے اعمال میں اپنی اپنی مرضی سے عمل دینا قرار دیا یعنے جب دو فعل ایک معمول میں جھگڑا کریں اس طرح کہ ایک تو چاہتا ہے کہ وہ معمول فاعل بنے اور دوسرا چاہتا ہے کہ مفعول بنے تو اس مرتبہ نحویین صاحبان اختلاف کرتے ہیں کوئی تو کہتا ہے کہ اس کو فاعل بننا چاہیئے اور کوئی کہتا ہے کہ نہیں مفعول بننا چاہیئے وغیرہ وغیرہ پس اسطرح کا تصرف قرآن مجید میں حضرات نحویین صاحبان کی تحریف ہے مثلاً آیۂ وضو میں ایک نے زیر دیکر یعنے مکسور پڑھکر مسح پا قرار دیا اور دوسرے نے زبر دیکر یعنے مفتوح پڑھکر غسل پا قرار دیا۔ یعنے

پاؤں کا دھونا پیدا کیا اور عمل اسلام میں اختلاف ڈالدیا پس وضو میں اختلاف حضرات نحویین
کی بدولت پیدا ہوا ہے اور یہی لوگ اس کے ذمہ دار ہونگے پس حضرات نحویین کا تصرف
بھی تحریف معنوی کا باعث ہوا ہے اور اہل اسلام کو اختلاف میں ڈالنے کا ذریعہ اسی واسطے
بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف و نحو پڑھنا شرک ہے اور اسیطرح منطق و فلسفہ پڑھنا شرک ہے کیونکہ
یہ سب لوگوں کی تراشی خراش ہے محض حدیث شریف پڑھنا چاہئے جو قول رسول ہے اور عمل
اسلام کے واسطے سوائے حدیث کے اور کچھ نہیں ماننا چاہئے سب شرک ہے کیونکہ نبی تو
حقیقت واقعیہ سے واقف تھے۔ جو کچھ ان کا قول و فعل ہے وہی ہمارے واسطے حجت ہے
پس ظاہر ہے کہ وضو کے متعلق نبی کا ایک ہی فعل ہوگا یا دھونا یا مسح کرنا کیونکہ وہ احکام کی حقیقت
واقف تھے۔ اس لئے ان دونوں میں سے ایک ہی فرقہ درستی پر ہوگا یا دھونیوالا یا مسح کرنیوالا۔
عام مسلمانوں کے یہاں سب سے زیادہ معتبر حدیث کی دو کتابیں ہیں ایک مسلم اور دوسری بخاری
اور ان دونوں کی یہ حالت ہے کہ مسلم مقدمہ کتاب میں بیان کرتے ہیں کہ میری نظر سے تقریباً آٹھ لاکھ
حدیثیں گذری ہیں میں نے صرف اُن میں سے کل آٹھ ہزار درج کی ہیں اور باقی کو غیر معتبر سمجھکر چھوڑ دیا
ہے۔ اور بخاری کے مقدمہ کتاب میں صاحب بخاری فرماتے ہیں کہ میری نظر سے تقریباً چھ لاکھ حدیثیں
گذری ہیں میں ان میں سے صرف چھ ہزار جمع کی ہیں اور باقیوں کو دروغ سمجھکر چھوڑ دیا ہے۔
پس یہ امر قابل توجہ ہے کہ بعد رسول کے اس قدر دروغ اور کاذب حدیثیں لوگوں نے
بنائی تھیں کہ اس قدر کثرت سے ان دونوں محدثوں نے چھوڑ دیں کیونکہ اگر وہ واقعی رسول کی حدیثیں
ہوتیں تو ان کے ترک کرنے کے کیا معنی ہیں پس ظاہر ہے کہ وہ سب جھوٹی حدیثیں تھیں جن کو ان
دونوں صاحبوں نے چھوڑ دیا اور جمع نہیں کیا!
اور اب قرآن کی یہ حالت ہے کہ ہر شخص نے اس میں اپنا تصرف کر لیا ہے پس اگر پیغمبر
نے کسی کو اپنے بعد قرآن و حدیث کا محافظ نہیں بنایا تھا تو یہ سارا الزام پیغمبر کی گردن پر ہوگا کہ انہوں
نے کیوں اپنے بعد قرآن و حدیث کا محافظ نہیں مقرر کیا اور حالانکہ خداوند عالم نے فرما دیا تھا یا ایھا
الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔ یعنی اے پیغمبر جو کچھ میں نے
تجھ پر نازل کیا ہے وہ سب پہنچا دے تاکہ محفوظ رہے اور اگر تو نے ایسا نہیں کیا تو گویا تو نے میری
رسالت ہی نہیں پہنچائی۔ وکل شیئ فصلناہ تفصیلا۔ وجعلناہ تبیانا لکل شیئ۔ پس حقیقت
قرآن اور تفصیل قرآن اور بیان قرآن نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کسی کو بتا دی یا نہیں تو اسکے بیا

بعد نبی کے محفوظ ہے کیونکہ اگر نہیں بتلائی ہے تو نبی پر الزام ہے۔ اور اگر بتلائی ہے تو بعد نبی کے کوئی ایسا
شخص ضرور ہونا چاہئے جس کے پاس تمام احکام قرآن بغیر اختلاف کے موجود ہوں؟ ضرور بعد رسول
کے ایک ایسا شخص ہونا ضروری ہے جو کل ما انزل علی الرسول سے واقف ہو ورنہ اسلام بیکار
ہے پس ایسا شخص وہی ہو سکتا ہے جس کی نسبت فرمایا ہے۔ قل کفی باللہ شہیدا بینی و
بینکم و من عندہ علم الکتاب پس وہ علم کتاب اسی شخص کے پاس ہے جو اذن واعیہ
ہے۔ اور اذن واعیہ کی نسبت سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ امیر المومنین سید الوصیین علی
بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید
کو بہت سے لوگوں نے جمع کیا ہے لیکن علی نے اسی ترتیب سے جمع کیا تھا جس ترتیب سے نازل ہوا افسوس
کاش کہ وہ قرآن ہمارے پاس ہوتا!

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

(اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ)

کل اہل مذاہب و غیر مذاہب والوں کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ جب حیثیت اجتماعیہ
تمدنیہ و تدینیہ کا شیرازہ بالکل بکھر جائیگا تو اس وقت ایک ریفارمر آنکر انکو درست کریگا اور یہ
امر اب بالکل ظاہر و بدیہی ہو گیا ہے کہ دونوں باتوں کا زوال اور اختلال اپنی حد کمال کو پہنچ
گیا ہے چنانچہ امور سیاست اب بالکل عوام کے ہاتھوں میں آ گیا ہے اور نوخیز نوجوان
ہی عموماً قومی لیڈر بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح شیرازہ دیانت بھی بالکل منتشر اور پریشان ہو چکا
ہے حتی کہ عوام کالانعام ہی یا تسبیح یعنے بانی شریعت و مبلغ دیانت بکثرت بنے ہوئے ہیں۔
اور یہ مسلم ہے کہ جب ایک چیز خواہ وہ زوال ہو یا عروج حد کمال کو پہنچ جاتی ہے تو پھر
اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔؎ چنانچہ جیسے مذاہب عیسوی کے بعد دیانت کا شیرازہ بکھر کر بالکل پریشان

؎ اذا بلغ الشی حدہ انعکس ضدہ۔ جبکہ کسی شی انتہائی حد کو پہنچ جاتی ہے تو ضد مقابل کی صورت میں منعکس ہو جاتی ہے (کسری عفی عنہ)

ہوگیا اور امور دیانت وسیاست بالکل درہم وبرہم ہوگئے۔ فقال عزوجل۔ ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس پس بانی اسلام نے ظہور فرمایا۔ اور نئے سرے سے دین الٰہی کی بنیاد ڈالی اور عالم کو درست کیا۔ اور اسی طرح سے آجکل بھی عالم کا حال ہو رہا چنانچہ جیالوجی کے ماہر قائل ہیں کہ ذرات مادہ میں اب سے نئے سرے سے تغیر پیدا ہونے والا معلوم ہوتا ہے

بہرحال اب ایک مصلح عالم اور منظم تمدن کی ضرورت محسوس ہورہی ہے اور ہر مذہب اور ملت قائل ہے۔ اور دیانت اسلامیہ میں یہ مسئلہ حقیقت مفصل مذکور ہے البتہ اس کے نام میں اختلاف ہے۔ اوصاف میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہمارے یہاں انکا اسم مبارک محمد مہدی صلوات اللہ علیہ ہے جو خلق اور خلق میں اپنے جد امجد رسول اللہ جو سب سے بڑے پیغامبر اور ناموس اکبر یا سید المرسلین ہیں ہونگے۔ اس پر کل مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اسلئے مسلمانوں کے واسطے نہایت ضروری ہے کہ وہ اس جناب کی معرفت بھی حاصل کریں۔ کیونکہ انکی معرفت بغیر مسلمان مسلمان نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ قرآن و حدیث میں ان کی معرفت کی سخت تاکید ہے فقال عزوجل۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے من لم یعرف امام زمانہ مات میتة الجاھلیة ان کی معرفت حاصل کرنے کی تاکید ہے۔ نہ علم بلکہ اگر ان کی نسبت کوئی صرف اتنا علم حاصل کرے کہ وہ جناب موجود ہیں اور ان کا ہونا ضروری ہے تو یہ اس کیلئے کافی نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ معرفت نہیں ہے وہ خلیفۃ اللہ ہیں ولی الامر ہیں۔ ان کی عدم معرفت بے دینی محض ہے۔ خواہ کسی کو توحید کی کتنی ہی معرفت کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ اپنے ولی الامر کی معرفت نہیں رکھتا ہے تو وہ کافر ہے چنانچہ شیطان کی معرفت توحید کے متعلق سوائے انبیاء اوصیاء کے سب سے زیادہ تھی لیکن اس نے بعض ولی الامر کی معرفت نہیں حاصل کی اس واسطے کافر ہوگیا چنانچہ بعض علماء کا قول ہے کہ ھو افضل علماء الموحدین۔

بہرحال جو اپنے امام زمان ولی الامر کی معرفت نہیں حاصل کریگا۔ وہ مشرک ہے کافر ہے منافق ہے کیونکہ شرک چار طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) اول شرک فی الذات۔

(۲) شرک فی الصفات۔

(۳) سوم شرک فی الطاعت۔

(۴) چہارم شرک فی العبادۃ۔

شرک فی الذات تو یہ ہے کہ خداوند عالم کی ذات میں کسی اور کو شریک کرے۔

اور شرک فی الصفات یہ ہے کہ وہ صفات جو لائق خداوند عالم ہیں انکو کسی اور کے لئے بھی جائز قرار دے۔

اور شرک فی الطاعۃ یہ ہے کہ طاعت وامر خدا کے ساتھ کسی اور کی اطاعت کرنے لگے۔

اور شرک فی العبادۃ یہ ہے کہ عبادت خدا چھوڑ کر کسی اور کی پرستش کرے۔ اور ان شرکوں سے شاید ہی کوئی بچا ہو حتی کہ علما بھی اس میں گرفتار تھے اور ہیں۔ چنانچہ زمانہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کچھ علما یہود ونصاریٰ مسلمان ہو گئے اور جب انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول خداوند عالم نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ واتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ۔ تو اس کا کیا مطلب ہے کیونکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ ہم نے کسی اپنے عالم اور زاہد کو اپنا خدا نہیں بنایا تھا۔

پس حضرت ختمی مرتبت نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ تمہارے علما اور زہاد ایسے تھے کہ احلوا حراما وحرموا حلالا واتبعتموھم من حیث لا تشعرون۔ اس لئے جو کچھ خدا ورسول کا امر تھا وہ معطل رہ گیا اور تم نے محض انہیں کی اطاعت کی پس گویا تم نے ان کو اپنا رب من دون اللہ بنایا!

پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے ولی الامر کی معرفت حاصل کرکے محض انہیں کے احکام کی اطاعت کریں۔ ورنہ مشرک ہونگے۔

اور یہ امر کہ ہم ان کی اطاعت کیونکر کر سکتے ہیں کیونکہ وہ تو آجکل ہم سے غائب ہیں پس ان کی نسبت مسلمانوں کو لازم ہے کہ ان لوگوں کے اقوال واعمال کی پیروی کریں۔ جو امام غائب کے پیرو ہیں۔ اور انکا غائب ہونا مشیت خداوند عالم سے ہے اس لئے کہتے ہیں کہ وجودہ رحمۃ وغیبتہ رحمۃ اخرے۔

وجود کا رحمت ہونا تو ظاہر ہے اور غیبت کا رحمت ہونا دوسری رحمت ہے نہیں

بلکہ عین عدل الٰہی ہے کیونکہ جب شیطان غائب ہے اور ہم پر اس کو تصرف حاصل ہے کیسا تصرف کہ یوسوس فی صدور الناس تو اب عدل الٰہی سی بات کا مقتضی ہے کہ کہ ایک وجود ہادی ایسا ہے زبردست غائب موجود ہو جو اس کے وسوسہ سے ہمکو بچائے۔

شیطان کا ہم پر یہ تصرف ہے اول تو یہ کہ وہ اور اس کی ساری جماعت ہم کو دیکھتی ہے اور ہم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ فقال عزوجل۔ هو وجنوده يراكم من حيث لا ترونهم دوم۔ کہ وہ ہمارے دلوں میں وسوسہ پیدا کرتا ہے پس چونکہ خداوندعالم کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے۔ قال عزوجل۔ سبقت رحمته غضبه۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اس کے جنبہ جلال پر اس کا جنبہ جمال غالب اور سابق ہو یعنے اس کی قہاریت پر اس کی رحمانیت غالب ہے۔

اس لئے اس نے اپنے مظہر جمال وکمال کو غائب کردیا ہے تاکہ وہ حجت اللہ وخلیفۃ اللہ ہم کو شیطان لعین کے وسوسوں سے بچائے۔ اسیطرح غائبانہ بچائے اور عدالت کے پلے دونوں طرف برابر رہیں۔

اب رہی یہ بات کہ جب خلیفۃ اللہ کو شیطان لعین پر غلبہ حاصل ہے تو پھر انہوں نے اس لعین کو کیوں مہلت دے رکھی ہے جو وہ ہم کو دھوکا دے رہا ہے۔ کیوں نہیں وہ اپنے تصرف سے اُس کو معدوم وفنا ومغلوب کردیتے؟ پس وجہ اس کی یہ ہے کہ چونکہ خود خداوند عالم نے اس کو ایک خاص مدت تک مہلت دے رکھی ہے۔ اس لئے ولی خدا نے بھی اسکو اس وقت تک مہلت دے رکھی ہے۔ کیونکہ ولی خدا اپنی اور ہماری خواہش سے کوئی کام نہیں کرتے وہ محض اپنے مستخلف کی مشیت اور مرضی کے تابع ہیں۔ جو کچھ خداوندعالم کی مشیت ہوتی ہے اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ فقال عزوجل۔ وما تشاءون الا ان يشاء الله۔

اسی واسطے خداوندعالم ان کے افعال کو اپنا فعل قرار دیتا ہے چنانچہ جب جنگ حنین میں رسول اللہ نے ایک مشت خاک سے کفار کو مارا تو اس کو خداوندعالم نے اپنا فعل قرار دیا۔ فقال عزوجل۔ وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى۔ اور مقام بیعت میں ارشاد فرمایا ہے۔ ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله يد الله فوق ايديهم۔ اسیطرح خداوند نے موت کے متعلق فرمایا ہے کہ فرشتے روح قبض کرتے ہیں۔ فقال عزوجل۔

تتوفھم الملائکۃ۔ حالانکہ حقیقی مارنے والا اور جلانے والا خود خداوند عالم ہے فقال عزوجل یحیی ویمیت وھو علی کل شیئ قدیر وغیرہ۔ بہرحال چونکہ خداوند عالم نے شیطان لعین کو وقت معلوم تک مہلت دے رکھی ہے۔ اس لئے ولی امر متصرف الامور نے بھی اس کو مہلت دے رکھی ہے لیکن چونکہ جنبہ رحمت اس کا اس کے جنبہ غضب پر غلبہ و سبقت رکھتا ہے۔ اس لئے اس کے مظہر جمال و کمال کو اس کے جنبہ غضب پر ہر طرح سے سبقت اور ہر طرح کا تصرف حاصل ہے۔ اسی واسطے شیطان کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔ تنزل الشیاطین علی کل افاک اثیم۔

اور مظہر کمال کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔ تنزل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر۔ پس چونکہ نزول شیاطین سے مخلوق الٰہیہ کے دلوں میں وسوسے پیدا ہو جاتے ہیں خصوصاً جھوٹے او گنہگاروں کے دلوں میں اس لئے ان وسوسوں کو انزال ملائکہ اور روح سے دور کر دیتا ہے۔ فقال عزوجل۔ ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ۔ وقال عزوجل۔ کلا نمد ھؤلاء وھؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا۔ یعنے ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں لیکن ہمارا جنبہ رحمت ہمارے جنبہ قہر و غضب پر سبقت اور غلبہ رکھتا ہے۔

یہاں روح سے مراد فرشتے نہیں ہیں کیونکہ فرشتے عالم ارواح سے نہیں ہیں فرشتے عالم نفوس سے ہیں۔ کیونکہ اجرام ترکیبیہ رکھتے ہیں۔ روح سے مراد قوۃ متصرفہ خداوند عالم ہے جو کل ذرات عوالم کو حاوی اور سب پر مسلط ہے پس جس وجود کو خداوند عالم اپنا متصرف الامور بناتا ہے۔ اس پر اس قوۃ کو نازل فرماتا ہے تاکہ اس قوۃ خداوندی سے وہ ولی متصرف کل عوالم امری و عوالم خلقی و عوالم ملکوت و عوالم نفوس و عوالم کون و فساد پر متصرف کامل ہو جائے۔ اور تصرف چار طرح کا ہوتا ہے تصرف تکوینی تصرف تکلیفی تصرف تدبیری تصرف ربطی۔

پس اس روح کے نزول سے ولی مطلق خداوند عالم کو یہ سارے تصرفات اس کی مخلوقات پر حاصل ہو جاتے ہیں۔ فقال عزوجل۔ یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ۔

لفظ ولی محض ذات واجب الوجود سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے اس

لفظ کو انما کے بعد بیان فرمایا ہے۔ فقال عز وجل۔ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون۔ اور لفظ انما اپنے ماقبل کی نفی مطلق کرتا ہے اور مابعد کیلئے اثبات مطلق اس واسطے جس طرح کی ولایت اور مالکیت ہم پر خداوند عالم کو حاصل ہے۔ اسیطرح ولایت مالکیت اور تصرف بعد رسول اس کے ولی کو ہم پر حاصل ہے۔

اور چونکہ لفظ ولی صفت خاص ذات واجب الوجود ہے اسلئے جب تک ذات واجب الوجود قائم ہے اور رہیگی اس کا ولی بھی ہے اور رہیگا جس طرح ذات واجب الوجود ہر وقت اپنے بندوں کے دلوں میں حائل ہے اسی طرح سے اس کا ولی بھی اس کے بندوں کے دلوں میں حائل ہو کر وسواس شیطانی کو دور کرتا ہے اور چونکہ اول ولی مطلق اس کا محبوب ازلی ہے لیکن وہ اب اس جہان سے تشریف لے گئے اور اس عالم میں ذات واجب الوجود موجود ہے اس لئے اسکا ولی بھی ضرور موجود ہوگا جو رسول کے بعد آیۂ مجیدہ میں مذکور ہوا ہے اور قیامت تک رہیگا جبتک لفظ ولی باقی ہے اس کا ولی بھی باقی ہے۔ اور چونکہ ولی خدا وندعالم کو موجودات عالم پر تصرف کامل حاصل ہے۔ اس لئے مقام تنزل میں ارشاد ہوا ہے۔ تنزل الملائکۃ والروح یعنے پہلے ملائکہ نازل ہوتے ہیں ان کے بعد روح جو کہ ولی مطلق ہے نزول اجلال فرماتا ہے!!! یعنے پہلے ولی مطلق جو کہ روح اعظم ہے اپنے ماتحتوں اور خدمتگاروں کو مقام ادنیٰ میں بھیجتا ہے۔ بعد ازاں اپنی شان جبروتی سے نزول اجلال فرماتا ہے۔

اور جب مقام تعلی اور درجہ علو آئیگا تو سب سے پہلے ولی مطلق روح اعظم اپنے مقام محمود میں قیام فرمائیگا صلے اللہ علیہ آلہ وسلم۔ فقال عز وجل۔ یوم یقوم الروح والملائکہ صفا یعنے اس وقت روح اعظم صلے اللہ علیہ آلہ وسلم صفوف ملائکہ مقربین سے پہلے اپنے مقام محمود پر رونق افروز ہوگا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ چونکہ خدا وندعالم اپنے ولی مطلق سے اپنے امور کو سرانجام دلواتا ہے۔ اس لئے مقام عظمت وجلالت میں بصیغہ جمع ارشاد فرماتا ہے

نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر

ونزلنا من السماء ماء امبارکا فانبتنا بہ حب الحصید۔ وغیرہ

بہرحال ولی مطلق کو شیطان اور کل مخلوقات پر تصرف کلی حاصل ہے۔ اور رہیگا

پس جب مشیت الٰہی ہوگی کہ اس کے دین کو کل ادیان پر جو کہ باطل ہونگے غلبہ حاصل ہو تو ولی مطلق منصرف الامور بھی اپنے غلبۂ الٰہیہ کو استعمال فرمائیں گے۔ اور وہ سیف حیدری جس کو ذوالفقار کہتے ہیں نمایاں ہوگی فیومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ۔ اس دن مومنین نصرت وتائید الٰہی کے کرشمے دیکھکر خوش اور مسرور ہونگے۔

ممکن ہے کہ آجکل کے لوگوں کو آلات حرب جدید مثل ڈریڈناٹ وایروپلین وتوپ تفنگ انواع واقسام سے یہ خیال پیدا ہو کہ جب ان کے ہمراہ محض ایک تلوار ہوگی تو وہ بھلا ان آلات حرب کے مقابلہ میں کیا ٹھہر سکینگے۔

تو ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ چونکہ ولی مطلق کو کل ذرات عوالم پر تصرف کلی حاصل ہے اسلئے جب وہ بصورت غلبہ ظاہر ہونگے تو ان سب چیزوں سے انکے اثرات کو برطرف کردینگے کیونکہ ان سب کا مخزن وہی جناب ہیں۔ اور ہر قوت پران کی قدرت وروحانیت غالب ہوگی اور کوئی چیز انکے مقابلہ میں موثر ثابت نہ ہوگی جس طرح برقی مکان سے برقی روشنی باہر جاتی ہے۔ یعنے پاور ہوس میں برق کا خزانہ ہوتا ہے پس اگر خزانہ سے برق کو نہ چھوڑا جائے تو باہر اس سے کوئی کام نہیں ہوسکتا ہے نہ تو روشنی ہوگی۔ نہ کوئی مشین چل سکیگی سارے تار بیکار ہوجائینگے باقی رہی یہ بات کہ پھر وہ جناب کب ظہور فرمائیں گے؟ پس جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیۂ مجیدہ لیظہرہ علے الدین کلہ کی تفسیر بیان فرمائی تو لوگوں نے اسی طرح سے بے قرار ہوکر پوچھا کہ یہ کب ہوگا؟

فقال صلے اللہ علیہ والہ وسلم. اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ! یعنے یہ امر خداوند عالم کے ارادے سے نکلکر اس کی مشیت میں آچکا ہے اور اس کی مشیت سے نکل کر مقام قدر میں آچکا ہے اور مقام قدر سے نکلکر مقام قضا میں آچکا ہے اور مقام قضا سے نکل کر مقام امضاء میں آچکا ہے۔ اسی واسطے خداوند عالم نے اس امر کو بصیغہ ماضی یعنے اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ بیان فرمایا ہے۔ اللھم صل علے محمد وال محمد۔ اور چونکہ بعد جناب موسیٰ وجناب عیسیٰ علیہما السلام کے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں اس واسطے امت مرحومہ کو انہیں دونوں نبیوں کی امتوں کی مثال دیگر معاملات دینی ودنیوی سمجھائے گئے ہیں۔ فقال عزوجل. وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا. فاذا جاء وعد اولھما بعثنا علیکم عبادا

لنا اولی باس شدید۔ فجاسوا خلل الدیار وکان وعدا مفعولا پس پہلا فساد تو خاندان نبوت میں ہوا ہے کہ ان کی آل واولاد کو تہ تیغ کیا گیا ہے اور دوسرا فساد ان کے دین میں ہوا ہے کہ ہر شخص ہدایت کا مدعی ہو گیا ہے اور ان کے دین کے مٹانے کے در پے ہے لیکن واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

فقال عز وجل۔ یسوا وجوھکم یعنے اے بنی اسرائیل جب دوسرا وعدہ فتح پروردگار آئیگا تو تم مبہوت ہو جاؤ گے اور وہ ہمارے عباد اسیطرح خانہ خدا میں فتح مبین کے ساتھ داخل ہینگے۔ کما دخلوا اول مرۃ۔ جس طرح پہلے داخل ہوئے تھے اور یہ وعدہ پروردگار پورا ہوا ہو اسمجھو کیونکہ مقام ارادہ و مشیت و قدر و قضا و امضا سے گذر چکا ہے۔ اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ۔

غرض اسی امام کی بابت پروردگار عالمین ارشاد فرماتا ہے:۔

یوم ندعوا کل اناس بامامھم۔ یعنے ہم روز قیامت ہر شخص کو اس کے زمانہ کے امام کے ہمراہ بلائیں گے۔ یعنے بغیر امام کے قیامت قائم نہیں ہو سکتی جب تک امام میدان محشر میں تشریف نہیں لائیں گے قیامت برپا نہیں ہو سکیگی پس امام وہ ہیں جن کے بغیر قیامت بھی قائم نہیں ہو سکتی جس طرح سے کہ دنیا کا قیام بھی اس کے وجود بغیر نہیں ہو سکتا ہے۔ ارشاد باری ہے کہ اگر ہم بعض وجودوں کی خاطر تمہارے اعمال قبیحہ سے درگذر نہ کرتے تو مساجد اور معابد سب خراب و تباہ ہو جاتے یعنے تم میں سے کوئی متنفس نہ باقی رہتا جو ان میں عبادت کرنے کیلئے جاتا۔ وہ اب کون سے وجود ہیں جن کے وسیلہ سے خدا آفات کو دور کرتا ہے۔ امام زمان ہے جو برکات کے نزول کا باعث ہے۔ یعنے پہلے برکات سماوی اس پر نازل ہوتی ہیں پھر وہاں سے بندگان خدا میں تقسیم ہوتی ہیں۔ لوگوں نے امام کے سمجھنے میں حقیقۃً غلطی کی ہے۔ امام وہ نہیں ہے جو مسجد میں نمازیں پڑھاتا ہے۔ امام زمان وہ ہے جو تدبیر عوالم کرتا ہے۔ مربی عالم اور رب الارض ہے۔ اس کا صرف یہی کام نہیں کہ مسائل فقہیہ بیان کرے۔ یہ معمولی مسائل فقہیہ تو ایک چند صفحے کی کتاب میں لکھے ہوئے تمام جہان کو ہمیشہ کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ اسیطرح امام مسجد کے متعلق مشہور ہے کہ صلوا خلف کل بر و فاجر۔ یعنے ہر متقی و فاسق فاجر مسجد میں کھڑا ہو کر نماز پڑھا سکتا ہے۔ پس امام زمان اس غرض کے واسطے نہیں ہے کہ ظاہر ہو کر ہمکو صرف فقہ کے مسائل تعلیم کریگا۔ یا ہمیں نماز پڑھائیگا۔ وہ دین حق کو قائم کرنے

کے واسطے ظہور فرمائیں گے۔ امام زمانہ وہ امام ہیں جن کی شان میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاہلیۃ۔ یعنے جو کوئی اپنے امام زمانہ کی معرفت نہیں حاصل کرتا اور مرجاتا ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ اس کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا خواہ اس نے ہزار حج کئے ہوں اور ہمیشہ روزہ رکھے ہوں۔ زکوٰۃ دی ہو پنجگانہ نمازیں نہایت خضوع اور خشوع سے ادا کی ہوں جس طرح ایک مشرک جاہلیت کے زمانہ میں مرتا تھا اور اس کے نامہ اعمال میں کوئی نیکی نہیں ہوتی تھی اسیطرح جو شخص اپنے امام زمانہ کی معرفت نہیں حاصل کرتا اس کے اعمال حسنہ باطل ہوجاتے ہیں۔ امام کا مرتبہ قرآن سے معلوم کرو۔ کہ وہ کون ہوسکتا ہے۔ جب جناب ابراہیم علیہ السلام کا پورا پورا امتحان ہوچکا تب خداوند عالم نے فرمایا۔ انی جاعلك للناس اماما۔ پس امامت وہ مرتبہ ہے کہ انبیاء اولوالعزم کا امتحان ہونے کے بعد انکو عطا ہوتا ہے۔ پس جناب ابراہیمؑ امام تھے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم امام تھے اور بعد رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علیؑ بن ابی طالب امام تھے اور انکے بعد حسنؑ مجتبیٰ اور انکے بعد حسینؑ شہید کربلا امام تھے۔ پھر ان کی اولاد۔ اور اب آجکل ہمارے زمانے کے امام جناب محمد مہدی صلوات اللہ وسلامہ علیہ ہیں۔ اس حدیث شریف میں دیکھنے کی تاکید نہیں فرمائی ہے محض معرفت کی تاکید فرمائی ہے۔ کیونکہ معرفت ایک ایسی چیز ہے۔ جس کو رویت کی ضرورت نہیں ہے یعنے بغیر رویت کے معرفت حاصل ہوسکتی ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ رویت تو حاصل ہوجاتی ہے لیکن معرفت نہیں حاصل ہوتی۔ چنانچہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی نسبت منقول ہے کہ جب وہ بعد وفات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں پہنچے تو حضرت عمر نے انسے بطور افسوس فرمایا کہ افسوس ہے آپکو رسول کی زیارت نہیں ہوئی پس حضرت اویس نے فرمایا کہ اسکا کچھ مضائقہ نہیں مجھے ان کی معرفت حاصل ہے پس اویس نے حضرت کا حلیہ مبارک پوچھا تو حضرت عمر نہ بیان کر سکے پس حضرت اویس نے اول سے لیکر آخر تک حضرت کا حلیہ شریف بیان کیا۔ آپ جناب یوسفؑ کو دیکھیں کہ وہ کس قدر حسین وجمیل تھے لیکن انکو کل تین شخصوں نے پہچانا۔ یعنے ان کی معرفت حاصل کی۔ اول تو جناب یعقوبؑ جنہوں نے ان کے فراق میں اپنی آنکھیں سفید کرلیں۔ وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم۔ دوسرے زلیخا نے کہ اپنا مال اور جوانی کو قربان کردیا تیسرے وہ

عورتیں جنہوں نے جمال باکمال کو دیکھکر اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں وقلن حاش للہ ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم۔ یعنے حاش للہ یہ تو آدمی نہیں ہے بلکہ فرشتہ ہے۔

بہر حال معرفت کو رویت پر ترجیح ہے۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ طوبیٰ لمن یرانی وسبع مراتٍ لمن لا یرانی یعنے ایک مرتبہ طوبیٰ اور خوشخبری ہے اس شخص کے واسطے جس نے مجھے دیکھا ہے اور سات مرتبہ طوبے اور خوشخبری ہے اس شخص کے واسطے جس نے مجھے نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا ہے۔

اور اسی واسطے خداوند عالم نے اپنی کتاب میں سب سے پہلے انہیں مومنوں کی تعریف کی ہے جو بغیر دیکھے ایمان لائے ہیں۔ ھدی للمتقین الذین یومنون بالغیب بہر حال امام زمان کا ظاہر طور پر دیکھنا چنداں ضروری نہیں ہے۔ جس قدر کہ ان کی معرفت ضروری ہے! چنانچہ خلاق عالم کا ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس کی معرفت ضروری ہے پہلے زمانہ میں امام زمانہ کی معرفت ہر شخص کو حاصل تھی حتی کہ دیہات کی عورتوں کو بھی امام زمانہ کی معرفت حاصل تھی لیکن جب امامت کا جھگڑا بہت طول پکڑ گیا تو لوگ بے معرفت ہو گئے۔ چنانچہ کتاب دو تیری اپنی کتاب امامت میں لکھتے ہیں جو ابھی مصر میں چھپی ہے کہ اپنے زمانہ خلافت میں حضرت عمر لباس بدلکر راتوں کو اپنی رعیت کی خبر گیری کیا کرتے تھے جیسا کہ بعض بیدار مغز بادشاہ کیا کرتے ہیں پس ایک رات کو ایک بستی میں سے گذر رہے تھے کہ انکے کانوں میں ایک جھونپڑی سے گفتگو کی آواز آئی۔ آپ اس کے قریب گئے تو معلوم ہوا کہ ماں اور اس کی بیٹی آپس میں اپنے افلاس کی باتیں کر رہی ہیں پس بیٹی نے کہا کہ ای ماں آج ہم پر تیسرا فاقہ ہے اور معلوم نہیں کہ کب ہم اس سے نجات پائیں گے۔ اس واسطے بہتر ہوگا کہ ہم خلیفہ رسول کی خدمت میں چلیں اور اپنا حال بیان کریں تاکہ وہ ہمارے واسطے کوئی سبیل کریں۔ یہ سنکر ماں نے تعجب سے اپنی بیٹی کو خطاب کیا کہ اری تو بالغ ہو گئی ہے اور تجھے اب تک اپنے امام کی معرفت نہیں حاصل ہوئی۔ خلیفہ رسول وہ ہے جو مشارق و مغارب کے حالات سے واقف ہے۔ اگر اس کو یہ نہیں معلوم کہ مخلوقات الہی کی کیا حالت ہے تو وہ خلیفۃ الرسول خلیفۃ اللہ نہیں ہے۔ یہ خداوند عالم کی رحمت اور عدالت ہے کہ اس نے ہمارے امام کو غائب کر دیا ہے جبکہ شیطان غائب ہم کو دھوکا دیتا ہے تاکہ امام غائب اس کے وسوسہ کو ہم سے دور کرتے رہیں پس ہم ایک نے بردست غائب دشمن رکھتے ہیں اور ایک اس

سے بھی زبردست غائب دوست رکھتے ہیں جو صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

رویت حضرت صاحب العصر والزمانؑ کی تین طرح کی ہے۔ اول سب سے اخص۔ دوم خاص۔ سوم عام۔ پس اخص وہ رویت تھی جبکہ حضرت پیدا ہوئے تھے اور سوائے گھروالوں کے اور کوئی حضرت سے نہیں مل سکتا تھا!

اور رویت خاص آجکل ہے کہ خاص خاص لوگوں سے حضرت ملتے رہتے ہیں۔ اور رویت عام وہ ہوگی جبکہ حضرت ظہور عام فرمائیں گے۔

کچھ دنوں تک سوائے فرقہ شیعہ اور صوفیہ کرام کے لوگوں کا یہ خیال رہا ہے کہ ابھی حضرت مہدی پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں لیکن اب چونکہ زمانہ ظہور قریب آتا جاتا ہے اس واسطے اب تقریباً سب کا اتفاق ہوگیا ہے کہ وہ جناب پیدا ہوچکے ہیں اب ظہور فرمائیں گے۔ چنانچہ صحرائے افریقہ میں فرقہ سنوسیہ سے لیکر ہندوستان اور چین وغیرہ سارے جہان کے مسلمانوں کا اب اعتقاد ہے کہ وہ جناب پیدا ہو چکے ہیں۔ اب ظہور فرمائیں گے۔

حضرتؑ کے وجود کا انکار کل انبیاء اوصیاء کے وجود کے انکار کو مستلزم ہے حتّٰی کہ خداوند عالم کے وجود کے انکار کو بھی مستلزم ہے۔ کیونکہ وہ جناب کل انبیاء اوصیاء کے خون ناحق کا بدلہ لینگے اور سب کا حساب کتاب انہیں کے ہاتھ پر ہوگا۔ قال عزوجل۔ واشرقت الارض بنور ربها ووضع الکتاب وجآء بالنبیین والشھداء وقضی بینھم بالحق وھم لا یظلمون. ووفیت کل نفس ما عملت وھو اعلم بما یفعلون. یعنے زمانہ ظہور میں ساری زمین اپنے رب کے نور سے مشرق انوار ہو جائیگی زبان عرب میں ہر مربی کو رب کہتے ہیں نہ صرف پروردگار کو۔ چنانچہ جناب یوسفؑ اس قیدی سے جو آپ سے خواب کی تاویل پوچھنے آیا تھا فرماتے ہیں۔ واذکرنی عند ربک یعنے اے شخص اپنے رب (عزیز مصر) کے پاس میرا ذکر بھی کردینا پس یہاں عزیز مصر کو رب کہا گیا ہے۔ جو محض زمین مصر کا مالک اور مربی تھا۔

اور اس دن کتاب رکھی جائیگی اور انبیاء اور شہداء علیہم السلام کو طلب کیا جائیگا اور اُن کے دشمنوں اور ظالموں سے انکا بدلہ لیا جائیگا اور بالکل درست اور صحیح اور حق فیصلہ ہوگا۔ اسطرح سے کہ کسی پر ظلم نہیں ہوگا اور ہر نفس کو جیسا کہ اس نے عمل کیا ہے پورا عوض دیا جائیگا اور وہ رب الارض لوگوں کے افعال اور اعمال سے خوب واقف ہے۔

علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ذرا مومنین اس مقام کو خوب غور سے سمجھیں۔ ایک یوم الانصاف ہے اور ایک یوم الدین پس زمانہ رجعت تو یوم الانصاف ہے اور روز قیامت یوم الدین ہے یعنی محض بدلہ دینے کا دن پس بروز قیامت صرف یہ کام ہوگا کہ القیا فی جہنم کل کفار عنید یعنے کفار کو پکڑ پکڑ کر جہنم میں ڈالتے جائیں گے۔ اور مومنین کو جنت میں داخل کرتے جائیں گے اسدن حساب کتاب نہیں کرینگے کیونکہ وہ دن محض بدلہ دینے کا ہے نہ حساب کتاب کا حساب کتاب تو زمانہ رجعت میں ہوگا۔ چنانچہ آیہ مجیدہ اس مطلب کو خوب واضح کردیتی ہے۔ ان الذین کفروا ینادون لمقت اللہ اکبر من مقتکم انفسکم اذ تدعون الی الایمان فتکفرون قالوا ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا فھل الی خروج من سبیل۔ یعنے جب یوم الدین روز جزا کفار کو حکم ہوگا۔ کہ اب بباعث اپنے کینہ کے جہنم کا رستہ لو۔ تو وہ نہایت عاجزی سے کہینگے کہ اے پروردگار۔ تونے ہمکو دو مرتبہ مارا اور دو مرتبہ زندہ کیا پس کیا اب اس بڑے عذاب سے کوئی بچنے کا رستہ ہے پس ارشاد ہوگا نہیں یعنے بغیر ان کا حساب وکتاب لئے اُن کو جہنم میں جانیکا حکم ہوگا۔ کیونکہ زمانہ رجعت میں انکا حساب وکتاب ہوچکا ہے جس کی نسبت وہ اقرار کرتے ہیں کہ تونے ہم کو دو مرتبہ مارا اور دو مرتبہ زندہ کیا ہے اور اب یہ تیسری مرتبہ ہے جو ہم کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس چونکہ وہ جہنم میں جانے سے رکینگے پس ارشاد ہوگا۔ القیا فی جہنم کل کفار عنید۔ یعنے اے دو شخصو یعنے اے محمد و علی ان سب کافروں کو جہنم میں ڈالدو یہ آپ سے نہیں جائینگے۔

یعرف المجرمون بسیماھم فیوخذ بالنواصی والاقدام۔ پس ہمارے امام زمانہ وہ امام ہیں کہ جن کے ہاتھ پر مخلوقات کا حساب کتاب ہوگا علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اورانہیں کے ہاتھ پر کل علامات الہیہ ظاہر ہونگے اور وہی جناب کل انبیا اور اوصیاء کے دشمنوں سے انکا بدلہ لینگے اور کل مظلوموں کا ظالم اول اور ظالم آخر اور ظالم اوسط سے انتقام لینگے۔ فقال عز وجل انا من المجرمین منتقمون یعنے ہم اپنے ولی امر سے صرف وعظ ونصیحت کا کام نہیں لینگے بلکہ ہم توان کے ہاتھ سے ظالمونکا بدلہ لینگے۔ کیونکہ وہ دن محض انتقام کا ہوگا نہ وعظ ونصیحت کا۔ اُس دن محض تلوار فیصلہ کریگی۔ چنانچہ یہی مضمون بعینہ کتاب یسعیاہ نبی کے ترین باب میں مذکور ہے وہاں سے دیکھ لو۔

اسلئے اب اگر کوئی شخص اس بنا پر مہدویت کا دعوے کرے کہ وہ علم وعمل اور مناظرہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تو وہ اس دعوے سے مہدی نہیں ہو سکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بڑھکر کوئی علم وعمل ومناظرہ میں نہیں ہو سکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ وجادلھم بالتی ھی احسن یعنی رسول تو انسے اچھے طریق سے مناظرہ کریں بدیہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کل اقوام سے بوجہ احسن مناظرہ کیا لیکن پھر بھی دین خدا کو غلبہ نہیں حاصل ہوا اور امیر المومنین باب مدینۃ العلم نے علوم کے دریا بہا دیئے لیکن بہت کم لوگوں نے اس سے فائدہ حاصل کیا اور جناب امام حسن نے صلح سے کام لیا لیکن اصل فائدہ نہیں ہوا اور جناب امام حسین ؑ نے بھوکے اور پیاسے رہ کر دشت کربلا میں اپنی جان تک دیدی لیکن پھر بھی اسلام کو غلبہ کلی نہیں ہوا۔ جناب امام زین العابدین نے انتہا درجہ کا صبر دکھلایا لیکن اس پر یہ فائدہ نہیں مرتب ہوا اور جناب امام محمد باقر ؑ نے علم کے خزانوں کو آشکارا کر دیا تو بھی اسلام کو غلبہ نہیں ہوا۔ امام جعفر صادق ؑ نے صداقت کے منتہائی جوہر دکھلائے لیکن کچھ نہ ہوا۔ جناب امام رضا ؑ نے رضا کا جوہر دکھایا پھر بھی کچھ نہیں ہوا۔ اور جناب امام موسیٰ کاظم نے اپنے ضبط کا جوہر بھی دکھلایا پھر بھی کچھ نہ ہوا اور جناب امام محمد تقی نے اپنی پرہیزگاری اور تقا کو بھی کام فرمایا تو بھی کچھ نہ ہوا۔ اور جناب امام علی نقی نے اپنی نقاوت اور نجابت کو بھی کام فرمایا تو بھی کچھ نہ ہوا اور جناب امام حسن عسکری ؑ نے اپنا آسمانی لشکر روحانی بھی دکھلایا تو بھی اسلام کو غلبہ نہیں ہوا۔

پس اب اگر کوئی شخص ان اوصاف کا اپنے آپ میں ادعا کرے تو اول تو وہ کاذب محض ہو گا۔ کیونکہ انبیاء اوصیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بڑھکر کسی کے اخلاق اور اوصاف نہیں ہو سکتے اور ثانیاً یہ کہ ان تمام اوصاف کے جامع لوگ بھی تو اسلام کو غلبہ دینے سے عاجز رہ گئے ہیں پس ان اوصاف کے بھروسے پر مہدویت کا دعوے بالکل لغو اور ابلہ فریبی ہے۔ جناب مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تو یہ کام ہو گا کہ ذو الفقار کو ہاتھ میں لیکر مومن اور مشرک کو علیحدہ کر دینگے اور بس نہ تو کسی سے مناظرہ کرینگے اور نہ وعظ و نصیحت فرمائیں گے۔ کیونکہ یہ سارے کام ان کے آباؤ اجداد نے بوجہ احسن کر دکھلائے ہیں جس سے مقصد اصلی پورے طور پر حاصل نہیں ہوا۔ پس مہدی وہ ہے جو ہاتھ میں ذو الفقار لیکر مشرق سے مغرب تک توحید کو قائم کرے۔ نہ وہ جو مناظرہ کر کے لوگوں پر توحید کو پیش کرے۔ وقاتلوھم حتےٰ لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ۔

ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم
قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ ومن یقترف
حسنۃ نزد لہ فیہا حسنا۔

خداوند عالم کو جو اس کے بندوں پر رحمت اور شفقت ہے وہ ظاہر ہے کہ اس نے اپنے اوپر رحم کرنا واجب کرلیا ہے کتب ربکم علیٰ نفسہ الرحمۃ (انعام) پس باعث اس لطف و رحمت کے خداوند عالم نے ان چیزوں کو جو تقرب الی اللہ تک پہنچاتی ہیں اور نیز ان کے اسباب کو بندوں پر واجب کردیا ہے۔ اور اس لطف و رحمت کی نشانیاں مختلف ہیں جن میں سے ایک تو اوپر بیان ہوچکی ہے اور دوسری آیہ مجیدہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ ہے۔

اور جب خداوند عالم پر لطف و رحمت واجب ہے تو اس کا طریقہ بتلانا بھی واجب ہی تاکہ لوگ اس طریقہ پر چل کر مورد رحمت الٰہی ہوں۔

اور جب خداوند عالم نے اس راہ کی تعلیم فرمادی ہے تو اب اس پر چلنا نہ چلنا بندوں کا اختیار ہے کیونکہ جب بندہ اس راہ پر چلیگا تو گویا خود اس کی رحمت کی طرف جارہا ہے۔ اور جب نہ چلیگا تو گویا خود اس کی رحمت سے بھاگ رہا ہے! پس اس راہ پر نہ چلنا بندوں کا قصور ہے کہ وہ خود اس کی رحمت سے دور رہنا چاہتے ہیں!!!

پس چونکہ خداوند عالم پر لطف و رحمت واجب تھی۔ اس لئے اُس نے انبیاء اوصیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ اور اسی واسطے ہر نبی اپنی امت سے یہی کہتا رہا ہے کہ ہم اپنی رہنمائی پر تم سے کچھ اجرت نہیں چاہتے کیونکہ یہ خداوند عالم کی طرف سے تم پر عین لطف و رحمت ہے۔ جناب نوح فرماتے ہیں۔ ویقوم لا اسئلکم علیہ مالا ان اجری الا علی اللہ۔ اور جناب ہودؑ فرماتے ہیں۔ یقوم لا اسئلکم علیہ اجرا ان اجری الا علی الذی فطرنی اور جناب صالحؑ فرماتے ہیں۔ وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العلمین

اور دوسرے مقام پر سورہ شعرا میں جناب ہودؑ فرماتے ہیں۔ وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین۔ اور جناب لوطؑ فرماتے ہیں۔ وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین۔ اور جناب شعیبؑ فرماتے ہیں۔ انی لکم رسول امین فاتقوا واطیعون وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العلمین

اور جب وہ لطف اور رحمت پروردگار عالم درجہ کمال پر پہنچی یعنے جب نبوت جزئی ختم ہوئی اور نبوت کلی کا وقت آیا تو فرمایا۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین پس اس درجہ میں فرماتا ہے۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا مودۃ فی القربیٰ پس ظاہر ہے کہ اس آیہ مجیدہ میں بمقابلہ اجر رسالت کے ایک چیز طلب کی ہے۔ اور پہلے نبیوں کی رسالت کا اجر بندوں سے نہیں چاہا گیا ہے لیکن ختم المرسلین سید الاولین والآخرین کی رسالت کا اجر چاہا گیا ہے۔ پس اس آیہ مجیدہ میں جو شے بندوں سے طلب کی گئی ہے۔ اس کی نسبت مفسرین میں اختلاف ہی کہ وہ کیا شے ہے جو خداوند عالم نے ختم المرسلین کی رسالت کے اجر میں بندوں سے چاہی ہی

پس زمخشری کا قول ہے کہ الا المودۃ میں جو الا واقع ہے وہ حرف استثنار ہی اور استثنار کی دو قسمیں ہیں۔ استثنار متصل اور استثنا منقطع اور استثنار متصل وہ ہے جس کو ماقبل سے اتصال ہو اور منقطع وہ ہے جس کو ماقبل سے کچھ تعلق نہ ہو پس اس آیت میں حرف الا استثنار منقطع ہے جس کو اس کے ماقبل سے کچھ تعلق نہیں یعنے آیہ مجیدہ محض اسی جگہ تمام ہو گئی ہے کہ اے رسول ان سے کہدے کہ میں تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا اور بس اور اس کے بعد سے دوسرا مضمون شروع ہوا ہے یعنے اور تم لوگ اپنے اپنے قریبیوں کو دوست رکھو اور ان کی مودت اختیار کرو۔ گویا یہ دوسری آیت ہے اس کو اس کے ماقبل سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اس واسطے مودۃ القربیٰ کا یہ مطلب ہے کہ تم خود اپنے اپنے اقربار کی دوستی پیدا کر لو۔ اور ان کو دوست رکھو لیکن اس استثنار منقطع کو دوسری آیت مانع ہے یعنے قل ما سئلتکم من اجر فھو لکم یعنے جو کچھ میں تم سے اجر رسالت مانگتا ہوں اس کا فائدہ محض تمہارے ہی لئے ہے نہ مجھے۔ پس ظاہر ہے کہ یہ آیہ مجیدہ زمخشری کے استثنا منقطع کی سخت مخالف ہے۔ اب زمخشری صاحب تو موجود نہیں ہیں۔ شاید ان کی طرف سے کوئی صاحب یہ جواب دینا چاہیں کہ جب نبیؐ نے ہمارے ہی فائدے کے واسطے ہم سے اجر طلب کیا ہے تو یقیناً وہ ہمارے ہی قریبیوں کی مودۃ ہے نہ دوسرے کی۔ پس اس صورت

میں استثناء بھی متصل ہوگیا اور معنے میں ظاہراً درست ہوجائیں گے۔ کہ تم اپنے اسے قریبیوں سے محبت کرو۔ میری رسالت کا یہی اجر ہے!

پس پہلا اعتراض تو اس شخص پر یہ ہوگا کہ آیا یہ مودت تمہارے قریبیوں کی تقرب الی اللہ کیلئے شرط ہے یا شطر (یعنے جزء) کیونکہ امر وجوب خداوند عالم دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا عین تقرب ہے یا سبب تقرب ہے۔ یعنے شطر ہے یا شرط ہے؛ پس اگر آپ ان دونوں میں سے کوئی شق اختیار کرتے ہیں تو وہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے ان دونوں کی قرآن مجید میں نفی کی ہے۔ حیث قال عز من قائلہ. وما اموالکم ولا اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفی۔ اور فرمایا ہے۔ لن ینفعکم ارحامکم ولا اولادکم عند نا زلفی. پس اب ظاہر ہوگیا کہ نہ تو ہمارے قریبیوں کی مودۃ عین تقرب ہے۔ اور نہ سبب تقرب ہے۔ بلکہ اگر قرآن مجید میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ خداوند عالم نے ہمارے بعض قریبیوں کی مودت سے ہم کو منع کردیا ہے۔ قال عزوجل. یا ایہا الذین آمنوا ان من ازواجکم واولادکم عدواً لکم فاحذروھم۔ (تغابن ۴)

انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔

اور دوسرا اعتراض یہ ہوگا کہ نبوت کلی کی تبلیغ کا اجر کیا محض یہی ہوسکتا ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے قریبیوں کو دوست رکھے جو محض تحصیل حاصل ہے کیونکہ ہر شخص قدرتی طور سے اپنے اپنے اقربا کو دوست رکھتا ہے سبحان اللہ ختم المرسلین کی رسالت کا اجر بھی قرار دیا تو محض ایک فضول شے۔

پس اب اس تقریر سے صاف ظاہر ہوگیا۔ کہ استثناء متصل ہے اور مودۃ القربیٰ سے مودۃ اقربا رسول مراد ہے نہ اور کسی کی۔ اب یہ سوال ہوسکتا ہے کہ پھر نبی کے اقربار کی مودۃ سے ہم کو کیا فائدہ ہوگا اس کا فائدہ تو نبی کو پہنچیگا پس اس کے کیا معنے ہونگے کہ ما سئلتکم من اجر فھو لکم۔ کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح سے دیگر انبیاء علیہم السلام نے اپنے واسطے خدا سے اجر مانگا ہے۔ اسیطرح سے رسول اللہ نے بھی ہم سے اپنے ہی واسطے مانگا ہے نہ ہمارے واسطے اس کا جواب یہ ہے کہ اقربار رسول کی مودۃ عین تقرب الی اللہ کا باعث ہے۔ اس واسطے اس کا فائدہ محض ہمارے ہی واسطے ہے۔ اس لئے رسول اللہ کا اجر مانگنا محض ہمارے ہی واسطے تھا۔ اور دیگر انبیار کا انکے واسطے تھا پس یہ رسول اللہ کے رحمت للعالمین ہونے کا ثبوت ہے اور انکی

ہم پر عین رحمت ہے کہ اُنھوں نے اپنی رسالت کا اجر ہمارے ہی فائدہ کے واسطے مانگا ہی۔
مخالفین کی طرف سے یہ اعتراض بھی ہوسکتا ہے۔ کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرکین مکہ نے جو ان کے اپنے رشتہ دار تھے بہت تنگ کرنا شروع کیا۔ تو حضرت نے اُن سے فرمایا کہ بھائیو! اے قریشیو! تم میرے رشتہ دار ہو تم اس مودۃ القربےٰ کو تو نہ چھوڑو۔ میں تم سے بھی معمولی دوستی چاہتا ہوں اور بس۔ لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربےٰ (چنانچہ یہ اعتراض اثنا ر وعظ میں ایک صاحب نے کیا تھا)۔
(پس اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا تھا) اول اس طرح سے کہ اس سوال پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب نبوت جزئی کا اجر خدا سے طلب کیا گیا ہے۔ تو نبوت کلی کا اجر کفار مشرکین سے کیوں طلب کیا جائیگا کیا خدا انہیں دے سکتا تھا۔ دوم اسطرح سے کہ ہر پیغمبر کو خداوند عالم نے اس کی قوم میں سے مبعوث فرمایا ہے اور ان کی قوم سے اُنکو بظاہر ایسی ایسی اذیتیں پہنچی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بظاہر ویسی تکلیفیں ان کی قوم سے نہیں پہنچی ہیں لیکن اُن پیغمبروں نے کبھی اپنی قوم سے یہ نہیں کہا کہ تم ہم کو اذیت مت دو۔ ہماری قرابت کا خیال رکھو اور کیونکہ کہتے یہ تو شان نبوت کے برخلاف ہے کہ اذیت دینے سے قوم کو منع کرے اور واسطہ دے! پس جب دیگر انبیاء نے واسطہ نہیں دیا ہے تو ختم المرسلین کیونکر اس کے روادار ہونگے! نیز یہ کہ اجر منکرین و مخالفین سے کیا مل سکتا ہے! اجر کی امید ان لوگوں سے ہوسکتی ہے جو موافق ہوتے ہیں اور جن کے ساتھ احسان کیا گیا ہے پس یہ اجر ان لوگوں سے مانگا گیا ہے جنکے واسطے حضرت نے تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کی ہیں یعنے مومنین سے نہ مشرکین سے کیونکہ مومنین کو رسول اللہ نے وادیٔ ظلمت سے میدان نور وہدایت میں پہنچایا ہے پس ظاہر ہے کہ مشرکین سے اجر مانگنا کہ کم سے کم تم میری قرابت کی رعایت اور بس صریح البطلان ہے پس یہ ہے رحمت واسعہ و شفقت کاملہ کہ بندوں کو ہدایت فرمائی اور اُنہیں کے فائدے کے واسطے اس ہدایت کرنے کا اجر چاہا۔ چنانچہ دوسری آیت اس کی واضح دلیل ہے۔ قل ما اسئلکم علیہ من اجر الا من شاء ان یتخذ الی ربہ سبیلا۔ یعنے اے نبی ان سے کہدے کہ جو خدا تک پہنچنا چاہتا ہے اور اس کا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ ذوی القربےٰ سے مودۃ رکھے! اور اس بات کے واسطے کہ مودۃ القربےٰ سے مراد خاص اہلبیت علیہم السلام کی مودۃ ہے۔ آیۂ مندرجہ ذیل بین دلیل ہے۔ ان الذین

اٰمنوا وعملوا الصلحٰت سیجعل لھم الرحمٰن وُدًّا . یعنے جو لوگ ایمان لائے اور کل صالحات کو بجالائے ان کے واسطے خداوند عالم مودۃ کو قرار دیگا یعنے ان کی مودۃ لوگوں پر واجب کریگا اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ جس قدر قرآن مجید میں یا ایھا الذین آیا ہے ان سب مقاموں میں سب مومنوں سے پہلے امیرالمومنین مراد ہیں کیونکہ سب سے پہلے رسول اللہ پر علی ابن ابی طالب ایمان لائے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ کل صالحات کو سوائے ائمہ علیہم السلام کے اور کوئی نہیں بجالایا ہے۔ اس لئے مودۃ القربےٰ سے خاص اہل بیت علیہم السلام کی مودۃ مراد ہے نہ دوسرے کی۔ پس یہی لوگ سبیل تقرب الی اللہ ہیں۔ اسی لئے دعاؤں میں وارد ہوا ہے وانتم السبیل الاعظم والصراط الاقوم۔ قال عزمن قائل ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولاتتبعوا السُبُل فتفرق بکم عن سبیلہ پس ظاہر ہے کہ خدا تک پہنچنے کا راستہ محض ایک ہے نہ مختلف اور وہ راستہ طریقۂ رسول ہے اور ان کے بعد مودۃ القربےٰ کا راستہ ہے پس اگر کوئی شخص انکا رستہ چھوڑ کر اور رستوں میں چلیگا تو وہ خدا کے رستے سے دور ہوجائیگا۔ وذالک ھو الضلال المبین۔

بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ جب اصحاب انصار نے حضرت کی خدمت میں اپنی ہدایت کی عوض میں بہت سا مال اور اسباب پیش کیا تو آیۂ مجیدہ نازل ہوئی۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ اور اس کے بعد فرمایا کہ پروردگار عالم جزا دینے والا ہے۔ آیہ مجیدہ میں خداوند عالم نے قربیٰ کو مودۃ کا ظرف قرار دیا ہے۔ پس اس کے یہ معنے ہوئے کہ مودۃ قربیٰ میں منحصر ہے۔ یعنے سوائے اہل بیت کے اور کسی سے مودہ نہیں ہونی چاہیئے۔ اور دوسری جگہ مودہ کی کون سی ہے؟ اس کو آیہ مجیدہ مندرجہ ذیل میں بیان فرمایا ہے۔ ومن ایاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذالک لاٰیٰت لقوم یتفکرون۔ یعنے دیکھو تمہاری بی بی کو تمہاری جنس سے خلق فرمایا ہے اور تمہارے اور اس کے مابین مودۃ پیدا کی ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ اپنے ناموس کی مودۃ اور محبت میں انسان مال اور جان سے گذر جاتا ہے۔ اور حالانکہ اس مودۃ کو خداوند عالم نے انسان پر واجب نہیں کیا ہے پس کم از کم مودۃ القربےٰ میں بھی انسان کو یہی بات مدنظر رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ اس کو خداوند عالم نے اس پر واجب کردیا ہے۔ تب مودۃ ثابت ہوگی ورنہ زبانی دعوے ہوگا۔ چنانچہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے کل مسلمانوں سے انہیں الفاظ سے بیعت لی ہے کہ تم کو نبی کی دوستی اور مودۃ میں مال وجان سے ہرگز دریغ نہ کرنا ہوگا۔ پس انہوں نے بسر وچشم قبول کیا تھا۔ اور کر کے دکھلا دیا۔

پس یہ سوال مودۃ القربےٰ کا کل مسلمانوں کی طرف ہے۔ کیونکہ یہی مودہ سبیل الی اللہ ہے۔ اور ہر چیز جو معرفت الٰہی کیلئے درکار ہے۔ ان سب کا حصول اہل بیت کی مودۃ پر منحصر ہے۔ کیونکہ یہی لوگ بعد نبی کے حامل علوم نبی ہیں اور بعد نبی کے ان کے احکام کے پہنچانے والے ہیں چنانچہ آیۂ مجیدہ مندرجہ ذیل ہیں۔ قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی وقل اوحی الی ھذا القران لانذرکم بہ ومن بلغ سے یہی ائمہ مراد ہیں جو بعد رسول کے حامل علوم نبی اور اس کی تبلیغ کرنے والے ہیں اور جن لوگوں کو ان سے کامل مودۃ اور محبت ہے انکو بھی اس قدر علوم حاصل ہیں اور اتنا فیض پہنچا ہے۔ کہ عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ اگر میرے شتر کی عقال صحرا میں گم ہوجائے تو میں اہل بیت کے طفیل سے اسے بھی قرآن سے پیدا کرلونگا کیونکہ میں نے باب مدینۃ العلم سے علم قرآن حاصل کیا ہے۔ دیکھو اقربا رسول کے گھروں کی لونڈیوں کو قرآن کا کیسا علم حاصل تھا کہ جناب فضہ کنیز جناب فاطمہ زہرا صدیقہ کبرےٰ نے بعد وفات اپنی بی بی کے جب تک زندہ رہیں سوائے آیات قرآنیہ کے اور کسی جملے سے تکلم ہی نہیں کیا۔ اپنے ہر طرح کے مقصد اور مطلب کو محض آیات قرآن سے ظاہر فرماتی تھیں۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ امیر المومنین باب مدینہ سید المرسلین کی اپنے پیروں اور تابعداروں کیلئے یہ تاکید تھی کہ سوائے قرآن کے اور کسی چیز کو اپنا ہادی اور پیشوا نہ بنائیں اور اپنی اولاد اور اتباع کو حکم دیا ہوا تھا کہ سب کے سب قرآن کو حفظ کریں۔ چنانچہ اس جناب سے منقول ہے کہ فرماتے تھے اعلموا ان ھذا القران ھو الناصح الذی لا یغش والھادی الذی لا یضل والمحدث الذی لا یکذب وما جالس ھذا القران احد الا قام عنہ بزیادۃ او نقصان زیادۃ من ھدی ونقصان من عمی۔ واعلموا انہ شفیع مشفع وقائل مصدق من شفع لہ القران یوم القیمۃ شفع فیہ ؂[1]

ابو القاسم قشیری نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں ایک سال حج کرنے کے لئے گیا پس راہ میں قافلہ سے رہ گیا اور ایک عورت کو دیکھا کہ تنہا صحرا میں بیٹھی ہوئی ہے میں

[1] بحث تحریف وان اوصاف قرآنی کی تحقیق کیواسطے ہمارا مصحف ناطق ضرور مطالعہ کرنا چاہئے (سرسوی)

اُس کے نزدیک گیا اور اس سے پوچھا کہ تو کون ہے ؟ تو اس نے یہ آیت پڑھی۔ قل سلام فسوف تعلمون۔ پس میں نے سلام کیا اور پوچھا کہ تو جنی ہے یا انسی تو یہ آیت پڑھی۔ ولقد کرمنا بنی آدم وحملنا ھم فی البر والبحر۔ پس میں نے پوچھا کہ یہاں کس طرح بیٹھی ہو تو یہ آیت پڑھی۔ ومن یضلل اللہ فلا ھادی لہ۔ پس میں نے عرض کیا کہ کہاں جانے کا قصد ہے تو یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وللہ علی الناس حج البیت۔ پس میں نے عرض کیا کہ کہاں سے تشریف لا رہی ہیں تو یہ آیت تلاوت فرمائی۔ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ تو میں نے سمجھ لیا کہ بیت المقدس سے آ رہی ہیں پس میں نے عرض کیا کہ اگر آپ کچھ کھانا چاہیں تو میں حاضر کر دوں تو یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وما جعلنا ھم جسدا لا یاکلون الطعام اور جب کھانا کھا لیا تو میں نے اپنا اونٹ آہستہ آہستہ چلایا اور کہا کہ آپ بھی ذرا سرعت سے چلیں ہم ابھی قافلہ میں پہنچ جائیں گے تو یہ آیت پڑھی۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا پس میں نے عرض کیا کہ پھر آپ میرے پیچھے اونٹ پر سوار ہو جائیں تو یہ آیت پڑھی۔ لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا۔ پس میں نے اپنے اونٹ کو بٹھلایا اور اس کی عقال باندھ دی اور اپنا زانو ٹیکا۔ اور عرض کیا کہ آپ میرے زانو پر پاؤں رکھکر اس اونٹ پر سوار ہو جائیں۔ میں پیادہ چلونگا پس یہ آیت تلاوت فرمائی۔ والذین ھم لفروجھم حفظون الا علی ازواجھم وما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین پس میں نے سمجھ لیا کہ یہ بی بی میرے زانو پر پاؤں رکھکر نہیں چڑھنا چاہتی پس میں متحیر ہو کر دور جا کھڑا ہوا پس اس بی بی نے اپنی زبان مبارک سے کچھ فرمایا جس کو میں نے نہیں سمجھا پس میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جوان برق جہندہ کی طرح سے آیا اور اس کو سوار کر گیا پس یہ آیت پڑھی۔ سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین پس میں نے شتر کی مہار پکڑ لی اور جلدی جلدی چلنے لگا اور بآواز بلند حدی پڑھنے لگا تاکہ جلدی کہیں قافلہ میں پہنچیں پس اس بی بی نے یہ آیت پڑھی۔ واقصد فی مشیک واغضض من صوتک ان انکر الاصوات لصوت الحمیر۔ پس میں نے سمجھا کہ آہستہ چلنے کو فرماتی ہیں اور حدی کو آہستہ پڑھنے کو کہتی ہیں پس میں آہستہ آہستہ چلنے لگا اور حدی کو زمزمہ کے طور پر شروع کیا پس یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فاقرؤا ما تیسر لکم من القران۔ یعنے جب قرآن خدا کا کلام موجود ہے تو اشعار عرب کی کیا ضرورت ہے پس جب ہم قافلے کے نزدیک پہنچے تو میں نے عرض کیا کہ کیا آپ کا کوئی اس قافلہ میں ہے ؟ تو یہ آیت تلاوت فرمائی۔ المال والبنون زینۃ الحیوۃ الدنیا۔ پس میں نے سمجھ لیا کہ لڑکے ہیں۔

پس میں نے انکانام پوچھا تو یہ آیتیں پڑھیں۔ یا داؤدانا جعلناک خلیفۃ فی الارض یا یحیی خذ الکتاب بقوۃ ویا موسی انی انا اللہ وما محمد الا رسول میں نے سمجھ لیا کہ یہ سب ان کے لڑکوں کے نام ہیں پس میں نے جب یہ نام لیکر پکارا تو قافلہ میں سے چار جوان آئے اور اُس بی بی کو اونٹ پر سے اُتارا پس اس نے اپنے لڑکوں کی طرف اشارہ کرکے یہ آیت پڑھی۔ یا ابت استاجرہ انہ خیر من استاجرت القوی الامین میں نے سمجھ لیا کہ فرماتی ہیں کہ اس شخص کو اُجرت دیدو پس وہ جوان میرے واسطے کچھ مال متاع اور خرما لائے پس اس بی بی نے یہ آیت تلاوت فرمائی واللہ یضاعف لمن یشاء پس میں نے ان جوانوں سے دریافت کیا کہ یہ کون بی بی ہے جو سوائے آیات قرآن کے اور کچھ زبان پر لاتی ہی نہیں ! تو انہوں نے کہا کہ ھذہ امنا فضۃ جاریۃ الزھرا ماتکلمت منذ عشرین سنۃ الا بالقرآن پس میں متحیر ہو کر جناب فضہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ اے بی بی وہ کون بزرگوار تھا جس نے اس صحرا میں آپکو آکر سوار کیا تھا ؟ پس جناب فضہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وانہ فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم پس میں نے سمجھا کہ وہ جناب علی ابن ابیطالب علیہ السلام تھے جنہوں نے اس صحرا میں آکر اپنی لونڈی کو ناقہ پر سوار فرمایا تھا اور نامحرم کی نظر سے بچایا تھا ! اب میں عرض کرتا ہوں کہ یا علیؑ آپنے اپنی لونڈی کو تو اس صحرا میں آکر سوار فرمایا اور نامحرم کی نظر سے بچایا لیکن دشت کربلا میں آپ کہاں تھے کہ اپنی بیٹیوں کو نہیں سوار کیا جب شقیا امت اقربا رسول کو اسیر کرکے شہر شام میں لیگئے تو اس مقام پر انکو کھڑا کیا جہاں بردہ فروشی ہوتی تھی پس ایک شخص نے ان اسیروں کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ اے شخص تو نے آیہ مودۃ کو بھی پڑھا ہے تو اس نے کہا کہ ہاں وہ تو اہل بیت رسول کی شان میں ہے۔ نہیں اُس سے کیا مطلب ہے تو حضرت نے اویس سے فرمایا کہ وہ اقربا رسول ہم ہی ہیں۔ الا لعنۃ اللہ علی القوم الظلمین۔ وسیعلم الذین ظلموا ال محمد ای منقلب ینقلبون۔

ہر فرقہ اسلام کا ناجی ہونے کا مدعی ہے اور ہر ایک متمسک بالقرآن ہے ! تو اب ہم یہ فیصلہ قرآن ہی پر چھوڑتے ہیں کہ وہ کس فرقہ کو ناجی بتلاتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ قرآن مجید فرقان حمید میں اول سے آخر تک جنت کا وعدہ متقیوں کے واسطے کیا گیا ہے۔ مثل الجنۃ التی وعد المتقون۔ ان للمتقین عند ربھم جنت نعیم۔ ولنعم دار المتقین جنت عدن یدخلونھا تجری من تحتھا الانھار لھم فیھا مایشاءون کذلک یجزی اللہ المتقین۔ ان المتقین

فی جنت ونعیم فاکھین بما اتھم ربھم ووقھم ربھم عذاب الجحیم۔ وازلفت الجنۃ للمتقین غیر بعید۔ ان المتقین فی جنت وعیون اخذین ما اتھم ربھم انھم کانوا قبل ذالک محسنین۔ کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون۔ وبالاسحار ھم یستغفرون۔ وفی اموالھم حق للسائل والمحروم۔ یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وامنوا برسولہ یوتکم کفلین من رحمتہ ویجعل لکم نورا تمشون بہ ویغفر لکم واللہ غفور رحیم۔ واعلموا ان اللہ مع المتقین۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ متقی ہی ناجی ہیں تو اب اتقا اور متقین کے معیار کا معلوم کرنا ضروری ہوا کہ کن عملوں سے متقی کہلا سکتے ہیں پس اوصاف متقین بھی خود قرآن مجید میں موجود ہیں وہ بھی ایک جگہ نہیں بلکہ مختلف آیات میں صراحت کے ساتھ دو تین اٹھارہ مقام پر مذکور ہیں اور اول مرتبہ اتقا کے بظاہر دس درجے ہیں۔ لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب۔ ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتب والنبین واتی المال علی حبہ ذوی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل وفی الرقاب واقام الصلوۃ واتی الزکوۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصابرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون۔

اول اللہ پر ایمان لانا۔ دوم قیامت پر ایمان لانا۔ سوم فرشتوں پر ایمان لانا۔ چہارم کتب سماویہ پر ایمان لانا۔ پنجم انبیاء پر ایمان لانا۔ ششم مال دنیا باوجود اسکی حاجت کے۔ ذوی القربی کو یتیمی کو مساکین کو۔ مسافرین کو۔ سائلین کو اور بنی نوع انسان کی مخلصی میں۔ ہفتم اقامۃ صلوۃ۔ ہشتم ایتار زکوۃ۔ نہم وعدہ وفائی۔ دہم صبر کرنا باساء وضراء اور جہاد میں پس جس میں یہہ دس اوصاف پائے جاتے ہیں یعنے جو لوگ ان دسوں اوصاف سے متصف ہیں وہی لوگ صدیق اور متقی ہیں!

پس چونکہ اس آیۃ مجیدہ میں اوصاف متبعین میں سے ایمان کے بعد انفاق مذکور ہے۔ اس لئے کچھ اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے انشاء اللہ لیکن چونکہ الصلوۃ عماد الدین ہے۔ اگر یہ قبول ہوئی تو سب کچھ مقبول ہے ورنہ کچھ فائدہ نہ بخشیگا۔ اسلئے کم سے کم اقامۃ صلوۃ کے معنے معلوم ہوجانے چاہئیں پس اقامۃ صلوۃ کے معنے محض نماز پڑھ لینا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے حدود واقعیہ

کے ساتھ بجالانا مراد ہے اور ساتھ یہ بھی ہے کہ لوگوں کو بھی اس پر قائم کرے۔ نہ یہ کہ خود پڑھکر فارغ ہو گیا اور بس چاہے کوئی اور مسلمان پڑھے یا نہ پڑھے نہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس پر قائم کرے۔ کیونکہ باب افعال متعدی فعل ہے نہ لازمی اسیواسطے جہاں صرف نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ وہاں لازمی فعل مستعمل ہوا ہے۔ واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ۔ الذین ھم علے صلوتھم دائمون پس ظاہر ہے کہ ان آیتوں میں اتیان بالصلوۃ مراد ہے۔ نہ اقامۃ صلوٰۃ۔

پس انفاق کے بھی کئی درجے ہیں اول بظاہر کسی کو راہ خدا میں دینا۔ دوسرے پوشیدہ راہ خدا میں دینا۔ والذین صبروا ابتغاء وجہ ربھم واقاموا الصلوٰۃ وانفقوا مما رزقنٰھم سراً وعلانیۃ ویدرؤن بالحسنۃ السیئۃ اولئک لھم عقبی الدار۔

تیسرے فراخی اور تنگی میں راہ خدا میں خوشی سے خرچ کرنا ہے۔ وینفقون فی السراء والضراء یعنے فراخی اور تنگی میں یکساں طور پر اطمینان قلب کے ساتھ انفاق کرتے ہیں انکی دونوں حالتوں میں بالکل فرق نہیں ہے۔ یعنے جس طرح وسعت کے زمانہ میں میل قلب کے ساتھ انفاق کرتے تھے اسی طرح قلت کے زمانہ میں بھی کرتے ہیں (اس آیت کے سارے لفظوں کی تشریح فرمائی تھی)

چوتھے اپنے رزق میں سے انفاق کرنا۔ الٓمٓ۔ ذالک الکتٰب لاریب فیہ ھدی للمتقین الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم ینفقون۔ پس جو انفاق پہلے مذکور ہوا ہے یہ انفاق اس سے بڑھکر ہے۔ وہاں محض انفاق تھا اور یہاں فرمایا ہے کہ یا تقی انفاق کرتے ہیں یعنے اپنے رزق میں سے انفاق کرتے ہیں مما رزقنٰھم ینفقون اور رزق کے معنے اس قوت لایموت کے ہیں جس سے قوام بدن ہوتا ہے یعنے جس پر انسان کی حیٰوۃ کا مدار ہے مثلاً کسی شخص کے پاس ایک ہی روٹی ہو تو وہ ساری انفاق کرے۔ اور ایک انفاق اعطا ہے اور ایک ایثار ہے۔

پس اعطا اس انفاق کو کہتے ہیں جس میں معطی کیطرف سے احسان جتایا جاتا ہے گویا معطی اپنا مال اپنے پاس سے اسکو دیتا ہے۔ اور ایثار اس انفاق کو کہتے ہیں کہ جسمیں معطی نے گویا اسکا مال اسکو دیدیا ہے یعنے بغیر منت و احسان کے اسطرح راہ خدا میں دیدے گویا وہ مال اس شخص کا تھا جسے راہ خدا میں دیا گیا ہے کیونکہ ایثار کے معنے محض دیدینے کے ہیں نہ عطا و بخشش کرنے کے۔ گویا اسکا مال اسکو واپس کر دیا ہے۔

اور متقین کے اوصاف میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ نہایت سختی اور شدت کے وقت اور جہاد میں صبر بھی کریں الصابرون فی البأساء والضراء وحین البأس۔ یعنے متقین باساء اور ضراء میں صبر کرتے ہیں باس کے یہ معنے ہیں کہ اسکو اسبات کا خوف نہ ہو کہ راہ خدا میں اسکا بدن ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائیگا پس اس

حالتیں بھی صبر کیے پس آیہ مجیدہ ان سب رجوں اور صفوں پر حاوی ہی بلکہ اس آیہ مجیدہ مذکورہ بالا میں انفاق مال کیساتھ حب مال کی قید بھی لگی ہوئی ہی یعنے واتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ الخ۔ یعنے ایتار مال میں متقی کے واسطے یہ بھی شرط ہے کہ وہ اس مال کو دوست بھی رکھتا ہو۔

اب متقی کیواسطے ہدایت کی بھی ضرورت ہے جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہی۔ الٓمٓ ذالک الکتاب لا ریب فیہ ھدی للمتقین۔ اب سوال یہ ہی کہ قرآن نے کیا ہدایت کی ہی جو ھدی للمتقین ہوا۔ پس دوسرے مقام میں ارشاد ہوا ہی کہ یھدی للتی ھی اقوم یعنے قرآن مجید اپنے سے محکم تر کی طرف ہدایت کرتا ہی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن صامت ہے پس اگر کوئی محض قرآن حفظ کرلے تو وہ متقی اور ہدایت یافتہ نہیں ہوسکتا اسیطرح اگر اپنے گلے میں ڈالے رہے تو بھی متقی نہیں ہوسکتا۔ پس ان حالتوں میں ظاہر ہی کہ قرآن کچھ ہدایت نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اپنے سے محکم تر کی طرف ہدایت کرتا ہے جنکی پیروی پر نجات منحصر ہے پس ظاہر ہے کہ قرآن مجید فرقان حمید نے خود ایک ناطق امام اور ہادی کی ضرورت بتلائی ہی۔ پس جب متقین کی صفتیں یہ ہیں جو بیان ہوئیں تو امام المتقین کیسا ہونا چاہئے پس ظاہر ہی کہ امام المتقین نبی ہوسکتا ہی یا اسکا وصی اور وصی ختم المرسلین یعسوب الدین فرماتے ہیں وجعلنا للمتقین اماماً ای پروردگار ہمکو متقین کا امام بنا نہ غیر متقین کا۔ اب امام المتقین کون ہیں پس وہ امام المتقین وہ ہیں جنکی شان میں خداوند عالم نے فرمایا ہی ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا۔ اب مسلمان خود فیصلہ کرلیں کہ سورہ ھل اتی کس کی شان میں نازل ہوئی ہی پس تمام مفسرین و مورخین کا اتفاق ہی کہ یہ آیہ علی بن ابیطالب ع امام المتقین سید الوصیین کی شان مبارک میں نازل ہوئی ہی اور اسمیں جناب فاطمہ زہرا صدیقہ کبریٰ اور انکے دونوں بیٹے حسن اور حسین بھی شریک ہیں اور نیز انکی لونڈی جناب فضہ بھی شریک ہیں کیونکہ یہ لوگ تین روز تک برابر انفاق کرتے رہے اور نہ صرف تین روز تک بھوکے رہے بلکہ روزہ بھی تھا اور حضرت امیرالمومنین نے کہ جوان آدمی تھے اور اپنی طاقت پر بھروسا کرکے اپنی قوت لایموت مسکین و یتیم و اسیر کو دیدی بلکہ سات اور چھہ سال کے بچوں نے بھی اپنی خوشی سے اپنا قوت ایثار کردیا یعنے حسنین علیہما السلام نے خود عرض کیا کہ ہمارا حصہ بھی دیدیجئے اور جو مال انفاق کیا گیا تھا وہ اپنا مال نہ تھا بلکہ قرض لیا ہوا تھا پس اس تنگی کی حالت میں جو مال اپنی قوت کی خاطر قرضہ لیا گیا تھا وہ بخوشی انفاق کیا گیا۔ پس یہ ہیں امام المتقین اور باساء اور ضراء اور حین الباس میں ان بزرگواروں نے وہ صبر فرمایا ہی کہ قیامت تک یادگار رہیگا جس کا مداح خود خداوند عالم ہے۔ لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار۔

از سنانش ھل اتی آمد پدید   از سنانش لافتیٰ آمد پدید

حالتمیں بھی صبر کرے پس آیہ مجیدہ ان سب درجوں اور صفوں پر حاوی ہے بلکہ اس آیہ مجیدہ مذکورہ بالا میں انفاق مال کیساتھ حب مال کی قید بھی لگی ہوئی ہے یعنے واتی المال علی حبہ ذوی القربےٰ الخ۔ یعنے ایتار مال میں متقی کے واسطے یہ بھی شرط ہے کہ وہ اس مال کو دوست بھی رکھتا ہو۔

اب متقی کیواسطے ہدایت کی بھی ضرورت ہے جیساکہ خداوندعالم فرماتا ہے۔ الٓمٓ ذٰالک الکتاب لا ریب فیہ ھدًے للمتقین۔ اب سوال یہ ہے کہ قرآن نے کیا ہدایت کی ہے جو ھدًے للمتقین ہوا۔ پس دوسرے مقام میں ارشاد ہوا ہے کہ یھدی للتی ھی اقوم یعنے قرآن مجید اپنے سے محکم تر کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن صامت ہے پس اگر کوئی محض قرآن حفظ کرلے تو وہ متقی اور ہدایت یافتہ نہیں ہوسکتا اسیطرح اگر اپنے گلے میں ڈالے رہے تو بھی متقی نہیں ہوسکتا۔ پس ان حالتوں میں ظاہر ہے کہ قرآن کچھ ہدایت نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اپنے سے محکم تر کی طرف ہدایت کرتا ہے جنکی پیروی پر نجات منحصر ہے پس ظاہر ہے کہ قرآن مجید فرقان حمید نے خود ایک ناطق امام اور ہادی کی ضرورت بتلائی ہے۔ پس جب متقین کی صفتیں یہ ہیں جو بیان ہوئیں تو امام المتقین کیسا ہونا چاہئے پس ظاہر ہے کہ امام المتقین نبی ہوسکتا ہے یا اسکا وصی اور وصی ختم المرسلین یعسوب الدین فرماتے ہیں وجعلنا للمتقین اماماً اے پروردگار ہمکو متقین کا امام بنا نہ غیر متقین کا۔ اب امام المتقین کون ہیں پس وہ امام المتقین وہ ہیں جنکی شان میں خداوندعالم نے فرمایا ہے ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا۔ اب مسلمان خود فیصلہ کرلیں کہ سورہ ھل اتی کس کی شانمیں نازل ہوئی ہے؟ پس تمام مفسرین و مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ آیہ علی بن ابیطالب ع امام المتقین سید الوصیین کی شان مبارک میں نازل ہوئی ہے اور اسمیں جناب فاطمہ زہرا صدیقہ کبریٰ اور انکے دونوں بیٹے حسن اور حسین بھی شریک ہیں اور نیز انکی لونڈی جناب فضہ بھی شریک ہیں کیونکہ یہ لوگ تین روز تک برابر انفاق کرتے رہے اور نہ صرف تین روز تک بھوکے رہے بلکہ روزہ بھی تھا اور حضرت امیرالمومنین نے کہ جوان آدمی تھے اور اپنی طاقت پر بھروسا کرکے اپنی قوت لایموت مسکین و یتیم و اسیر کو دیدی بلکہ سات اور چھ سال کے بچوں نے بھی اپنی خوشی سے اپنا قوت ایثار رزق دیدیا یعنے حسنین علیہما السلام نے خود عرض کیا کہ ہمارا حصہ بھی دیدیجئے اور جو مال انفاق کیا گیا تھا وہ اپنا مال نہ تھا بلکہ قرض لیا ہوا تھا پس اس تنگی کی حالتمیں جو مال اپنی قوت کی خاطر قرضہ لیا گیا تھا وہ بخوشی انفاق کیا گیا۔ پس یہ ہیں امام المتقین اور باسا اور ضرا اور حین الباس میں ان بزرگوار نے وہ صبر فرمایا ہے کہ قیامت تک یادگار رہیگا جس کا مداح خود خداوندعالم ہے۔ لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار۔

ازسنانش ھل اتی آمد پدید ازسنانش لافتیٰ آمد پدید

جواہر ریزے
دفتر البرہان کی معارف آموز بے نظیر لاجواب اور نادر کتابیں

۱۔ **پیغام توحید**۔ ایک گرانقدر مضمون جو تحقیق مذاہب کی کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا۔ رسالہ کی صورت میں طبع کرا دیا ہے۔ جو اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ قیمت ۱۰ ر۔ محصولڈاک ۲ ر +

۲۔ **میزان حق** حقیقۃً اسم با مسمی رسالہ معیار صداقت و حقانیت و میزان حقیقت و حقیت ہے۔ قیمت ۱۲ ر صرف چند نسخے وجود ہیں۔ محصولڈاک ۲ ر +

۳۔ **خلافت الٰہیہ**۔ ہر سہ حصص قیمت ۱۲ اپنی مقبولیت و شہرت کے لحاظ سے ہر قسم کی تعریف و توصیف سے مستغنی ہے۔ تینوں حصوں کی قیمت ۳ ۔ محصولڈاک حصہ اول ۲ ر۔ دوم ۲ ر۔ سوم ۶ ر +

۴۔ **البدر التمام** تحقیقات ہیئت کا بہترین ذخیرہ حضرات معصومین کی حقانیت و صداقت اور انکے علم ماکان وما یکون کے اثبات کی حجت بالغہ۔ مترجمہ حضرت مولنا سید محمد ہارون مرحوم قدس سرہ۔ قیمت ۱۲ر محصولڈاک ۴ ر +

۵۔ **تحفۃ الاتقیا** عصمت و طہارت انبیا علیہم السلام کے ثبوت اور رد مخالفین میں سید مرتضیٰ علم الہدیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور عالم کتاب کا بہترین اُردو ترجمہ معہ حواشی جناب سرپرست مدظلہ۔ قیمت ۱۲ر۔ محصولڈاک ۲ ر +

۶۔ **سحر مبین فی اوصاف المعصومین**۔ حضرات چہاردہ معصومین کے فضائل و مناقب میں جناب مولوی معنوی کا بہترین کلام۔ قیمت ۸ ر۔ محصولڈاک ۲ ر +

۷۔ **نور العین فی جواز البکا علی الحسین**۔ جناب زبدۃ العارفین مولنا محسن علی صاحب سبزواری مرحوم کی ہدایت آموز تصنیف۔ ذاکرین کیلئے نادر تحفہ قیمت ۵ ر۔ محصولڈاک ۱ ر +

۸۔ **شاہ یثرب**۔ شہید اعظم امام حسین علیہ السلام کی منظوم سوانحعمری۔ مجالس ماتم کی زینت اپنے طرز کی بالکل نئی چیز ہے۔ قیمت ۱۲ر۔ محصولڈاک ۲ ر +

۹۔ **آئینۂ قادیان**۔ جناب آنریبل خواجہ غلام الثقلین مرحوم کا ایک محققانہ مضمون جناب مولوی غلام الحسنین صاحب مرحوم کے بیش بہا حواشی سے مزین۔ قیمت ۶ ر۔ محصولڈاک ۲ ر +

۱۰۔ **ہلال محرم**۔ حضرت واسطی بنوڑی کے قلم بلاغت رقم سے نکلا ہوا معرکہ کربلا کا ٹریجک سین۔ اور اس کے ہیرو کی محیر العقول روحانیت کا خاکہ۔ قیمت صرف ۴ ر۔ محصولڈاک ۱ ر +

۱۱۔ **رسالہ تقلید** مسائل ضروریہ فقہ کا مجموعہ۔ کم علم اصحاب کیلئے سبق آموز تحفہ قیمت صرف ۴ ر۔ محصولڈاک ۱ ر +

۱۲۔ **الدر الفرائد فی احسن العقائد** صحیح ترین اعتقادات کا مجموعہ۔ قیمت ۱ ر۔ محصولڈاک ۱ ر +

۱۳۔ صحیفہ رضویہ۔ مامون الرشید کی فرمائش پر جناب امام ثامنؑ نے یہ رسالہ تحریر فرمایا۔ ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے دیکھنے کی چیز ہے۔ قیمت ۱ر۔ محصولڈاک ۱ر +

۱۴۔ نصاب تعلیم دینیات۔ یہ سلسلہ تدریجی تعلیم اطفال کے اصول کے مطابق باحسن اسلوب ترتیب دیا گیا ہے۔ جس سے بچے تھوڑے ہی عرصہ میں معلومات مذہبی میں کافی استعداد بہم پہنچا لیتے ہیں۔ لڑکے لڑکیوں دونوں کیلئے یکساں مفید ہے۔ اور عام فہم ہے بعض مدارس دینیہ کے نصاب میں داخل ہے۔ بعض حصص چند مرتبہ طبع ہو چکے ہیں۔ اصولی نقطہ نظر سے اس سے بہتر سلسلہ دینیات میں موجود نہیں ہے اور جو اس کے بعد وجود میں آئے ہیں وہ بھی معنی نصاب سے خالی ہیں۔ حصہ اول کی قیمت ۳ر۔ دوم ۳ر۔ حصہ سوم ۴ر۔ حصہ چہارم ۶ر۔ محصولڈاک حصہ اول ۱ر دوم ۱ر سوم ۱ر چہارم ۱ر +

۱۵۔ طریقۃ الصلوٰۃ معہ ترجمۃ الصلوٰۃ۔ جملہ واجب و سنتی نماز کو حاوی۔ نہایت سلیس اور آسان عبارت میں تالیف کیا گیا ہے۔ متعدد بار طبع ہو چکا ہے۔ قیمت صرف ۴ر۔ محصولڈاک ۱ر +

۱۶۔ مصحف ناطق۔ عرف حسبنا کتاب اللہ۔ مقولہ معروفہ حسبنا کتاب اللہ کی بہترین تفسیر۔ پہلے حصے مقبول خاص و عام ہو چکے ہیں۔ تیسرا حصہ تیار ہے۔ قیمت قسم اول عہ۔ قسم دوم ۱۲ر۔ محصول ۳ر +

۱۷۔ کوکب دری فی فضائل علی۔ صوفی محمد صالح کشفی کی بے نظیر تصنیف معہ تتمہ و مقدمہ جناب سر سیت مدظلہ زیور طبع سے آراستہ ہو گئی ہے۔ قیمت قسم اول ۱۴ر۔ قسم دوم ۱۲ر۔ محصول ۶ر +

۱۸۔ نص خلافت۔ حصہ اول۔ جو ناظرین رسالہ میں ملاحظہ فرماتے رہے ہیں۔ اس کے ایک سو نسخے شائقین اور طالبان تحقیق کی خاطر علیحدہ بھی طبع کرائے گئے ہیں۔ قیمت ۸ر محصولڈاک ۱ر +

۱۹۔ السر المکتوم فی عقد ام کلثوم۔ جناب الفقیہ العالم مولوی انشار اللہ صاحب چشتی بدایونی کا لاجواب مقالہ۔ تاریخی شہادات و اسناد سے ثابت کیا ہے کہ حضرت ام کلثوم بنت علی کی تزویج حضرت عمر کیساتھ ایک لغو بے اصل روایت ہے قیمت ۲ر۔

۲۰۔ دینی کہانیاں۔ ناظرین البرہان دینی کہانیوں کے دو حصوں سے تعارف حاصل کر چکے ہیں۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت خاتم تک اور حضرت خاتم سے لیکر حضرت صاحب العصر تک کے دلچسپ و روحانیت بخش روحانی قصے اب انہیں کہانیوں کے دو حصے اور بھی تیار ہو گئے یعنی تیسرا حصہ حالات سلاطین بنی امیہ اور چوتھا حصہ حالات سلاطین بنی عباس۔ مومنین کرام جلد سے جلد ان تحفوں کو طلب فرما کر تیرہ سو سالہ تاریخ اسلامی کی گھر بیٹھے سیر کریں۔ یہ قصص بھی جناب مولانا سید ظفر حسن صاحب امروہوی کی تصنیف ہیں۔ اور شمیم بکڈپو مراد آباد نے شائع کئے ہیں قیمت حصہ اول ۱۲ر۔ دوم ۱۲ر۔ سوم ۱۲ر۔ چہارم عہ +

باقی کتب زیر طبع ہیں انتظار فرمائیں

ملنے کا پتہ: **مینجر رسالہ البرہان۔ محلہ سیداں لودھیانہ**